سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اُردو شمارہ ۱۱۳

تذکرۂ اُردو مخطوطات

جلد اوّل

یعنی

کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اُردو کے صرف دو سو پچھتر (۲۷۵) اُردو مخطوطات
کا تفصیلی تذکرہ

مرتبہ

سید محی الدین قادری زور

معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

حیدرآباد دکن

۱۳۶۲ھ

بار اول — ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

قیمت — پانچ روپے

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

ملنے کا پتہ
سب رس کتاب گھر۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

تذکرۂ اُردو مخطوطات ادارۂ ادبیات اُردو جلد اول

فہرست مندرجات

نوسرہار اشرف ۔ تصنیف سنہ ۹۰۹ھ
اُردو کی قدیم ترین مثنوی ۔ دیکھو صفحہ ۱۷

دیوان ولی ۔ تصنیف قبل سنہ ۱۱۵۰ھ
کتابت سنہ ۱۱۵۶ھ ۔ دیکھو صفحہ ۶۲

ارشاد نامہ شاہ برہان الدین جانم - تصنیف سنہ ۹۹۰ھ
قطب شاہی عہد کا نسخہ - دیکھو صفحہ ۱۹

معراج نامہ سید بلاقی - تصنیف سنہ ۱۰۸۰ھ
قطب شاہی عہد کا نسخہ - دیکھو صفحہ ۲۷

فہرست مخطوطات بلحاظ موضوع

(۱) علوم قرآن و حدیث

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۲۲۶	تفسیر سورۂ اذا جاء	؟	قبل ۱۱۵۰	۲۷۴
۶۰	حاشیۂ متن درپن	آنگاہ	۱۲۰۶/۱۲۰۹	۹۶
۸۹	״	״	״	۱۱۱
۲۳۳	ترجمۂ چہل حدیث	؟	قبل ۱۲۲۲	۲۸۰

(۲) فقہ

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۹	فقہ ہندی	عبدی	۱۰۷۴	۲۶
۱۱	ہدایات ہندی	ضعیفی	۱۱۰۱	۲۸
۱۳	״	״	״	۳۳
۱۷۱	ہدایت المومنین	؟	قبل ۱۱۰۰	۲۰۲
۴۸	توشۂ عاقبت	منور بیگم	״ ۱۱۱۷	۷۵
۲۱۹	مرات المصلی	؟	۱۱۷۵	۲۶۲
۱۱۷	کفایت الاسلام	؟	قبل ۱۲۰۰	۱۵۲
۱۲۴	رسالۂ احوال میت	شمس الدین	۱۲۰۰	۱۵۹
۱۸۲	تحقیقت الصلوٰۃ	سید محمود علی	۱۲۳۰	۲۲۰
۱۲۱	دین دیپک	محمد علی شاہ افضت	قبل ۱۲۴۲	۱۵۵
۱۳۱	ترتیب النکاح	شمس الدین	۱۲۵۰	۱۶۸
۱۳۲	ترتیب نماز	״	״	۱۶۸
۱۸۰	چہار کرسی	اشرف الدین	قریب ۱۲۵۰	۲۱۷
۱۳۹	کشف الخلاصہ	شجاع الدین	۱۲۶۲	۱۶۴
۲۶۷	״	״	״	۳۲۵
۱۸۷	کشف الحاجۃ	نور الدین	״	۲۲۷

(۳) تصوف

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحہ
۲	ارشاد نامہ	برہان الدین جانم	۹۹۰	۱۹
۲۷	کلمۃ الحقایق	״	״ قریب ״	۵۳
۴۲	چکی نامہ	خواجہ بندہ نواز	قبل ۸۲۵ھ	۶۸
۳۸	״ ״ عرفان	میراں جی خدانما	״ ۱۰۷۰	۹۴
۲۸	مقصود ابتدائی	؟	״ ۱۰۰۰	۵۴
۲۰۹	رسالہ وجودیہ	میراں جی خدانما	״ ۱۰۷۰	۲۵۰
۲۷۱	شمائل الاتقیا	میراں یعقوب	״ ۱۰۷۸	۳۲۹

۲۵۷	گلزار السالکین	عابد شاہ	قبل ۱۰۹۲	۳۱۳
۲۱۸	ورد الاسرار	مرید سلطان	″ ۱۱۰۰	۲۶۱
۱۰۰	″	″	″ ″	۲۰۱
۱۱۲	گنج مخفی	منظم	″ ″	۱۴۸
۱۱۴	چکی نامہ	فاروقی	″ ″	۱۵۰
۲۰۱	مثنوی علی	علی	″ ″	۲۴۳
۲۰۷	مناظرہ عقل و عشق	؟	″ ″	۲۴۸
۲۱۰	وصل نامہ	مرتضیٰ	″ ″	۲۵۱
۱۴	کسب محویت	صدر الدین	″ ۸۷۶	۹۹
۲۵۹	کسب عروج	″	″ ″	۳۱۵
۲۹	من لگن	بحری	۱۱۱۳	۵۵
۴۳	اشارت الغافلین	عاشق	قبل ۱۱۰۳	۶۸
۳۳	پنچھی باچھا	وجدی	۱۱۴۶	۶۰
۳۴	″	″	″	۶۱
۳۵	″	″	″	۶۲
۹۱	″	″	″	۱۱۱
۲۳۸	گنج عرفان	امام الدین خاں	″ ۱۱۵۰	۲۸۹
۲۴۱	نظم شادی	عظیم الدین	″ ۱۱۶۹	۲۹۱
۱۱۱	فقر نامہ	کامل	″ ۱۱۹۵	۱۴۷
۱۸۱	مجذوب السالکین	امین	″ ۱۲۰۰	۲۱۸
۱۶۳	اربع عناصر الوجود	؟	″ ″	۱۹۷
۱۶۴	رمز محل	؟	″ ″	۱۹۸
۱۶۵	معرفت حق	؟	″ ″	۱۹۸
۱۶۶	رسالہ وجودیہ	؟	″ ″	۱۹۹
۱۶۷	رسالہ چہل تن	؟	″ ″	۱۹۹
۱۵۸	چار کرسی طریقت	فقیر اللہ شاہ جیند	قبل ۱۲۵۰	۱۹۳
۱۶۹	قطعہ	رمضان شاہ	″ ۱۲۹۹	۲۰۱
۱۷۲	مراقبات سلوک	مسکین شاہ	۱۲۷۶	۲۰۴
۱۰۶	حبیب المریدین	حبیب علی	قبل ۱۲۸۱	۲۲۶
۱۶۰	نکات الواصلین	سلطان محی الدین	۱۲۷۹	۱۹۴
۱۶۱	وجدان الحق	″	۱۲۸۱	۱۹۶

(۴) پند و اصلاح و تبلیغ و مناجات

۲۲	پند دلبند	علی	درمیان ۱۰۲۰/۱۰۹۷	۴۵
۱۶	تحفۃ النصائح	قطب رازی	۱۰۴۵	۳۵
۴۷	″	″	″	۷۵
۱۹	نجات نامہ	ایاغی	۱۰۶۷	۴۱
۱۲۳	پند نامہ	؟	۱۰۸۶	۱۵۸
۷	مناجات	علی زحمتی	قبل ۱۱۰۰	۲۴
۲۰۳	″	غفار	″ ″	۲۴۴
۲۰۴	کشف المعراج	مواہب	″ ″	۲۴۵
۲۱۹	وصایائے نبی	؟	″ ″	۲۵۹
۱۲	پند نامہ لقمان	فتح شریف	۱۱۳۰	۳۱
۴۴	دعائے داؤد	سید	″ ۱۱۴۵	۷۰
۴۹	عقاید نامہ	آگاہ	۱۱۸۵	۷۶
۱۳۴	تنبیہ النساء	رحمت اللہ	۱۱۹۵	۱۶۰
۱۳۵	″	″	″	۱۶۲
۱۳۶	″	″	″	۱۶۲
۱۳۷	″	″	″	۱۶۳

۱۳۸	تنبیہ النساء	رحمت اللہ	۱۱۹۵	۱۷۳
۱۹۰	مناقب	عادل	قبل ۱۲۰۰	۲۳۰
۱۵۰	کتاب ہدیٰ	مشتاق	″ ۱۲۰۰	۱۸۳
۱۱۳	وصیت نامہ	مصطفیٰ	قریب ۱۲۰۴	۱۷۹
۱۸۴	تقویۃ الایمان	محمد اسمٰعیل	۱۲۳۵	۱۲۳
۱۰۳	رسالۂ جہاد	؟	۱۲۳۵	۲۲۲
۱۴۳	ایمان درپن	محمد علی شاہ الفت	قبل ۱۲۴۲	۱۵۷
۱۴۴	نصیحت المسلمین	خرم علی	۱۲۳۸	۱۷۷
۱۴۵	قیامت نامہ	محمد عبداللہ	۱۲۳۹	۱۷۸
۴۹	سوالات گذوین	محمد ہادی (؟)	۱۲۴۲	۱۰۳
۱۴۶	ہدایت المومنین	حسن قنوجی	۱۲۴۳	۱۷۹
۱۴۷	رسالہ اعمال ...	؟	قریب ..	۱۸۰
۱۵۱	اصلاح مسلمانان	؟	قبل ۱۲۴۵	۱۸۳
۱۵۲	شرک وبدعت	خرم علی	″ ″	۱۸۴
۱۵۳	قیامت نامہ	شیخ محمد	″ ۱۲۵۰	۱۸۵
۱۶۲	رسالۂ بے نماز	؟	″ ″	۱۹۶
۱۸۵	ردوہابیہ	ظہور علی	″ ″	۲۲۵
۱۸۸	محرمات شرعیہ وتعزیہ	محمدی وبحر	″ ″	۲۲۹
۲۳۲	ترجمۂ کریما	؟	″ ″	۲۷۹
۲۵۴	آب حیات	حیات	″ ″	۳۰۹
۲۶۲	مجموعۂ مناجات	فقیر وناقص	″ ۱۲۷۵	۳۱۹
۱۶۳	مولود شریف	مسکین ودستگیر	″ ″	۳۲۰
۶۶	احوال قیامت	غلام دستگیر	″ ″	۹۳

(۵) تاریخ وسیر ومناقب

(الف) حالات ومناقب نبیؐ عربی

۹	مولود نامہ	عبدالملک	۱۰۰۹	۲۳
۱۰	معراج نامہ	سید طاقی	۱۰۸۰	۲۷
۲۰۲	قصہ ہرنی کا	؟	قبل ۱۱۰۰	۲۴۴
۱۴۸	″ بازو ناختہ	؟	″ ″	۱۸۱
۴	قصیدۂ معجزہ	ینونی	۱۱۰۲	۲۱
۵	″ ″ دیگر	″	″	۲۲
۴۰	نور نامہ	شاہ عنایت	۱۱۱۱	۴۳
۴۱	″	″	″	۴۴
۱۵	وفات نامہ	دریا	″	۳۴
۱۱۹	″	″	″	۱۵۴
۱۲۰	″	″	″	۱۵۵
۳	″	امامی	قبل ۱۱۴۰	۲۰
۳۲	شمائل النبی	عبدالمجید	″ ۱۱۵۰	۳۳
۵۱	ہشت بہشت	آگاہ	۱۱۸۵ / ۱۲۰۷	۷۸
۵۲	من دیپک	″	۱۱۸۵	۸۰
۵۳	من ہرن	″	″	۸۱
۵۴	من موہن	″	۱۱۸۶	۸۲
۵۵	جگ سوہن	″	۱۱۸۵	۸۲
۵۶	آرام دل	″	″	۸۳
۵۷	راحت جاں	″	۱۱۸۶	۸۳
۵۸	من درپن	″	۱۲۰۶	۸۴
۵۹	من جیون	″	۱۲۰۷	۸۵

۲۳۶	قصہ دانی حلیمہ	؟	قبل ۱۲۵۰	۲۰۴

(ب) حالات و مناقب آل و اصحاب نبی

۱	نورس ہار	اشرف	۹۰۹	۱۰
۲۱۱	مراثی	مرزا	قبل ۱۰۸۲	۲۵۲
۳۰	جنگ نامہ	سیوک	۱۰۹۲	۵۷
۱۴۲	معجزۂ خاتون جنت	؟	قریب ۱۱۰۰	۱۷۲
۲۱۳	بیاض مراثی	شاہی۔ کنز۔ شفیع۔ اشرف۔ برہان۔ یتیم۔ احمد	″ ″	۲۵۵
۲۳	نامۂ علی	عبدالعلی	۱۱۱۰	۴۸
۳۱	روضۃ الشہدا	ولی ویلوری	۱۱۳۵	۵۸
۳۲	″	″	″	۵۹
۹۴	″	″	″	۱۱۳
۱۰۰	″	″	″	۱۱۸
۲۱۴	مراثی	قادر	۱۱۴۰	۲۵۷
۱۴۳	گلشن نامۂ خاتون جنت	؟	قبل ۱۲۰۰	۱۷۷
۳۹	روضۃ الاطہار	شیدا	۱۱۷۳	۶۵
۴۰	″	″	″	۶۶
۵۰	تحفۃ النساء	آگاہ	۱۱۸۵	۷۸
۶۴	ضیافت نامہ	غوثی	۱۱۹۱ / ۱۲۲۵	۹۱
۹۲	ریاض الجناں	آگاہ	۱۲۰۷	۸۸
۹۳	″	″	″	۹۰
۹۰	مراثی	″	″	۱۱۲
۶۵	ظفر نامہ	محمود	۱۲۰۴	۹۱
۱۴۰	وفات نامۂ خاتون جنت	؟	۱۲۲۴	۱۷۵
۱۴۱	وفات نامۂ خاتون جنت	؟	۱۲۲۴	۱۷۶
۱۰۷	دہ مجلس	فاضل	۱۲۴۲	۱۴۲
۱۵۹	″	؟	قبل ۱۲۵۰	۱۹۳
۱۵۴	حملۂ حیدری	محمد مرزا مرزا	۱۲۶۰	۱۸۶
۲۴۲	وفات نامۂ زہرا	کثیر	۱۲۶۵	۲۹۱
۲۵۱	چار گلزار	فضل الرحمن	۱۲۸۰	۳۰۴

(ج) حالات و مناقب محبوب سبحانی

۱۱۰	توصیف نامہ	فیروز	قبل ۹۷۲	۱۴۴
۱۰۸	نامۂ حضرت سلطان	عبدالملک	قریب ۱۰۰۹	۱۴۳
۱۱۵	مدح میراں	شہ میر	قبل ۱۱۰۰	۱۵۰
۲۱۲	محی الدین نامہ	افضل	″ ″	۲۵۳
۶۱	محبوب القلوب	آگاہ	۱۲۰۷	۸۷
۲۴۰	اسرار غوثیہ	؟	۱۲۶۰	۲۸۹

(د) دیگر بزرگان مذاہب کے حالات و مناقب

۲۵	قصص الانبیاء	غوثی	۱۱۹۱	۴۹
۱۰۹	مدح شاہ میرانجی	کریم	قبل ۱۰۵۰	۱۴۴
۱۷۴	″ وجیہ الدین	ولی	″ ۱۱۵۰	۲۰۶
۲۶۸	قصۂ شہیداں	ناطق	قریب ۱۲۴۰	۳۲۶
۲۵۰	روضۃ الاقطاب	رونق علی	″ ۱۳۱۹	۳۰۳

(ہ) سلاطین و امرا کے حالات و واقعات

۲۲۱	ابراہیم نامہ	عبدل	۱۰۱۲	۲۶۷
۲۲۴	تاریخ ہندوستان	؟	قبل ۱۱۹۶	۲۷۰
۱۰۲	قصائد تاریخی	ہدایت	″ ۱۱۹۸	۱۲۱
۱۰۳	منظومات ہجویہ	″	۱۲۰۰	۱۳۰
۱۰۴	ہجویہ نظمیں	افسق	۱۲۰۱	۱۳۵

۱۰۵	دیوانچہ	افسق	۱۲۰۳	۱۳۰
۱۰۶	سفرنامہ اعظم جاہ	نادر	۱۲۳۰	۱۴۱
۲۶۴	مسدس اکبر	شعلہ	۱۲۸۷	۳۲۲

(۶) نظم (دیوان، کلیات، بیاضیں)

۲۲۲	کلیات	محمد قلی قطب شاہ	قبل ۱۰۲۰	۲۶۸
۲۰۵	کلام	شغلی	۱۰۹۰	۲۴۵
۲۰۶	"	سلطان	" "	۲۴۷
۲۷۵	کلیات	"	" "	۳۳۶
۲۲۰	بیاض قدیم	شاہی۔ راجو	" ۱۱۰۰	۲۶۲
۱۱۶	بیاض دکنی	خوشنود۔ روحی۔ محمود۔ میرا، جعفر، محرمی	" "	۱۵۱
۲۱۵	دکنی منظومات	عبداللہ قطب شاہ، معجز۔ محی الدین	" ۱۱۵۰	۲۵۸
۲۰۸	کلام	اسمٰعیل	" "	۲۴۹
۳۶	دیوان	ولی	قریب ۱۱۱۵	۶۲
۳۷	"	"	" "	۶۳
۸۲	منتخب دیوان	صاحب قراں	قبل ۱۱۵۰	۱۰۵
۸۴	قصیدہ	صاحب	" "	۱۰۶
۱۳۳	منتخب دیوان	عاشق	" ۱۱۶۵	۱۶۹
۴۶	دیوان	داؤد	" ۱۱۶۸	۷۳
۷۱	"	یقین	" ۱۱۶۱	۹۷
۷۵	"	"	" "	۱۰۰
۸۳	"	"	" "	۱۰۶
۲۴۹	دیوان	یقین	قبل ۱۱۶۱	۳۰۲
۵۰	"	عاجز	" ۱۱۶۸	۲۰۶
۷۲	قصیدہ	فغاں	" ۱۱۸۹	۹۸
۲۴۵	سلام	میرک	" ۱۱۹۰	۲۹۴
۸۷	دیوان	میر	" ۱۱۹۲	۱۰۹
۷۳	"	سودا	" ۱۱۹۴	۹۹
۷۸	کلیات	"	" "	۱۰۲
۷۹	"	"	" "	۱۰۳
۸۰	منتخب دیوان	"	" "	۱۰۴
۷۷	دیوان	درد	" ۱۱۹۹	۱۰۱
۲۵۶	کلیات	کاظم	قریب "	۳۱۰
۱۰۷	بیاض اشعار	ولی۔ سراج۔ داؤد۔ مکھن۔ سودا۔ قائم۔ صاحب۔ اخلاص	قبل ۱۲۰۰	۲۱۰
۱۷۸	منتخب دیوان	مدینہ	" "	۲۱۶
۲۴۴	کلام	برہان	" "	۲۹۳
۲۵۵	"	میرن و سید	" "	۳۰۹
۲۴۶	بیاض	حیدر۔ وفا۔ دبیر۔ سکندر۔ مولائی۔ غلامی۔ امیر۔ ناسخ	" "	۲۹۶
۸۸	کلیات	ایمان	۱۲۲۰	۱۱۰
۸۵	دیوان	انشا	" ۱۲۲۳	۱۰۷
۸۶	کلیات	"	" "	۱۰۸
۱۹۳	چشمۂ فیض	فیض	۱۲۳۸	۲۳۳
۷۶	انتخاب کلام	منور	" ۱۲۵۰	۱۰۰

۱۹۱	دیوان اول	ناسخ	قبل ۱۲۵۰	۲۳۲
۱۹۲	” دوم	”	” ”	۲۳۲
۱م	منتخب دیوان	نصیر	” ”	۱۰۵
۲۳۹	بیاض غزلیات	آبرو-میر-سوز یقین-یکترنگ-ن	” ”	۲۵۷
۲۵۳	انتخاب کلام	میرو شاہی	” ”	۳۰۸
۱۹۶	دیوان اول	مزاج	” ۱۲۶۱	۲۳۷
۱۹۷	” دوم	”	” ۱۲۶۹	۲۳۹
۱۹۸	” سوم	”	” ۱۲۹۱	۲۳۹
۲۷۴	واسوخت	آباد	” ۱۲۹۸	۳۳۵
۲۴۳	بیاض اشعار	ادب امیر شکوہ	۱۲۷۵	۲۹۲
۲۵۲	دیوان	ناظم	” ۱۲۸۱	۳۰۵
۲۴۷	”	شرت	قریب ۱۳۰۰	۲۹۹
۱۹۵	دیوان رباعیات	عصر	قبل ۱۳۱۳	۲۳۵

(۷) منظوم قصے

۸	سیف الملوک و بدیع الجمال	غواصی	۱۰۳۵	۲۵
۱۷	چندربدن و ماہیار	مقیمی	قبل ۱۰۴۸	۳۷
۲۴	پھولبن	ابن نشاطی	۱۰۶۶	۴۹
۲۲۳	”	”		۲۶۹
۲۶	رضوان شاہ و روح افزا	فائز	۱۰۹۴	۵۱
۱۸	چندربدن و ماہیار	بلبل	قبل ۱۱۰۰	۳۹
۴۵	سرو و شمشاد	سامی	” ۱۱۶۵	۶۲
۴۷	سوز و گداز	سراج	” ۱۱۷۷	۹۹
۲۶۹	بوستان خیال	سراج	قبل ۱۱۷۷	۳۲۷
۲۷۰	لیلیٰ مجنوں	تجلی	قریب ۱۱۹۰	۳۲۸
۹۸	سحر البیان	میر حسن	۱۱۹۹	۹۵
۶۹	”	”	”	۹۶
۷۰	”	”	”	۹۷
۹۹	”	”	”	۱۰۸
۲۲۷	”	”	”	۲۷۵
۱۶۹	قصہ ریبا	؟	قریب ۱۲۰۰	۱۱۷
۱۹۹	قصہ ابو شحمہ	؟	” ”	۲۴۰
۶۷	نو بہار عشق	نامی	۱۲۱۱	۹۳
۱۵۵	بدماوت / شمع و پروانہ	عبرت / عشرت	۱۲۱۱ / ۱۲۲۵	۱۸۸
۲۰۲	عشق نامہ	نگار	۱۲۱۲	۳۳۲
۱۰۱	چہار درویش	شوق	۱۲۲۵	۱۱۹
۱۸۹	کہانی و قصہ	مودب	قبل ۱۲۳۶	۲۲۹
۱۶۶	قصہ سیہ پوش	رحمن شاہ	” ۱۲۴۴	۲۰۸
۱۲۶	نظم انور	نقیر اللہ شاہ حیدر	۱۲۴۷	۱۶۳
۲۴۸	بہار گلشن	شوق	قریب ۱۲۵۰	۳۰۱
۱۵۶	اُناولی	حسینی بادشاہ (؟)	۱۲۶۰	۱۹۱
۲۹۰	طلسم اعظم	فضل حسین	۱۲۶۳	۳۱۶
۱۶۸	قصہ بادشاہ روم	آدم	قبل ۱۲۶۹	۲۰۰

(۸) نثری قصے

۹۴	چہار درویش	میرامن	۱۲۱۵	۱۱۴

۹۵	چہار درویش	میر امن	۱۲۱۵	۱۱۴
۹۴	طوطی نامہ	حیدری	۱۲۱۵	۱۰۳
۹۶	مذہب عشق	نہال چند	۱۲۱۰	۱۱۵
۹۷	"	"	"	۱۱۶
۲۶۱	"	"	"	۳۱۸
۲۶۳	طوطا کہانی	؟	قریب ۱۲۲۰	۳۳۳
۱۲۵	تنا دلی	فیض اللہ شاہ جیہ	۱۳۴۴	۱۶۰
۱۲۷	مرغوب الطبع	حسین علی خاں	۱۲۲۰	۱۲۴
۱۲۸	"	"	"	۱۲۵
۹۸	گل باصنوبر	نیم چند	قبل ۱۲۲۸	۱۰۷
۱۷۴	اگر گل	؟	" ۱۲۵۰	۲۰۵
۱۲۹	چہار درویش	حسین علی خاں	"	۱۹۵
۱۳۰	ہفت بہار	"	"	۱۹۶
۱۵۷	لاڑہ کپور اور قاضی	حسینی بادشاہ(؟)	" ۱۲۹۰	۱۹۲

(۹) لغت و عروض و انشا

۲۳۷	واحد باری	اشرف	۹۰۹	۲۸۴
۲۶۹	ترجمۂ آمدنامہ	؟	قریب ۱۱۰۰	۳۲۴

۲۶۵	ریختۂ ہندی کی صرف و نحو	؟	۱۲۲۵	۳۲۲
۲۳۱	مطبوع صبیان	صفی	قبل ۱۲۰۰	۲۷۸
۱۹۴	فیض جاری	فیض	۱۲۵۶	۲۳۴
۲۳۴	تاریخ بدر	واجد علی شاہ	۱۲۷۶	۲۸۱

(۱۰) طب

۲۳۹	حکمت بزرجمہر	؟	قبل ۱۰۵۰	۲۸۳
۲۵۸	معالجات بندہ نواز	عابد شاہ	" ۱۰۹۲	۳۱۴
۲۱۰	حکمت سلیمان	؟	" ۱۱۵۰	۲۶۰
۱۱۸	خوان نعمت	نعمت اللہ (؟)	۱۲۱۷	۱۵۳
۲۲۸	کتاب ادویات	؟	قبل ۱۲۴۹	۲۷۵
۲۳۰	بیان زہر کا	؟	" "	۲۷۷

(۱۱) سائنس و دیگر علوم

۲۰۰	روپ سنگار	آگاہ	۱۲۱۵	۲۴۱
۲۲۹	مسائل طبیعی	؟	قبل ۱۲۴۹	۲۷۷
۲۲۵	ترجمۂ شرح چغمینی	شاہ علی	قریب ۱۲۵۰	۲۷۲

ادارۂ ادبیات اردو ۱۹۳۱ء (م ۱۳۴۹ھ) میں قائم ہوا لیکن اس کے کتب خانہ کا آغاز صحیح معنوں میں ۱۹۳۲ء سے عمل میں آیا۔ اور گذشتہ دس گیارہ سال کے عرصہ میں اس نے پندرہ سو(۱۵۰۰) سے زیادہ قلمی نسخے اور بارہ ہزار کے قریب مطبوعہ کتب و رسائل جمع کئے۔ ادارے میں مخطوطات کے محفوظ کرنے کا خیال اُس وقت پیدا ہوا جب راقم الحروف کی جدّ ماجد مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی ممانی حضرت قادری بی زوجۂ نعمت اللہ مرحوم جاگیر دار سکلی کے کتب خانہ کے عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی فہرست راقم کے ایک شاگرد مولوی سید ابو الفضل صاحب ایم۔ اے لکچرار عربی سٹی کالج نے لکھنی شروع کی۔ اس وقت تک خود راقم الحروف مرحومۂ موصوفہ کے ذخیرۂ مخطوطات کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ جب اس کا علم ہوا تو ان کے مطبوعہ کتب کی طرح اس قلمی ذخیرے کو بھی ادارے میں بطور عطیہ داخل کرنے کا تہیہ کیا گیا۔ چند شفیق احباب مثلاً مولوی محمد حسین جعفری (سابق ناظم محکمۂ تعلیمات) اور نواب عنایت جنگ بہادر وغیرہ جب اس سے واقف ہوئے تو ان علم دوستوں نے راقم کے اس عزم کو راسخ بنانے کے لئے اپنے یہاں کے مخطوطات بھی ادارے کو عطا فرمائے۔ اور ان کے بعد ہی دیگر اصحاب نے بھی اعانت کی جن میں سے چند کے اسمائے گرامی اس تذکرے کے آخر میں معہ تفصیل عطایا شامل ہیں۔

اس طرح جب مخطوطات کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگئی تو اسکی تفصیلی فہرست قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ مولوی غلام رسول صاحب مرتب "فہرس کتب خانہ سٹی کالج" اور پروفیسر عبدالقادر سروری مرتب "فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ" سے خواہش کیگئی۔ اول الذکر نے وعدہ فرمایا کہ وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اس کام کو انجام دیں گے اور موخر الذکر اس کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے کہ جامعہ میسور نے بہ حیثیت صدر شعبۂ اردو ان کی خدمات حاصل کرلیں جب پروفیسر سروری کا میسور جانا طے پاپا گیا تو راقم الحروف نے جامعہ کے بعض طلبہ سے اس کام میں مدد لینی چاہی چنانچہ مولوی رحیم الدین صاحب حسب ظہیر آبادی نے کچھ کام کیا لیکن طالب علمانہ مصروفیتوں کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکے۔

ادھر مخطوطات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا ہی رہا اور بڑھتا جا رہا ہے۔ محسوس ہونے لگا کہ یہ کام آئندہ بہت بوجھل ہو جائے گا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ راقم الحروف ہی اپنی فرصت کے اوقات میں اس طرف متوجہ ہو۔ لیکن دوسری مصروفیتوں کے باعث دو سال کے عرصے میں اس ذخیرہ نوادر میں سے اردو زبان کی صرف ۵۰۰ کتابوں ہی تک پہنچنے پایا تھا کہ ایک اہم کام (اردو انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد کی اشاعت) کی تکمیل کی خاطر اسکو چھوڑنا پڑا۔

اس اثنا میں اس تذکرہ مخطوطات کے بعض اجزا رسالہ سب رس میں (اوائل سنہ ۱۹۵۳ء) شائع ہوئے تھے۔ لیکن بعد کو کاغذ کی کم یابی کی وجہ سے اس سلسلہ کو منقطع کر دینا پڑا اور اب جب کہ یہ کام ہی منقطع ہو رہا ہے ضروری تھا کہ مسودے کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے فی الحال ۵۰۰ مخطوطات ہی کا تفصیلی تذکرہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ اگر موقع ملے تو یہ کام پھر جاری ہو جائے گا اور اس تذکرہ کی مزید جلدیں اس سے بہتر شکل میں چھپ سکیں گی۔ کیونکہ کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے یہ جلد نہایت خفی قلم اور گنجان عبارت میں لکھوائی گئی ہے ورنہ ضخامت بہت بڑھ جاتی۔

ادارے میں جو قلمی کتب اس وقت تک جمع ہو چکی ہیں ان کے پیش نظر توقع ہے کہ اسی طرح کی ایک دو جلد اردو مخطوطات کی، دو جلدیں فارسی مخطوطات کی، ایک جلد عربی مخطوطات کی اور ایک جلد ہندی مخطوطات کی، غرض پانچ چھ جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ مخطوطات کے علاوہ مطبوعات کی فہرستیں بھی کئی جلدوں میں شائع ہو سکتی ہیں۔ اور اگرچہ فہرست مطبوعات کی تدوین کا کام نواب مرزا یوسف علیخاں صاحب ناظم اعزازی کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو انجام دے رہے ہیں لیکن شاید اختتام جنگ سے قبل نواب صاحب موصوف کے مساعی منظر عام پر نہ آ سکیں!

نواب مرزا یوسف علیخاں صاحب جو حیدرآباد کے ایک معزز اور قدیم جاگیردار ہیں سنہ ۱۹۴۰ء سے ادارے کے کتبخانے کی اعزازی خدمت ذاتی خلوص اور جذبہ عمل کے تحت انجام دے رہے ہیں اور کتبخانے نے ان کی پیہم کاوشوں کی وجہ سے گذشتہ چار پانچ سالوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ اس کی تین چوتھائی کتب کے کارڈ انڈکس بھی (مصنفوں اور کتابوں دونوں کے اسما کے لحاظ سے) حروف تہجی کے مطابق مرتب ہو چکے ہیں جن کی بنا پر کتابوں کے تلاش کرنے میں بڑی سہولت حاصل ہو گئی ہے۔

اس تذکرۂ مخطوطات کی ترتیب کے سلسلہ میں مؤلف کو جو مشکلیں اٹھانی پڑی ہیں اور جو وقت صرف ہوا ہے اس کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے ہیں جنہیں قلمی نسخوں سے کام لینے کا تجربہ ہوا ہو۔ اکثر مخطوطوں کے مصنفوں کے نام، سنہ یا زمانۂ تصنیف اور زمانہ کتابت وغیرہ کی تحقیق میں بیسیوں قلمی و مطبوعہ کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی اور بڑا وقت صرف ہوا۔ اس تمام دیدہ ریزی کے باوجود مؤلف کی کم بضاعتی کی وجہ سے ممکن ہے کہ کسی قلمی نسخے کی کماحقہ تذکرہ نگاری کا حق ادا نہ ہو سکا ہو یا کوئی سہو رہ گیا ہو۔ اگر کوئی صاحب ذوق زحمت گوارا کر کے اس قسم کی غلطی سے مطلع فرمائیں تو نہ صرف آئندہ اشاعت میں تصحیح کر دی جائے گی بلکہ ادارے کے ترجمان "ماہنامہ سب رس" کے ذریعے سے بھی اس کا اعلان عمل میں آ سکے گا۔

اس تذکرہ میں مخطوطات کی ترتیب نہ تو سنہ وار قائم رہ سکی اور نہ بلحاظ موضوع۔ کیونکہ ایک ایک جلد میں ایک ہی کاتب اور ایک ہی زمانہ کی لکھی ہوئی دو دو تین تین کتابیں شامل ہیں اور کثیر جلدوں میں فارسی مخطوطات کے ساتھ اردو کتب بھی شریک ہیں۔ کاتب اور سنہ کتابت کی تحقیق نیز وقت ضرورت مخطوطوں تک آسان رسائی کے پیش نظر ایک جلد کی جملہ کتابوں کا تذکرہ ایک ہی سلسلہ میں لکھدینا پڑا۔ لیکن موضوع اور سنہ تصنیف دونوں کے لحاظ سے جملہ مخطوطات کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کر کے اس تذکرے میں شریک کر دی گئی ہیں۔

تاریخی ترتیب کی فہرست آخر میں شریک ہے اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ اس جلد میں ۸۲۵ھ سے ۱۳۱۹ھ کے درمیانی وسیع دور (یعنے تقریباً پانچ سو سال) کی کتابوں کا حال محفوظ ہو گیا ہے۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ اس جلد میں عمداً شریک نہیں کیا گیا حالانکہ ان میں سے اکثروں کو خود مصنفوں کا مسودہ یا بیضہ ہونے کی وجہ سے آئندہ بڑی اہمیت حاصل ہو جانے کی۔ لیکن ان کے مقابلہ میں فی الحال ساٹھ پینسٹھ سال قبل ہی کی کتابوں کو ترجیح دی گئی ہے۔

تذکرہ اردو مخطوطات کی اس پہلی جلد سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جن ۲۰۵ اردو مخطوطات پر نظر ڈالی گئی ہے ان میں سے کم از کم پچیس کتابیں ایسی ہیں جو بالکل نادر ہیں یعنے کسی اور کتب خانے میں ابتک دستیاب نہیں ہوئی ہیں۔ تقریباً پچاس مخطوطے ایسے ہیں جو خود مصنفوں کے مسودے یا ان کی دستخطی نقلیں ہیں۔ اور ان میں نصف کے قریب ایسی کتابیں ہیں جو ابتک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں۔

یہ مخطوطات صرف جنوبی ہند کی تصنیفات و تالیفات نہیں ہیں بلکہ لاہور، دلی، آگرہ، لکھنو، رام پور، بریلی، قنوج اور کلکتہ جیسے دور دراز مقامات کے معروف و غیر معروف اردو شاعروں اور ادیبوں کی کاوشیں بھی ان میں شامل ہیں۔ ان میں کی بعض کتابوں کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ فرماں رواؤں مثلاً محمد قلی قطب شاہ والی گولکنڈہ، علی عادل شاہ ثانی والی بیجاپور، عبداللہ قطب شاہ والی حیدرآباد، واجد علی شاہ والی لکھنو اور نواب یوسف علیخاں والی رامپور کے رشحات قلم ہیں۔

اردو مخطوطات کے اس تذکرے کی اشاعت سے یقین ہے کہ تاریخ ادب اردو کے بہت سے پہلو روشن ہو جائینگے اور ہندوستان کی ایک مقبول اور اہم زبان کی تاریخ نگاری کی تکمیل میں ادارے کے یہ مخزونہ مخطوطات اور ان کے متعلق اس تذکرے کی مندرجہ معلومات ممد و معاون ثابت ہوں گی۔

رفعت منزل ـــ خیریت آباد

۱۶ - ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

م ۱۵ - نومبر ۱۹۴۳ء

سید محی الدین قادری زور

تذکرہ اردو مخطوطات

ادارۂ ادبیات اردو

جلد اوّل

ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانے میں

اُردو مخطوطات

(۱) نوسرہار [۲۳]

اوراق ۷۰ ابتدائی ۸ اوراق میں ۱۵ سطور فی صفحہ۔ بقیہ میں ۱۳ سطور۔ تقطیع ۵½×۹ انچ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ سنہ تصنیف ۹۹۹ ہجری۔ مصنف شیخ اشرف۔ کاتب قاضی محمد جعفر ابن قاضی محمد حسین قاضی پرگنہ چاندور۔

اس مثنوی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب نو ابواب اور کئی عنوانوں کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ اُردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو غالباً احمد نگر میں لکھی گئی ہے۔ سلطنت احمد نگر کی کسی اور اُردو کتاب کا اب تک پتہ نہیں چلا اور نہ غالباً اس کتاب نوسرہار کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک نادر مخطوطہ ہے۔

مصنف کا نام شیخ اشرف تھا جیسا کہ ترقیمے سے پتہ چلتا ہے۔ (ورق ۷۰ ال) تخلص، کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات سے واضح ہوگا۔

ہجرت نبی نو سو نو کہیا اشرف نوسر یو (ورق ۸ ب)
نوسرہار اس دھریا ناؤں جانے دیکھ تو اب ہر ٹھاؤں (ورق ۵ ال)
اے نو باباں نوسرہار قیمت اس کی لاکھ ہزار (" " ب)
بازاں جیوں کی تاریخ مثل بعد از ہجرت نبی سال ( )
نو سو ہوے اکلے نو یہ دیکھ لکھیا اشرف تو (" ۶۹ ال)
ناؤ دھریا اس نوسرہار لیکن یہ سب گھر کا ہار (" " ")

لکھیا اشرف یہ بکھان توحید حق کے موزوں آن (ورق ۲)

اور بھی دو تین مقامات پر شاعر نے اپنے تخلص اور کتاب کا نام ظاہر کیا ہے۔

مصنف نے اپنے وطن کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا۔ البتہ سبب تالیف کتاب میں دُنیائے فانی کے بیان میں جہاں ہمیشہ ونہ کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں اولیاء اور مشائخ کی طرف اشارہ کرکے صرف ایک بزرگ شیخ ضیا کا اس طرح نام لیا ہے ؎

دیگر دیں اولیا ہیچو مشائخ شیخ ضیا (ورق ۵ ال)

اس تخصیص سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ان کا معتقد تھا۔ اولیاء کے تذکروں میں اس نام کے صرف دو بزرگوں کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی شاہ ضیاء الدین بیابانی اور شیخ ضیاء الدین غزنوی۔ اول الذکر بزرگ حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قندھاری (متوفی ۹۴۸ھ) کے بھانجے اور خلیفہ اور کتاب مطلوب الطالبین کے مصنف تھے (دیکھیے تاریخ قندھار دکن ص ۲۱۲) چونکہ یہ مصنف نوسرہار کے قریب العصر تھے اس لئے ممکن ہے کہ اشرف ان ہی کا مرید ہو۔ اس زمانہ میں قندھار احمد نگر ہی کی سلطنت میں شامل تھا اور یہ نسخہ احمد نگر ہی کے ایک پرگنہ چاندور میں لکھا گیا اور ادارہ کو اس کے قریبی ضلع ناندیڑ ہی سے ملا ہے۔ اس لئے یہ امر قرین قیاس ہے کہ مصنف سلطنت احمد نگر ہی کا باشندہ تھا۔

شیخ ضیاء الدین نامی دوسرے بزرگ شیخ سراج جنیدی کے خلیفہ اور شیخ عین الدین گنج العلم کے معتقد تھے۔ بیجاپور میں ۸۸۶ھ میں مدفون ہوئے (ترجمہ روضۃ الاولیائے بیجاپور ص ۳۲ ب)

اور تذکرہ اودیائے دکن حصہ اول عبدالجبار خان صفحہ ۴۲)
اگر مصنف کی مراد ان بزرگ سے ہے تو وہ غالباً بیجاپوری شعراء میں سے تھا۔ اس کی زبان تو قریب قریب وہی ہے جو قدیم بیجاپوری کتابوں ارشاد نامہ (۹۹۰ھ) اور ابراہیم نامہ (۱۰۱۲ھ) کی ہے مثال کی طور پر نوسرہار کی چند بیتیں درج ہیں

نا ماں کتیا بول سنوار جانو ہتیوں کیرا ہار
سونے کی جیوں کھونٹی گھڑ مانک موتی ہیرے جڑ
ایک ایک بول یہ مانک ڈول سیم ترازو سیں تھیں تول
بند پرو سے سونے تار یہیں ہوا نوسرہار

اردو کے دوسرے قدیم مصنفوں کی طرح نوسرہار کا مصنف بھی اپنی زبان کو ہندوی کہتا ہے۔ مثلاً

بازاں کیتا ہندوی میں قصۂ مقتل شاہ حسین (ورق ۵ الف)
نظم لکھی سب موزوں آن یوں میں ہندوی کر آسان (» » ب)
یک یک بول یہ موزوں آن تقریر ہندوی سب بکھان (» ۶ ب)

ابتداء میں ۴۵ ابیات حمد میں اور ۲۱ نعت میں لکھی ہیں اور اس کے بعد دوسرا باب شروع کیا ہے جس کی سرخی یہ ہے :-

"باب دوم در سبب ساختن و تالیف و اتمام مصنف، و انفراغ آن " (ورق ۴ الف)

اسی طرح ہر سرخی فارسی میں قلمبند کی ہے۔ اور ان عبارتوں کو کاتب نے سرخ روشنائی میں لکھا ہے۔

سبب تالیف میں شاعر لکھتا ہے کہ اب تک ہماری عمر بیکار صرف ہوئی اور ہم دنیا کے دھندوں میں گرفتار رہے ایسی زندگی میں، کیا نفع کہ آگے چل کر نام و نشان کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اس لئے اشرف تجھے چاہئے کہ کچھ ایسے شعر لکھے جو یادگار رہیں اور جن کو لوگ لکھیں اور پڑھیں اور اس طرح تجھے ثواب ملے۔ اس کے بعد دنیائے فانی کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس میں آدم سے اب تک بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ اور بزرگ لوگ پیدا ہوئے مگر کوئی نہ بچا۔ غرض یہ حال دیکھ کر حضرت امام حسین کی شہادت کا قصہ ہندوی میں لکھا اور اس کا نام نوسرہار رکھا۔ آگے اپنی نظم کی خوبیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور آخر میں پڑھنے والوں سے معذرت بھی چاہی ہے کہ اگر کہیں چوک یا خطا ہو جائے تو اس کی وجہ سے کتاب کو عیب نہ لگائیں۔

تیسرے باب سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اور وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح جبرئیل نے آنحضرت[صلعم] کو امام حسن و امام حسین کی شہادتوں سے متعلق خبر دی تھی۔ چونکہ مصنف نے مصائب سیدالشہداء نہایت اہتمام اور اعتقاد سے بیان کئے ہیں اور یہ اس موضوع پر اُردو کی پہلی کتاب ہے اس لئے اس کے مصنف کے مذہب کے متعلق خیال قائم کرتے وقت اس کتاب کے دوسرے باب کی حسب ذیل ابیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نبی محمد حق رسول کیتا جن یہ فقر قبول
دونوں جگ کے سرور میر جس کوں چاروں یار وزیر
بوبکر صدیق ایک سرا عمر خطاب ہم دوسرا
اے دو بزرگ پیر آزاد عثمان علی دوئے داماد
دوے نواسے اُن یل جالپو حسن حسین جن کا ناؤں
علی کے ای دوے فرزند بی بی فاطمہ کے دلبند
اللہ کیرے سنوارے پیغمبر کے پیارے
(ورق ۳ ب و ۴ الف)

پوری مثنوی اٹھارہ سو ابیات پر مشتمل ہے۔

آغاز

اللہ واحد حق سبحان — جن یہ سرجیا جوئیں اسمان
چندر سورج تارے دکھو — بادل بجلی مینہ اوک
دوزخ جنت عرش فلک — لوح قلم ہم جوز ملک
حیواں انساں مادہ نراں — آتش سوزاں بادبراں

خاتمہ

سکیوں بانیں رحمت کر — جیتے بیٹھے علس بھیتر
پھرتیوں سنتیوں آمزیں — آمین اللہ یا آمین

ترقیمہ

"تمت تمام شد این کتاب نوسرہار کہ
از گفتار شیخ اشرف مرحوم منقول است"

(اس کے بعد کچھ سطریں مٹی ہوئی ہیں پھر چند فارسی اشعار لکھے گئے ہیں)

"کاتبہ فقیر الحقیر تراب اقدام علماء و فضلا قاضی
محمد جعفر ابن غفران پناہ قاضی محمد حسین قاضی
پرگنہ چاندور نوشتہ باند ....
دریک ماہ این مقتل نامۂ امام حسن وحسین
نوشتہ شد ......"

اگرچہ سنہ و مقام کتابت درج نہیں لیکن غالباً چاندور ہی میں گیارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے۔

---

(۲) ارشاد نامہ [۱۲۴]

اوراق ۶۹ - سطور ۱۷ - تقطیع ۲½×۵

خط ثلث پاکیزہ - سنہ تصنیف ۹۹۰ھ

مصنف شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری

زمانہ کتابت گیارہویں صدی ہجری۔

اس مثنوی میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے کے پیرائے میں سمجھائے گئے ہیں۔ اس کے مصنف شاہ میراں جی شمس العشاق (متوفی ۹۰۲ھ تا ۹۰۹ھ) بیجاپوری کے فرزند شاہ برہان ہیں جو ۹۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور اوائل گیارہویں صدی میں وفات پائی۔ ان کے تفصیلی حالات "کتاب ارشاد نامہ و دیگر رسائل شاہ برہان" میں چھپ چکے ہیں۔ یہ کتاب مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے شایع ہو رہی ہے۔

ارشاد نامہ اگرچہ نوسرہار کے ایک ہی سال بعد لکھا گیا ہے لیکن دونوں کی بحر ایک ہی ہے۔ البتہ زبان نسبتہً زیادہ صاف ہے۔ مصنف اپنی زبان کو ہندی کہتا ہے ؎

یہ سب بولوں ہندی بول — پن توں انبھو سیتی کھول
عیب نہ راکھیں ہندی بول — معنی تو چک دیکھیں کھول (ورق ۲)
ہندی بولوں کیا بکھان — جے گرپرساد تھا منجہ گیان (۲ ب)

مصنف نے اپنا اور کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات میں ظاہر کیا ہے۔

ا- نام کتاب اس آگھیا ہوئے — خاطر بیا اس راکھیا جوئے
ارشادنامہ اس کا نام — پوری فکر اسی مدام (ورق ۶ ب)

ب- یہ سب بولیا ہے انجان — عابد عاجز ہے برہان
ہجرت نہ صد نوے مان — ارشادنامہ کہیا جان (ورق ۶۹ ب)

حمد و نعت کے بعد اپنے والد و مرشد شاہ میراں جی کی مدح کی ہے جس کے چند ابیات یہ ہیں:-

صفت کروں کچھ اپنا پیر — جس تھے روشن ہوئے ضمیر

جن منج مِتا کرا پدیس   بایں اس چک بیوں گویس
دھوں جگ میں منج بیت دوہی   سمروں لے من نیت وہی
تس کون سمرن تن من شاد   جس کا ہے منج پرشاد
جگ میں امیں قول پیاین   پردے میں لے کرو سجن
رالکھیا کو ندن کر اس ٹھانوں   تل تل سمروں ہے اس ناؤں
پیر پیراں جی شمس عشاق   دھر جگ رتجے کیا کتاف

(ورق ۳۱ الف و ب)
کتاب کے موضوع اور سوال وجواب کے انداز سے متعلق حسب ذیل ابیات سے معلومات حاصل ہوتی ہیں :-

جے کوئی پڑا کر کریں سواد   راہ حقیقت پہوویں شاد
ین کی تو نا ہوسے بار   پن غفلت کیرے کھوئیں کواڑ
اس میں کیتا کر یک لاب   لیا لیا بج رنج سوال وجواب
شریعت طریقت حقیقت سوں   جمع لیا یا معرفت سوں

(ورق ب)
ارشاد نامے کے علاوہ شاہ برہان کی کئی اور کتابیں موجود ہیں جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں :-
سکھ سہیلا۔ نفعت الایمان۔ نکتۂ واحد۔ نسیم الکلام۔ رموز الواصلین۔ بشارت الذکر۔ حجت البقا۔ وصیت الہادی وغیرہ
ارشاد نامے کے علاوہ ان کی نظم سکھ سہیلا بھی شایع ہو چکی ہے۔ موخر الذکر کو ڈاکٹر حفیظ سید ایم۔ اے پی ایچ ڈی ڈی۔ لٹ نے مرتب کیا ہے چونکہ شاہ برہان الدین جانم کے حالات کئی کتابوں مثلاً تاریخ ادبیات دکن، روضۃ الاولیائے بیجاپور، اردو شہ پارے، دکن میں اردو، اردوئے قدیم، رسالہ ہماری زبان اردو اور خود دیباچۂ ارشاد نامہ میں شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں اعادہ غیر ضروری ہے اس کتاب کے نسخے بھی متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔

زیر نظر نسخے میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ کاغذ اور خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی میں لکھا گیا ہے۔ تعداد ابیات تقریباً دو ہزار۔

اغاز۔

اللہ سوروں پہلیں آج   کیتا جن یہ دھوں جگ کاج
جگتر کیرا توں کرتار   سبھوں کیرا سرجن ہار
استوت لوروں کرے چکہ   فرصت پاؤں بولے کہ
قدرت تو تجہ اتت نپار   اگنت کیتا ہو پرکار۔

خاتمہ

سن کر سکے یو گیان کرو   اپنی پر بیہہ کیا شروع
تمت اس قصے کیا تمام   جی میں لیا یا کیا کلام
دل کی میری تھی مقصود   فرصت تیری لیسے سود

---

(۳۱) وفات نامۂ سرور کائنات [۱۲۵]

اوراق ۲۱ - سطور ۱۵ - تقطیع ۵×۸
خط نستعلیق۔ مصنف امامی۔ تحریر ۱۲ ذی قعدہ سنہ ۹ جلوس محمد شاہی (۱۱۴۰ھ)

یہ ۵۱۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کو (حمد اور نعت میں ایک ایک بیت لکھنے کے بعد) ساقی نامہ سے شروع کیا گیا ہے۔ اور اس ساقی نامہ میں مصنف نے اپنے مرشد (شاہ عبداللہ ہمشیرہ زادہ میر سید جلال) اور اپنے وطن (دکن) اور اپنے تخلص (امامی) کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس کو اپنے مرشد کے وطن دہلی اور اس کے علاوہ لاہور اور کابل کی سیاحت کا شوق دامنگیر تھا۔

چنانچہ وہ ساقی سے کہتا ہے:-

بیا ساقیا ملک دلی لیجا ہمارا پرم کا دھن مین بجا
بیا ساقیا شہر لاہور کا دکھانا نگر جج کون ماہور کا
بیا ساقیا محل کابل دکھا طنبورا پرم شہر بابل بجا
(ورق ۲ ب و ۳ و)

اس سلسلہ میں آگے چل کر اپنے مرشد اور ان کے ماموں کی مدح کرتا ہے جو پرانی دلی میں رہتے تھے۔ چند ابیات ہیں۔

حقیقت کے میداں منے شہسوار | محل معرفت راز کے تاجدار
کہ ہیں وہ نگینے سلیمان کے | مہر ہیں محمد کے فرمان کے
وہ مالک رسالت ولایت کے ہیں | وہ ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں
مبارک شہر سید جلال | کہ دلی پرانی میں ان کا محل
اوسی کے بہن کا جو فرزند ہے | کہ دل ٹوٹیاں کا وہ دلبند ہے
مرا تن میرے پیر کے تن منیں | میرے پیر کا تن محمد منے
اچھا نام اس کو عبد الاحد | اناجی بندا ہے اسی کا باقد
کہ حیدر صفدری کا ہے اس کا جمال | محمد کی خصلت ہو اس میں کمال
(ورق ۴ و ب)

اس حمد کے علاوہ خود مثنوی کی آخری بیت میں بھی مصنف نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔ مصنف کے مزید حالات کا پتہ نہ چل سکا اسی تخلص کا ایک مرثیہ گو برہان پور میں بعد کو گزرا ہے (اردو شہ پارے صفحہ ۱۶۷ اور دکن میں اردو صفحہ ۲۹۶) لیکن زیر نظر آنامی گیارہویں صدی کا شاعر ہے۔

آغاز:

اول حمد عاشق کہتا ہوں پکار کہ عاشق سوں معشوق ہے آشکار
پیچھے نعت معشوق او بیاں جنے ایک ہو کر کیا کھوایاں
کہ اوس با خدا وصف ساقی لکھوں سدا مست ہو ہم ہشیار ہوں
۱۰۳

اختتام

کہ صانع کی قدرت نبی کرم علیک الصلوٰۃ علیک السلام
ہزاراں درود و ہزاراں سلام محمد اور آل یاراں تمام

ختم کرآنامی تو خیر الکلام وصال محمد علیہ السلام

ترقیمہ

"تمت تمام شد وفات نامۂ سرور کائنات تحریر فی التاریخ ۱۲ ذی قعدہ سنہ ۹ جلوس محمد شاہی"

(۴) قصیدۂ معجزہ [۱۲۶-ق]

اوراق ۳- سطور ۱۵- تقطیع ۵×۸"
خط نستعلیق شکستہ مصنف جنونی (؟)
کاتب محمد عارف

یہ ۴۴ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے انحضرت کا ایک معجزہ بیان کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ایک روز ایک مسلمان انحضرت کے یہاں آیا اور شکایت کی کہ فلاں یہودی کا کتا مجھے ہر روز بھونکتا اور حملہ کرکے کپڑے پھاڑتا ہے۔ اس کی خواہش پر آنحضرت یہودی کو سمجھانے گئے کہ کتے کو گھر میں بند رکھا کرے۔ کتے نے کہا کہ میں ایک جن ہوں اور سب پر حملہ نہیں کرتا محض اس شخص پر اس لئے حملہ کرتا ہوں کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے دل میں بغض رکھتا ہے۔ وغیرہ

قصیدے میں کہیں شاعر نے اپنا تخلص نہیں لکھا ہے البتہ اس کے ختم ہوتے ہی اسی کے سلسلہ میں ایک ہی کاتب نے جو دوسرا قصیدہ لکھا ہے اس کا مصنف جنونی گجراتی تھا جس نے ۱۱۰۲ھ میں وہ قصیدہ لکھا تھا۔ قیاس غالب یہی ہے کہ دونوں قصیدے ایک ہی شاعر کے ہیں۔

آغاز

زباں کہتی سکت ناہی جو اُس کے سونبی اوپر
جنے نوری نبی کیتے اپس کے نورسیں اظہر
اونہو کے نورسیں کیتے ملائک جن سب حیواں
زمیں، نو آسماں، کرسی، عرش شمس و قمر اختر

اختتام

مسلماں ہوئے کراونیں کئے توبہ محبت سوں
یہودی کتے کا صاحب مسلماں بھی ہویا آکر
گئے نیں پس تحیت کر کہا تم ہو رسول اللہ
سبھی یہ بات وہ کرکر گیا چپ ہو مکان اندر

ترقیمہ

لا اله الا الله محمد الرسول الله
تمت تمام شد۔ کارمن نظام شد۔
نوشتہ محمد عارف۔

---

(۵) قصیدۂ معجزہ [۱۲۶-ب]

اوراق ۵۔ سطور ۱۵۔ تقطیع ۵×۸"
خط نستعلیق شکستہ۔ مصنف جنونی۔ تاریخ تصنیف
۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۰۲ ہجری۔ کاتب محمد عارف

یہ ۲۷ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے مولانا روم کے اس فارسی کلام کا ترجمہ کیا جس میں ابوجہل اور انحضرت کے مکالمے کے ذریعہ سے انحضرت کے معجزے بیان کئے گئے ہیں۔

شاعر نعت کے سلسلہ میں سبب تالیف کتاب یوں لکھتا ہے:-

سب عاقلوں کے سدہ گئے ان کی صفت کہتے منیں
پس میں جنونیں (جنونی) کیا کہوں کیا آہے آگے اس الفہ
اندر زبانِ فارسی یہ معجزہ ملائے روم
ہے گا جو کیا خوب او نکو تم نے سنا ہے بیشتر
دنیاں منیں ہیں یہ زباں عربی و ترکی فارسی
باقی نہیں اندر حساب ہے قول اہل معتبر
بولی عرب کی ہے سری سب بولیوں کی بے سخن
ترکی شجاعت کارتی ہے فارسی باشد شکر
میں اس کوں در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہوکر
(ورق ۲ الف و ب)

اس آخری شعر سے ظاہر ہوگا کہ جنونی بھی اپنی زبان کو دوسرے قدیم شعرائے اردو کی طرح ہندی کہتا ہے اوپر ایک شعر میں شاعر نے اپنا تخلص ظاہر کردیا ہے لیکن قصیدے کے آخری حصہ میں بھی اس نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے:-

تو نے جنونی یہ سخن در معجزہ کیتا ختم
حق تجھ اوپر آخر کرے اپنے کرم سیتے نظر

اسی سلسلہ میں تاریخ تصنیف اور وطن کا بھی حال بیان کردیا ہے:-

ماہِ ربیع الاولیں تاریخ تھی چوبیسویں
منگل کے دن گفتیم من از فضلِ رب دادگر
سنہ ایک ہزار اور ایک سو دو برس اوپر درحساب
بودست کرد ایں ختم در شہر گجرات ای پسر
(ورق ۵ الف و ب)

آغاز-

اول کہوں حمد خدا، یاراں سنو تم کان دھر
جس نے زمین و آسمان پیدا کیا شمس و قمر

ستار وہ کرتار وہ غفار وہ جبار وہ
قہار وہ دتار وہ اس بن نہیں کوئی دگر

اختتام

اس معجزے کوں گر گنے کوئی کہ کیتے بیت ہے
آدے گمن ولے تے تیں یہ سب بہتر در شمر
میں مانگتا ہوں یہ ہوے اپنیں دلوں میں جا مدام
یارب بحق مصطفیٰ بر خلق عالم کرم کر

ترقیمہ نہیں ہے۔ لیکن آغاز سے قبل "نوشتہ محمد عارف" لکھا ہے جو اگرچہ اس سے قبل کے قصیدہ کا ترقیمہ ہے لیکن دونوں قصیدے یکے بعد دیگرے مسلسل ایک ہی خط میں لکھے گئے ہیں اور دوسرا قصیدہ نئے صفحے سے بھی نہیں شروع کیا گیا اس لئے اس کا کاتب بھی یقیناً محمد عارف ہے۔

شاعر نے تعداد ابیات ۲۷ بتائی ہے لیکن اس نسخہ میں جملہ ۴۶ شعر ہیں۔

---

(۶) مولود نامہ عبدالملک [۱۲۷]

اوراق ۱۶ - سطور ۱۷ - تقطیع ۵×۹
خط نستعلیق شکستہ - مصنف عبدالملک بھروچی
سنہ تصنیف ۱۰۰۹ھ - کاتب محمد عارف۔

یہ ڈھائی سو اشعار کی ایک مثنوی ہے جس میں انحضرت پیغمبر اسلام کی ولادت کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف کا بیان ہے کہ اس کا ماخذ احادیث نبوی ہیں چنانچہ وہ کہتا ہے :-

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں آثار
سن کر اسے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پروردگار
(ورق ۲ ب)

شاعر نے خود اپنا نام، وطن، سنہ تصنیف اور کتاب کا نام آخری تین ابیات میں اس طرح واضح کر دیا ہے

عاجز غریب عبدالملک یا یا محمد سوں پناہ
بخشے الٰہی توں اُسے تیرے کرم سوں سب گناہ
میرا بھروچ ہے گا وطن جس جاگہ احمد کاٹ ہیں
بھولوں کے تئیں جنگل منیں اکثر ملیں دے باٹ میں
نواسے ہزار او پر لکھی تاریخ ہجرت کی جدہاں
اس سال اسے مولود میں لکھ کر سناے جگ منہاں
(ورق ۱۶ ب)

مصنف نے اپنے وطن کے تذکرے میں حضرت شیخ احمد کاٹ (کھٹو) کی طرف خصوصیت سے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے معتقدین یا ان کے سلسلہ کے مریدین میں سے تھا۔ اسی لئے ان کی یہ کرامت لکھتا ہے کہ وہ بھولے بھٹکوں کو جنگل میں مل کر راستہ دکھا دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات عجیب یہ ہے کہ مصنف نے اپنا وطن بھروچ لکھا ہے جو احمد آباد سے جانب جنوب ۵۷ کوس پر واقع ہے اور حضرت احمد کھٹو احمد آباد سے تقریباً چار کوس مغرب کی جانب قصبہ سرخس یا سرکھیج میں دفن ہیں۔ انہوں نے ۱۴ شوال ۸۴۹ھ میں وفات پائی۔ وہ اسی مقام پر رہتے تھے اور مسجد، تالاب اور مدرسہ وغیرہ بنوایا تھا ان کے بعد عالی شان گنبد اور خانقاہ وغیرہ کی تعمیر ہوئی (تاریخ اولیائے گجرات ترجمہ ابوظفر ندوی ص۱۵ و ص۲۳) ممکن ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں سرخس کو ضلع بھروچ ہی میں شامل کرتے ہوں یا اُس وقت بھروچی لوگ ان ہی کے زیادہ تر معتقد ہوں۔ اس لیے ان کو بھروچ سے مختص کر لیا گیا ہو۔

مولود نامہ کی زبان پر گجراتی زبان کا اثر بہت نمایاں ہے

لطف یہ ہے کہ ایک جگہ شاعر نے لفظ "سوراج" اُن ہی معنوں میں استعمال کیا ہے جن معنوں میں آج ساڑھے تین سو سال بعد یہ لفظ اُردو میں دوبارہ داخل ہوا ہے۔

وہ کہتا ہے :-

ہور دیکھاؤ سب فرشتوں کو نبی کا نور آج
جس نبی کوں میں دیا جو دین دنیا کا سوراج

(ورق ۲ الف)

آغاز۔

یا الٰہی شکر تیرا کس زباں سوں ہوں کروں
توں خدا طاحب سبھوں کا حکم تیرے میں ہوں
تیں کیا پیدا محمد جس نبی سوں سب ہوا
عرش، کرسی، لوح تینو اور قلم چوتھا کیا
توں خدا خالق زمیں اور آسماں کا بالیقیں
تیں فرشتے آدمی پیدا کیا دنیا و دیں

(ورق ۱۰ ب)

اختتام کی تین بیتیں اوپر مندرج ہو چکی ہیں۔
ترقیمہ صرف " تمت تمام شد کار من نظام شد " لکھا ہے۔ خط، کاغذ اور سلسلہ کی یکسانیت کی بنا پر اس کا کاتب بھی محمد عارف ہی ہے جس نے قصائد ہجو لکھے ہیں۔ زمانۂ کتابت گیارھویں صدی ہجری۔

اس کتاب کے سرورق پر ایک دلچسپ اُردو دعا فارسی عبارت کے درمیان لکھی ہے۔ اگر کسی کی آنکھ میں پھولا ہو جائے تو اس کے علاج کی ترکیب بتائی ہے جس کے سلسلہ میں بیمار کو یہ عمل پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یا سجان یا سلطان شاہ شمس تبریز
جیسا تجھ میں تیز تیسا آنکھ میں تیز
شیخ فرید شکر گنج ذرا نہ رہے رنج

(۷) مناجات علی زحمتی [۱۲۶-ج]

اوراق ۲ - سطور ۱۵ - تقطیع ۵×۸"
خط نستعلیق شکستہ۔ مصنف علی زحمتی۔
کاتب محمد عارف۔

یہ ۲۳ ابیات کی مثنوی ہے جو بطور مناجات لکھی گئی ہے۔ شاعر نے آخر میں اپنا تخلص بیان کر دیا ہے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ خاتمہ کے ساتھ ہی فارسی نثر میں ایک طویل حدیث شریف کا ترجمہ ہے جو مُردوں کے کپڑوں کو گھر میں رکھنے کی مضرتوں سے متعلق ہے۔

خط کی یکسانیت اور قصیدۂ جنونی سے تسلسل ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کاتب بھی محمد عارف ہے۔

آغاز۔

الٰہی بحق محمد رسول دعا مجھ گنہگار کی کر قبول
تیرا نام قاضی جو حاجات ہے
کلیاں سب کے دل کی ترے ہاتھ ہے

اختتام۔

ہماری دعا نہیں اگر مستجاب
محمد کی برکت سوں کر مستجاب
ترے فیض رحمت سوا اے کردگار
علی زحمتی کو (ہے) تیرا اُمیدوار

(۸) [۸۳]

سیف الملوک و بدیع الجمال

اوراق ۱۰۸ - سطر ۱۳ - تقطیع ۱/۲ ۴ x ۱/۲ ۶
خط نستعلیق - مصنف ملّا غواصی - سنہ تصنیف ۱۰۳۵ھ

کاتب زین العابدین حسینی - سنہ کتابت ۱۲۲۶ھ

یہ قدیم اُردو کی وہ مشہور مثنوی ہے جو گولکنڈے اور بعد کو حیدرآباد کے ایک بڑے شاعر ملّا غواصی نے لکھی ہے۔ اس میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کی عشق عاشقی کی داستان بیان کی گئی جو الف لیلیٰ سے ماخوذ ہے۔ اس شاعر کو عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں اتنا عروج ہوا کہ وہ ۱۰۴۵ھ میں سفیر بنا کر بیجاپور بھیجا گیا تھا۔ اور وہاں بھی اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی۔ اس کے تفصیلی حالات اُردوٗ شہ پارے اور دکن میں اُردوٗ جیسی کتابوں میں چھپ چکے ہیں اور خود اس کتاب کے مطبوعہ نسخے میں بھی (جو مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے میر سعادت علی صاحب رضوی ایم۔ اے نے شایع کیا ہے) درج ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

غواصی کے مرثیے اور غزلیں بھی موجود ہیں۔ اس کی ایک دوسری طویل مثنوی طوطی نامہ بھی مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے شایع ہوچکی ہے۔

غواصی نے یہ کتاب (سیف الملوک) غالباً سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں لکھی تھی۔ چنانچہ ایک نسخے میں اسی بادشاہ کی مدح درج ہے لیکن اکثر نسخوں میں سلطان عبداللہ کی مدح ملتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب سلطان محمد کے عہد میں لکھی جاچکی تھی لیکن جب اس نوجوان بادشاہ نے ۱۰۳۵ھ میں یکایک انتقال کیا اور کمسن شہزادہ عبداللہ مرزا تخت نشین ہوا تو شاعر نے مدحیہ ابیات میں نام بدل ڈالا۔ مدح سلطان عبداللہ قطب شاہ کی چند ابیات یہاں درج ہیں جن سے شاعر کی زبان اور قوت کلام کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے۔

چند رچھو دال خسروی برج کا　　امولک رتن حسن کے درج کا
سو سلطان عبداللہ آفاق گیر　　سو گھن ہے شہنشاہ گردوں سریر
سکل بادشاہاں میں اس کا ہے ناؤں　　اوسی قطب کا قطب تارا ہے چھاؤں
دلیراں سو ہیبت سوں ہٹتے ڈریا　　گویاں میں تیے تیراں نکلتے دریں
ہتم اس شاہ کو کامرانی سجے　　عدالت میں نوشیروانی سجے
خزانے جو ہیں شہ کے بھرپور ہو　　جواہر کے ہیں عین سمدر ہو
جتا اوس خرچتے تو سرتا نہیں　　جتا لا کو بھرتے تو بھرتا نہیں
نہ شہ سار سورج کس اسمان میں　　نہ شہ سار تن ہے کسی کان میں
اچھو دوست شہ کے جو شہ پھانوں تل　　دندے ہور سب دشمناں پاؤں تل
غواصی جو شاعر ہے شہ کا مدام　　کرے یوں دعا شاہ کو صبح و شام
کہ شہ گھر سدا عیش کا کاج اچھو　　بسے لک دنیا شاہ کا راج اچھو

اس نسخے میں دو ہزار دو سو ابیات ہیں۔ چونکہ کاتب نے تیرہویں صدی ہجری کے اوایل میں اس کو نقل کیا ہے اس لئے بعض قدیم الفاظ کو رائج الوقت تلفظ کے مطابق لکھا ہے۔ اس کتاب کے نسخے انجمن ترقی اُردوٗ اور نواب سالار جنگ بہادر کے اور دوسرے کتب خانوں میں بھی محفوظ ہیں۔

آغاز :-

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں　　کرنہار جم بادشاہی سو توں
ترے حکم تل نو کر اسمان کے
رعیت ملک تیرے فرمان کے

اختتام :-

برس ایک ہزار اور پینتیس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں
جو عارف وجو داں نزاکت شناس
صفا اوس تے حاصل کریں قیاس
بریاں کو تو سب آسے یو کام کوں
دیوے ذوق اوک خاص ہور عام کوں
کہن ہار یو لاب پہ لاب پائے
سدا سرخ روئی کر آب پائے
مبارک اچھو شاہ کو یو مدام
بحق محمد علیہ السلام

(و.ق ۸۷ و)

ترقیمہ :-

"حصل فراغنا من تسوید ہ
فی الیوم الاحد وسبع عن شہر
ربیع الثانی سنہ ۱۲۲۶ھ راقمہ زین العابد الحسینی
و مالکہ "

دستخط کے نیچے ایک مستطیل مہر ہے جس پر سید زین العابدین خاں سنہ ۱۱۹۹ھ ثبت ہے۔ دوسری طرف ایک مدور مہر ہے جس کے حروف پڑھے نہیں جاتے۔ اس مہر کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے یہ نسخہ ادارہ کے کتب خانہ کو عطا فرمایا ہے۔

(۹) فقہ ہندی [۷۰]

اوراق ۴۷۔ سطور ۱۰۔ تقطیع ۴/۳ ۸ × ۲/۱ ۶
خط نستعلیق۔ مصنف عبدی امین،
سنہ تصنیف ۱۰۷۴ھ سنہ کتابت ۱۲۳۵ھ

یہ ۴۶۰ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام غالباً عبدالامین اور تخلص عبدی تھا۔ اس میں شرعی مسائل کو مختلف عنوانوں (مثلاً فرض ایمان، فرائض وضو، سنتہائے وضو مستحب و نوافل وضو، منہیات وضو، سنتہائے غسل، موجب غسل تیمم، حیض و نفاس، مسح موزہ، استنجا، صلوات، سجدہ سہو تراویح، زکوٰۃ، حج، وغیرہ) کے تحت واضح کیا گیا ہے۔

اس رسالہ کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں اس کا ایک ناقص نسخہ ہے جس میں سنہ تصنیف کا شعر موجود نہیں اور شاعر کا نام بھی غلط درج ہے (دیکھو فہرست اردو مخطوطات صفحات ۴۸ تا ۵۱)

جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں لکھا ہے :-

کتنے مسئلے دین کے عبد کہے امین   فقہ ہندوی زبان پر بوجھو کر و یقین

ادارے کے نسخے میں یہ شعر یوں ہے

کتنے مسئلے دین کے عبدی کہے امین   فقہ ہندی زبان پر بوجھو کر و یقین

جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں سنہ تصنیف کی بیت نہیں ہے لیکن فہرست مخطوطات میں ایک خانگی نسخے سے تاریخ کی بیت یوں نقل کی گئی ہے :-

سن یک ہزار چوہتر میں بیچ رمضان
اورنگ زیب کے وقت میں نسخہ ہوا تمام

قافیہ غلط ہو گیا ہے اور اس طرح بیت غلط ہے۔

ادارے کے زیر نظر نسخے میں یہ بیت یوں درج ہے

سن ہزار چوتیر بیچ ماہ رمضاں تمام
اورنگ زیب کے دور میں نسخہ ہوا انظام

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادارہ کا نسخہ فقہ ہندی نہایت صحیح اور مکمل ہے۔ نیز کتابت کے لحاظ سے بھی تاسیس سال قبل لکھا گیا ہے۔ کیونکہ جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ۱۲۶۱ھ کا مکتوبہ ہے اس نے جو تخلص عبدی اس میں درج ہے وہی صحیح ہے نہ کہ عبدو۔

مصنف کے وطن کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس نے بھی اپنی زبان کو ہندی لکھا ہے۔ خصوصیات زبان کے لحاظ سے عبدی احمد نگر یا گجرات کا شاعر ہوگا۔ ممکن ہے کہ عبدی کا دوسرا تخلص امین ہو کیونکہ اس نام کا ایک گجراتی شاعر تقریباً اسی زمانے میں گزرا ہے جس نے اورنگ آباد میں عرصہ تک قیام کیا تھا اور ۱۰۸۰ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا منظوم کی تھی جس کے نسخے پیرس اور لندن کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (دیکھو اُردو شہ پارے صفحہ ۱۳۶۔ دکن میں اُردو صفحہ ۲۱) ایک اور شاعر امین ابوالحسن تانا شاہ کا ملازم تھا جس نے ۱۰۹۸ھ میں ایک مثنوی قصہ ابو شحمہ لکھی تھی (اُردو شہ پارے صفحہ ۱۱۵ دکن میں اُردو صفحہ ۳۰) ممکن ہے کہ تینوں شاعر ایک ہی ہوں۔ زمانہ تینوں کا ایک ہے۔

آغاز:- حمد و ثنا سبھ رب کوں خالق کل جہان
لائق حمد و ثنا کی اور نکوئی جان
علم شریعت کا رنے بھیجا پاک رسول
جو کچھ بھیجا رب نے سبھ ہم کیا قبول
یارب اپنے کرم سوں بے حد بیچ درود
نبی محمد مصطفےٰ تس سوں ہو خشنود۔

اختتام:-
کہہ آوے نظر میں پڑھے درود و دعا
اور تہلیل تکبیر کہہ جو ہے امر خدا
فقہ ہندی کوں سوں سناں آتو زباں پر یاد
مسلہ آوے دین کا مول نہ ہو فساد
سن ہزار چوتیر بیچ ماہ رمضاں تمام
اورنگ زیب کے دور میں نسخہ ہوا انظام

ترقیمہ:-
"کتاب فقہ ہندی تمام شد بروز یکشنبہ تاریخ شہر محرم الحرام ۱۲۳۵ھ ہجری"

---

(۱۰) معراج نامہ [۹۸]

اوراق ۱۰۶۔ سطور ۱۰۔ تقطیع ۳ x ۵
خط ثلث۔ مصنف سید بلاقی۔ سنہ تصنیف ۱۰۸۰ھ۔ سنہ کتابت ۱۱۶۵ ہجری
ابتدا کا ایک ورق غائب ہے۔

یہ تقریباً ۵۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جو غالباً حیدرآباد کے ایک شاعر سید بلاقی کی تصنیف ہے۔ اس کا موضوع معراج ہے۔ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ شاہان اودھ کے کتب خانوں میں اس کے تین نسخے موجود تھے (اسپرنگر ص ۶۰۹) جامعہ عثمانیہ میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ ان کی فہرست اردو مخطوطات میں پروفیسر سروری نے اس کا خلاصہ درج کیا ہے (ص ۹۱) جامعہ عثمانیہ کا نسخہ ۱۲۱۵ھ کا مخطوطہ ہے۔ نواب سالار جنگ بہادر

کے کتب خانہ میں اس کے تین نسخے موجود ہیں جن میں سب سے قدیم ۱۰۹۹ھ کا مکتوبہ ہے۔ اس طرح ادارہ کا نسخہ ان سب سے قدیم ہے۔

جامعہ کے نسخے میں ابتدائی ابیات یہ ہیں:-

اول نام اللہ سو بولوں احد — ثنا وصفت اس کی ہے بے عدد
ثنا اس پر نت سزاوار ہے — کرنہار قدرت میں کرتار ہے

ادارے کے نسخے میں پہلا ورق غائب ہے۔ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے:-

بیاباں جھاڑاں سو تسبیح کریں — کہ تجہ یاد سوں حوض ندیاں بھریں
کیا آب آتش سو مائی کنکر — دگر باد کر ماو ڈونگر پتھر

جامعہ کے نسخے کی آخری بیت یہ ہے:-

جو سید بلاقی نبی کا غلام — قصہ یو کیا اس میں لطف سوں تمام

ادارے کا نسخہ زیادہ صحیح ہے اس میں یوں لکھا ہے:-

جو سید بلاقی نبی کا غلام — قصہ یو کھیا تجہ لطف سوں تمام
ہزاراں درود ہزاراں سلام — بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ میں کئی فارسی اور یہ اردو بیت بھی شریک ہے:-

الٰہی گنہ بخش لکھنہار کوں — سدا لابھ دے تو پڑہنہار کوں

"تحریر فی التاریخ غرہ شہر ذی حجہ ۱۱۶۵ھ تحریر یافت"

ایک اور معراج نامہ ۹۴۰ھ میں لکھا گیا تھا جس کا مصنف مختار تھا۔ اس کا ایک نسخہ آغا حیدر حسن صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے جو ۱۲۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔

(۱۱) ہدایاتِ ہندی [۳۰۱]

اوراق ۱۳۱۔ سطور ۱۵۔ تقطیع ۸×۵½"
خط نستعلیق ابواب اور ذیلی عنوانات سرخ روشنائی میں مصنف شیخ داؤد ضعیفی۔
سنہ تصنیف ۱۱۰۱ھ۔

یہ طویل مثنوی ۳۶۳۸ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس میں جملہ شرعی مسائل کو ۲۵ ابواب میں منقسم کر کے بیان کیا ہے۔ ہر باب میں کئی کئی مضامین ہیں یہ کسی عربی یا فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اسی موضوع کی عربی و فارسی کتب کو پیش نظر رکھ کر مصنف نے (جو بڑا عالم اور فقیہ معلوم ہوتا ہے) خود ایک نئی کتاب دکنی میں مرتب کی ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ یہ زبان آج کل اس حصۂ ملک میں بہت مقبول ہے اور شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

کتاب کے پچیسویں باب کی دوسری فصل "در ختم کتاب و اسم مصنف گوید" کی چند منتخب ابیات یہاں نقل کی جاتی ہیں جن سے کتاب اور اس کے مصنف کا نام اور موضوع وغیرہ ظاہر ہوگا۔

مسائل یو فقہاں کے اسناد سوں — لگا ہے کیا پڑ کہ استاد سوں
کہ اکثر زبان ہند کی اس طرف — لگے خوش جو پڑتے ہیں دکھنی حرف
اسی واسطے ہدیہ یو ہند کوں — جو لیایا دکھن سال کے سند سوں
ہدایات ہندی لکر اس کا ناؤں — رکھیا ہور دیا یا ہوں ہندیاں کے ٹھاؤں
کہ ہندی کیرے ہیں ہدایت یتی — بس اسلام کی اس ہدایت ہیں تو (۱)
شفاعت رویت کا جو کاج ہے — ضعیفی اسی کا چہ محتاج ہے
یہی احتیاج اپنے دل میں بکر — یہ زیبا ہوں ہیں اس بستے کی لڑ

لقب اس ہوا شیخ داؤد نادل — ضعیفی ہوا اس کے تخلص کا داد
عربی میں ہور فارسی میں کتیک — مسائل ضروری لکھیا دیک دیک
عرب ہور عجم کا سخن پائیا — سو دکھنیاں کوں دکھنی میں سمجھایا

شاعر نے اپنا تخلص ضعیفی کتاب کے آخری حصہ میں جگہ جگہ استعمال کیا ہے مثلاً :-

خدا کی عطا بن نہ ہوکس نصیب — ضعیفی توں یہاں اپنی گردن اجیب
ای ہادی ضعیفی کوں امید ہے — نبی کی شفاعت کا گل ہار دے

آخری باب کی تیسری فصل میں شاعر نے بادشاہِ وقت کی یوں مدح کی ہے :-

یہ دور جہاندار اورنگ زیب — کہ جس تے ہوا اس زمانے کوں زیب
شہنشاہ عادل اہے دراصور — کہ بدعت ضلالت ہوا جس تے دور
دیا حق تعالیٰ نے یوں حسن کو جس — جو دشمن ہوا اس انگے خوار و خس
دھریا سر پہ جو چتر شہی کا و تاج — ولی ہور دکھن کا ہوا ایک راج
عجب فتح و نصرت ہے اس کے سنگات — جو کوئی نیں کیا اس سوں دعوی کی بات
کہ شاہاں بھی اول ہوئے ہیں تو کیا — نہ کوئی زہد و تقویٰ میں ایسا دسا
اہے اس سے بھی ولی کی صفات — کہ ہو آئے جو ہوں سوں کاڑے سو بات
جو دین اسلام کا کارساز — الٰہی توں کر عمر اُس کی دراز

اس مدح سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نہایت مذہبی شخص تھا اور اس مدح کو اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ ایک دکھنی شاعر نے اُسی فاتح دکھن کی پہلی بار تعریف کی ہے جس کی ہجو میں اس سے پہلے کے شعرا خاص کر نصرتی نے متعدد شعر لکھے ہیں۔ اسی مدح کے سلسلہ میں شاعر نے سنہ تصنیف وغیرہ اس طرح بیان کیا ہے :-

غرض اس زمانے نے شاہ کے — مسائل کیا دین کی راہ کے
جو تاریخ ہجرت ہزار ایک سو بیچ — ہدایات ہندی ہوا یو تو بیچ

اگیا اسواں میں ہبر کے تو تمام — ادہی بیچ تمت کا دیکھیا مقام
صدی بارہویں کا لگیا تھا برس — اسی بیچ باجا یو دکھنی جرس
ولیکن شہنشاہ کے دہر میں — مبارک او ذوالحجہ کے شہر میں
انھی سات تاریخ ادن مشتری — یو نسخہ مرتب ہوا خوشتری
مرتب یو نسخہ اچھو بردام — بحق محمد علیہ السلام

یہ اختتامی شعر ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے سنہ ١١٠٠ھ میں لکھنا شروع کیا اور بروز جمعرات [illegible] ذیحجہ ١١٠١ھ کو آخری بیت لکھ کر مکمل کیا۔ اس کتاب کے دو نسخے نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہیں۔

شیخ داؤد ضعیفی کی ایک اور کتاب انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں ٣٦٠ ابیات میں ایک عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو حضورِ سرورِ کائنات کی محبت میں بے تاب ہو کر جل گئی۔ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ ضعیفی کی دونوں کتابوں کا تفصیلی تذکرہ "اردو شہ پارے" (صفحات ٤٣٠، ١٣٥) میں درج ہے۔ لیکن ہدایاتِ ہندی کا سنہ تصنیف ١٠٩٩ ہجری لکھا ہے جو ادارے کے اس نسخے کی معلومات کی بنا پر غلط معلوم ہوتا ہے۔

ہدایات ہندی میں جگہ جگہ آیات قرآنی، احادیث اور عربی اور فارسی کی مستند کتابوں کی عبارتیں بھی درج کر کے ان کی منظوم شرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اسلامی فرائض اور شریعت کے جملہ مسائل پر ایک مستند تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں ایک اور شاعر فتح شریف بلخی نے ایک فصل کا اضافہ کر کے پند نامۂ لقمان کا دکھنی میں ترجمہ کیا ہے۔ چونکہ اس پند نامہ کا ذکر [illegible] ہدایت نامہ کتاب کی حیثیت

سے اس فہرست میں کیا جا رہا ہے۔ اس لئے یہاں اس کے دو ابتدائی اشعار درج کئے جاتے ہیں جن میں فتح شریف نے ہدایات ہندی کی ابیات کی تعداد وغیرہ بتائی ہے:-

ہدایات ہندی کا یو سب کلام
بیاں وار بولوں انگے بھی تمام
ہزار تین یو ہزدہ ہندی بیت [3018]
کہ علم سلوک ہو و شریعت سمیت
مرتب کرے جب یو نسخہ تمام
دعا منگے شیخ داؤد نام (۹)
چھ سو کے اُپر بیس بیتاں نوی
جو مقصود کیں کیں نہ تھا سو ہوی
بھی بیتاں نویاں کی یو تاریخ سن
سو ہجرت سوں بولوں تجہ ای نیک گن
اگیاراں [1130] سو پر بھی تھے تیس سال
سو داخل کیا ہیں یو نسخہ میں وال
مطالعہ کتاباں کا جب ہوے گا
زیادہ یو مفہوم تب ہوے گا
زیادہ کیا جن سو اس کا جو نام
کہ ف ت د گر ح ر ہی والسلام
شریف زادہ ہے قوم بلخی وطن
کہ جد ہے براہیم گوڈر سخن
انگے بھی سو یہ پسند نقان ہے
سمجھ کر کرے تجہ جو عرفان ہے

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ داؤد ضعیفی کی اصل کتاب ہدایات ہندی کی تین ہزار اٹھارہ ابیات میں جگہ جگہ بعض مسائل کی وضاحت کے لئے فتح شریف نے ۱۱۳۰ھ میں مزید چھے سو بیس بیتوں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح یہ نسخہ ہدایات ہندی کے دیگر نسخوں کے مقابلہ میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔

فتح شریف اور اس کی تصنیفات کا ذکر آگے آئے گا اس لئے ہم یہاں اصل کتاب کے آغاز و اختتام کی بیتیں درج کر دیتے ہیں:-

آغاز:-

اول پاک ہادی کا لے ناؤں میں
ہدایت اُسی پاک تے پاؤں میں
بھی احمد نبی کی رسالت پہ آ
گواہو کو گت پاؤں اسلام کا
اتا حق کی توحید سوں کر کلام
محمد پہ بولوں صلوٰۃ و سلام

اختتام:-

اتھی سات تاریخ دن مشتری
یو نسخہ مرتب ہوا خوش تری
مرتب یو نسخہ اچھو بر دوام
بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ:-

"این کتاب ہدایت ہندی در شہر ذیحجہ
بتاریخ نوزدہم یوم الاحد در قریہ ہلیلی
تحریر یافت"

تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ غالباً اوائل تیرھویں صدی ہجری میں لکھی گئی تھی۔ اوراق کے آخر میں کسی نے معمولی

خط میں حضرت محبوب سبحانی کی تعریف میں کچھ اردو شعر لکھے ہیں
جن کے نیچے ۵ رمضان ۱۳۱۰ ہجری لکھا ہوا ہے۔

ترتیب میں ۱۰ فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ
میں اس کتاب کا نام "ہدایت ہندی" لکھا گیا ہے جو غلط
ہے۔ صحیح نام ہدایات ہندی ہے جیسا کہ خود مصنف کی ان
ابیات سے ظاہر ہوگا جو اوپر درج کی گئی ہیں۔

(۱۳) پند نامۂ لقمان [۳۰۲]

اوراق ۵۔ سطور ۱۵۔ تقطیع ۵×۸"
خط نستعلیق۔ مصنف فتح شریف بلخی۔
سنہ تصنیف ۱۱۳۰ ہجری

۹۸ ابیات کی مثنوی ہے جس کو فتح شریف بلخی
نبیرہ ابراہیم گوڈر نے ۱۱۳۰ھ میں ایک فارسی نثر کے رسالہ
"پند نامۂ لقمان" سے دکنی میں منظوم کیا۔ اس پند نامہ کو
مصنف نے اصل میں ہدایات ہندی کے ساتھ شامل کر دیا ہے

فتح شریف گوڈر کا رہنے والا ایک دکنی شاعر تھا
جس نے ضعیفی کی ہدایت ہندی میں چھ سو بیس (۶۲۰) نئی ابیات
کا اضافہ کرنے کے علاوہ اور بھی کلام لکھا تھا۔ چنانچہ اس کا
ایک رسالہ "قصہ زلیخائے ثانی" جامعۂ عثمانیہ کے کتب خانہ
میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک مثنوی ہے جس کا سبب تالیف
مصنف یہ بیان کرتا ہے کہ یہ قصہ پہلے فارسی میں تھا اور
میں نے اس کو دکنی میں اس لئے منتقل کیا کہ ایک روز
میں اپنے وطن شہر گوڈر کے مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک مسافر
آیا اور اس نے زلیخا کا قصہ بیان کر کے لوگوں کو متوجہ کیا۔
یہ سن کر مصنف کے ایک نامور دوست محمد امین نے اس کو
قسم دے کر کہا کہ تم بھی زلیخائے ثانی کا ایک ایسا قصہ لکھو
جس کی وجہ سے شہر گوڈر کی شہرت ہو جائے کہ اس میں
فتح جیسا شاعر رہتا ہے۔ غرض ایک سال کی مدت میں یہ قصہ
تکمیل کو پہنچا۔ اس کا خلاصہ پروفیسر سروری نے جامعہ عثمانیہ کی
فہرست اردو مخطوطات میں قلمبند کیا ہے (دیکھو صفحات ۱۱۵، ۱۱۶)

اور اسے [illegible] اس مخطوطہ میں لقمان کی سو نصیحتیں
منظوم کی گئی ہیں جو اس حکیم نے اپنے فرزند کو کی تھیں۔
مصنف کے نام اور تاریخ کی ابیات ہدایات ہندی کے
تذکرے میں نقل ہو چکی ہیں۔ پند نامہ کی آخری بیت میں
بھی مصنف نے اپنا نام لکھ دیا ہے۔ آغاز اور اختتام کی ابیات
سے سبب تالیف اور دیگر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

آغاز:- اللہ ہی سو یو پند لقمان ہے۔

سمجھ کر کرے تجہ جو عرفان ہے
وے نثر میں فارسی تھا اول
کیا نظم دکھنی سوں یو بے بدل
اسے جس منے فائدہ تجہ عظیم
کرے پند او دل سیتے مستقیم
سو بولے ہیں لقمان اس دھات سات
جو فرزند اپنے سو کھولے نکات

اختتام:- یو جتنا سنیا سو رکھے یاد توں
کہ تا ہووے ہر دو جہاں شاد توں
جمع یو نصیحت سو یک صد ہوا
اتّی دو اُپر بیت کا عد ہوا
کہ فتح شریف نے بولیا تمام
درود بر محمد علیہ السلام

مصنف نے ابیات کی تعداد ۲۰۸ لکھی ہے لیکن اس نسخے میں ۱۰۹ ابیات زیادہ ہیں۔ ترقیمہ وہی ہے جو بدایا نہ مبتدی کے آخر میں نقل کیا گیا ہے

لقمان نے اپنے فرزند کو جو نصیحتیں کی تھیں ان میں سے چند یہ ہیں :-

(۱) کام ایسا کرو جس میں کوئی نقص نہ نکال سکے۔

(۲) ہر ایک کے مرتبہ کا لحاظ رکھ کر اپنے لائق بات کہو

(۳) اپنے راز کو آشکار نہ کرو غصہ اور غضب کے وقت اس کی آزمائش ہوتی ہے۔

(۴) دوست کو نفع و نقصان کے وقت آزماؤ۔

(۵) نادان اور احمق سے دور رہو اور دانا دوست پیدا کرو۔

(۶) نیک کام کرنے کی کوشش کرو۔

(۷) جوانی کو غنیمت سمجھو۔

(۸) دوست اور دشمن سے ابرو کشادہ ملو۔

(۹) ماں باپ کو خدمت سے خوش رکھو۔

(۱۰) خسر اور استاد کا حق ماں باپ سے کم نہ سمجھو۔

(۱۱) خرچ آمد کے موافق کرو۔

(۱۲) سخاوت اور مہمان داری کو پیشہ بناؤ۔

(۱۳) کسی کے گھر جاؤ تو اپنی زبان، ہاتھ اور آنکھوں سے خبردار رہو۔

(۱۴) کپڑے اور جسم پاک رکھو۔

(۱۵) دوستوں کے فدائی بنو۔

(۱۶) فرزند کو مستعد، عالم، تیرانداز، شہسوار اور ادب میں کامل بناؤ۔

(۱۷) جوتا، موزہ یا نعلین پہنو تو پہلے دایاں پاؤں ڈالو اور نکالتے وقت پہلے بایاں نکالو۔

(۱۸) رات میں آہستہ اور دن میں چاروں طرف نظر رکھ کر بات کرو۔

(۱۹) کم بولنے، کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔

(۲۰) بچوں اور عورتوں سے راز نہ بیان کرو۔

(۲۱) پرائی متاع کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۲) بد اصلوں سے نیکی کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۳) بغیر سوچے کام نہ کرو۔

(۲۴) جو کام نہیں کیا اس کا شمار کئے ہوئے کاموں میں نہ کرو۔

(۲۵) آج کا کام کل پر نہ ڈالو۔

(۲۶) بخیل آدمی اور ناگن سے خوبی کی اُمید نہ رکھو۔

(۲۷) بزرگوں کے روبرو لانبی بات نہ کرو۔

(۲۸) گزرے ہوؤں کو بُرائی سے یاد نہ کرو۔

(۲۹) اپنی چیزوں میں دوسروں کی چیزیں نہ ملاؤ۔

(۳۰) میاں اور بیوی میں پردہ نہ رکھو۔

(۳۱) جو کچھ مال خدا نے تم کو دیا ہے اس کو دوست دشمن کو نہ دکھاؤ۔

(۳۲) عزیزوں کو عزیزوں سے نہ توڑو۔

(۳۳) غیبت سے کسی کو یاد نہ کرو۔

(۳۴) ہر ایک سے قوت آزمائی نہ کرو۔

(۳۵) خود میں استطاعت پیدا کئے بغیر دوسروں کے دسترخوان پر روٹی نہ کھاؤ۔

(۳۶) ہر کام میں عجلت نہ کرو۔ وغیرہ

(۱۳) ہدایات ہندی [۵۹]

اوراق ۱۵۱ - سطور ۱۱ - تقطیع ½۵ × ½۷

خط نستعلیق - مصنف شیخ داؤد ضعیفی -

سنہ تصنیف ۱۱۰۰ھ کاتب محمد امیر الدین -

سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ - مقام اورنگ آباد -

مخطوطہ نمبر ۱۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں فتح شریف کا لکھا ہوا اضافہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف ضعیفی کی اصل کتاب کی نقل ہے - اس کی بعض ابیات مذکورہ نسخے سے مختلف ہیں مثلاً

نسخۂ نمبر ۱۱	نسخۂ نمبر ۱۳
لقب تن ہوا شیخ داؤد ناؤں	ہیچ دال الف واو ہور دال ناؤں
ضعیفی ہوا اس کے تخلص کا ٹھاؤں	ضعیفی ہوا اس کے تخلص کا ٹھاؤں
دیا حق تعالیٰ نے یوں جس کوں جس	دیا یوں اسے حق تعالیٰ نے جس
جو دشمن ہوا اس انگے خوار و خس	جو دشمن ہوئی اوس انگے خار و خس
دھریا سر پو چو پن شہی کا وو تاج	دھریا سر پو پاؤں شہی کا وو تاج
دلی ہور دکھن کا ہوا ایک راج	دلی ہور دکھن کا ہوا ایک راج
بسیکن شہنشاہ کے دہر میں	دلی کے شہنشاہ کے دہر میں
مبارک او ذوالحجہ کے شہر میں	مبارک وو ذی الحجہ کے شہر میں

مصنف کا نام نسخہ ۱۳ میں جس طرح لکھا گیا ہے اصل میں اسی طرح مصنف نے لکھا ہوگا تب ہی تو فتح شریف نے بھی پندنامہ میں اسی طرح اپنا نام لکھا - یہ نسخہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن ناقص الاول ہے - ابتدائی چھ ابیات نہیں ہیں -

آغاز :-

تو البتہ او دین کی بات کوں سنے کان دھر دل کے اخلاص سوں

یہ بولوں بیان دین ایمان کا کہ جس سوں شرف ہے مسلمان کا

اختتام :-

اتھی ساہ تاریخ دن مشتری یو نسخہ مرتب ہوا خوش تری

مرتب یو نسخہ اچھو بر دوام بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ

تاریخ ہفتم ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ ہجری روز جمعہ بعد از نماز مغرب وقت تمام شد - کاتب الحروف محمد امیر الدین ساکن اطراف اورنگ آباد برائے حل ذی صاحب سوداگر زبروی دام اقبالہٗ تحریر یافت بدست -

امیر الدین ندارد توشۂ راہ بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

یادگاری را نوشتہ این کتاب کمترین عاجز امیر الدین تاب

---

(۱۴) شمائل النبی [۱۰۹]

اوراق ۱۲ - سطور ۸ - تقطیع ½۲ × ۴

خط ثلث - مصنف عبد المجید ترین - کتابت اوائل بارہویں صدی ہجری -

یہ ۷۰ ابیات کی مثنوی ہے جس کو ایک دکھنی شاعر عبد المجید ترین نے پشتو زبان کے ایک مصنف اخوند رویزانی کے رسالہ سے ترجمہ کیا ہے اس میں حضرت رسول مقبولؐ کے شمائل (جس میں سراپا اور اخلاق و عادات شامل ہیں) نہایت خوبی سے قلمبند کئے گئے ہیں -

اسی موضوع پر ایک اور رسالہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نام شمائل محمدی اور جس کا

مُصنّف عثمان ہے اور جس کی ابتدائی اور آخری ابیات یہ ہیں :-

الٰہی گلشن دیدار میں توں | نبی کے نور سوں کرتو جہاں کوں
لکھا عثمان عاشق ہو شمائل | ہمیشہ کر رکھو گل میں حمائل

فہرست اُردو مخطوطات صفحہ

عبدالمجد ترین کی شمائل نبوی زبان کے لحاظ سے اس رسالے سے بہت قدیم ہے۔ اس میں مصنف نے سبب تالیف یوں بیان کیا ہے :-

کیا قصد عبدالمجد ترین | شمائل نبی کا کہوں بہترین
اخوند ردیزانی جو شپتو سنی | کیا ہے سو منگتا ہوں میں بولنے
شمائل نبی کا منگوں ٹولنے | کریا کرم کر زباں کھولنے
قریب الفہم نظم دکھنی اچھو | ہر یک کس کا دل اُسکوں سیکھنی اچھے

اختتامی ابیات میں شاعر نے اپنا نام عبدل ترین لکھا ہے۔

آغاز :-

الٰہی سچا توں ہے پروردگار | دو نو جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہے قادر سچا توں حکیم | سچا توں ہے صانع سچا توں رحیم

اختتام :-

شمائل نبی کا اسے سچ بہترین | کیا نظم دکھنی میں عبدل ترین
اگر کوئی پڑھے یاد کر کوئی سُنے | دعا نیک سوں یاد کرنا اُونے
خدایا گنہ بخش ہور منج خطا | دئے کر توں ایمان کی منج عطا
بحق محمدؐ ہے تیرا رسول | مناجات کر منج بندی کی قبول

ترقیمہ

الٰہی گنہ کو پڑھنے رکے | بخش تو گنہ کو لکھنہار کے

(۱۵) وفات نامۂ سرور کائنات [۹۸ب]

اوراق ۳۶ - سطور ۷ - تقطیع ۲ ۳/۴ × ۴ ۳/۴
خط ثلث - مصنف دریا - سنہ تصنیف ۱۱۱۷ھ
سنہ کتابت ۱۱۶۵ھ

یہ ۲۴۵ ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک شاعر دریا نے حضور سرور کائنات کی وفات کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ عربی اور فارسی میں تو اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ضرورت ہے کہ دکنی میں بھی لکھا جائے تا کہ لوگ خود پڑھ کر سمجھ سکیں :-

ہر یک دکھنی زبان سوں پڑ کو بوجے
نہ رہے محتاج کس سوں آپ سوجے

اس کتاب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے جس میں کتابت کی بے حد غلطیاں ہیں اور جس کو بہلول خاں نے ۱۲۲۴ھ میں (یعنی ادارے کے نسخے سے ۵۹ سال بعد) نقل کیا ہے۔ (فہرست مخطوطات صفحہ) ادارے کے نسخے میں آخری ورق محفوظ نہیں رہا۔ سنہ تصنیف جامعہ کے نسخے میں موجود ہے :-

ہوا نسخہ یو ہجرت بعد سارا | ہوا برس گیارہ پر گیارہ

آغاز :-

بنا اول کروں حمد خدا میں | زباں اسدا دیراس کی ابتدا میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت | بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام :-

محب چار یاراں ہر دو عالم | ہمیشہ سرفرازی تاجدارم
کیا دریا رسالہ نظم سو سانچہ | یو بیتاں ہیں دو صد بیت پہ پانچہ

بقا نہیں ہے کسی کو آج دایم — بجز ذات خدا نہیں کوئی قائم
بقا شئی کر سمجھ یو عمر فانی — فنا ہوگا جہاں فلک ہزہانی

جامعہ کے نسخے میں ابیات کی تعداد کی بیت غلط نقل کی گئی ہے۔ یوں لکھا ہے:۔

یہ بیتاں ہیں دو صد بست و نہ پر

یہ مصرع بحر میں بھی نہیں آتا۔ ادارے کی بیاض میں صحیح مصرع درج ہے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے

وفات نامہ کا یہ نسخہ معراج نامۂ باقی (نمبر ۱۰) کے ساتھ مسلسل ایک ہی قلم میں اور اسی کاغذ پر نقل کیا گیا ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور شاعر امامی کی کتاب (دیکھو فہرست ہذا سلسلہ نشان ۳) کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس کا نام بھی وفات نامۂ سرور کائنات ہے۔

زیر نظر نسخے کے مصنف کے حالات معلوم نہ ہو سکے اس کا تخلص دریا ہے۔ اور یہ لفظ دکن کے دو بزرگوں کا لقب تھا۔ (۱) شاہ محمد قادری نور دریا (۲) بحر الدین قاضی دریا

۱۔ شاہ محمد قادری خلیفہ تھے شاہ امین الدین اعلیٰ کے اور ۱۰۸۵ھ میں فوت ہوئے۔ ایک کرامت کی وجہ سے نور دریا لقب پایا۔ رائچور میں مدفون ہیں (واقعات مملکت بیجاپور حصہ سوم ص۳۵۲) تاریخ تصنیف کے لحاظ سے یہ رسالہ ان کی تصنیف نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ ان کے کسی معتقد یا مرید کا ہو۔

۲۔ بحر الدین گوگی کے قاضی اور محمود بحری مصنف من لگن (متوفی ۱۱۳۰ھ) کے والد تھے ان کا لقب قاضی دریا تھا۔ (دیکھو فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ ص۸۵) یہ وفات نامہ غالباً ان کی تصنیف بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ۱۱۱۱ھ سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ ممکن ہے کہ اس رسالہ کی تاریخ تصنیف جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں غلط مندرج ہو کیونکہ وہ نسخہ بہت غلط لکھا گیا ہے۔ ادارے کے اس نسخہ میں آخری ورق محفوظ نہیں ہے جس میں سنہ تصنیف کی بیت شامل تھی۔ اگر سنہ تصنیف واقعی غلط ہو تو یہ رسالہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کی تصنیف سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(۱۶) تحفۃ النصائح (۱۵۷)

اوراق ۴۴۔ سطور ۱۳۔ تقطیع ½۵ × ½۷
خط نستعلیق۔ مصنف قطب رازی۔ سنہ تصنیف
۱۰۳۵ھ

یہ ۸۶۰ اشعار کا قصیدہ ہے جو اصل میں اسی نام کی ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ فارسی تحفہ کے مصنف سید یوسف راجو حسینی تھے جنھوں نے ۹۵۰ھ ہجری میں یہ رسالہ قلمبند کیا تھا۔ انھوں نے حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود کی مدح کی ہے اور اس کے بعد سبب تالیف کتاب بیان کیا ہے۔ ترجمہ میں رازی نے اصل کی پوری پابندی کی ہے اور ابتدائی حصہ میں اپنا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ آخر میں پینتالیسویں باب میں بہ عنوان "مناجات و خاتمہ" اصل کتاب اور ترجمہ دونوں کی تاریخ اور تعداد ابیات و ابواب اور سبب تالیف وغیرہ بیان کردئے ہیں۔ اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ بالعموم مثنوی لکھنے کا رواج ہے لیکن میں نے تحفہ قصیدے کے طور پہ لکھا ہے۔ (ورق ۴۳ ب) اور اس قصیدے کو ۴۵ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں مذہب و اخلاق

وتمدن کے مختلف مسائل کے بارے میں نصیحتیں کی گئی ہیں۔

مترجم نے وجہ ترجمہ یوں بیان کیا ہے :-

تحفہ اصل اہے فارسی سب ترجمہ دکھنی کیا
صاحب سو دنیا دین کے شہ بوالحسن فرمائے پر
بندیاں میں سب کمترا ہے رازی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکھنی زبان شہ کی رضا نے سیس پر
بندہ تو سب پُر عیب ہے جوں شاہ بخشے عیب توں
بندہ نوازی شاہ سوں او عیب ہووے سب ہنر
ہجرت تھے دس سو سال ہور چالیس پر بھی پانچ تھے
تب اہے مرتب سب ہوا تحفہ سو دکھنی نامور

(ورق ۶۳ ب)

جس سے پتہ چلتا ہے کہ رازی کا نام قطب یا قطب الدین تھا اور اس نے اپنے مرشد شاہ ابوالحسن کی فرمائش پر ۱۰۴۵ھ میں فارسی سے دکھنی میں یہ رسالہ منتقل کیا۔ بعض کتابوں میں اس کا تخلص راضی (بہ ض) سے لکھا گیا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا (دکن میں اردو ص۳۵) کیونکہ اس نسخے میں ہر جگہ رازی لکھا ہے۔ ایک غلط فہمی یہ بھی ہوئی ہے کہ رازی اور قطبی دونوں کو ایک ہی مصنف مان لیا گیا ہے۔ حالانکہ دونوں جدا جدا شخص تھے اور اس نسخے میں یہ کہیں معلوم نہ ہو سکا کہ رازی کا تخلص قطبی بھی تھا۔ (اردوئے شہ پارے ص۔۔۔)

رازی کو قطب شاہی شاعر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے جن بزرگ کی فرمائش پر یہ رسالہ لکھا ہے وہ بیجاپور کے تھے گولکنڈہ یا حیدرآباد میں اس عہد میں اس نام کے کوئی مشہور بزرگ نہیں گزرے۔ البتہ بیجاپور میں اس نام کے دو بزرگ موجود تھے۔ شاہ ابوالحسن فخرآبادی اور شاہ ابوالحسن قادری۔

رازی جن کا معتقد تھا وہ شاہ ابوالحسن قادری بیلہی ہیں جن کا سلسلۂ نسب حضرت محبوب سبحانی تک پہنچتا ہے وہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں بیجاپور گئے اور بڑی قدر و منزلت حاصل ہوئی۔ بادشاہ اور عوام بے حد معتقد ہو گئے۔ کئی کرامتیں مشہور اور منقول ہیں۔ بادشاہ نے معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۱۴ ربیع الثانی ۱۰۴۵ھ میں رحلت پائی اور اللہ پور دروازے کے باہر مدفون ہوئے۔ تاریخ اولیائے دکن میں عبدالجبار خاں نے شاہ ابوالحسن فخرآبادی کے علاوہ شاہ ابوالحسن قادری کا تذکرہ دو جگہ (ص۱۰۴ اور ص۱۰۹) اس غلط فہمی میں کیا ہو کہ یہ دو علیحدہ بزرگ ہیں۔

رازی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان کے کتنے معتقد تھے اور کیا صاحب اقتدار سمجھے تھے۔ یہ کتاب تحفہ ان کی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ہی لکھی گئی تھی۔

آغاز :-

بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
تن دھار کر آسمان رکھیا چندان سورج تارے قمر
دسے یوں بزرگی عرش کوں پنکھی اڑے یک پاتے
جیوں پنج برساں چار سو اپنڑے بزاں پائے دگر

اختتام :-

ہجرت تھے دس سو سال ہوا چالیس پر بھی پانچ تھے
تب اہے مرتب سب ہوا تحفہ سو دکھنی نامور

ترقیمہ نہیں ہے۔ بارہویں صدی ہجری کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

اس کے نسخے دفتر دیوانی و مال اور کتب خانہ نواب

سالار جنگ بہادر و جامعۂ عثمانیہ میں بھی موجود ہیں۔ نواب سالار جنگ بہادر کے چار نسخوں میں سب سے قدیم ۱۱۲۳ھ کا مکتوبہ ہے۔

اس کتاب کا سنہ تصنیف بالعموم ۱۱۴۲ھ بیان کیا گیا لیکن ادارے کے نسخے میں صاف طور پر ۱۰۴۵ھ درج ہے۔

---

(۱۷) چندر بدن و مہیار [۸۷]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳۔ تقطیع ۴½ × ۷½

خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف مقیمی

سنہ تصنیف قبل ۱۰۴۸ھ۔ سنہ کتابت ۱۱۲۸ھ

یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنے زمانے کے ایک مشہور واقعہ کو منظوم کیا ہے جبکہ عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی میں ایک ہندو شہزادی چندر بدن اور مسلمان تاجرزادہ مہیار (محی الدین) کے آپس میں محبت ہوگئی اور دونوں نے ایک دوسرے کے لئے جان دے دی۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہوا اور کئی شاعروں نے فسانہ کے پیرایہ میں اس کو بیان کیا اس کی تاریخی صداقت کا ذکر تُوزکِ آصفیہ (ص۱۵۱) میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی موضوع پر ایک اور شاعر کی مثنوی ادارے میں موجود ہے جس کا ذکر آئندہ درج ہوگا۔

مقیمی کا نام مرزا محمد مقیم تھا جو استرآباد (ایران) کے ایک سید خاندان کا فرد تھا۔ باپ کے ساتھ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے وطن سے نکلا۔ واپسی پر شیراز میں یتیم ہوگیا اور سرپرستی کی خاطر بیجاپور چلا آیا۔ جہاں اس کا ہم وطن فرشتہ استرآبادی موجود تھا اور تاریخ نگاری کا کام انجام دے رہا تھا۔ چنانچہ اس تاریخ (فتوحاتِ عادل شاہی) میں اُس نے اپنے اس نووارد ہم وطن کا شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ایک اور مورخ میر ابراہیم بن میر حسن نے بھی "احوالِ بادشاہانِ بیجاپور" میں اس کے فارسی دیوان اور اُردو کلام کا تذکرہ کیا ہے۔ (دیکھو نسخہ برٹش میوزیم ورق ۳۰ ب)۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھو اُردو شہ پارے ص۳۲ تا ص۳۹

شاعر نے اپنا تخلص مثنوی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے مثلاً :-

دنیا تو فنا ہے مقیمی سچ ہی — رہے گی بچن کی نشانی یہی (ورق ۱۳ا)

مُہر دی مقیمی زباں پر صفا — ز نعتِ محمد نبی مصطفیٰ (ورق ۲ا)

مقیمی پرت بیچ انپڑیا ہوں میں
پرت کے کند بیچ سنپڑیا ہوں میں (ورق ۲ب)

مقیمی بچن کا ترنگ ساز نول — بسرکاں چلیا ہے توں مہیار کوں (ورق ۱۱ب)

شروع سٹ مقیمی پیت پیار کا — قصہ کہہ توں پورا سو مہیار کا (ورق ۱۲ ب)

شاعر اس مثنوی کا سبب تالیف یہ بیان کرتا ہے کہ میں بندۂ محبت ہوں اور چاہتا تھا کہ محبت و وفاداری کا انتہائی ثبوت دوں۔ اس اثنا میں ایک دوست سے اتنا تعلق خاطر پیدا ہوا کہ میں اس کی محبت میں مدہوش ہوگیا اس نے مجھے گہری محبت کا ایک ایسا قصہ بیان کیا جس کو سُن کر ہر کوئی مجنوں اور لیلیٰ کی داستان بھول سکتا ہے۔ اس کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اشعار موتی کی طرح ڈھل ڈھل کر نکلنے لگے اور چونکہ میں زبان کا سچا جوہری ہوں اس لئے اپنی زبان سے گوہر گستری کر رہا ہوں اور اس قصۂ چندر بدن و مہیار میں غواصی کا تتبع کرکے اختصار سے بیان کر رہا ہوں

لیکن اس کے باوجود نہ میں اپنی تعریف کرتا اور نہ دوسرے کے شعروں کو مضمون بدل کر لکھتا ہوں۔ کیونکہ یہ خام شاعروں کا کام ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں کہ مقیمی نے اس قصہ میں بہت اختصار سے کام لیا ہے اور گولکنڈہ کے ملک الشعرا غواصی پر چوٹ بھی کی ہے کہ اس نے مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال میں بہت خود سرائی کی ہے۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں۔

قصہ نیچ پرت کا کہا ایک اُن — جو بسرے تو لیلیٰ مجنوں کو سُن
جو اول پہ یوں کر تفکر قریب — کہوں شعر موزوں حکایت عجیب
بچن دُر ہو دل تے ابلنے لگی — نوی طرز خوش تب نکلنے لگی
زباں کا اتا ہوں سچا جوہری — کروں نت زباں سو گوہر گستری
قصہ یک کہوں میں گہربار کا — سو چندر بدن حور مہیار کا
سُنے کوئی نیچ کو دعا یاد کر — رہیں گے تعجب سوں دل شاد کر
تتبع غواصی کا باندیا ہوں میں — سخن مختصر یا کے ساندیا ہوں میں
ولے میں اپس کوں سرایا نہیں — شعر میں کسی کا پھرایا نہیں
سرانا پھرانا نقص کام ہے — کرے اُن عمل یو کہ جو خام ہے

(ورق ۲ ب، ۳ و)

عجیب بات یہ ہے کہ مقیمی نے غواصی کی طرح نہ بادشاہ کی مدح لکھی اور نہ سنہ تالیف ہی قلمبند کیا جس کے باعث یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے یہ کتاب کس سنہ میں لکھی ہے۔ البتہ غواصی کی تصنیف سیف الملوک (۱۰۳۵ھ) اور امین کی بہرام و بانو حسن (۱۰۴۰ھ) کے درمیانی زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی ہو کیونکہ اس موخرالذکر کتاب میں مقیمی کے اُردو کلام کا تذکرہ ہے۔

اس مثنوی کے نسخے انڈیا آفس (بلوم ہارٹ ۱۰۰) اور ایڈنبرا یونیورسٹی (۸۷۲) کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں۔ موخرالذکر کا نسخہ ۱۱۰۵ھ کا مکتوبہ ہے۔

ادارے کے نسخے میں جملہ ۳۲۵ ابیات ہیں آخری صفحہ غائب تھا تو مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کے نسخے سے تکمیل کرائی گئی ہے ابتدائی ورق کی عبارت اور کاغذ اور خط سے ۱۱۲۵ھ کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

آغاز :-

مجھے فیض کچھ بخش تجہ دھیان کا
الٰہی تو حافظ ہے ایمان کا
مرا دین و ایماں سارا سو توں
مرے جیو میں کیتا ہے ٹھارا سو توں

اختتام :-

دنیا تو فنا ہے مقیمی سبہی — رہے گی بچن کی نشانی یہی
تو ہر جا کہ بینی بہ سہو و خطا — مرا بد بتجوید ز بہر خدا

ترقیمہ :-

منقول از مخطوطہ نصیر الدین ہاشمی۔ ۱۰ر مئی ۳۷ء

اس کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے ادارے کو یہ کتاب بطور عطیہ عنایت کی ہے

مخطوطہ جس ورق سے شروع ہوتا ہے اس پر کسی مثنوی کا یہ آخری شعر اور ترقیمہ درج ہے :-

توں مقبول کر جگ میں میرا کلام — بحق محمد علیہ السلام

تمت بالخیر۔ تحریر فی التاریخ چہاردہم ماہ ذیحجہ ۲۸ھ

اس کے نیچے سرخ روشنائی سے نصرتی کی یہ رباعی لکھی ہے :-

رباعی نصرتی :-

فرصت کی گھڑی کوئی بی ترے ہاتھ نہیں
پھیتا نہیں گردن کوں تو کیا رات نہیں
یک بوسہ نہ دے تلخ ہو چپ لڑکر پری
گو نیں ہے تو گو نہ سار کی کیا بات نہیں

---

۱۸ چندربدن ومہیار (۴۸)

اوراق ۴۳ - سطور ۱۳ - تقطیع ۵¾ × ۴¾
خط نستعلیق - مصنف بلبل -

یہ مثنوی مقیمی کی اسی موضوع کی مثنوی سے بڑی اور کچھ عرصہ بعد لکھی گئی ہے یہ دراصل آتشی کی فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے جو شاعرانہ تخیل اور لطافت زبان کے لحاظ سے مقیمی کی مثنوی سے بہتر ہے۔ شاعر نے اپنا تخلص کئی جگہ استعمال کیا ہے:-

کرے کیا وصف گل بلبل فدائی | محمد ہور خدا میں نیں جدائی
(ورق ۵ ؤ)
چمن آرا حیا اے سرو رفتار | ہوا قمری کے تیوں بلبل گرفتار
(ورق ۵ ب)
توں بلبل خاص گلزار سخن ہی | سخن تیرا چمن اندر چمن ہے
(ورق ۶ ؤ)
او گل ہو طبع بلبل سوں ہو راضی | کرے شہرین سخن سوں سرفرازی
(ورق ۶ ب)
وہ سن کر بہر سبار کیا دآواز | کیا بلبل او جوں پروانہ پرواز
(ورق ۱۲ ب)
ہوا بلبل اوپر اس تے مروت | دکھانا فرس کی ہندی میں مورت

چونکہ اس نسخے میں آخری اوراق محفوظ نہیں ہیں اور نہ کسی اور کتب خانے میں اس کا نسخہ موجود ہے اس لئے کتاب کا سنہ تالیف وغیرہ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ زبان اور انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب مقیمی کے بہت بعد لکھی گئی ہے۔

تقدیم و تاخیر اور دیگر امور کے اندازے کے لئے ایک ہی مقام سے متعلق دونوں کی ابیات بطور مقابلہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ جب مہیار، چندربدن سے مل کر اظہار محبت کرتا ہے تو وہ اپنے ہندو ہونے اور مسلمان کے ساتھ محبت نہ کر سکنے پر مجبوری ظاہر کرتی ہے اس طعن و تشنیع کی گفتگو کو دونوں نے بیان کیا ہے جو یہ ہے :-

مقیمی

ترک جاکے بولیا کہ سن ای پری
مجھے تجھ لطافت دوانہ کری
دیوانہ ہوں تیرا دیوانے کے تیں
ایس تے نہ کر دور جانے کے تیں
دھریا آس تیری نراسی نہ کر
جفا پر مجے توں کہ اسی نہ کر
سو تج بن مجے کوئی ہونا نہیں
کہ بن جل مچھی کا سو جینا نہیں
سو یوں کہہ ادب سوں نوڑ کر ادنے
دھریا سیس اوس کے چرن پر ادنے
لگا مار اوس کو اوٹھی بول یوں
سبج کچھ ایس کوں رہے بے شول تل
ہند میں کہاں ہور ترک تو کہاں
کہاں رام سیتا، ہور ک تو کہاں
کہاں میں چندرماں کہاں تھدیا
کت کیا ہوے توں دیوانہ ہوا
جھڑک بول اسکوں وہیں پھر چلی
اٹھی ملی ہیں عاشق کے دیں تمل
(ورق ۱۵ ب)

بلبل

قدم پر جا کیا آداب سجدہ
بجا لایا او سر سیں داب سجدہ
جنوں بیتاب ہو کل دعا میں
نیاز عرض کیتا دعا میں
تو ہیں سلطان خوبان شہری ہی
تو صورت تجہ میادہ جو گری ہی
چھڑائی مجکوں میرے خانماں سوں
کری تاراج مجکو دل وجاں سوں
نثار تجہ قدم اب نیم جاں ہے
یہی ہے آرزو فرماں سواں ہی
اسے سر میرا نثار خاک راہ ہے
دل پرخوں شہید جلوہ گاہ ہے
کری اے زلف شکیں گرہ گیسو
ہمسے ہیں دام دل زلف و زنجیر
ترے بت کا صفا بت خانہ دل ہے
ترے مہتاب کا دیوانہ دل ہی
دیا سب آگ میں سامان ہستی
فغاں ہی دل اپر شور قیامت
قبولے نہیں نانو با نیازی
کرے عاشق سوں ظاہر بے نیازی

یوسنکر آ غصے میں ہوئی غضب ریز
کری شب دیز کوں غمزے کے مہمیز
قدم سوں اُس کے سرکوں مار ٹھوکر
کہی کہتا ہے کیا دیوانہ ہو کر
کہاں میں چاند ہوں، ہور توں دِوایا
موے دیوانہ بے ہودہ ہوا ہے
ہیں ہر تاب ذرہ وصل خورشید
کرے کیا قطرہ با دریاے امید
ہو دُبت مسلانی میں دشوار
ہووے رشتۂ تسبیح زنار
نہ کر دیوانہ سودا بوالہوس خام
کہاں پروانہ ہوتا ہے مگس خام
یہ کہکر اُس کے سرکو مار ٹھوکر
کرشمہ ناز ہور غمزے سیں ہو کر
رواں ہوئی نونہال سرو بابال
کرے قمری نمن فریاد غلغال
پری پیکر رخ نیکو شمائل
کری مہیار کوں غمزے سوں گھائل
یو سن دلبر ستے یک آہ مارا
جگر سوں نعرۂ جانکاہ مارا
(ورق ۱۴ب، ۱۵الف)

اس سے ظاہر ہوا کہ مقیمی نے جس واقعہ کو ۹ ابیات میں
بیان کیا تھا اُس کے لئے بلبل نے ۲۰ بیتیں لکھی ہیں۔ ساتھ ہی بعض بیتیں
بیت یکساں ہیں مثلاً مقیمی کی بیت نمبر ۹ اور بلبل کی بیت نمبر ۲۳
مقیمی لکھتا ہے :-

کہاں میں چندرماں کہاں تو دیوا   کتا کیا موسے توں دیوانہ ہوا

بلبل کی بیت ہے :-

کہاں میں چاند ہوں ہور تو دِوایا   موے دیوانہ بے ہودہ ہوا ہے

یہی ایک بیت ظاہر کرتی ہے کہ بلبل نے یا تو مقیمی کی کتاب
دیکھی ہی یا پھر یہ سمجھنا پڑے گا کہ مقیمی کی اردو مثنوی کا آتشی نے
فارسی میں ترجمہ کیا اور اُس فارسی سے بلبل نے دوبارہ اردو میں
منتقل کیا۔ بلبل قصے کے آغاز میں صاف طور پر کہتا ہے کہ ع

کیا یوں آتشی قصے کی بنیاد   (ورق ۹الف)

یعنی آتشی نے اس قصہ کا آغاز یوں کیا ہے۔ فارسی سے اردو میں
ترجمہ کرنے کی طرف مصنف نے کئی ابیات میں اشارہ کیا ہے مثلاً

حریر ہندوی پر کر توں تصویر   لباس پارسی ہے پا زنجیر (ورق ۶الف)
تو ہو مجہ باغ میں ٹک نغمہ پرداز   ستار ہندوی دو دم نواساز (۷ب)
پڑا تھا عشق کا ہندی رسالہ   پیا نیں فارسی کا مے دو پیالہ (۷الف)
ہوا بلبل اوپر استے ضرورت   دکھانا فرس کی ہندی میں صورت (۸الف)

اس نے سبب تالیف یوں بیان کیا ہے :-

ایک رات میں باغ میں گیا جہاں گل جلوہ دکھا رہا تھا اور میں قمری کی
طرح اس کا گرفتار ہو گیا نسیم صبح نے غنچۂ لب کھول کر کہا کہ تو نے شعر کہنا کیوں چھوڑ
دیا ہے سوسن نے بھی اپنی دس زبانوں سے میری تعریف کی اور کہا کہ بارے
اب تو زبان کھول اور حریر ہندوی پر مصوری کر۔ کیونکہ تو گلزار سخن کا
خاص بلبل ہے۔ اس کے بعد عقل نے مجھے مبارک باد دے کر کہا کہ
فارسی قصہ اچھا ہے اس کا تو ترجمہ کر۔ اس نے اگرچہ عشق کا ہندی
رسالہ پڑھا تھا لیکن فارسی کی مے دو سالہ سے واقف نہ تھا۔ اس لئے
بلبل کے لئے ضروری ہوا کہ فارسی کو ہندی میں منتقل کرے۔

شاعر نے جس فارسی کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا وہ
آتشی کی تھی۔ آتشی اس قصے کے اصل مصنف مقیمی کا ہم عصر
ایرانی شاعر اور طبیب تھا۔ فتوحات عادل شاہی اور احوال سلاطین
بیجاپور دونوں تاریخوں میں اس کا ذکر ہے یہ شیراز کا سید نادو
تھا اور آتشی اُس کے خاندان کا لقب تھا۔ کیونکہ اُس کے

اجداد میں سے کوئی اپنی بیماری کو صحت کرنے کے لیے آگرہ میں کود گیا تھا۔ بیجاپور آیا تھا اور وہاں آتشی کے بعض علاج بہت مشہور اور زبان زد خلائق تھے۔ بیجاپور میں اس کی فارسی شاعری کا بھی بڑا چرچا تھا اور اُردو میں بھی اس نے شعر کہے ہیں۔ ممکن ہے کہ مقیمی کی اُردو مثنوی چندر بدن و مہیار کو پسند کر کے اس قصہ کو اس نے فارسی میں لکھ دیا ہو اور بعد میں فارسی قصہ کو مقبولیت حاصل ہوئی اور بیقل نے اسی وجہ سے اس کا ترجمہ کیا۔

آغاز:-

بنام نقشبند نقش ایجاد — کیا قدرت کے نقشے کا دو بنیاد
بندا نقشہ زمین و آسماں کا — بہار گلشن و جان جہاں کا

اختتام:-

دو دل تن کا ہوا تن سات ہم دوش
وصل جاں کا ہوا جان سیں ہم آغوش
رواں ہوئی نقش تب مہیار بے تاب
پریرد گود میں تھی دو شکر خواب۔

آخری ورق غائب ہیں۔ ابتدائی ورق پر نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر اور دستخط ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

۴۹ نجات نامہ ۵۰۷

اوراق ۸۔ سطور ۱۳ متن میں۔ ۱۲ حاشیہ پر۔
تقطیع ۶×۸۔ خط نستعلیق۔ مصنف محمد امین ایاغی
تصنیف درمیان ۱۰۶۸ھ و ۱۰۸۳ھ۔ کتابت ۱۱۵۵ھ

یہ ایک چھوٹی سی مثنوی ہے جس میں شریعت کی پابندی سے متعلق پند و نصائح بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف خاص مذہبی قسم کا آدمی ہے اور طریقہ نقشبندیہ یا قادریہ میں منسلک معلوم ہوتا ہے اور وہ راگ سننے، گیت گانے، شطرنج کھیلنے، بھنگ پینے، نظربازی کرنے، مال گاڑ کر رکھنے، کافروں سے دوستی رکھنے اور راگ کے ذریعہ سے ذکر کرنے کو گناہ اور دوزخ میں جانے کے اسباب قرار دیتا ہے۔ اسی طرح پوری کتاب میں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے اور گناہوں کی مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں۔

حسب ذیل بیتوں میں مصنف نے اپنا نام محمد امین اور تخلص ایاغی ظاہر کر دیا ہے۔

ایاغی کدھر تو چلیا باٹ چھوڑ — سرشتے کو بنداں کے تو یوں نہ توڑ
(ورق ۵ ب)
محمد امین و ایاغی او پر — الٰہی کرم کی نظر کر نظر
(ورق ۸ و)

مصنف کا ذکر "احوال سلاطین بیجاپور" میں نصرتی کے ہم عصر شعرا میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معروف شاعر تھا اور اس مثنوی کے علاوہ اور بھی کلام لکھا ہے۔ اردو میں اس کا ذکر پہلی بار کتاب اُردو شہ پارے (ص۱۰۰) میں کیا گیا ہے۔

نصرتی علی عادل شاہ ثانی کے دربار کا ملک الشعرا تھا اور اس بادشاہ کا ذکر خود ایاغی نے بھی نجات نامہ میں پند و نصائح کے درمیان کر دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنا سخت مذہبی آدمی تھا کہ مدح بادشاہ کے عنوان سے کچھ لکھنا بھی پسند نہ کیا۔ بلکہ دوسری نصیحتوں کے سلسلے میں جب اس موضوع پر آتا ہے کہ اگر کوئی بادشاہ دنیا میں خوبی اور راستبازی سے عدل کرے تو دین میں اس کو بیاج بڑھ کر بادشاہی دی جائے گی تو اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ مجھے ہر گھڑی شکر پروردگار کرنا چاہئے کہ اس دور میں علی عادل شاہ

جیسا بادشاہ حکمران ہے جو نمازی، حق پرست، سنت کا پیرو اور دیندار ہے۔ اتنا لکھ کر تو ڑا اپنے راستہ بھٹک کر مدح پر اتر آنے پر ٹوکتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے نصائح کا سلسلہ کیوں توڑ دیا۔ اس کی بیتیں ہیں :۔

اگر راستی سو کیا عدل بیاں   تجہ اس تے بڑی بادشاہی ہو دہاں
کروں ہر گھڑی شکر پروردگار   کہ اِس دور میں ہیں علی شہریار
رہو شاہ عادل زہے بادشاہ   کہ سنت کو جوں فرض کرتا ادا
کدہیں ترک ہرگز کیا نہیں نماز   کہ حق سات دھرتا ہے راز و نیاز
شب و روز ہے دین پر استوار   تو خوشنود ہے اوس پہ پروردگار
الٰہی اچھے جب تلک آسماں   شہنشاہ عادل کوں رکھ در جہاں
ایاغی کدہر تو چلیا بات چھوڑ   سر رشتے کو پنداں کے تو یوں نہ توڑ

(ورق ۵ ب)

آخر کتاب میں مناجات لکھی ہے اور توفیق نیک کے لئے دعا مانگی ہے اس سلسلہ میں ایک بیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "نجات نامہ" لکھتے وقت ایاغی بوڑھا ہو چکا تھا وہ کہتا ہے "میں اپنی حالت پر کتنا روؤں کہ اگرچہ بال سفید ہو گئے لیکن دل اب بھی سیاہ ہے"۔ اس کی بیت ہے :۔

کتا روؤں میرے یہ افسوس آہ   ہوے بال اجلے دلے دل سیاہ

(ورق ۷ ب)

اس مثنوی کا ایک نسخہ (جس میں ۲۷۰ ابیات تھیں) شاہانِ اودھ کے توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا۔ جس کا ذکر اسپرنگر نے اپنے کٹلاگ میں کیا ہے۔ ایک اور نسخہ مبارز الدین احمد صاحب کو راجمندری میں ملا تھا جس کو انھوں نے رسالۂ ہندستانی (الہ آباد) بابتہ اپریل ۱۹۳۰ء میں چھپوا دیا ہے۔ اس میں ۲۶۳ ابیات ہیں۔ ادارے کے نسخے میں جملہ ۲۵۴ ابیات ہیں۔ ان دونوں کی اکثر ابیات میں الفاظ اور مصرعوں میں ایسا فرق ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادارہ کا نسخہ کسی قدیم اور صحیح نسخے کی نقل ہوگا

آغاز :۔

اول کچھ نہ تھا اور نہ نکھا رتھا   دو لو جگ کا پیدا کرنہار تھا
او قدرت تے پیدا کیا یک رتن   کہ جس تے دیا روپ و ترہن

اختتام :۔

بصدیق و فاروق ذی احتشام   بعثمان و حیدر دوازدہ امام
دراں دم کہ باشم بہ زیر زمیں   رفیقم تو باشی جہاں آفریں

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد نجات نامہ بتاریخ بست و ششم جمادی الآخر بوقت عصر ۱۲۳۱ھ"

یہ نسخہ کرم خوردہ ہے۔ ہندستانی میں جو نسخہ شایع ہوا ہے اس کے آخر میں حسب ذیل دو بیتیں زیادہ ہیں جو بعد کی الحاقی معلوم ہوتی ہیں :۔

الٰہی ہراں کس کہ این خط نوشت
عفو کن گناہش عطا دہ بہشت
نجات نامہ یہاں سو ہوا ہے تمام
بحق محمد علیہ السلام۔

(۳۰) نور نامہ [۵۰۸]

اوراق ۱۸ - سطور ۱۵ - تقطیع ۸×۶
خط نستعلیق - عنوانات سرخی میں - مصنف
شاہ عنایت - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ -
کاتب سید محمد - سنہ کتابت ۱۲۱۴ھ -
مقام قلعہ مدگل -

یہ فارسی نثر کے ایک رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے جس کو ایک صوفی شاہ عنایت نے مثنوی کی شکل میں دکنی زبان میں قلمبند کیا۔ تذکرۂ اولیائے دکن (جلد اول ص ۹۱۵) اور گلزار آصفیہ (ص ۳۵۲) میں شاہ عنایت نام ایک بزرگ کا تذکرہ درج ہے جو ۱۱۵۵ھ میں فوت ہوئے اور حیدرآباد میں دفن ہوئے چونکہ ٹاٹ کا جبہ پہنتے تھے اس لئے ٹاٹ شاہ مشہور ہوئے۔ اگر یہ کتاب انہی بزرگ کی ہے تو انھوں نے اپنی وفات سے چوالیس سال قبل لکھی ہوگی۔

مصنف نے خود اپنی نسبت اس رسالہ میں جو معلومات ضمناً لکھ دی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ حضرت محبوب سبحانی کی اولاد سے تھے اور حضرت حسین شاہ ان کے مرشد یا والد تھے۔ نور نامہ فارسی نثر میں تھا جس کو انھوں نے دکھنی میں ۱۱۱۱ھ میں لکھا۔ وہ کوئی بڑے شاعر نہ تھے تاہم بطور یادگار یہ مثنوی لکھی ہے۔ یہ باتیں آخری ۱۵ ابیات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

اس کا جو نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں ہے وہ اصل نور نامہ کے ترجمہ سے شروع ہوتا ہے ادارے کے نسخہ میں ۵۷ ابیات ابتداء میں زائد ہیں جن میں شاعر نے سبب تالیف اور نور نامہ کے فضائل تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اسی طرح آخری ابیات بھی اس نسخے میں بہت زیادہ ہیں۔ ان امور سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ مکمل ہے اور جامعہ کا نسخہ ناقص۔
(فہرست مخطوطات صفحہ ۶۲)

سبب تالیف میں شاعر حمد کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ "اے خدا میں نور نامے کو دکھنی میں لکھنا چاہتا ہوں اس لئے تو مجھے اس کام کی سکت دے تاکہ میں ایسا لکھوں کہ عام لوگ اس کے معنے کو سمجھ سکیں کیونکہ ان کی سمجھ بھی میری ہی طرح معمولی ہے۔ پہلے میں نور نامہ کے فضائل بیان کرتا ہوں۔"

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ عنوانوں کے تحت اس رسالہ کے سات شروط بیان کئے ہیں اور آخر میں امام محمد غزالی سے متعلق ایک روایت لکھی ہے۔

سبب تالیف کی چند ابیات یہ ہیں:-

ترے نور کے نور نامے کوں میں — الہی منگوں لکھنے دکھنی سوں میں
سکت دے مجھے ای سکت کار توں — جو دکھنی سوں میں اس کو سارا لکھوں
ترجمہ سارے کے ہیں سو سب عام لوگ — کریں اس کے معنی کوں سب فہم لوگ
میں عاصی طفیل ان کے پاؤں تئا — کرم ہووے ترا مجھ پہ روز حساب
(ورق ۵ ب و ۹)

اس تمہید کو ان ابیات پر ختم کرتا ہے:-

کرم کر الہی گنہگار پر — گناہاں پہ میرے نکو کر نظر
شفاعت نبی کی مجے کر نصیب — نکو پوچھ مجھ سے حساب اے حبیب

اصل نور نامہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے:-

الہی کرنہار کرتار توں — سنواریا ہے قدرت سوں سینسار توں
زمیں کوں بھی ایسی توں خلعت دیا — رنگ آمیز کر تس کو گلشن کیا
(ورق ۴ ب)

کتاب اصل میں حضور سرور کائنات کی نعت پر مبنی ہے اور اس میں حضور کی افضلیت اور سراپا کے محاسن شرح وبسط سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن شاعر چونکہ مشاق اور اعلیٰ پایہ کا نہیں ہے اس لئے اکثر بیتیں معمولی ہیں اور موضوع کے شایانِ شان نہیں۔

آخر میں خود شاعر نے اپنی خامی طبع اور کلام کی روانی وغیرہ کا ذکر ان ابیات میں کیا ہے:۔

شکستہ یو بتیاں کیا ہوں کتیک — جواہر رولیا ہوں زبان سوں کتیک
طبع دیکھتا ہوں تو رے خام ہے — نہ اس بات کا کچھ سرانجام ہے
پڑے کچھ دنیا میں مری یادگار — رہے کر کیا ہوں زامیدوار
اتھا فارسی نور نامہ نثر — سو دکھنی کیا شعر میں سربسر
طبیعت نہ تھا کچھ مجے شعر کا — شعر کر کو بولوں مگر ان نظم کا

اس کے بعد اپنا تخلص اور خاندان بیان کیا ہے:۔

تخلص مرا ہے عنایت شاہ — مرا جد ہے مجہ کو محمد پناہ
دنیا بیچ حضرت حسین شاہ ہے — محی الدین کا خاص اولاد ہے

سنہ تالیف اس بیت میں لکھا ہے:۔

کہ ہجرت نبی تھے ہزار ایک صد — ایگیارا اتھے سال ہوا ہے یو قد

اس نسخے میں ۲۸۰ ابیات ہیں:۔

آغاز:۔

الٰہی تہیں نور ہور تج تے نور — کیا نور تیرا نبی میں ظہور
تیرے نور کا کوئی صفت کیا کرے — ازل تے ابد لگے تک نا سرے

اختتام:۔

مرتب کیا مختصر یو کلام — کہ عاجز ہوں بندا نبی کا غلام
ختم کر کہا فاتحہ نت مدام
بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ:۔

"بعون اللہ ہو المستعان کہ نور نامہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم، حسب الفرمایش حضرت بی بی صاحبہ قبلہ حضرت ماں صاحبہ نقلِ آن بعجلت ترقیم رفت۔ ہنوز صحت نیافتہ۔ اگر سہوے وخطاے رفتہ باشد خوردہ نگیرید۔۔۔۔ این کمترین الکم الورٰی احقر العباد سید محمد تراب القدمین نویسندگان از اقتضائے قلبی وبسیار رغبت ہائے دلی کتاب مسطورا بتاریخ بست ہفتم ربیع الاول ۱۲۱۳ھ ہجریہ مقدسہ نبویہ بروز دوشنبہ بوقت سہ پہری قلمی نمودہ شد یعنے بوقت بے کاری در قلعہ مدگل ہیچ کارے خود بجز نوشت وخواند۔ بقول شخصے کہ:۔

نوشتہ بماند سیہ بر سپید — نویسندہ را نیست فردا امید"

(۲۱) نور نامہ [۸۰]

اوراق ۲۳ - سطور ۹ - تقطیع ۶ × ۴½
خط نستعلیق - مصنف شاہ عنایت
سنہ تصنیف ۱۱۱۱ھ

یہ ۳۱۰ ابیات کی مثنوی ہے جو اصل میں کتاب نمبر ۲۰ ہی کا دوسرا نسخہ ہے۔ لیکن اس میں تقریباً ۲۲۵ بیتیں کم ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں نور نامہ کا جو نسخہ ہے وہ اور ادارے کا یہ نسخہ ابیات اور خصوصیات کے لحاظ سے یکساں ہیں (فہرست اردو مخطوطات جامعہ صفحہ ۹۲)

آغاز:۔

الٰہی کرنہار کرتار توں — سنوارِیا ہے قدرت سوں سنسار توں

تو قادر ہے قدرت سوں روشن کیا
زمیں آسماں کوں توں گلشن کیا

اختتام :-

کہ اسے تین سو بیس ہے بیت یو
کیا نظم نامہ سو ایسا کہو
مرتب کیا نور نامہ تمام   بحق محمد علیہ السلام

ترقیمہ نہیں ہے البتہ اس صفحہ ہی سے کردار علی شاہ قادری نے مختلف بلاؤں اور امراض کے لئے متعدد دعائیں اور عملیات قلمبند کی ہیں جن میں سے اکثر دکنی میں ہیں۔ مثال کے طور پر ابتدائی صفحات کے اقتباس درج ذیل ہیں :-

بوحنیفہ نے یہ مسند میں لکھا	ایک دن فرماتے تھے شیر اورا
چڑھتے ہیں جبریل ہم شیاطین چرخ پہ	مارتا ہے اُن کو تارا دوڑ کر
بھاگتے ہیں اس سے سب شل ہوا	ہوتا ہے پیچھے وہ اون کے تیز پا
جو شیاطین متصل اس کے ہوا	سر سے پاؤں تک وہ دیتا ہے جلا
راکھ اس کی گر پڑے صحرا میں جا	اس سے پیدا ہوتے ہیں بھوت و بلا
اور دریا میں گری گر اس کی خاک	ہوتا ہے پیدا نہنگ ہولناک
وہ گرے گر خاک اس کی شہر میں	دفعتہً آوے وبا اس شہر میں

فائدہ

حق بلا سے اوس کو رکھتا ہے بچا	جو کرے ترتیب ایسی بر ملا
شہر کے چاروں طرف بکری حلال	وہ کرے دل سے نیاز ذوالجلال

صاف کر پھر اس کی بھونے بوٹیاں
کھا دیں تکہ اوس کا اک اک موماں

بعد اس کے یوں پھر قرآن کو	جمع ہو کر موماں نیک خو
نیچے سے اوس کے وہ نکلیں سات بار	منہ طرف کعبے کے رکھیں آشکار
پھر پڑیں بعد اوس کے دو رکعت نماز	اور اذاں دیں سات باعجز و نیاز
کہتے ہیں دیویں اذاں سب سات روز	سات بار ہر روز آگیتی فروز
ہے یہ تاثیر اذاں اے موماں	اس سے ہوتے ہیں گریزاں جنیاں

---

(۲۲) پند دل بند [۵۰۹ھ]

اوراق ۶۔ سطور ۱۰۔ (متن میں ۱۳ حاشیہ پر)
تقطیع ۵½ × ۸½۔ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف علی (؟)۔ سنہ تصنیف درمیان
۱۰۲۰ھ و ۱۰۶۶ھ۔
سنہ کتابت ۱۱۵۰ھ۔

یہ قدیم دکنی مثنوی چار فارسی مثنویوں کے آخر میں قلمبند کی گئی ہے جو ایک ہی جلد میں ہیں اور جن میں خلاصہ کیدانی مولفہ قاضی سید نعمت اللہ حسینی کے علاوہ بیجاپور کے ایک فارسی شاعر کی مثنوی "احکام فقہ" خاص کر قابل ذکر ہیں۔ ان سب کا تذکرہ ادارے کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

زیر نظر اردو مثنوی ۱۹۵ ابیات پر مشتمل ہے ابتدا میں عام رواج کے مطابق حمد و نعت نہیں ہے بلکہ اصل نصیحت شروع کر دی گئی ہے۔ کتاب کا نام حسب ذیل بیت میں درج ہے ؎

دنیا کا جتنا مال دھن ہور گھر   بلا دور اس پند دل بند اوپر

کتاب کا موضوع یہ ہے کہ خدا کو حاصل کرنے کے لئے تین چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک راستی دوسرا علم اور تیسرا عمل۔ راستی اور راستبازی کا بیان

مصنف نے چند ابیات ہی میں ختم کر دیا ہے۔ البتہ علم کی فضیلت وضاحت سے بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں ایک بہت عجیب اور سبق آموز قصہ لکھا ہے جو یہ ہے ا۔

"ایک روز شیطان کے جملہ چیلے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اپنے کارنامے نمایاں بیان کرنے لگے۔ کسی نے کہا میں نے دو دوستوں کو جدا کر دیا ہے۔ ایک نے کہا میں نے میاں بیوی میں جھگڑا ڈال دیا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے ایک شخص کو شراب کی عادت ڈال کر تباہ و برباد کیا۔ کسی نے بیٹے کو باپ سے منحرف کر دیا۔ غرض ہر چیلے نے اپنی اپنی کارگزاری بیان کی لیکن شیطان اپنے اس چیلے سے بہت خوش ہوا اور اس کو سب سے زیادہ انعام دیا جس نے ایک طالب علم کو مدرسہ جانے سے بھٹکایا تھا۔

شیطان کے دوسرے چیلوں کو رنج ہوا کہ ہم نے ایسے بڑے بڑے کام کئے تھے لیکن ان کی کوئی قدر نہیں کی گئی۔ ان سبھوں نے بگڑ کر شیطان سے شکایت کی کہ یہ انعام و سرفرازی عدل و انصاف کے خلاف ہے آخر اس نے ایسا کونسا بڑا کام کیا ہے؟

شیطان نے جواب دیا کہ تم لوگوں میں سمجھ کی کمی ہے۔ اگر یہ شخص اس ہونہار کو مدرسہ جانے سے نہ روکتا تو وہ پڑھ لکھ کر اس قابل ہو جاتا کہ پھر ہمارے مکر اور دھوکے میں نہ آسکتا۔ جو علم سے باخبر ہوگا وہ جان بوجھ کر دھوکے میں کیوں آئے گا۔ جاہل کو آسانی سے دغا دی جاسکتی ہے۔ اگر تم کو اس پر یقین نہ ہو تو میرے ساتھ چلو اور ثبوت دیکھ لو۔

شیطان اپنے تمام چیلوں کو ساتھ لے کر نکلا اور ایک ایسے پرہیزگار مرشد کی طرف گیا جس نے عرصہ سے حرص و ہوس اور تعلقات دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ کے ایک غار میں قیام کیا تھا اور دور دور کی مخلوق اس کی نیکی اور ریاضت اور پرہیزگاری کی شہرت سن کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ وہ دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود اس میں علم کی کمی تھی۔ شیطان نے اپنے چیلوں سے کہا کہ دیکھو اس کم علم زاہد کو میں کس طرح دھوکہ دے لیتا ہوں۔ جبہ و عمامہ پہنکر ایک بلند مرتبہ شیخ جیسا بھیس بنا کر بڑے تزک و احتشام اور جاہ و حشم کے ساتھ مرصع تخت پر بیٹھ کر زاہد کے قریب پہنچا اور تمام غار اور پہاڑ کو روشن کر دیا۔

زاہد نے جو اس نور اور پیرو مرشد کو دیکھا فوراً تعظیم کے لئے کھڑا ہوا اور بعد سلام علیک پوچھا کہ حضرت کون ہیں اور اس غریب کے یہاں کیوں تشریف لائے ہیں؟ شیطان نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں اور خدا نے تمہارے یہاں مجھے بھیجا ہے تاکہ اس کی خوشنودی کا پیام پہنچاؤں۔ کیونکہ تمہاری عبادت و ریاضت بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور خدا نے تم کو اپنے محبوب ولی کا مرتبہ بخشا۔ زاہد مرتاض بہت خوش ہوا اور سجدۂ شکرانہ بجالایا کہ میری عمر بھر کی مشقت بیکار نہیں گئی اور خدا نے میرے حال پر رحم کیا۔

شیطان نے کہا جلدی تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ آج تمھیں معراج نصیب ہوگی خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمھیں جلد لے آؤں۔ زاہد نے جلد جلد کپڑے پہنے اور شیطان نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور گدھے پر

سوار کیا اور اس کے چہرے کو رنگ کر شہر کے عین وسط میں چھوڑ دیا جہاں کے سب امیر و غریب اس زاہد ناقص کے معتقد و مرید تھے۔

اس کے بعد شیطان شہر کے ایک بازار میں پہنچا جہاں قاضی کا لڑکا شراب پی کر دو روز سے مست و خوار پڑا ہوا تھا اور لوگ اس کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔ شیطان نے قریب پہنچ کر فقہ میں کہا کہ تو نے کیوں شراب پی۔ خدا نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ خیر اب اس دفعہ خدا نے تجھے بخش دیا اگر آئندہ ایسا جرم کرے گا تو اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

قاضی کے فرزند نے جواب دیا کہ بغیر توبہ کے بخشش کیسی؟ ابھی میں گناہ سے دور نہیں ہوا اور توبہ نہیں کی اور تو کہتا ہے کہ خدا نے بخش دیا ہے۔ تو کون ہے جو ایسے بُرے بول بولتا ہے؟

شیطان نے جواب دیا میں جبرئیل ہوں۔ قاضی کے فرزند نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ جبرئیل سوائے نبی کے کسی کے پاس نہیں آتے۔ تیرا مکر مجھ پر نہیں چل سکتا تو یقیناً شیطان لعین ہے۔ یہ کہہ کر لاحول پڑھی۔ شیطان گدھا بن کر وہاں سے بھاگ گیا اور اپنے چیلوں سے کہا کہ دیکھا وہ پرہیزگار جو پیر و مرشد بنا بیٹھا تھا جاہل تھا اس لئے میں اس کو تمام شہر میں ذلیل و خوار کر سکا اور قاضی کا یہ لڑکا چونکہ پڑھا لکھا ہے اس لئے میرا مکر اس پر نہ چل سکا۔

نصیحتوں کے اختتام پر مناجات لکھی ہے جو بہت پُراثر معلوم ہوتی ہے۔

مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً اس کا تخلص علیؔ تھا جیسا کہ اس بیت سے ظاہر ہوتا ہے:۔

اگر علم دھرتا ہے کچھ اے علیؔ   توں اس پر عمل کر خفی ہور جلی

(ورق ۸۵ ب)

اس بیت سے مصنف نے تنبیہی نصیحت شروع کی کہ علم حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا البتہ آخری ابیات میں مصنف نے سلطان محمد کا ذکر کیا ہے کہ:۔

بدوراں سلطان محمد جہاں   بعون الٰہی اتم البیاں

معلوم نہیں اس سے مراد سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) ہے یا سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۲۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) ہے۔ بہرحال کتاب کی زبان بہت پرانی ہے اس لئے یہ لازمی طور پر ۱۰۵۰ھ سے قبل لکھی گئی ہے اس کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے میں نظر سے نہیں گزرا۔ اس نام کے ایک شاعر کی مناجات کا تذکرہ اسی فہرست میں نشان (۷) پر کیا گیا ہے اور ایک اور علی کی کتاب کا ذکر اس کے بعد ہی درج ہے۔

آغاز:۔

کہو سہ یک نہ دیتا عجب تو بہتر   بھی بندہ تن جیو کے کان دھر
بھلے کوں بھلی بند بجا نی اسے   *بائی منیں دل بھلاتی اسے

اختتام:۔

ایا خالق عالم خیر و شر   توں اس مرد کی عاقبت خیر کر
جو دیکھے خبر اس کے اشعار کوں   منگے ہیں دعا منجہ گنہ گار کوں

ترقیمہ:۔

العافیت بالعافیہ۔

تمت بالخیر ۱۱۵۰ ہجری

(۲۳) نامۂ علی [۶۸]

اوراق ۱۰ - سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ ½ × ۸ ۔ خط نستعلیق معمولی
مصنف شاہ عبدالعلی۔ سنہ تصنیف
۱۱۱۰ھ -

یہ ۲۰۲ ابیات کی مثنوی ہے جس میں شاہ عبدالعلی نے حضرت علی کا ایک دلچسپ معجزہ منظوم کیا ہے جو پہلے فارسی میں قلمبند ہوچکا تھا۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنا نام اور سبب و سنہ تالیف وغیرہ ان ابیات میں بیان کیا ہے:-

بندا شاہ عبدالعلی ہے ترا	گنہ بخش صاحب نبیؐ تو مرا
اول فارسی تھا سو دکھنی کیا	کرم کی نظر کر جو تیرا میا
یو بیتاں مرتب جو دو سو پہ دو	اتھا روز پنجشنبہ کا سعد او
سنہ ایک ہزار ایک سو دس برس	مرتب یو نامہ ہوا ہے ترس
الٰہی امیدوار ہوں رحم کا	عنایت تو بخشیہ کر عقل فہم کا
صفائی مرے دل کوں دیئے یا اللہ	پریشان خاطر کو راحت دلا
ترے عشق لذت سوں مجہ پور کر	کرم کی نظر سوں تکو دور کر
ہوا حرص پر مجہ کو اٹکا تکو	عبث یاں وہاں مجکوں بھٹکا کر

چونکہ اس کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانے میں دریافت نہیں ہوا اس لئے اس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"ایک دن رسول خدا اور ان کے اصحاب جمع تھے کہ ایک فقیر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سات ہزار کا قرضدار ہوں اور محنت مزدوری کرکے بھی اپنا قرض ادا نہیں کرسکتا قرض خواہ تکلیف دے رہا ہے اس لئے آپ میری مدد فرمائیے۔ رسول خدا اور اصحاب اس معاملے میں سوچنے لگے تو حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے اجازت ہو تو میں اس شخص کی مدد کروں اور قرض ادا کردوں۔

غرض اجازت لے کر اس پریشان حال کو ساتھ لیا اور کہا کہ آنکھیں بند کرلے اور میری پیٹھ پر سوار ہوجا۔ جب فقیر نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک دور دراز کے ملک میں پایا اور حضرت علیؓ کی ولایت پر ایمان لایا۔ حضرت نے فرمایا اس شہر کا نام بربر ہے اور مدینہ یہاں سے ہزاروں کوس دور ہے۔ یہاں کا حکمراں بے دین ہے اور میری ہیبت یہاں کے لوگوں پر چھائی ہوئی ہے تو راجہ کے یہاں جا اور کہہ کہ میں ایک غلام مسمی گنتھشا کو فروخت کے لئے لایا ہوں جس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں اور میرا اصلی نام ظاہر نہ کر۔ میں خدا کی راہ میں تیرا غلام بن جاتا ہوں اور تو مجھے فروخت کرکے اپنے قرض کی رقم حاصل کرلے۔ درویش حضرت کا اور بھی معتقد ہوگیا اور راجہ کے ہاتھ فروخت کرکے اپنی رقم حاصل کرلی اور مدینہ واپس ہوا

راجہ نے حضرت علی کو اپنے بڑے سے بڑے دشمنوں کے مقابلے میں روانہ کیا اور فتح پائی۔ جب انھوں نے مشکل سے مشکل مہم فتح کرلی تو راجہ نے کہا کہ میرا ایک دشمن علی باقی رہ گیا تو اس کو بھی مار کر یا پکڑ کر لے آ۔ حضرت نے فرمایا میرا ہی نام علی ہے۔ یہ سنتے ہی سب ڈر کر بھاگنے لگے آخر کار راجہ کو حضرت نے اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگیا۔"

آغاز:-

کہ یک دن محمد علیہ السلام	جو بیٹھے تھے اصحاب یاراں تمام
ابابکر ہور عمر عثمان تھے	علی مرتضیٰ شاہ مردان تھے

اختتام:-

ہوا حرص پر مجکو اٹکا تکو	عبث یاں وہاں مجکو بھٹکا تکو

ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ پہلے ورق پر ایک عربی دعا کے نیچے لکھا ہے:-
" این نامۂ علی علیہ السلام "
عنوان کے برابر عنایت حسین ۱۲۸۲ھ لکھا ہے۔ یہ نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ہیں جنھوں نے ادارے کو یہ نسخہ عطا فرمایا ہے۔

(۲۴) پھولبن [۱۱۷]

اوراق ۹۱ - سطر ۱۱ - فی صفحہ -

تقطیع - ۴½ × ۸½ - خط نستعلیق -

عنوانات سرخی میں - مصنف ابن نشاطی -

سنہ تصنیف ۱۰۷۶ھ -

گولکنڈے کے مشہور انشا پرداز اور شاعر ابن نشاطی کی مقبول عام مثنوی ہے جو غالباً اواخر بارھویں صدی ہجری میں نقل کی گئی ہے - کوئی ترقیمہ نہیں ہے - کاتب اور مقام کتابت کا پتہ نہ چل سکا - اس مثنوی کے متعدد نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے پروفیسر عبدالقادر سروری نے اس مثنوی کو چھ مختلف نسخوں کے مقابلہ کے بعد مرتب کرکے ۱۳۵۷ھ میں شایع کردیا ہے - اس میں ابتدائی ۱۲۵ صفحات میں مصنف اور کتاب کے تفصیلی حالات بھی نہایت تحقیق و تفتیش کے ساتھ درج کرائے ہیں اس لئے یہاں وضاحت غیر ضروری ہے - البتہ مطبوعہ نسخے اور ادارے کے قلمی نسخے میں اکثر بیتوں میں اختلاف ہے - مثال کے طور پر مدح عبداللہ قطب شاہ کی چند ابیات دونوں کتابوں سے بطور مقابلہ یہاں منقول ہیں :-

مدح عبداللہ قطب شاہ

قلمی نسخہ ادارہ	مطبوعہ نسخہ
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی	شہاں کا شاہ عبداللہ غازی
خدائی ہی تری جم پیش بازی	اچھو جم حق سوں اکو پیش بازی
سعادت کی نین کا نور ہی توں	سعادت کے نین کا نور ہی توں
سخاوت کے گگن کا سور ہے توں	شجاعت کے گگن کا سور ہی توں
دیکھت تجھ شیر کی نوشیروانی	عجب نیں دیکھ تری نوشیروانی
کریں بکریاں کے تئیں گرگاں شبانی	کریں بکریاں کی گرگاں پاسبانی
اگر دے گا جو تیرا حکم حد باند	اگر دیگا جو تیرا عدل حد باند
سیہ رے گا پیرہن کتاں کی چاند	رکھے گا کر جتن کتاں کوں چاند
جداں لگ مہر دپر چرخ اخضری ہے	جداں لگ مہر دپر چرخ اخضری ہے
جداں لگ تھیں یہ زہرہ مشتری ہے	جداں لگ تھیں یہ زہرہ مشتری ہے

آغاز :-

دل میں حمد رب العالمین کا	دل و جان سوں کہو جان آفریں کا
خداوندا تجھے ہے جم خدائی	ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی

اختتام :-

سلاماں سوں ہے امیدواری	سخنداناں سوں ہے امیدواری
کریں گے تو مرا یو پھولبن سیر	کہوں یکبارگی جو عاقبت خیر

(۲۵) قصص الانبیاء [۱۳۲]

ریاض مسعود

اوراق ۲۲۶ - سطور ۱۱ فی صفحہ -

تقطیع ۶¾ × ۸" خط نستعلیق معمولی

سرخ حاشیہ اور منقش پیشانی مصنف غوثی سنہ تصنیف ۱۱۹۱

کاتب محمد فرید ولد محمد نواز - سنہ کتابت ۱۲۶۶

مقام - بنگلور -

تقریباً ۴۵۰۰ ابیات کی طویل مثنوی ہے جس میں ایک ارکاٹی واعظ غوثی نے قصص الانبیاء فارسی سے ابتدائے آفرینش سے یوسف علیہ السلام تک کے حالات کا دکھنی اردو میں ترجمہ کیا ہے - یہ ایک نادر کتاب ہے اور اس کا کوئی نسخہ کسی کتب خانۂ عام میں ایک

دریافت نہ ہوا۔

وجہ تالیف میں غوثی نے لکھا ہے کہ "میں اکثر انبیاء کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اہل محفل نے فرمائش کی کہ اس کو دکھنی میں منظوم کردوں تاکہ ہر شخص سمجھ سکے اس لئے میں فارسی کتاب **قصص الانبیاء** کو دکھنی میں منظوم کر رہا ہوں" ابیات ہیں :-

رکھ اپنی یاد میں غوثی کو یارب — رکھ اپنے امر میں مجھ کو عمر سب
تو غوثی انبیا کا ذکر اکثر — زباں سے اپنی کرتا تھا نکو تر
بعد مجکوں ہوئے سب اہل محفل — جو رکھتے تھے محبت دل سوں کامل
زباں دکھنی میں ادس کو نظم سوں بول — جو آئے فہم میں ہراک کے تئیں بول
بے تحریص سوں اُن کے ہوا شوق — رہا نیں چین یک تل بے ہوا ذوق
قصص جو انبیا کا فارسی ہے — نظر قران سوں جیوں آرسی ہے
سو اوس کا ترجمہ کرتا ہوں یہ اب — مری تو طبع کر جولان یارب
اپس کے فضل سوں تو بخش الہام — کہوں تا نظم دکھنی میں خوش انجام

(ورق ۲ ب و ۳ ا)

مصنف کے حالات مدراس میں اردو صفحہ ۱۳۱ میں درج ہیں۔

کتاب سے اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ ایک صاحب اولاد، مذہبی عالم اور واعظ تھا اور جیسا کہ آخری ابیات سے ظاہر ہوتا ہے اس کے بھائی اور عزیز و اقربا اس سے دور تھے اور وہ بہت قرضدار تھا۔ اس کی ابیات ہیں :-

الٰہی میں نہایت ہوں گنہ گار — ہوا ہوں بہوت عالم کا قرضدار
مرے بھایاں پڑے ہیں مجھ سنتے دوُر — اونو کے ہجر میں ہوں روز و شب چُور
ملے ہیں جوں کہ یوسف سا یعقوب — مرے بھایاں ملا نا صورت خوب
برکت سوں اونکی یا ..... — میرے بھایاں ہور خویش پیوند
الٰہی گرچہ ہوں تیرا گنہ گار — ولے تیرا ہوں بندہ تو ہی غفار
بخش میرا گنہ رکھ ..... ایماں — ادا کر قرض سب غوثی کا رحماں

(ورق ۲۲۶ ا)

حمد و نعت کے بعد ابتدائی چودہ اوراق میں آفرینش کائنات سے متعلق مختلف مذہبی روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ پندرہویں ورق سے شیطان کا واقعہ اور ورق ۱۹ ب سے آدم کا قصہ بیان کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لفظی ترجمہ نہیں بلکہ ایک طرح کی تالیف ہے۔ چنانچہ آدم کا قصہ جس بیت سے شروع کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غوثی نے فارسی قصص انبیا کا ترجمہ کرنے سے پہلے ہی آدم کا قصہ منظوم کر لیا تھا۔ لکھا ہے :-

بیان کرتا ہوں اب آدم کا قصہ — زباں دکھنی میں تھا میرا تو قصہ

اس طرح چار صفحوں کے بعد ورق ۲۲ ب سے فارسی کتاب کا ترجمہ یوں شروع کیا ہے :-

ہے عبداللہ بن عباس سوں یوں — قصص میں ہے روایت سو لکھا ہوں

اس مثنوی کے چند ابواب یہ ہیں :-

قصہ		ورق	
قصۂ شیث	ورق	۵۳	ب
" ادریس	"	۵۶	ا
" نوح	"	۶۱	ا
" ہود	"	۷۲	ب
" صالح	"	۸۰	ا
" شداد	"	۸۴	ب
" ابراہیم	"	۸۹	ا
" کعبۃ اللہ	"	۱۳۱	ا
" لوط	"	۱۴۱	ب

اس کتاب کا تاریخی نام مصنف نے ریاض مسعود رکھا تھا جس سے ۱۱۹۱ھ نکلتا ہے۔

ہر باب کے آخر میں غوثی ایک اختتامی شعر میں
اپنے لئے دعا کرتا ہے مثلاً

دکھا غوثی کو یا رب راہ تحقیق مری اولاد میں دے نیک توفیق
(ورق ۸۵ الف)

توں رکھ ایمان غوثی کا سلامت اپس کی یاد میں رکھ تا قیامت
(ورق ۸۹ ب)

یہ غوثی کی پوری قصص الانبیاء نہیں ہے بلکہ صرف
دفتر اول ہے جیسا کہ ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے۔

آغاز:-

کروں حمد خدا اول بیاں میں ثنا ہور صفت کو اوس کی عیاں میں
کیا ارض و فلک کوں جنے پیدا جو کچھ باہیں ہیں اوس کے ہویدا
دیا ہے روز کوں خورشید سوں نور فلک کو شب کیا تاریاں سے معمور

اختتام:-

بش میرا گنہ رکھ ..... ایمان ادا کر قرض سبحانی کا رحمان
یہ غوثی کوں ترے کن التجا ہے .... تو کوئی تجہ بن دوجا ہے

ترقیمہ

"تمت تمام شد دفتر اول قصص الانبیاء در شہر
رجب المرجب بتاریخ بست دنہم بروز دوشنبہ
بوقت ظہر در ۱۲۶۶ھ ہجری نبوی بمقام بنگلور
در دیوان خانۂ صوبدار میجر سید رحمن صاحب
سکنڈ رجمنٹ لیٹ کیوالری۔ کاتب الحروف
بندۂ گنہگار از بندگان پروردگار اضعف
من عباد اللہ الصمد مسمی محمد فرید و محمد نواز
ولد محمد برہان مرحوم نور اللہ مرقدہ۔
حسب الخواہش برادر دینی و دنیوی شیخ عبد القادر صاحب
عرف بھائی عبد القادر بھائی ولد شیخ احمد صاحب۔
من نوشتم صرف کردم روزگار من نمانم خط بماند یادگار

---

(۲۶) رضواں شاہ و روح افزا [۱۳۳]

اوراق ۶۷۔ سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ۵½ × ۸۔ خط نستعلیق۔
مصنف فائض (فائز)۔ سنہ تصنیف ۱۰۹۵ھ
کتابت اواخر بارہویں صدی ہجری۔

یہ عہد قطب شاہیہ کی آخری اُردو کتابوں میں سے ہے۔ ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں زوال سلطنت سے چار سال قبل لکھی گئی۔ اس کا مصنف کوئی مشہور اور کہنہ مشق شاعر نہ تھا۔ اس کا تخلص مثنوی کے بعض نسخوں میں فائز اور بعض میں فائض درج ہے۔

ادارے کی زیر نظر مثنوی میں کتب خانۂ شاہان اودھ کے نسخہ کی طرح ہر جگہ فائض لکھا ہے۔ مثلاً

تو میں بندہ فائض ہوس دھر کے تب
یو قصے کوں دکھنی کیا نظم سب (ورق ۶ ب)

تو فائض منگے یوں دعا حق کنے
نہ محتاج کر کس کا دُنیا منے (ورق ۶۰ ب)

برٹش میوزم (اونٹیل ۲۰۱۶) اور کتب خانۂ آصفیہ (قصص ۱۲۱) کے نسخوں میں فائز درج ہے۔

یہ دو ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جو ایک فارسی قصۂ نثر سے ماخوذ ہے اور جس میں حمد و نعت و منقبت کے بعد ترتیب کتاب کا عنوان قائم

کرکے مصنف نے سبب تالیف بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں تصنیف و تالیف کا ذوق اتنا عام تھا کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اس کے ذریعہ سے اپنا نام قیامت تک زندہ رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی نظر میں دنیا کی ہر قوت اور ہر کام فانی تھا یہاں تک کہ بادشاہی جیسا اعزاز بھی تصنیف و تالیف کے مقابلہ میں لوگوں کو ہیچ نظر آتا تھا۔ اس حصے میں شاعر نے بعض دلچسپ اور پُراز معلومات باتیں لکھی ہیں جن کا ضروری انتخاب یہ ہے:۔

کسے بادشاہی کرے نیں وفا　　کسے مال و دھن میں دسیا نیں نفا
ہراک بات کا ایک قصہ ہوا　　ہر یک نقل بھی یو نچہ پیدا ہوا
لذت بہوت نقل و روایات میں　　بہت وقت گمتا حکایات میں
دنیا میں جو خوشتر لگی یو نقل　　جو اس میں نہیں ٹھارتی ہے عقل
عجائب دسے اس میں ہاماں تمام　　کہ جس میں پریاں ہور جناں کے کام
بہوت ہیں حکایات اس دھات کے　　کتیک تو کتاباں میں ہیں اس بات کے
کتیک نثر اس میں کتیک ہی نظم　　کئے ہیں جمع کوئی عرب کوئی عجم
کتیک فارسی کوں بھی دکھنی کئے　　او لوگاں قیامت تلک نیں موئے
دنیا میں اُن کا رہیا یادگار　　موئے نیں و جیتے ہیں برساں ہزار
پڑیں فاتحہ جب کریں انکو یاد　　تو ہوتی اچھے ان کی ارواح شاد
فکر میں پڑیا میں بھی اس آس سوں　　نہ تھی نیند مجکوں یو وسواس سوں
جو میری بھی کچھ یادگاری رہے　　مرے بعد کوئی بہشت روزی کہے
نہ دیکھیا آپس کی طبیعت تاب　　جو کہنے سکوں نظم گر کوئی کتاب
کیا سیر اکثر حکایات کوں　　رکھیا دل میں اپنے ہراک بات کوں
اتھا فارسی نثر میں یو نقل　　اسے نظم کوئی نیں کئے تھا اول
تو میں بندہ فائض ہوس کر کے تب　　یو قصے کوں دکھنی کیا نظم سب
سنجے شاعری کی کدیں مشق نیں　　کیا ہوں بزرگاں کی تقلید میں
کہ تقلید سوں سب جو قابل ہوئے　　پکڑ سنگ عاقل کا عاقل ہوئے
بندیا ہوں میں یاراں کی تکلیف پر　　نہیں ہے نظر مجہ کو تعریف پر
نہ شہرت منجے شاعری کی ہوس　　نہ انعام پانے کی دل میں آس
پرویاں ہوں آنیاں کوں یک رشتے میں
میں اول تے شاعر زبردست نیں۔

ابیات بالا سے اُس عہد کی عام ذہنیت اور مصنفین و شعرا کی ذہنی ایمانداری کا پتہ چلتا ہے۔

اس مثنوی میں چین کے بادشاہ "رضوان شاہ" کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو ایک پری "روح افزا" پر عاشق ہوگیا تھا اور اس کے حصول کے لئے بڑی بڑی سختیاں اٹھائی تھیں۔

آغاز:۔

اول نام حق کا لے بولوں سخن　　بندوں اس کی توحید کھولوں بچن
ہے اللہ معبود برحق قدیم　　جو رحمان ہے خلق پر ہور رحیم

اختتام:۔

الہی توں ہر یک مسلمان کوں　　نگہ بان رکھ امن و آمان سوں
کہ جوں شہ کا حاصل ہوا مدعا　　یونہیں کرتوں حاصل مرا مدعا
ہوا اب یہاں سوں یو قصہ تمام　　درود اں نبی پر ہزاراں سلام

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

برٹش میوزیم اور کتب خانہ آصفیہ کے نسخوں میں سنہ تالیف کی بیت درج ہے جو یہ ہے ؎

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار　　اوس اوپر نود اوسکے اوپر چہار

ادارے کے نسخے میں یہ بیت نہیں ہے۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کا نسخہ ۱۲۴۵ھ کا مخطوطہ ہے۔ اس مثنوی کو [illegible]ء میں مدراس اشاعت کو رکھے

میجر ایم ڈبلیو کار نے مرتب کر کے حواشی کے ساتھ چھپوانا شروع کیا تھا کہ میجر مذکور ۱۳ جنوری ۱۸۸۱ء کو گوا کے قریب ڈوب مرے۔ اس لئے طباعت موقوف ہوگئی۔ صرف ابتدائی دو مطبوعہ صفحات برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میجر اس کے علاوہ "گلشن عشق" اور پھول بن کو بھی شایع کرنا چاہتے تھے۔

---

(۲۷) کلمة الحقائق [۱۰۴]

اوراق ۴۴۔ سطور ۱۶ فی صفحہ۔
تقطیع ۴" × ۶½"۔ خط ثلث۔
مصنف شاہ برہان الدین جانم سنہ تصنیف
قریب ۹۹۰ھ۔ کتابت اوائل گیارہویں
صدی ہجری۔ بمقام بیجاپور۔

یہ رسالہ اُردو کی قدیم ترین نثری کتابوں میں سے ہے۔ اس کے مصنف بیجاپور کے مشہور صوفی شاعر شاہ برہان الدین جانم ہیں جن کی ایک اُردو مثنوی "ارشاد نامہ" (۹۹۰ھ) کا ایک قدیم نسخہ بھی ادارے کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۲)۔

کلمة الحقائق تصوف و عرفاں کے مسائل پر سوال و جواب کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اور زیر نظر نسخہ ان کے کسی مرید یا فرزند شاہ امین الدین اعلی کا مرتب کردہ ہے کیونکہ اس میں اصل کتاب سے پہلے ایک تمہید ہے جس میں حمد و نعت کے بعد مصنف کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"ھذا الکتاب قطب الاقطاب حضرت
شاہ برہان العارفین قدس اللہ سرہٗ العزیز
تصنیف کردہ اند۔ اللہ کرے سو ہوے
کہ قادر توانا توی کرا و قدیم القدیم
اس قدیمی کا بھی دیکھنہار سہج سہج سو تیرا مختار"
(ورق ۹)

اصل کتاب کے آغاز میں شاہ برہان نے اپنی زبان کو گجری کہا ہے جو اس واقعہ کو ظاہر کرتا ہے کہ بیجاپور میں زوال گجرات کے بعد وہاں کے اُردو بولنے اور لکھنے والے اولیاء، حفاظ اور علماء و شعراء اس کثیر تعداد میں آئے کہ ان کے لب و لہجہ اور طرز کی تقلید بیجاپور میں داخل ہوگئی اور لوگوں نے اُردو زبان کا نام ہی گجری رکھ دیا۔

کلمة الحقایق میں جگہ جگہ قدیم اُردو نظم کے نمونے بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر دو مقامات کے اقتباس درج ذیل ہیں:۔

توں نہ دیکھیا آپس آپ — جے گھڑیا یہ تج باپ
آرے توں اس صفا میں نور — کہ جیسا آکاس سور
آرے توں اپسے آپس دیکھ — ظہور کوں کرتا لیکھا لیکھ
و خالی دستا ٹھاؤں — وہ کیسیا اپنا ناؤں
(ورق ۱۳ و)

یو غفلت میری ٹوٹی — جے نظر ایسی پھوٹی
یہ صدقے مرشد چھوٹا — یہ گھور اندھارا پھوٹا
جیسا خالی پھول — یا دیکھیں جیسا ڈول
کریں منور روشن — کم ماہر تھا ہر فن
(ورق ۱۴ و)

چونکہ یہ اُردوٗ نثر کی قدیم ترین کتابوں میں سے ہے اس لئے زبان واسلوب کے اندازے کے لئے اس کے آغاز و اختتام سے ذرا طویل اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

آغاز :-

"سبب یو گجری زبان نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق خلاصہ بیان تجلی عیاں روشن شود. انشاء اللہ تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ قدیم القدیم کیوں تھا. ذات وصفات و کل مخلوقات ابتدا و انتہا باقی وفانی قدیم و جدید باہمہ و بے ہمہ بریں سبب سوال وجواب روشن کر دکھایا ہے. انشاء اللہ تعالیٰ کہ خدائے تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ خدائے تعالیٰ کی نظر ادراک کرنہاری ہے جملہ مخلوقات پر۔ ہماری نظر نہیں اپنیر ہماری ذات قدیم پر۔ اگر کوئی اس کی قدیمی بوجھے تو شریک کھڑا رہیا۔ اس سبب فرمایا..."

اختتام :-

"الٰہی اگر عشق دہی از من مرا صبر نیست
دگر دانائی می دہی تا من بندۂ تو دانم۔
وگر ایں دانائی ترا شرک رسد تا ایں
دانائی از من بردار۔ و نہ من ایں دانم
و نہ من آن۔ ہرچہ تو خواہی بکن یا الٰہی
یا الٰہی یا الٰہی۔"

(نوٹ) کتاب کے آخری ۱۷ صفحات فارسی میں ہیں۔ اُردوٗ عبارت اس جملہ کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

" ہر یک فعل کوں مدد جز دل نہیں۔ و دل اُن فعل ہی میں ویسا وستا لیکن دل منزہ علاحدہ است. کسی فعل میں باندیا نہیں"

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد بتاریخ بیست و نہم ماہ ذوالحجہ روز دوشنبہ بوقت یک پہر چہار گھڑی درگاہ میراں صاحب نوشتہ شد ایں کتاب کلمۃ الحقائق بسرکار حضرت صاحب است. ہر کسے دعویٰ کند کار شرع باشد"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود شاہ برہان جانم کی درگاہ بیجاپور میں وہیں کے کسی معتبر اور مستند نسخے سے نقل کیا گیا۔ شاہ برہان اور اُن کے والد شاہ میراں ایک ہی جگہ دفن ہیں۔

---

(۲۸) مقصود ابتدائی [۱۰۴ ب]

اوراق ۴۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۴½ x ۸۔ خط ثلث۔

یہ قدیم اُردوٗ نثر کا ایک رسالہ ہے جو کلمۃ الحقائق شاہ برہان (م ۹۹۰ھ) کے ساتھ اُسی کاغذ اور تقریباً اسی خط میں داخل گیارہویں صدی ہجری میں نقل کیا گیا ہے۔ مصنف اور کتاب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً شاہ برہان ہی کا ایک رسالہ ہے۔ اس میں خدا اور کائنات کی ماہیت اور آغاز وغیرہ سے متعلق تصوف کے مسائل سوال وجواب کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔

آغاز :-

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ
للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ
محمد وآلہ اجمعین۔

اے دوست عزیز من ابتدائی کا مقصود جے
کچھ بولیا جاتا ہے سوتوں خوب سن۔
سوال پوچھے۔ اول تھے اول کیا تھا۔
جواب بولیا۔ اول حقیقت تھا۔
سوال پوچھے۔ کیوں تھا۔
جواب بولیا۔ آپ ہیں آپ تھا۔
سوال پوچھے۔ ایسیں اپس تھا تو زمین
ہور اسمان عرش کرسی لوح قلم اے سب
کہاں تھا۔
جواب بولیا۔ اپس میں کل موجود اتھا۔"

اختتام :-

وو منزل اس کا لاہوت جان اے دوست۔ بیت

یوں دیکھے آپ ڈھنڈول ست کر کیرے ساچے بول
نہیں تو کھانے بلا چیرے تیوں دین گنوایا سارا
ایسے دھندے ہم جگ اندھے پھر بسنے ایک ٹھارا
چلنے کا تو نیم نہیں رے توشہ بھوکٹ کھایا
اس دھات عمر خرچ کیا سب آخر پھر پچتایا

ترقیمہ :-

تت کیا اسے تمام حق تے بولیا حق کلام

(۲۹) من لگن [۵۱۰]

اوراق ۶۱ ۔ سطور ۱۵ فی صفحہ ۔
تقطیع ۵½" × ۳½" ۔ خط نستعلیق ۔
عنوانات سرخی میں ۔ مصنف قاضی محمود بحری
سنہ تصنیف ۱۱۱۲ ھ ۔

اس مثنوی کے مصنف محمود بحری سلطنت عادل شاہیہ کے پہلے پایۂ تخت گوگی کے رہنے والے تھے ان کے والد بحرالدین عرف قاضی دریا ایک مشہور صوفی تھے جن کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ بحری ۱۰۹۵ھ میں گوگی سے بیجاپور آئے اور سکندر عادل شاہ کو اپنے علم و اخلاق سے گرویدہ بنا لیا۔ دو سال بعد ہی جب اورنگ زیب نے یہ سلطنت اپنے قبضہ میں کر لی تو بحری نے حیدرآباد کا رخ کیا۔ راستہ میں چوروں نے ان کے مال و دولت کے ساتھ کتابیں بھی لوٹ لیں۔ حیدرآباد میں بھی دو سال رہنے پائے تھے کہ اورنگ زیب نے اس سلطنت کو بھی فتح کر لیا۔ اس طرح وہ جہاں جاتے تباہی اور بربادی اُن کا پیچھا کرتی رہی۔ اگرچہ عادل شاہی اور قطب شاہی خزانوں کے ساتھ بحری کی تصنیفات بھی ضایع ہوئیں لیکن علم کی دولت کبھی پوری طرح فنا نہیں ہونے پاتی۔ چنانچہ بحری کی بعض تصانیف باقی رہ گئیں اور ان کی نقلیں اقصائے ہندستان میں پھیل گئیں۔ "من لگن" اور کلیات بحری چھپ بھی چکے ہیں۔ "من لگن" کا فارسی ترجمہ "عروس عرفان" بھی موجود ہے جو ۱۱۱۶ھ میں خود بحری کے قلم سے تکمیل کو

پہنچا تھا۔

من لگن کی خصوصیات اور بحری کے متعلق تفصیل معلومات اُردو شہ پارے (۱۹۲۹ء) اور کلیات بحری مرتبہ ڈاکٹر حفیظ سید میں شایع ہو چکی ہیں اس لئے مزید وضاحت کی کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ دکن کے شعرائے اُردو نے اپنے سرپرست سلاطین قطبیہ و عادل شاہیہ کے زوال کے بعد بھی اپنے قدیم ذوق شعر و سخن کو جملہ لوازمات کے ساتھ عرصہ تک باقی رکھا تھا چنانچہ جس طرح وہ اپنے سرپرست بادشاہوں کی مدح ہر مثنوی میں حمد و نعت کے بعد کیا کرتے تھے اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی بھی انھوں نے مدح کی۔ اگرچہ موخرالذکر سے اُنھیں اس انعام و اکرام اور قدر و منزلت کی کوئی توقع نہ تھی جو سلاطین دکن سے حاصل ہوتی تھی بحری سے پہلے ضعیفی نے بھی اپنی مثنوی "ھدایات ھندی" (۱۰۶۵ھ) میں ایسا ہی کیا تھا۔ اس مدح کے منتخب اشعار اس فہرست مخطوطات میں نسخہ نمبر ۱۱ میں درج ہو چکے ہیں۔ یہاں بحری کی مدح اورنگ زیب کا اقتباس بھی درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ ضعیفی کی مدح سے مقابلہ ہو سکے۔ نیز بحری کے کلام کا کچھ نمونہ بھی پیش نظر ہو سکے۔

مدح پادشاہ دین پناہ سلطان اورنگ زیب غازی

اب بول تو مدح بادشاہ کا | اور اس کی کمالیت کلاہ کا
جس کی یہ ڈولین کی عادت | عالمگیری ہے اور عبادت
یک ملک نہیں جو اُن لیا نیں | یک نفل نہیں جو اُن کیا نیں
ایسا نہوا کسی شہاں میں | نا بلکہ بڑے شاہاں میں

جس ناؤں اہے ابوالمغازی | سلطان اورنگ زیب غازی
دیندار، دلیر اور دانا | یک علم نہ سب نے سیانا
اب لگ تو کسے نہ آپ پوچھا | بن آپ نہ کس بلاے پوچھا
بے فکر میں یعنی آپی آمے | بے فکر اُسے ظہور میں لائے
دیوے جو فہیم کے اوپر چل | اللہ کے بل نہ اور کے بل
اچھ عمر نو برس کی نوخیز | پاوک سے ترنگ پھیرتا تیز
یک جس کی دعا ہزار دعوات | دعوات بھی قس لوپر دعوات
پیچھے بھی ہوا نہ کوئی ایسا | آگے بھی تو سچ نہ ہوے ایسا
اللہ کرے دل کو شاد شہ کے | بالا کرے بول بادشہ کے

واضح ہو کہ بحری نے یہ اُسی بادشاہ کی تعریف میں لکھا ہے جس کی معرکہ آرائیوں نے ان کو سالہا سال خانماں برباد اور پریشاں حال رکھا تھا۔

من لگن میں تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ادارے کے نسخہ میں تقریباً ۱۸۰۰ ابیات ہیں۔

آغاز:۔

اے روپ ترا رتی رتی ہے | پربت پربت پتی پتی ہے
پربت میں اوک نہ کم رتی ہیں | یکسار ہے راس ہورتی ہیں

اختتام:۔

بوجیا ہے عبث ہوس کتیں ہوش | کر ہوش ہوس سبھی فراموش
رکھ اصل چھینت نہ چھاؤں اوپر | کر ختم خدا کے ناؤں اوپر

ترقیمہ نہیں ہے۔ کاغذ اور کتابت کے لحاظ سے اواخر بارھویں صدی کا نسخہ ہے۔

(۳۰) [۶۶]

جنگ نامہ محمد حنیف

اوراق ۸۳ - سطور ۱۷ فی صفحہ -
تقطیع ۵ × ۷۳/۴ - خط نستعلیق -
عنوانات سرخی ہیں - مصنف سیوک
سنہ تصنیف ۱۰۹۲ھ - سنہ کتابت
۱۲۷۰ھ -

یہ ڈھائی ہزار ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک غیر معروف شاعر سیوک نے ۱۰۹۲ھ میں محمد ابن حنفیہ کے یزید سے محاربات اور آخرکار ان کی شہادت بیان کی ہے - کتاب کسی فارسی قصہ کا ترجمہ ہے اور تاریخ سے زیادہ خیالی اور فرضی قصوں پر مشتمل ہے - سیوک دکنی تھا لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ گولکنڈہ سے اس کا تعلق تھا یا بیجاپور سے، بہرحال یہ کتاب زوال دکن کے پانچ سات سال قبل قلمبند کی گئی ہے - مقام تصنیف کی طرح مصنف کے مذہب کا بھی پتہ نہیں چلتا ممکن ہے کہ وہ غیر مسلم ہو - ادارے کے اس نسخے کے علاوہ اس کتاب کے دو اور نسخے اس وقت موجود ہیں :-

۱- نسخہ انڈیا آفس (بلوم ہارٹ نمبر ۱۰۸)-
۲- نسخہ جامعہ عثمانیہ (سروری فہرست مخطوطات صفحہ ۹۶) -

لیکن ان تینوں نسخوں میں حمد و نعت و منقبت کے اشعار موجود نہیں ہیں - تینوں نسخے اسی بیت سے شروع ہوتے ہیں ؎

کہوں یک جنگ شاہ شیرزداں — حسین شاہ ابن علی بعد ازاں

مصنف کا تخلص ہر نسخے میں واضح طور پر بار بار آیا ہے، اس لئے اس میں شبہ نہیں -

جنگ نامہ کے قصہ کا خلاصہ کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے صفحات ۱۴۲ و ۱۴۳ پر شائع ہو چکا ہے - زبان و اسلوب دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف معمولی درجہ کا شاعر تھا -

آغاز :-

کہوں یک جنگ شاہ شیرزداں — حسین شاہ ابن علی بعد ازاں
سو اس شاہ کا او عرب عالی تھا — ابا ایک ہور بھائی دو تائی تھا

اختتام :-

نیٹ تلملیا آہ مارن لگیا — اخی یا اخی کر پکارن لگیا
مرتب ہوا جنگ نامہ تمام — درود بر محمد ہزاراں سلام
ہوا جنگ یو مختصر سب تمام — کہ دکنی کرے نقد حسن الکلام

ترقیمہ :-

"تحریر فی التاریخ نوزدہم شہر شوال المکرم ۱۲۷۰ھ" -
"محی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ - ہاشمی"

اس نسخہ کو مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے ۱۳۵۰ھ میں راقم الحروف کو بطور تحفہ عطا کیا تھا اور اب یہ ادارے کے کتب خانے میں داخل ہے -

اس نسخہ کے آخری حصہ میں جامعہ عثمانیہ کے نسخہ کی طرح چند ابیات نہیں ہیں کیونکہ انڈیا آفس میں جو نسخہ ہے اس کا اختتام ان ابیات پر ہوتا ہے جن میں تاریخ تالیف وغیرہ بھی درج ہے -

یہ جنگ عظیما کیا سر بسر — تھی تاریخ تدہاں جان خیر البشر

بوسیوک تو ہجری کیرے سال تھے — ہزار یک نو دو کے اپرال تھے
اے سیوک بنام رسول مجسم — محمد حنیف شہ کا کر جنگ ختم
ہے سیوک غلام نبی کا سچا — شفا کر شفا کر شفا کر شفا
اتھا یو قصہ فارسی سوں اول — کیا دکھنی میں ترجمہ سہج بدل
ختم کرتوں سیوک دعا پر کلام — بحق محمد علیہ السلام

ادارے کے نسخے میں شاعر کا تخلص اوراق ۸ا
اور ۶۲ب کی ابیات میں درج ہے۔

(۳۱) روضۃ الشہداء [۱۴۰]

اوراق ۲۰۳ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۸ - خط نستعلیق۔ عنوانات
اور حاشیہ سرخی میں۔ مصنف میر ولی فیاض
ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۳۷ھ کاتب غیبی
سنہ کتابت ۱۱۷۰ھ۔

یہ تقریباً ۵۵۰۰ ابیات کی طویل دکنی مثنوی ہے جو ملا حسین واعظ الکاشفی کی فارسی روضۃ الشہداء کا ترجمہ ہے۔ فارسی کتاب نثر میں ہے۔ ولی نے اس کا بڑا کامیاب ترجمہ کیا ہے یہ مثنوی دس مجلسوں پر مشتمل ہے اور اسی لئے وہ مجلس بھی کہلاتی ہے۔

اس کا مصنف ویلور (علاقہ مدراس) کا متوطن چٹ پیٹھ کا جاگیردار اور پختہ مشق شاعر تھا۔ پہلے سات گڈھ میں حراست خاں صوبہ دار کا اور بعد کو سدھوٹ میں عبدالمجید خاں قلعدار کا متوسل رہا۔ آخرکار ارکاٹ میں شاید ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ روضۃ الشہداء کے علاوہ اور کتابیں بھی لکھیں جن میں "رتن پدم" (تقریباً ۴۰۰ ابیات میں) مشہور ہیں جو ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھی۔

روضۃ الشہداء (بمبئی میں ۱۲۹۱ھ و ۱۲۹۶ھ میں چھپ چکی ہے لیکن مطبوعہ نسخے کم یاب ہیں۔ یورپ میں اس کے تین قلمی نسخے (دو انڈیا آفس میں اور ایک رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں) موجود ہیں۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانے میں اس کے چھ نسخے (۱۱۳۰ھ ۱۱۵۵ھ - ۱۱۵۹ھ ۱۲۲۴ھ و ۱۲۳۲ھ کے مکتوبہ) ہیں۔

اس کتاب کے سنہ تصنیف میں اب تک غلط فہمی رہی۔ شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم میں ۱۱۱۹ھ پروفیسر سروری نے فہرست مخطوطات میں ۱۱۰۹ھ اور نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اردوئے قدیم میں ۱۱۳۰ھ لکھا ہے۔ لیکن ادارے کے دونوں نسخوں میں ۱۱۳۷ھ لکھا ہے جو بالکل صحیح ہے کیونکہ نواب سالار جنگ بہادر کے یہاں اسی سنہ کا لکھا ہوا جو مخطوطہ موجود ہے اس میں نہ صرف متن کتاب میں بلکہ ترقیمے میں بھی سنہ تصنیف ۱۱۳۷ھ صاف طور پر درج ہے۔ نواب صاحب کا یہ نسخہ نہایت اہم ہے کیونکہ اس سے نہ صرف سنہ بلکہ مصنف کا صحیح نام بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے غلطی سے ولی کا نام سید محمد فیاض لکھا ہے (دیکھو اردوئے قدیم ص ۱۰۱) لیکن سالار جنگ بہادر کے اس اہم نسخے کے حسب ذیل ترقیمے سے یہ غلط فہمی بھی رفع ہو جاتی ہے:-

"۱۱۳۷ ہجری کتاب دکھنی روضہ دربیان
امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام تصنیف
میر ولی فیاض صاحب سجاد منوچہر کردہ اند
واللہ اعلم بالصواب تمت تمام شد

کاتب الحروف سید وجہ اللہ حیدری
ولد سید بڑے منوچہری درمقام ویلور
روز یکشنبہ بوقت سہ پہر تاریخ غرہ ذیحجہ
۱۲۵۹ھ مطابق ۱۲۳۰ فصلی"

اس عبارت کے درمیان ایک بیضوی مہر میں
"سید جاہ محمد خاں ۱۲۳۰ھ" کندہ ہے
اور اس کے نیچے لکھا ہے :-
"مالکہ سید جاہ محمد خاں ولد سید شاہ محمد خاں"

کتاب کے سرورق کی حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قلمی نسخے کتنے گراں بہا تھے

"جلد اوراق کتاب روضۃ الشہدا
یکصد و نود بقیمت پنجصد و نیم روپیہ
بمعرفت شیخ محمد غلام علی بیگ ...
نعمہ ویلور گرفتہ شد۔ مالکہ سید جاہ محمد خاں
ولد سید شاہ محمد خاں بتاریخ پانزدھم
شہر ذی حجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۲۵۹ف
درسنہ احمد شاہی"

ادارے کا زیر نظر نسخہ بھی مکمل اور قدیم ہونے کی وجہ سے بے حد اہم ہے۔

آغاز :-

کروں نامے کوں بسم اللہ سوں آغاز
اچھوں تا میں فصاحت سوں سرافراز
سراؤں کیا اسے جن یک سخن میں
بندیا جیو دم کے رشتے سوں بدن میں

اختتام :-

کیا ہوں ختم جب یو دردکا قال | اگیارہ سو پہ تھا چھپنواں سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا | اتھا اوس باعث امن واماں کا
ولی اب دکھ رقم ہور ختم کرتا | نبی ہور آل پر نت بول صلوات

ترقیمہ :-

کیا ہوں نقل روضے کی تمامی | یہ تصنیف ولی الفاظ نامی
گیارہ سو اوپر ستر تھی ہجری | ہوا مرقوم روضہ وقت فجری
جمادی الآخر اس مہینے کے دیناں | دوشنبہ ہی دن کوں ختم ہو جاں
لکھیا غیبی نے رکھ کر خوش اور آرے | دلے لکھتے و پڑتے ہوئیں اوڑجاے
کہ سر سوں پانوں لگ درد شہیداں | بھریا ہے غم ابن شہیداں
مرتب شد رقم سوں نامہ اکرام | بحق سید والاہ عظام
جو مجلس کے سخن ہار ہور پڑہار | تحت خواہ مخواہ بھیجیں بہ تکرار

نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی چھوٹی سی مستطیل مہر ہے جس پر "عنایت جنگ ۱۲۴۳ھ" کندہ ہے
یہ کتاب ان ہی کی عطیہ ہے۔

---

(۳۲) روضۃ الشہداء [۸]

اوراق ۲۲۱۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ x ۸"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔ مصنف میر ولی فیاض ویلوری
سنہ تصنیف ۱۱۳۰ھ

یہ مخطوطہ نمبر ۳۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں ابتدائی ایک ورق نہیں ہے اور جملہ ۲۳ ابیات کم ہیں ان ابیات سے یہ نسخہ شروع ہوتا ہے :-

آغاز :-

نواجامہ حسین سرور کے تن میں | بناسے سی کوں جیوں گل پیرہن میں
کہے حضرت کی تم خدمت میں جاؤ | نواجامہ یو پہنے سو دکھاؤ

اختتام :-

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال　　اگیارہ سو پہ تھا بسن تیسواں سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا　　اتھا اس باعث امن و اماں کا
ولی اب رکھ قلم ہور ختم کر بات　　نبی ہور آل اوپر بول صلوات

کوئی ترقیمہ نہیں۔ اواخر بارھویں یا اوائل تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ آخری صفحہ کے گوشے میں نصیرالدین ہاشمی صاحب کے دستخط ہیں کہ:-

"تحفہ بخدمت محبی ڈاکٹر زور صاحب۔ ہاشمی۔
۲۷ رمضان ۱۳۵۹ھ"

یہ نسخہ ہاشمی صاحب کا راقم الحروف کے لیے تحفہ تھا جس کو راقم نے اپنی دوسری کتابوں کے ساتھ ادارۂ ادبیات اُردوٗ کے کتب خانہ میں داخل کر دیا ہے۔

---

(۲۳) پنچھی باچھا [۱۵۸]

ورق ۱۲۴ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½" × ۸" - خط نستعلیق۔ عنوانات
سرخی میں۔ مصنف وجدی سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ
کاتب محمد قمرالدین۔ سنہ کتابت۔ ۱۲۶۳ھ

شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر کا دکنی ترجمہ ہے جس کو شیخ وجیہ الدین وجدی نے ۱۱۴۶ھ میں مثنوی کی شکل میں قلمبند کیا۔ وجدی زوال سلاطین دکن کے بعد کے ایک مشہور صوفی شاعر تھے جنہوں نے قدیم ذوق سخن کو جاری رکھا۔ یہ بحیثیت دکنی طرز کے آخری شعراء میں سے ہیں۔ انھوں نے شیخ فریدالدین عطار کی ایک اور فارسی مثنوی گل و ہرمز کا تحفۂ عاشقاں کے نام سے ۱۱۵۱ھ میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کتابیں باغ جاں فزا (۱۱۲۵ھ) وغیرہ بھی لکھی تھیں۔ ان کا ایک دیوان بھی تھا جو اب تک دستیاب نہ ہو سکا۔ البتہ ان کی کئی غزلیں بیاضوں میں ملتی ہیں جن میں سے منتخب اشعار یہ ہیں:-

جنجل کا آج بچھڑا مجہ اُپر بھاری ہوا یاراں
تو میں اُس دو جگت ستیں نرآدھاری ہوا یاراں

ہماری بت پرستی کوں نہیں سمجھے ابھوں زاہد
برائے کفر ست دیں کو تو بو جاری ہوا یاراں

نکو کہہ وجدیا اپنیاں نپٹ سب وصل کیاں باتاں
کتے ہیں لوگ سب تجہ کوں کہ زناری ہوا یاراں

گئی ہے عمر سب میری سدا صورت پرستی میں
سیٹا ہے حسن کا مدمجہ سو ہشیاری تھے مستی میں
نکل جا وجدیا شیخی کے شیویاں کی جھنجھ سیتے
اگر مقصود خود حاصل کیا ہے بت پرستی میں

تل دیکھ کر سکھی کا یک تل میں بھل گیا ہوں
اُس حسن کا سو مد پی مستی سوں جھل گیا ہوں
وجدی کوں آج حاجت کس کیف سوں نہیں ہے۔
لڑیا بھونک پرت کا کیفاں میں گھل گیا ہوں

یہ تینوں غزلیں نواب نصیرالدین خاں صاحب ایم۔ اے ناظم دفتر دیوانی کی خاندانی بیاض کے صفحات ۲۹ و ۳۰ پر

درج ہیں ۔

"پنچھی باچھا" کے نسخے یورپ کے کتب خانوں کے علاوہ حیدرآباد میں کتب خانہ آصفیہ، جامعہ عثمانیہ و نواب سالار جنگ بہادر وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ فہرست اُردوٴ مخطوطات، دکن میں اُردو، اردوئے قدیم وغیرہ میں اس کا ذکر درج ہے۔ یہ کتاب مدراس میں ۱۳۰۳ھ و ۱۳۱۲ھ اور بمبئی میں ۱۲۸۰ھ و ۱۳۱۹ھ میں چھپ چکی ہے۔ ادارے کے نسخے میں تقریباً ۲۵۰۰ ابیات ہیں

آغاز:۔

اسے پنچھی پیارے سخن آغاز کر	حمد سوں حق کے بلند آواز کر
شوق سوں پیا او چایا یک پنچھا	جی رہی تر لوک کا عالم لوبھا

اختتام:۔

اس تجارت کا مجھے بس یو نفا	جے کریں مجکوں دعا دل سوں صفا
تا کہ بخشے جائیں میرے سب گناہ	ہوئے اجلا یو مرا نامہ سیاہ
اس منے ہوتا ہے یارب میرا کام	شکر ہے جے ہوئے پنچھی باچھا تمام
جب کیا تاریخ کا دل جو حساب	تب ہوا ایزاں میں کیا خاصی کتاب

ترقیمہ:۔

"تمام شد منطق الطیر فریدالدین عطار قدس اللہ سرہ در زبان دکنی معروف پنچھی باچھا تالیف شیخ وجیدالدین وجدی بوقت استوی روز سہ شنبہ تاریخ چہاردہم شہر رجب المرجب ۱۲۶۳ھ یکہزار و دوصد و شصت و سہ ہجری بید فقیر الحقیر محمد قمرالدین ابن شاہ رحمت اللہ قادری نور اللہ قلبہ بنور الایمان والعرفان حسب الخواہش مجمع اشفاق یگانہ آفاق، صداقت پناہ، حذاقت دستگاہ منبع فتوت واتحاد، مجمع مروت و وداد حسینی صاحب دام اشفاقہ بقلم آمد۔ بحق محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔"

ترقیمے کے نیچے معطیٔ کتاب نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط ۱۳۴۲ھ ہیں اور ایک بیضوی مہر بھی ثبت ہے جس سے ان کے نام کا سجع "مصدر الطاف عنایت حسین" نکلتا ہے اس مہر میں ۱۳۳۶ھ کندہ ہے۔

---

(۳۴) پنچھی باچھا [۵۸]

اوراق ۱۵۸۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔ تقطیع ۶½" × ۱۰½"۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف وجدی۔ سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ۔ کاتب خواجہ امین الدین۔ سنہ کتابت ۱۲۶۳ھ۔ بمقام رسول آباد۔

کتاب نمبر ۳۱ کا دوسرا نسخہ ہے جس میں تقریباً ۳۴۰۰ ابیات ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں نسخے ایک ہی سال نقل کئے گئے ہیں۔ زیرنظر نسخہ چار ماہ ۱۶ دن قبل نقل ہوا ہے۔

ابتدائی ابیات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ آخر کی دو بیتوں میں خفیف سا فرق ہے۔

اختتام:۔

اس منے یارب مرا ہونا ہے کام	شکر کر جو ہوی پنچھی باچا تمام
جب کیا تاریخ کا دل میں حساب	تب ہوا میزان میں کیا خاص کتاب

ترقیمہ:۔

"منطق الطیر عرف پنچھی باچا بتاریخ غرہ شہر صفر روز شنبہ

بوقت ظہر بیداضعف العباد خواجہ زین الدین عرف خواجہ دبیر ساکن رسول آباد ۱۲۶۳ھ

---

(۳۵) پنچھی باچھا [۵۱۱]

اوراق ۸ - سطور ۱۲ متن میں - ۱۴ حاشیہ پر
تقطیع ۶" × ½۱۰" - خط نستعلیق -
مصنف وجدی - سنہ تصنیف ۱۱۴۶ھ
سنہ کتابت - ۱۲۸۶ھ

مخطوطات نمبر ۳۱، ۳۲ کا ایک ناقص نسخہ ہے جس کے سرورق پر کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے -

"پنچھی نامہ شیخ فریدالدین عطار کا کہا ہوا یعنے جس کو من تیغ کہتے ہیں"

اسی کے نیچے مالک کتاب شیخ حیدر اور ۱۲۸۶ھ درج ہے -

ابتدائی اشعار تینوں نسخوں میں وہی ہیں یہ مخطوطہ ان ابیات پر ختم ہوتا ہے -

عشق محل سوں بند ہے نت چت مرا
نیں ہے دوجے سات ہرگز ہت مرا
جگ منے غوغا ہے میرے عشق کا
کچھ عجب سودا ہے میرے عشق کا

---

(۳۶) دیوان ولی [۹۳]

اوراق ۱۳۸ - سطور ۱۵ فی صفحہ -
تقطیع ½۴" × ½۸" - خط نستعلیق پاکیزہ
ہر غزل کا مقطع سرخی میں - مصنف
ولی اورنگ آبادی - سنہ تصنیف
تقریباً ۱۱۱۵ھ - سنہ کتابت ۱۱۵۹ھ
بمقام حیدرآباد -

یہ دکن کے معروف شاعر ولی اورنگ آبادی کا دیوان ہے جس میں غزل (۱۲۵ اوراق) - مستزاد (۳ اوراق) مخمس (۲ اوراق) - ترکیب بند (۲ اوراق) مثنوی (۴ اوراق) اور قصیدہ (۴ اوراق) غرض جملہ اصناف سخن موجود ہیں -

یہ دیوان ولی کے قدیم ترین نسخوں میں سے ہے اور اس میں اندازاً چار ہزار ابیات ہیں - اس کی بعض غزلیں غیر مطبوعہ بھی ہیں - درمیان میں جگہ جگہ بعض صفحات خالی چھوڑ دے گئے تھے جن پر دوسرے شعرا کا فارسی و اُردوٗ کلام نقل کیا گیا ہے - حاشیہ پر بھی اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے اور بعض جگہ اصلاح بھی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے - دیوان سے قبل نعمت خان عالی کے قطعات ونثر درج ہیں جس کو اسی کاتب نے نقل کیا ہے - دیوان کے اوراق ۱۲۱ تا ۱۲۸ کے حاشیہ پر ایک اور دکنی شاعر اور صوفی شاہ میرانجی خدا نما کا چکی نامہ بھی نقل کیا ہے ان سب کا ذکر علٰحدہ درج ہوگا -

ولی اور اس کے دیوان کے متعلق اردو میں کافی معلومات شایع ہو چکی ہیں اس لئے یہاں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس نسخے سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ ولی ۱۱۵۶ھ تک خود شہر حیدرآباد میں بھی کافی مقبول و مشہور ہو چکا تھا اور بخشی بادشاہ موسیٰ رضا خاں کی حویلی میں غالباً ان ہی کے حکم سے یہ نسخہ لکھا گیا تھا۔

اس نسخہ کا آخری ایک ورق غائب ہے۔

اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے البتہ ورق ۱۲۸ و سے ایک مستزاد شروع کرنے سے قبل کاتب نے حسب ذیل جملہ سرخی میں لکھا ہے۔

"و این چند اشعار نیز از جملۂ مصنفات
آں غواص سخنداں است چنانچہ مرقوم
گردد"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے اس قدر قریبی زمانہ میں بھی اس کے کیسے قدرداں پیدا ہو گئے تھے۔

آغاز:-

کیتا ہوں ترے ناوکوں میں درد زباں کا
کیتا ہوں ترے شکر کوں عنوان بیاں کا
جس خاک اوپر پانوں رکھیں تیرے رسولاں
اس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

اختتام:-

دل جو تجہ زلف پیچ بند ہوا — کون کھولے یہ عقدۂ لاحل
دل ہوا اسپند تب ستے جب سوں — غم ترے میں ہوا ہی تن....

چونکہ یہ دیوان ناقص الآخر ہے اس لئے اس سے قبل نعمت خان عالی کے قطعہ کے آخر میں دیوان کے کاتب نے جو ترقیمہ لکھا ہے اس سے اس دیوان کا سنہ تکمیل کتابت ظاہر ہوتا ہے۔

"قطعہ و شرح قطعہ بیست پنجم شہر جمادی الاول ۱۱۵۶ھ
بروز پنجشنبہ وقت سہ پہر در بلدہ حیدرآباد
در حویلی موسیٰ رضا خاں کہ بخشی بادشاہ اند"

---

(۳۷) دیوان ولی [۱۱۲]

اوراق ۹۲۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔
تقطیع ۴ ۳/۴" × ۸ ۳/۴"۔ خط نستعلیق پاکیزہ
ہر غزل میں تخلص سرخی میں۔ مصنف
ولی اورنگ آبادی سنہ تصنیف ۱۱۱۵ھ
کاتب منوہر لال۔ سنہ کتابت ۱۱۹۱ ہجری
مقام حیدرآباد

دیوان ولی کا ایک اور نسخہ ہے جو نہایت اعلیٰ کاغذ پر خوشخط لکھا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ دستور الامتیاز (۱۱۹۰ھ) کا ایک نسخہ بھی مجلد ہے مگر اس کا کاغذ اور خط اتنا پاکیزہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ بھی دیوانِ ولی کے قدیم ترین مخطوطوں میں شامل ہے اور اس میں بھی حاشیہ پر بعض جگہ اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔

آغاز:-

کیتا ہوں ترے نام کوں میں ورد زباں کا
کیتا ہوں ترے شکر کوں عنوان بیاں کا

جس گرد اوپر پانو رکھیں تیرے رسولاں
اُس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

اختتام :-

جو ہیں پیاسے سخن کے اس کے رنگ	شعر میرا ہے آب سوں نرمل
گوش حاسد میں جب پڑی یو شعر	راکھ ہو جائے رشک سوں جل جل

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد دیوان ولی بتاریخ بیست و چہارم صفر ۱۱۹۱ھ در شہر نوشتہ بود باقی مال (؟) در لشکر نوشتہ شد بجہت کبیر جنید بخط کمترین منوہر لعل تحریر یافت در خانہ لالہ درگا داس"

سرورق پر مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری سابق ناظم تعلیمات کے دستخط (سید محمد حسین ۱۳۴۴ھ) ثبت ہیں۔ یہ نسخہ اُن ہی کا عطیہ ہے۔

(۳۸) چکی نامۂ عرفان [۹۳ب]

اوراق ۳ - سطور ۸: فی صفحہ - دیوان ولی
نسخہ ۳۶ نمبر ۹۳ کے حاشیہ پر - خط نستعلیق
مصنف سید شاہ میراں جی حسینی خدانما - سنہ تصنیف
قبل ۱۰۰۰ھ - سنہ کتابت ۱۱۵۶ھ

یہ ایک ترکیب بند ہے جس میں تین تین اور دو دو مصرعوں کے سولہ (۱۶) بند ہیں اور ہر بند کے آخر میں ایک ہی شعر بطور ٹیپ کے لکھا گیا ہے۔ میراں جی خدانما نے اپنے مریدوں کے لیے چکی کے گیت کے طور پر قلمبند کیا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں تاکہ چکی پیستے وقت بھی مرید خدا کے خیال سے غافل نہ رہیں۔

سید میراں حسینی حیدرآباد میں عبداللہ قطب شاہ کے معتبر ملازمین میں سے غالباً کسی سررشتہ کے عہدہ دار تھے بادشاہ نے ۱۰۶۶ھ میں ان کو کسی کام سے بیجاپور روانہ کیا تھا وہاں شاہ امین الدین اعلیٰ کے ایسے معتقد ہوئے کہ بادشاہ کی ملازمت ترک کر دی اور عمر بھر اہل حیدرآباد کو شاہ امین الدین سے حاصل کیا ہوا فیض پہنچاتے رہے۔ آخرکار ۱۰۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ ان کا گنبد حیدرآباد کے محلہ کارواں میں بہت مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے مرشد کی طرح اُردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ ان کے حالات تذکرۂ اولیائے دکن (جلد دوم صفحہ ۹۶۵) پر تفصیل سے درج ہیں۔ میراں جی خدانما کی یہ نظم غالباً کسی اور کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔ البتہ ان کی اُردو شرح شرح تمہیدات عین القضات بہت مشہور ہے۔

آغاز :- بسم اللہ ذاتی ناؤں
قران اوپر لیا ٹھاؤں
کل شئی اس کی چھاؤں

لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا	نبی رسول سے من لانا اللہ کہنا

اول اللہ ناؤں صفت جس کا ٹھاوں

یاد ہے میرے جی میں ہر دم تیرا ناؤں

لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا	نبی رسول سوں من لانا اللہ کہنا

اللہ آپی گنج خفی ظاہر ہونے آیا۔

نبی صاحب کے برقعہ میں اپس کوں دکھلایا

لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا	نبی رسول سے من لانا اللہ کہنا

اختتام :-

عرفان کا چکی نامہ
بولے سید خدا اللہ خدانما
پیر لے مریدیو سمجھانا

اللہ اللہ کہنا الا اللہ میں رہنا	نبی رسول سے من لانا اللہ کہنا

(۳۹) روضۃ الاطہار [۱۲۲ا]

اوراق ۲۱۶ - سطور کہیں ۱۸ اور کہیں
۱۶ فی صفحہ - تقطیع ۵" x ۹" - خط نستعلیق
مصنف نوازش علی خاں شیدا ۔
سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ -

شیدا نواب آصف جاہ ثانی کے میر بخشی سالار تھے۔ ان کے تفصیلی حالات راقم کی مرتبہ کتاب "مرقع سخن" جلد اول میں شایع ہو چکے ہیں۔ ان کی دو مثنویاں اعجاز احمدی اور روضۃ الاطہار اور متعدد مراثی مشہور ہیں۔ نواب سالار جنگ بہادر اور جامعہ عثمانیہ کے کتب خانوں میں بھی ان کے نسخے محفوظ ہیں۔

ادارے کے اس نسخے میں تقریباً سات ہزار تین سو ابیات ہیں۔ اس کے خاتمہ میں اگرچہ تمت تمام شد لکھا ہے لیکن یہ نسخہ ناقص الآخر معلوم ہو رہا ہے۔ شیدا نے حیدرآباد کے شیعہ آثار کی حفاظت میں خاص حصہ لیا چنانچہ بادشاہی عاشور خانہ کی کمان پر بھی ان کا کتبہ کندہ ہے۔ زیر نظر مثنوی میں مختلف تاریخی کتابوں سے معلومات اخذ کر کے بارہ مجلسیں لکھی ہیں جن میں شہدائے کربلا کے مصائب بیان کئے گئے ہیں۔ شیدا نے اس کی تصنیف کے وقت میر ولی فیاض کی روضۃ الشہدا کو بھی پیش نظر رکھا تھا۔ مثنوی کا سنہ تصنیف ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے :-

ہوا جب ختم یہ مضمون ماتم　　کہا تاریخ ہاتف مجلس غم
(۱۱۷۳ھ)
کیا چاہو تم آسانی سے ازبر　　اگیارہ سو برس تھا تب تہتر

کتاب کا اور اپنا نام و سبب تالیف یوں بیان کیا ہے۔

کہ میں اس سعادت پر بندھا تب　　کتابوں کو منگا تاریخ کی سب
لکھا احوال سارا بے کم و کاست　　مدد حسنین سیتے کر کے درخواست
رکھا ہوں روضۃ الاطہار کر نام　　کہ پڑھ کر اس کو رووے خاص ہور عام
بنایا اس کے ہوں بارا مجالس　　کہ ہر مجلس میں اہل دل کی پارس
نوازش سیں علی کے ہوں میں ممتاز　　اول مجلس کے تیں کرتا ہوں آغاز

ان اشعار سے قبل اپنی مرثیہ گوئی کی شہرت اس طرح بیان واضح کی ہے :-

پڑا تج مرثیوں کا جگ میں جو دھوم　　محباں کے کلابا دل کو جیوں موم

آغاز :-

اول حمد خدا میں ہو سرافراز　　کروں میں روضۃ الاطہار آغاز
دو عالم نام پر اُس کے ہیں شیدا　　شہادت کا کیا عالم وہ پیدا

اختتام :-

حرم یک دھر سبھی تھی سیہ پوش　　تھا اون کا چاک ماتم سی بدوش
لے ان ماتم زدوں کو اپنی ہمراہ　　چلے خیمے میں شہ کے مارتے آہ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن ابتداء کے ایک ناتمام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مصنف کے قریبی زمانے میں عہد آصف جاہ ثانی ہی میں نقل کی گئی ہے کیونکہ یہ خط اس عہد کی مشہور (اللہ رکھی بیگم) کے نام لکھا جا رہا تھا۔

---

(۴۰) روضۃ الاطہار [۵۱۲]

اوراق ۲۳ - سطور کہیں ۱۷ کہیں ۱۳ فی صفحہ تقطیع ۶½ × ۸½ - خط نستعلیق عنوان سرخی میں اور ہر مجلس نئے صفحہ سے ہے۔ مصنف نوازش علی خاں شیدا سنہ تصنیف ۱۱۷۳ھ -

یہ روضۃ الاطہار کا دوسرا نسخہ ہے۔ ابتدا میں دو مجلسیں نہیں ہیں اور تیسری مجلس میں بھی ۱۷۷ ابیات کم ہیں۔ یہ نسخہ بھی تقریباً پہلے نسخے کا ہمعصر ہے۔ اس کے آخری چند اوراق بھی غائب ہیں۔

آغاز :-

علی نے اوس طرح ستیں بجائے — بتول پاک نے جس طرح فرمائے

دیکھو یہ فاطمہ کی مہربانی — تھی امت پر پدر کی جاودانی

اختتام :-

ہمارے دل کے رہ گئے تم ہو آدھار

ہوا دل کئی دنوں سیں سخت بیمار

اگر اپنا کروگے حال اس ٹھار — ہوگے کس طرح کرلیو نگہ غور

کوئی ترقیمہ نہیں بلکہ آخری اور ابتدائی ورق پر نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر :- (عنایت جنگ ۱۱۴۴ھ) ثبت ہے۔ یہ نسخہ اُن ہی کا عطیہ ہے۔

---

(۴۱) کسب محویت [۱۲۰]

اوراق ۹ - سطور ۱۲ فی صفحہ تقطیع ۵½ × ۹½ - خط نستعلیق پاکیزہ کاغذ اعلیٰ - مصنف شاہ صدرالدین۔ سنہ تصنیف غالباً قبل ۸۷۶ھ۔ کاتب زمرد رقم سنہ کتابت ۱۲۲۲ھ۔

یہ ایک سو گیارہ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں شاہ صدرالدین نے روح، احدیت، محویت وغیرہ مسائل تصوف کو بیان کیا ہے۔ زبان نہایت قدیم ہے۔ مصنف نے اپنا نام ان ابیات میں لکھا ہے:

گوش جاں سوں اب سنو صاحب یقین

کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدین (ورق ۳ ب)

صدرالدین تو کسب پر ثابت اچھے

صرف سوں صفتوں کے نت ثابت اچھے (ورق ۵ ب)

صدرالدین پل پل میں یوں بیکل ہوا

وصل بھی یک پل نحی میں حل ہوا (ورق ۷ ب)

بس کرا اے شہ صدرالدین راز کو

دید ہیں دیدار پا آپس کوں کھو (ورق ۹)

کتاب سے مصنف کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ وہ قدیم زمانے کے کوئی صوفی منش بزرگ تھے۔ شاعری پیشہ نہ تھا بلکہ مریدوں اور معتقدوں کو سمجھانے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے۔ اولیا کے تذکروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صدرالدین حضرت بدرالدین چشتی (متوفی ۷۳۴ھ خلدآباد) کے مرید و خلیفہ تھے۔ مرشد نے

گلشن آباد ناسک میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا تو شاہ صدرالدین نے عرض کیا کہ ناسک کی ولایت تو سید محمد صادق شاہ حسینی کے تفویض ہوئی ہے جو میرے بعد آئیں گے۔ اس لئے میں اہل ناسک کو ہدایت کرکے دوسری جگہ سکونت پذیر ہوں گا۔ چنانچہ قصبۂ پیپیری میں سکونت پذیر ہوئے اور ہدایت و تالیف قلوب کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ [illegible]ھ میں رحلت کی اور قصبۂ پیپری میں آکٹ پوری سے ایک میل کے فاصلہ پر مدفون ہوئے۔ چونکہ مسلمانوں سے زیادہ ہندو معتقد ہیں اس لئے آپ کے عرس کی تاریخ ۲۰ ماہ بھادوں مقرر ہے (دیکھو تذکرہ اولیائے دکن حصہ اول ص ۱۶۳ و برکات اولیا ص ۲۹)۔

شاہ صدرالدین نام کے کسی اور بزرگ کا تذکرہ ہمیں پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ مثنوی ان ہی بزرگ کی ہو۔ ان کا اس لئے بھی امکان ہے کہ اس کے ساتھ ہی ان کے ہم عصر حضرت خواجہ بندہ نواز (متوفی ۸۲۵ھ) کی کی ایک اردو نظم بھی نقل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے ساتھ دوسری جو کتابیں نقل کی گئی ہیں وہ بھی قدیم ہیں (دیکھو فارسی مخطوطہ نمبر ۲۵، ۳۵)۔

آغاز :-

نام سے اللہ محمد کا اول — کسب کا سب کو کہوں در ہر محل

گوش جاں سوں اپنے صاحب یقیں — کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدین

اولاً با نفس و دل قلب شال — خواہش دانائی کا تو ہو حال

کاسیاں کوں بیان تجے ہی راہ وصل — راہ الاتصال ذو الفصل

اختتام :-

خواب بھی نیں ہے وہاں بیدار کر — نا کیلا ہے نہ سنگت یار ہے

محبت کا حال سو ایسا ہی جان — اب وہاں کوئی کیا کرے حق کی پہچان

بس کرا سے شہ صدرالدین از گو — دید میں دیدار پا آپس کوں کھو

مثنو پو پندرہ نظم میں بیان تمام — یاد رکھنا ، زبان ای خاص و عام

آخری بیت میں پندرہ کو کاٹ کر کسی صاحب نے بعد کو گیارہ بنا دیا ہے کیونکہ اس مثنوی میں ایک سو گیارہ ابیات ہی ہیں۔ ممکن ہے کہ اصل کتاب سے نقل کرتے وقت چار بیتیں چھوٹ گئی ہوں۔

اس کے نیچے کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ صرف تمت تمام شد لکھ کر خواجہ بندہ نواز کی ایک نظم شروع کردی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں دیگر رسائل (حق نما وغیرہ) بھی اسی کاتب نے نقل کئے ہیں جن کے آخر میں یہ ترقیمہ درج ہے۔ اس سے سنہ کتابت اور کاتب کا نام واضح ہوتا ہے :-

"کاتب الحروف فقیر احقر الانام الراجی الی رحمۃ اللہ العزیز السلام نام زمرد رقم اللّٰھم اغفر ذنوبہ واستر عیوبہ وارزقہ متابعت نبیک قولا و فعلا و حالا بحرمت جمیع انبیا و اولیائک و اصفیائک برحمتک یا ارحم الراحمین۔ با تمام شد دہم ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ"

(مخطوطہ فارسی ۳۵ ورق ۱۲۲ا)

(۴۲) چکی نامہ [۱۲۰ ب]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۲/۱ ۵" × ۲/۱ ۹" ۔ خط نستعلیق پاکیزہ
مصنف خواجہ بندہ نواز۔ سنہ کتابت ۱۲۲۲ھ

اس نظم میں بارہ بند ہیں جو چکی نامہ کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ ہر بند کے آخر میں مصرع "(کہو) کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ" درج ہے۔ خواجہ بندہ نواز کی یہ اُردو نظم کسی اور کتب خانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوئی اُن کی چند اُردو غزلیں اور ایک اردو نثر کی کتاب (معراج نامہ) شایع ہو چکی ہیں۔

آغاز :-

دیکھو واجب تن کی چکی	پیو چاتر ہو کے سکی
سوکن ابلیس کھنچ کھنچ تھکی	کے یا بسم اللہ اللہ ہو
الف اللہ اس کا دستا	میا نے محمد ہو کر بستا
پہنچی طلب یوں کو دستا	کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ

اختتام :-

بندہ نواز بندہ حسینی	سوا بندگی میں رہتے

کے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس کے بعد اسی کاتب نے جو رسالہ حق نما وغیرہ لکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمرد رقم نے ۱۲۲۲ھ میں نقل کیا۔ (دیکھو مخطوطہ فارسی نمبر ۳۵ ورق ۲۲ و) ۔ یہ ترقیمہ اُردو مخطوطہ کسب محویت (۱۳۱) کے آخر میں درج ہو چکا ہے۔

(۴۳) اشارت الغافلین [۵۱۳]

اوراق ۱۲۵ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۲/۱ ۵" × ۹" ۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی ہیں۔ مصنف عاشق۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۴۳ھ

یہ تین ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں مریدوں کے لئے اخلاق و تصوف کے مباحث (مختلف کتابوں مثلاً جواہر جلالی، زینت المریدین اور تذکرۃ الاصفیاء وغیرہ سے اخذ کر کے) قلبند کئے گئے ہیں۔ مصنف نے جگہ جگہ قرآن، حدیث اور صوفیا و علمائے مختلف مثلاً رومی، حافظ، ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہ کے اشعار واقوال کو بھی سند و توضیح کے طور پر پیش کیا ہے۔ کتاب کا نام اور سبب تالیف ان ابیات سے واضح ہوگا :-

سو نام اس کا سوا سیلین	کتے اس کوں اشارت الغافلین
یو دکھنی میں بولیا ہوں اس واسطے	ہر اک شخص کی یو سمجھ واسطے
مسلماں کو اتے ہوے فائدا	اگر بخو رہے یا ہووے گدا

مصنف نے اپنا تخلص اکثر ابیات میں لکھا ہے مثلاً (ص ۵) :-

اے عاشق توں توفیق منگ رب کے سات
دعا سوں اچھا اس کی درگاہ میں بات (ص ۳)
اے عاشق وضو کوں سنایا تو بول
بھی آنگے نمازاں کا احوال کھول (ص ۶)
اے عاشق نمازاں کوں چھوڑا جنے
او ہے زرد رو دین دنیا بنے (ص ۱۵)

کرم کرتوں عاشق پو اے مہ نول
محو درمحو ہوے جوں جل میں جل (۵۴)

و لے کوئی یو عاشق گنہگار پر
رکھے سن شفقت کی مدح نظر (۵۸)

اے عاشق کہاں لگ لکھے گا بیاں
او کمبخت رانڈوں کے تیں نیں ٹھکاں (۳۲)

عاشق نے اپنے مرشد شاہ نظام الدین ثانی کی مدح کتاب کے درمیانی حصے میں ایک خاص عنوان کے تحت لکھی ہے۔ اس کی چند ابیات یہ ہیں:-

درجناب مرشد ربانی حضرت شاہ نظام الدین ثانی

کیا پیر پر میں اپس کوں فدا	ادہی بادشاہ میں بیچوں اتا کا گدا
کیا پیر پر میں اپس کوں نثار	اوہی مجہ نرآدھار کا سیج ادھار
مگر پیر میرا ہوا ایمان ہے	کہ ایمان کیا بلکہ رحمان ہے
نظام الدین ثانی ہے ثانی علی	بتایا مجے ادن خفی ہور جلی
دلی چشت کے گھر کا ہی جس بلا یا	کہ عالم ہے اس فیض کا انتظار
نظام الدین میرا خدا ہور رسول	کیا جید مخفی او مجہ پر حصول
و گر نیں تو اسرار پانا محال	اگر مجہ عمر ہوتی کئی لاکھ سال
تصدق ہوں ہمارا اس پیر کے	نظام الدین ثانی سو اکسیر کے
تو کیوں نا اپس پیر کی یاد میں	رہتا رات دن اوسکے ارشاد میں
کرم کرتوں عاشق پو ای مہ نول	محو درمحو ہوے جوں جل میں جل

(ص ۵۲)

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق نے یہ کتاب شاہ نظام الدین ثانی کی زندگی ہی میں لکھی تھی۔ انھوں نے ۱۱۴۳ھ میں رحلت کی تھی ان کا قطعہ تاریخ رحلت تذکرۃ الانساب (ص ۱۲) میں اس طرح درج ہے:-

آن نظام الدین ثانی شاہباز اوج عشق
در دہ و دوازدہ ذیقعدہ شد عرش آشیاں
در سنہ یک صد ہزار و چہل و سہ رفت زیں جہاں
بود بے شک رہنما ے خلق و ہادی زماں

شاہ نظام الدین شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں تھے قصبہ نگرا و صوبہ اودھ میں پیدا ہوے اور دلی پہنچ کر شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے فیض حاصل کیا اور پھر اورنگ آباد آکر اقامت گزیں ہوے۔ نواب نظام الملک آصفجاہ ان کے خاص معتقدوں میں سے تھے اور حضرت نظام الدین غریبوں اور مستحقوں کی امداد کے لئے ان سے اور دیگر امرا سے اکثر سفارش فرماتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کی شہرت اور مقبولیت میں بڑا اضافہ ہوا۔ یہ صاحب تصانیف بھی تھے اور ان کی ایک کتاب نظام القلوب بہت مشہور ہے۔ خود لکھنے کے علاوہ اپنے مریدوں کو بھی تصنیف و تالیف کا شوق دلاتے تھے چنانچہ محمد نجیب قادری ناگوری اجمیری نے انہی کے ارشاد کی بناء پر کتاب الاعراس ۱۱۲۸ھ سے لکھنی شروع کی تھی جو ۱۱۵۶ھ میں تکمیل کو پہنچی اس کا ذکر مصنف نے کتاب الاعراس میں اس طرح کیا ہے:-

"بست و چہارم ربیع الاول سال یکہزار و
یکصد و بست ہجری حسب الارشاد حضرت
شیخ نظام الدین ثانی قدس سرہ بہ ترقیم رسیدہ بود
و من بعد .... پنجم شہر
شوال المکرم ۱۱۵۶ھ جمع شد و با تمام
رسید" (ص ۱۲)

محمد نجیب قادری کی طرح عاشق نے بھی زیر نظر کتاب مرشد کے حسب ارشاد لکھی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ نسخہ ناقص الاول والآخر ہے۔ اس لئے سنہ تالیف اور مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ شاہ نظام الدین کے ایک خلیفہ شاہ عشق اللہ تھے۔ عاشق شاید انہی کا تخلص تھا۔

شاہ نظام الدین کے فرزند شاہ فخرالدین دہلی گئے اور وہیں رہ پڑے۔ انہی کے پوتے شاہ نصیرالدین عرف میاں کالے تھے جن کے مکان میں مرزا غالب رہا کرتے تھے اور جو بہادر شاہ ظفر کے مرشد تھے۔ (شاہ نظام الدین کے حالات کے لئے دیکھو تذکرۃ الاعراس ص۲، ۱۲، ۱۹۵۔ تذکرۃ الانساب ص۱۲، برکات الاولیاء ص۱۴۱۔ تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ص۱۰۹۳)۔

دکنی شعراء کے تذکروں میں عاشق تخلص کا کوئی شاعر نہیں ہے۔ البتہ تذکرۃ الاولیائے بیجاپور (صفحہ ۲۲۶، ۲۲۷) سے صرف اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ میاں عبدالفتاح عاشق ایک بزرگ تھے جنھوں نے ۱۰۹۶ھ سے قبل وفات پائی اور بیجاپور میں مدفون ہوئے۔ ان کا نام شاہ ابوالحسن ثانی قادری نے مشائخوں، اولیاء اور علماء وغیرہ کی اس فہرست میں لکھا تھا جو ۱۰۹۶ھ میں قلمبند کی گئی تھی۔ نام کے سوا عبدالفتاح عاشق کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔

ادارے کی زیر نظر کتاب "اشارت الغافلین" کے مصنف جن کا تخلص عاشق تھا غالباً نظام الدین اورنگ آبادی کے وہی خلیفہ تھے جن کا نام شاہ عشق اللہ تھا

اس مثنوی میں جن عنوانات پہ بحث کی گئی ہے اُن میں سے چند یہ ہیں :-

۱۔ فضیلت وضو ص۵ ۲۔ نماز ص۸
۳۔ بدکرداری ص۱۵ ۴۔ سخاوت ص۲۵
۵۔ حرام ص۲۷ ۶۔ عورت ص۳۰
۷۔ قیامت ص۳۵ ۸۔ بہشت ص۴۰
۹۔ بیعت ص۵۵ ۱۰۔ تصور ص۱۲۰
۱۱۔ عقل و عشق ۔ وغیرہ۔

آغاز :-

تعجب نکر تو ہے دیسیچ بات ... دلے دیکھ کیا ہے عجب نکات
یو سنتا سو ہے اوس کے بھید ... جو توں دیکھتا سو ہے اسرار
بھی دیکھ تو ہے ایک کا ایک اد ... کہیں کچھ ہوا ہو کہیں کچھ ہو

اختتام :-

تو پھر اس کا کیا پوچھتا ہے اے یار
وہ دونو جہاں کا ہوا شہریار
دلے تکوں یک داخلہ دیں گے ہم
کہتے ہیں سنو ل کے سب مرد و زن

---

(۴۴) دعاے داؤد سریانی [۱۰۱]

اوراق ۲۰ ۔ سطور ۹ فی صفحہ ۔
تقطیع ۶ × ۴ ۔ خط نستعلیق ۔ حاشیہ زریں ۔
مصنف سید ابراہیم شہید ۔
کاتب سید محمد ۔ سنہ کتابت ۱۱۴۵ھ ۔

یہ تقریباً ۷۰ اشعار کی ایک نظم ہے جس میں بعض مثنوی کی ابیات ہیں اور بعض قطعے ہیں۔ ابتدائی پچاس ابیات جن میں سبب تالیف بیان کیا گیا ہے قدیم طرز کی

مثنویوں کی شکل میں ہیں۔ ان ابیات میں مصنف حمد و نعت کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"زبور میں سورۃ الرحمٰن کی طرح ایک دعا درج ہے جو حضرت داؤد پیغمبر کے ورد زبان تھی اور جس کے پڑھنے کے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ دعا سریانی میں تھی اس کو حضرت عباس نے عربی نظم میں لکھا اور عربی سے ضیائے نخشبی نے فارسی نظم میں ترجمہ کیا۔ اب فارسی سے سید ابراہیم سید دکھنی نظم میں منتقل کر رہا ہے۔"

اس کے بعد اس دعا کی خاصیت اور اثرات مختلف روایتوں کے ذریعہ سے واضح کئے گئے ہیں اور پھر اصل دعا شروع کی گئی ہے۔ پہلے حضرت عباس کے عربی شعر ہیں پھر ضیائے نخشبی کے فارسی اور آخر میں دکھنی۔ عربی نظم بطور قصیدہ ایک ہی قافیہ و ردیف میں لکھی گئی ہے نخشبی نے ہر شعر کا ترجمہ دو یا اس سے زیادہ ابیات یا ہم قافیہ اشعار میں کیا ہے اور اسی طرح سید دکھنی نے بھی۔

مصنف نے اپنا نام و تخلص اس طرح لکھا ہے:۔

بزبان لیا پارسی سوں پا اشارت نہایا سید نے یو دکھنی عبارت
جو ابراہیم سید تھے یو نظم دلکش پسند آوے ہر ایک کے طبع کوں خوش

مثال کے طور پر دعائے سریانی کے عربی، فارسی اور دکھنی تراجم کا ایک بند درج ذیل ہے:۔

عباس
أَتَعْرِفُ مُنْقِذًا غَيْرِي سَرِيْعًا
مِنَ الْهَلَكَاتِ فَاطْلُبْنِي تَجِدْنِي

ضیائے نخشبی
بجز من کس نگہبانی نیابی بجز من غیر رحمانی نیابی
رہانم من ترا از جملہ آفات بجز من ہیچ دربانی نیابی

سید ابراہیم
نہ منج بن کوئی ہے سارے جہاں کوں
نگہبانی کروں پیر و جواں کوں

سلامت میں رکھوں سب آفتاں تھے
تو تی ہیکل کوں بھی ہور نا تواں کوں
اگر ڈھونڈے تجے فی الحال یاوے
کہ میں حافظ ہوں ہر اک انس و جاں کوں

مصنف کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور نہ اس کتاب کا کسی اور کتب خانہ میں پتہ چل سکا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اہم ہے اور زبان کے لحاظ سے غالباً گیارہویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔

آغاز:۔

خدا کوں سر بسر حمد و ثنا ہے سزاوار اسکوں فضل و کبریا ہے
کیا احمد کوں تاج الانبیا وو دو عالم کوں کیا اُن رہنما وو
دیا اُس آل ہور یاراں مکرم ہمیشہ حق کی رحمت میں رہو تم
سنیا ہوں بعد ازاں استاد تھے میں بزرگاں سوں صحیح اسناد تھے میں
کہ تھا اندر زبور از فضل معبود یو سورت مثل الرحمٰن مسعود

اختتام:۔

خدا میں ہوں منجے فضل و کرم ہے نہ میں ظالم ہوں نا منج کن ستم ہے
جو میں عادل ہوں میرا عدل و احساں ہے اپس بندیاں پو شام و صبح دم ہے
اگر ڈھونڈے منجے فی الحال پاوے جو توں اس راہ میں ثابت قدم ہے

ترقیمہ:۔

"ایں دعائے سریانی بتاریخ ہفتم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۲۵ نوشتہ شد کاتب الحروف سید محمد در قلعہ مذکور تمت

تمام شد سنہ ۱۲"

یہ کتاب صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب میکش کا عطیہ ہے اور سنہ ۱۳۵۵ میں ادارہ کے کتب خانہ میں داخل ہوئی۔

---

(۴۵) سرو و شمشاد [۵۱۴]

اوراق ۱۸۷ - سطور ۱۱ فی صفحہ -
تقطیع ۴ × ۷½" - خط نستعلیق - عنوانات
سرخی میں - مصنف سید غلام قادر سامی
(متوفی ۱۱۹۶ھ) - سنہ تصنیف قبل ۱۱۷۵ھ

سامی کے دادا سید ہدایت اللہ خاں شاہجہانی، اورنگ زیب کے ساتھ دکن آئے اور اورنگ آباد میں قیام پذیر ہوگئے - سامی کے والد حضرت آصف جاہ کے عہد میں نہ صدی منصب پر سرفراز تھے - سامی اورنگ آباد ہی میں پیدا ہوئے اور اپنے جوانمرگ والد کے بعد دادا ہی کی سرپرستی میں علم و فضل اور شعر و سخن کا ذوق پیدا کیا - درویش صفت اور با اخلاق تھے - متعدد امراء ان کے معتقد اور شاگرد تھے - لچھمی نارائن شفیق بھی ان کے معتقدین اور احباء میں سے تھے اور ان کا ذکر تفصیل سے اپنے تذکرے میں کیا ہے - اس کے علاوہ "تذکرہ خنوت" اور "محبوب الزمن" میں بھی ان کے حالات درج ہیں - یہ صاحب دیوان بھی تھے - مثنوی سرو و شمشاد کا پہلا مسودہ کھو گیا تھا اس لئے دوبارہ ۱۱۷۵ھ میں اس کو قلمبند کیا - عبدالجبار خاں نے لکھا ہے :-

"آپ کا دیوان و قصۂ سرو و شمشاد میرے کتب خانۂ نوادر میں موجود تھا - ۱۳۲۶ھ کی طغیانی میں ... کتب خانہ کے ساتھ تہ آب و تلف ہوگئے - چونکہ میں نے آپ کی سوانح عمری کے خاتمہ پر آپ کے اشعار انتخابی نہیں لکھے تھے - اس وقت اشعار کی بابت بہت کچھ پریشان ہو کے کتب خانۂ آصفیہ و کتب خانۂ مختاریہ (سالار جنگ) میں دیوان و قصہ کو تلاش کیا - نہیں پایا ...... لیکن دیوان و قصہ کی طرف ہمہ تن مصروف ہوں -" (محبوب الزمن جلد اول ص ۵۱۰)

حسن اتفاق سے ادارے کے کتب خانہ میں سرو شمشاد کا قصہ محفوظ ہوگیا ہے - یہ اگرچہ ناقص الاول والآخر ہے تاہم اس میں ۴۲۰۵ ابیات ہیں -

اس مثنوی میں مصنف نے کوئی ۵۰ علوم و فنون کی معلومات بھی اثنائے قصہ میں درج کر دی ہیں - اس طرح یہ مثنوی دکن کی اہم کتابوں میں سے ہے جن علوم کی اس مثنوی میں وضاحت کی گئی ہے ان میں سے بعض کے عنوان یہ ہیں :-

کلام، مذہب، وصایا، فرائض، تفسیر، فقہ، احادیث، امثال، اخلاقیات، جر اثقال، طبیعیات، طب، طلسمات، نیرنجات، کیمیا، سیمیا، ریمیا، جفر، اعداد، موسیقی، معانی، منطق، معما، بدیع الشعر، قوافی، عروض، تواریخ، مغازی، برات، ہندسہ، مساحت، علم الاخبار، اسماء الرجال، نحو، قرأت و تجوید، نجوم، رمل، مقولات عشر،

یہ مسائل تو ضمناً آ گئے ہیں اصل میں یہ مثنوی سرو و شمشاد کے معاشقہ کی داستان ہے - لیکن اس کی ترتیب میں مصنف نے اپنے زمانے کے رجحانات کو ملحوظ رکھا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کے زوال کے بعد اورنگ آباد علم و فضل کا کتنا بڑا مرکز بن گیا تھا -

مثنوی میں اکثر ابواب کے خاتمہ میں مصنف نے اپنا

تخلص لکھ دیا ہے۔ مثلاً عنوان "اظہار قواعد خطوط نسلفی
کے خاتمہ میں لکھا ہے :۔

اٹھ اے ساؔمی بغل میں یار آیا   بہار گلشن دیدار آیا (ورق ۶۳)

جشن طوے شہزادہ شمشاد کے آخری حصہ میں لکھا ہے :۔

اٹھ اے ساؔمی کہ پھر عشق نو آموز
ہوا ہے مائل حسن گلو سوز (ورق ۶۹)

بیان خلوت، سیوم در حقیقت عشرت و مراد شمشاد کے
خاتمہ میں لکھتا ہے :۔

اٹھ اے ساؔمی کرے اب عیش دل خواہ
دیکھا تا ہے بہار جعفری شاہ

اسی طرح اوراق ۷۷، ۹۹، ۱۳۱ ب، ۱۴۱ ب، ۱۸۱ ب، ۱۵۴، ۱۶۳ ب میں بھی تخلص کی ابیات
درج ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ساؔمی نے عیشی کی مثنوی سے استفادہ
کیا ہے۔ اس کی ایک بیت ہے :۔

سناؤں ستے نو عیشی کی قصیں اب
کہ کیا کہتا ہے وہ مضمون مطلب

سر قصہ ہی سنجی ہمت نورداں   تمام زن بہ است از نیم مرداں (ورق ۱۴۳)

اگرچہ ساؔمی کی زبان گولکنڈہ و بیجاپور کے مثنوی
نگاروں کے مقابلہ میں صاف ہے تاہم دکنی زبان کا
اثر جگہ جگہ نمایاں ہے۔ حالانکہ سامی کے دادا دہلی سے
آئے تھے لیکن وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں کا
روزمرہ سیکھا۔ ان کی چند بیتیں مثال کے طور پر درج ہیں :۔

زمانہ کا میں دیکھا ہوں عجب رنگ
کبھی ہے صلح اس میں اور کبھی جنگ (۱۶۸ ب)

کوئی عورت نہ کی دعویٰ خدائی
اُسے الفت میں افزوں ہے صفائی (۱۸۴)
جلائیں کوئی مرد عورت کی خاطر
ستی ہوتی ہے عورت سو ہے ظاہر (۔)
کرے کاں تک کوئی قبروں کا ساماں
ہوا وہ شہر سب گنج شہیداں (۱۸۵)

آغاز :۔

کیا یک تازہ جشن بادشاہی   درخشاں شب کو نور صبحگاہی
ہزاروں شمع اور قندیل روشن   زمین و آسماں گلزار و گلشن
گل قندیل کھلتی تھی ہوا پر   یہ شمع سرو تھی ہر جا بجا پر
طلائی گل چراغوں سا تھا گاہیں   نہ دیکھی شمع کے بن سرو کہیں

اختتام :۔

مجازی عشق ہے گاہ جعفری شاہ   کہ ہے گارات دن رعنا کے ہمراہ

یہ نسخہ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کا عطیہ ہے جس کو
۱۳۵۵ھ میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔

---

(۴۶) دیوان داؤد [۵۱۵]

اوراق ۱۵ - سطور ۱۸ فی صفحہ۔
تقطیع ۶" × ۳½"۔ خط نستعلیق۔
مصنف مرزا داؤد اورنگ آبادی
سنہ تصنیف قبل ۱۱۶۸ھ۔ کاتب تمکین کاظمی
سنہ کتابت ۱۹۲۶ء بمقام گلبرگہ

مرزا داؤد اورنگ آباد کے مشہور شاعر ولی کے جانشین
تھے۔ ان کے آبا و اجداد بلخ سے عہد اورنگ زیب میں
اورنگ آباد آئے اور منصب سے سرفراز ہوئے۔ داؤد

اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور وہاں کے ذوق علم وفضل
سے بہرہ یاب - ولی اورنگ آبادی کا ذکر بعض اشعار میں
کیا ہے مثلاً

کہتے ہیں سب اہل سخن اس شعر کو سُن کر
تجھ طبع میں داؤد ولی کا اثر آیا (۷)

سند یو بس ہے تجھے مصرع ولی داؤد
"کہ تجھ کو شور قیامت سے بے نیاز کیا" (۲)

راست اے داؤد کہتا ہے ولی
"عشق میں صبر و رضا درکار ہے" (۲۵)

بعد از ولی ہوئے ہیں کئی شاعراں ولیکن
داؤد شعر تیرا مشہور ہے دکن میں (۱۸)

حق نے بعد از ولی تجھے داؤد
صوبۂ شاعری بحال کیا (۳)

مرزا داؤد کا ذکر شفیق، فتوت، حمید، میر تقی میر
اور عبدالجبار خاں آصفی نے اپنے اپنے تذکروں میں کیا
ہے۔ مرقع سخن میں بھی ان کے حالات درج ہیں۔
ان کے فرزند جان اللہ عشق (متوفی ۱۱۹۵ھ) بھی اُردو کے
اچھے شاعر تھے۔

شفیق نے مرزا داؤد کی وفات کا قطعہ تاریخ یہ
لکھا ہے:-

بلبل گلزار معنی طوطی رنگیں بیاں
از غم آباد جہاں بگذشت چوں تیر از کماں
مصرع تاریخ وتش گفت با من ہاتفے
گو برفتہ میرزا داؤد از فانی جہاں
۱۱۶۰ھ

داؤد کے اس دیوان میں تقریباً ۱۶۰۰ اشعار ہیں
بعض شعر حُبِّ اہل بیت میں بھی لکھے گئے ہیں جملہ ۳۰۷
غزلیں ہیں جن میں سے اکثر مختصر یعنی ۴ یا ۵ اشعار کی ہیں

آغاز:-

ہوا وہ فارغ التحصیل علم عشق بازی کا
مطالع جو کیا دل سوں کتاب بے نیازی کا
مثال شمع گلتا ہے اگن میں عشق کے جل جل
قلم تقدیر میں کھینچا ہے جس کی تن گدازی کا

اختتام:-

مثل آدم کے غرض مجھ کو نہیں جنت سوں
حسن اُس یار ستمگار کا گندم گوں ہے
سنگ رسوائی طفلاں سوں جنوں ہے ظاہر
سیر کر میرا ایس دل میں عجب ہاموں ہے
دیکھ زنجیر تری زلف کی اے لیلیٰ حسن

. . . .

ترقیمہ:-

"حضرت والد ماجد کے کتب خانہ میں دیوان داؤد کا
قلمی مُطلّا مذہب نسخہ تھا اور اس کی ایک نقل خود حضرت قبلہ
کی قلمی تھی سنہ ۱۹۲۰ء میں دیوان نذر دیمک ہوگیا البتہ نقل
جو میرے ساتھ تھی محفوظ رہی۔ مولوی ابو عمر صاحب نے
نقل مجھ سے لیکر سنہ ۱۹۲۴ء میں بہبود علی صاحب صفی
اورنگ آبادی سے نقل النقل کرالیا اور نقل دست بدست
چلے گئی۔ میں نے اسی صفی صاحب کے نقل کردہ نسخہ سے
یہ نقل کیا ہے۔ آخری غزل کے مقطع کا مصرع ثانی ضائع
ہوگیا اور کلام مکمل ہے۔

تمکین کاظمی - گلبرگہ ۶ ستمبر سنہ ۱۹۲۶ء"

جلد کے ابتدائی اوراق میں لکھا ہے :-

"مجھی مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی کی خدمت میں

حقیر تحفہ فقط تمکین کاظمی ۔"

مجھی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ

ہاشمی ۲۷ رمضان ۱۳۵۶ھ"

یہ نسخہ راقم نے دوسرے قلمی عطیوں اور تحفوں

کے ساتھ ادارۂ ادبیات اُردو کے کتب خانۂ مخطوطات

میں داخل کردیا ہے ۔

(۴۷) تحفۃ النصائح [۵۱۵ ب]

اوراق ۲۸ ۔ سطور فی صفحہ ۱۸ ۔

تقطیع ۶" × ۳½" ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف قطب الدین رازی ۔ سنۂ تصنیف

۷۹۴ھ ۔ کاتب تمکین کاظمی ۔ سنۂ کتابت

۱۹۲۶ء

یہ کتاب ادارے کے اُردو مخطوطے نمبر ۱۶۷ کا

دوسرا نسخہ ہے جو ناقص الآخر ہے ۔ اصل کتاب میں ۴۵

ابواب ہیں ۔ اس نسخے میں صرف ۲۹ ابواب نقل کئے

گئے ہیں ۔ تیسویں باب کی سرخی لکھ کر کتابت ختم کردی گئی

ہے ۔

آغاز :-

پوؤں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر

زدھار کر اسماں رکھیں تارے سورج چندا قمر

دیتا بزرگی عرش کوں بنکی اوڑے یک پایہ تھے

جوں بیچ برساں چارسو اپڑے بزاں پایہ گر

اختتام :-

جوں پاس تجہ خادم اچھے خدمت تری دائم کرے

اس دی نوا پر کلڑے نہیں جال اپنا بن کر

باب سی در بیان نرمی و حلم نمودن باہمہ مرداں گوید

ترقیمہ :-

اس کتاب کے شروع میں وہی ترقیمہ ہے جو

دیوان داؤد (نمبر ۴۶) کے ساتھ درج کیا گیا ہے ۔

ایک ہی کاغذ ، قلم اور جلد میں دونوں کتابیں شامل ہیں

(۴۸) توشۂ عاقبت [۵۱۵ ج]

وراق ۴ ۔ سطور ۱۸ فی صفحہ

تقطیع ۶" × ۳¾" ۔ خط نستعلیق ۔

مصنفہ منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں ۔

سنۂ تصنیف قبل ۱۱۱۷ھ ۔ کاتب تمکین کاظمی

سنۂ کتابت ۱۹۲۶ء ۔

علم دین میں ایک ناقص الآخر رسالہ ہے جس کے

آغاز میں حمد و نعت قدیم مثنویوں کی شکل میں لکھی گئی ہے ۔

اور سبب تالیف کتاب اُردو نثر میں ہے ۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ مصنفہ نے بارہ ابواب نثر میں پوری کتاب کو

مرتب کیا تھا ۔ اس نسخے میں حمد و نعت و مناجات اور سبب

تالیف کتاب کے علاوہ اصل کتاب کے دو باب نقل کئے

گئے ہیں ۔

مصنفہ اور زمانہ تصنیف کی نسبت معلومات خود کتاب

میں اس طرح درج ہیں :-

بعد اس کے کہتی ہے کمترینہ خادمان حضرت رسول اکرم

ضعیفہ خاکسار منور بیگم دختر خلیل اللہ خاں ولد اللہ ویردی بیگ
خاں جس وقت کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانے میں نواب ذوالفقار
خاں دکھن کا صاحب مقرر ہوا تھا اس وقت خان موصوف پائیں
گھاٹ میں داخل ہو اور ترناپلی سے صوبۂ کرنول تک کی حکومت
کرتے تھے جب یہ کمینہ سمجھی کہ دین کا علم حاصل کرنا فرض
ہے ۔ اس واسطے ضروری مسئلے اور احکام اور ارکانِ نماز
اور روزہ اور حج اور زکات وغیرہ کے سب کتابوں
سے چُن کے کر اس رسالے کے بارا باب میں جمع کئے اور
سونے کے حل سے لکھ کر توشۂ عاقبت اس
رسالے کا نام رکھی ۔"

مزید معلومات کسی اور جگہ سے حاصل نہ ہو سکیں
زبان بہت بعد کی ہے اس لئے یہ نسخہ مشتبہ ہے۔

آغاز :-

منور کروں دل ز حمد کریم	کہ پیدا کیا جس نے عرش عظیم
کیا جس نے پیدا جہاں از عدم	اور پیدا کیا جس نے لوح و قلم

اختتام :-

بعضے روایت میں مبالغہ اس میں بہت کیا ہے
اور اُنگلی سے پانی ناک میں پراگندہ کرنا
تا پردۂ بینی کو پہنچے اور بعض روایت میں یہ
مبالغہ کو سنیت کیا ہے۔

ترقیمہ :-

وہی ہے جو نسخہ نمبر ۴۸ کے بعد لکھا گیا ہے کیونکہ
یہ تینوں نسخے (نمبر ۴۶، ۴۷، ۴۸) ایک ہی جلد میں
اور ایک ہی قلم سے ہیں۔

(۴۹) عقاید نامہ [۶۰]

اوراق ۱۲ - سطور ۱۳ متن میں اور
۲۴ حاشیہ پر ۔ تقطیع ۶″ × ۹″ ۔ خط نستعلیق
پاکیزہ ۔ عنوانات سرخی میں ۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری ۔ سنہ تصنیف
۱۱۸۵ھ ۔ کاتب میر حسین علی کرمانی ۔ سنہ
کتابت ۱۲۰۹ھ ۔

محمد باقر آگاہ ویلور میں ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے
ان کے والد محمد مرتضیٰ بیجاپور سے ویلور آکر متوطن ہو گئے
تھے ۔ آگاہ نے اپنے مرشد شاہ ابوالحسن قربی سے فیض باطنی
حاصل کیا جس کا تقریباً ہر تالیف میں ذکر کیا ہے ۔ آگاہ
بہت بڑے عالم تھے ۔ انھوں نے ۱۵ سال کی عمر ہی سے
شعر کہنا شروع کر دیا تھا ۔ عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں
میں لکھتے تھے ۔ عربی میں آگاہ اور اُردو میں باقر تخلص
اختیار کیا ۔ مشہور ہے کہ اُنھوں نے ۳۰۲ کتابیں لکھیں۔

آگاہ کے علم و فضل کی ایسی شہرت ہوئی کہ نواب
والا جاہ نے اِن کی بڑی قدر و منزلت کی اور اپنے فرزندوں
(امیر الامراء اور عمدۃ الامرا) کا اتالیق مقرر کیا
الپود کی جاگیر عنایت کی اور آخرکار معتمد خاص کے عہدہ پر
فائز کیا ۔ آگاہ نے ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی اور مدراس میں
مدفون ہیں۔

آگاہ اُردو کے بہت بڑے محسنوں میں سے ہیں۔
نثر اور نظم دونوں پر قابو تھا ۔ غزل، قصیدہ، مثنوی ہر صنف
سخن میں طبع آزمائی کی ۔ واقعہ یہ ہے کہ دکھنی علم و فضل اور
شعر و سخن اُن پر ختم ہو گیا اُن کے بعد جنوبی ہند میں اتنا

بڑا ادیب اور شاعر پیدا نہ ہوسکا۔ وہ میرؔ اور سوداؔ کے ہم عصر تھے لیکن زبانِ قدیم استعمال کی ہے اس لئے شمالی ہند میں شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

آگاہ کی حسب ذیل اُردو کتابیں اس وقت تک دستیاب ہوئی ہیں :۔

(۱) عقاید نامہ (۲) تحفۃ النساء (۳) ہشت بہشت (آٹھ حصوں میں) (۴) ریاض الجنان (۵) محبوب القلوب (۶) حاشیہ من دین (۷) تحفۂ احباب (۸) معراج نامہ (۹) ہدایت نامہ (۱۰) گلزار عشق (۱۱) روپ سنگار (۱۲) دیوان آگاہ (۱۳) روضۃ الاسلام (۱۴) فرائد در عقاید (۱۵) ریاض السیر (۱۶) خمسہ متحیرہ (۱۷) فرقۂ اسلام

ان میں سے تقریباً نصف کتابوں کے نسخے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ زیر نظر نسخہ آگاہ کی غالباً پہلی اُردو تصنیف ہے کیونکہ اس میں وہ لکھتے ہیں ؎

کہاں میں کہاں دکھنی میں اشعار　　مجھے ہے شعر کہنے سے بہت عار
ولے یہ نظم ہویا بالضرورت　　پڑے تا اوسکو ہر اُمّی عورت

اس مثنوی میں ۵۰۰ ابیات ہیں۔ حمد و نعت سے ابتدا کرکے سبب تصنیف بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اہل سنت کے عقاید واضح کئے گئے ہیں۔ آخری حصہ میں رویت حق تعالیٰ کا بیان کرکے مناجات پر کتاب ختم کردی ہے۔ اس حصہ میں اپنا تخلص اس بیت میں لکھا ہے۔ ؎

تو رکھ باقرؔ اُپر تنت پیار اپنا　　عنایت کر اُسے دیدار اپنا

سنہ تصنیف نہیں لکھا لیکن 'ہشت بہشت' کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ (دیکھو ورق ۱۷ ب)

آغاز :۔

ثنا اور حمد ہے حق کوں سزاوار　　کہ ہے قدرت کا جس کے سب پو بستار
کیا جب اپنی قدرت کوں ہویدا　　کیا یک کن سے سب عالم کو پیدا
محمد کوں کیا سالار ہستی　　طفیل اوس کے ہے سب بالا و پستی
کیا سب انبیا کا اوسکوں سرور　　شرف اوسکوں دیا سب خلق اوپر

اختتام :۔

بچا مجھ دلکوں ہر محنت سوں یارب　　بچا مجھ تن سے ہر زحمت کوں یارب
مجھے دے صحت و قوت خدایا　　نگہ رکھ آبرو و حرمت خدایا
سدا رکھ مجھ کوں اپنے دھیان کے ساتھ
بچا آخر مجھے ایمان کے ساتھ
بحمد اللہ ہوا یہ نامہ آخر　　بحق مصطفیٰ سلطان فاخر

ترقیمہ نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد اُسی کاتب نے 'کتاب ہشت بہشت' شروع کردی ہے۔ جس کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے :۔

"تمت بالخیر تمت رسائل ہشت بہشت در سیر و شمایل سید موجودات و خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ واتباعہ وسلم۔ من تصنیف مولوی محمد باقر آگاہ شافعی بیجاپوری ایلوری سلمہ اللہ تعالیٰ بتاریخ دویم شہر ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۰۹ ہجری۔ کاتب میر حسین علی کرمانی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہٗ آمین یارب العالمین"

اعلیٰ کاغذ اور پاکیزہ خط کے علاوہ جس اہتمام سے باقر آگاہ کی یہ کتابیں نقل کی گئی ہیں۔ وہ ظاہر کرتا ہے کہ غالباً نواب والاجاہ نے یہ نسخہ نقل کرایا ہے اور اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ

آگاہ کی زندگی ہی میں اور رسالہ ہشت بہشت کی تصنیف وتکمیل کے دوسرے ہی سال لکھوایا گیا ہے۔

---

(۵۰) تحفۃ النساء [۶۱]

اوراق ۱۰۱۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۲ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔
خط نستعلیق پاکیزہ، عنوانات سُرخی میں۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف
۱۱۸۵ھ۔ کاتب میر حسین علی کرمانی۔
سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ آٹھ سو ابیات کی مثنوی ہے۔ تعداد ابیات اور سنہ تصنیف مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

ہیں آٹھ سو اوس کی جملہ ابیات — پڑھنے میں ہے اس کی عبادت برکات
گیارہ سو اور پچاسی ہجری — ہجرت سے بنا ہی تب یہ رکھ یاد

ابتدا میں حمد، نعت، منقبت محبوب سبحانی، مدح سید ابوالحسن قادری، اور مناجات کے بعد سبب تصنیف اور نام کتاب اس طرح بیان کیا ہے ؎

یہ نسخہ کہ ہی عجیب نادر — مخصوص ہے عورتاں کے خاطر
عورات کے واسطے بنیا ہے — نام اس کا بھی تحفۃ النسا ہے

اس کتاب میں آگاہ نے حسب ذیل مقدس خواتین کے حالات لکھے ہیں:۔

فاطمہ زہرا۔ زینب۔ رقیہ۔ اُمّ کلثوم۔ خدیجہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ سودہ۔ اُم سلمہ۔ زینب بنت جحش۔ جویریہ۔ اُم حبیبہ۔ صفیہ۔ میمونہ۔ ماریہ۔ فاطمہ صغریٰ۔ نفیسہ۔ اُمّ الخیر فاطمہ۔ اُم محمد عائشہ۔ رابعہ بصریہ۔ معاذہ۔ شعرانہ۔ فاطمہ خراسانیہ۔ اُمّ علی۔ ام محمد۔ رابعہ۔ حکیمہ۔

آغاز:۔

ہے حمد وثنا اُسے سزاوار — بخشش کو نہیں ہے تیرے کچھ پار
لطف وکرم اس کا بے غرض ہے — دیتا ہے جو کچھ سو بے عوض ہے
ناپیار کوں اوسکے کچھ ہے غایت — نا قہر کوں اوس کے ہے نہایت

اختتام:۔

اس نسخے کوں میرے کرتوں مقبول — بر لا توں کرم ستے یہ مامول
رکھ مجکوں ہمیشہ عافیت سات — نت مجکوں چلا تو راہ حسنات
دیں پیچ کرا ختتام میرا — ایمان پہ کر اختتام میرا

ترقیمہ:۔

در تمت تمام شد۔ کاتبہ میر حسین علی در سنہ ۱۲۰۹

---

(۵۱) ہشت بہشت [۶۲]

اوراق ۱۱۹۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۲ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق
پاکیزہ عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر
آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ تا ۱۲۰۰ھ
کاتب میر حسین علی کرمانی سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ سیرت النبی کے موضوع پر آٹھ رسائل کا مجموعہ ہے جن سے قبل آگاہ نے نثر (۵ صفحات) اور نظم (تقریباً ۱۰۰ ابیات) میں ایک بسیط دیباچہ علوی لکھا ہے جس میں آٹھوں رسائل کے سبب تالیف، موضوع اور ماخذوں پر

تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ ہر رسالہ بجائے خود ایک کتاب ہے اور علٰحدہ علٰحدہ کتابی شکل میں ان کے مخطوطے ملتے ہیں اس لئے ان کے موضوع اور تفصیلات کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ کیا جائے گا۔ البتہ ان رسائل کی تاریخ تصنیف وغیرہ سے متعلق آگاہ نے جو باتیں دیباچے میں بیان کی ہیں ان کا ضروری اقتباس یہاں درج ہے۔

"مجھے رسالے اول کے مع رسالۂ عقاید و تحفۃ النسا، سنہ یکہزار و یک سو اور اسی اور پانچ میں اور ۱۱۸۶ھ میں سنے ہیں پیچھے اوس کے بہت ڈھیل ہوئی کیا واسطے کہ یک رفیق با توفیق و جلیس انیس کہ ان رسالوں کا طالب اور اپنے خیر کے کاموں پر راغب تھا سو رحلت کیا۔ حق تعالےٰ نے اس پر رحمت کرے اور اوسے اپنی مغفرت سے نوازے۔ اور بہت موانع بھی درپیش ہوئے۔ ہرچند اس اثنا میں بعض دوستاں واسطے دوسرے رسالوں کے بولے ہیں اتفاق اون کے بنانے کا نہیں ہوا۔ آخر ابتدا سنہ ایک ہزار اور دو سو اور چھے میں رسالہ من درین اور رسالہ من حسین بنانے کا اتفاق ہوا۔ اور رسالۂ آرام دل میں بیان عادات شریف کا اور رسالۂ راحت جاں میں بیان اکثر خصائص امت کا اور رسالۂ جگ سوہن میں حضرت کی نبوت سے تا وفات اونکی صلی اللہ علیہ وسلم داخل کیا گیا۔ ان آٹھ رسائل میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھے سو اور پچاس بیت ہیں۔ اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہوتے ... . ان سب رسالوں میں شاعری نہیں کیا ہوں۔ بلکہ صاف و سادہ کہا ہوں اور اردو کی بھاکا میں نہیں کہا۔ کس واسطے کہ رہنے والے یہاں کے اوس بھاکا سے واقف نہیں ہیں۔ اے بھائی یہ رسالے دکھنی زبان میں ہیں کر کر سہل اور سرسری سمجھان۔ کیا واسطے کہ بڑے معتبر کتب سے تحقیق کر کے لکھا ہوں۔" (ورق ۱۰ اب و ۱۸ الف)

اس کے بعد ماخذوں کی تفصیل بیان کی ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:-

عربی | تفسیر بغوی۔ فتح الباری۔ کتاب شفا۔ عیون الاثر۔ شمائل ترمذی۔ شرح ملا عصام۔ شرح شیخ ابن حجر مکی۔ مواہب لدنیہ۔ بہجۃ المحافل۔ تاریخ ابن کثیر۔ رسائل مولود شریف سیوطی و سخاوی۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب۔ وفاء الوفا۔ جواہر العقدین۔ حسن التوسل۔ درمنضود۔ وسیلہ حسنیٰ۔ تحفۃ الغریب۔ تحفۃ الاخیار۔ فتح المتعال۔ حیاۃ الحیوان۔

فارسی | روضۃ الاحباب۔ معارج النبوۃ۔ شواہد النبوہ۔ مدارج النبوہ۔ جذب القلوب۔

آخر میں وضاحت کی ہے کہ پوری کتاب کو بارہ حصوں میں اس لئے تقسیم کیا گیا ہے کہ ربیع الاول کے بارہ دنوں میں لوگ محفلوں اور مجلسوں میں پڑھیں۔ آخر

میں سیر و شمائل نبی کی برکات تقریباً سوا بیات میں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ ہر رسالہ بجائے خود مکمل ہے اور اپنے علیحدہ نام سے مشہور ہے۔ اس لئے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے گا۔ یہاں صرف دیباچہ کے آغاز و اختتام کو درج کیا جاتا ہے کیونکہ دیباچہ بجائے خود کلیات حالی کے مقدمہ "شعر و شاعری" کی طرح ایک کتاب ہے۔

آغاز :۔

"حمد و سپاس حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کتیں
سزاوار ہے کہ نعمتاں اوس کی گننے سے
بجار ہیں۔ اور درود و سلام اوپر جناب
سید عالم کے صلی اللہ علیہ وسلم کہ فضائل
و بزرگیاں اون کی بے شمار ہیں اور اوپر
آل و اصحاب اون کے کہ سب اولیائے
امت سے بہتر اور تمام امتوں کے سردار
و بہتر ہیں۔ اور اوپر تابعاں اون کے
کہ شریعت اور حقیقت کوں مدد کئے ہیں
اور دین کے احکام و اسرار کوں رواج
دیئے۔ خصوصاً اوپر حضرت غوث الاعظم
کے کہ مقرباں کی سند اور محبوباں کے
سید ہیں۔
بعد حمد و نعت منقبت کے محمد باقر
آگاہ شافعی قادری بیجاپوری الیوری
توفیق دیوے اوسے حق سبحانہٗ تعالیٰ
کہتا ہے کہ :۔"

اختتام :۔ جس کے تیں سرور اوپر ایمان ہے
ہور وہ دل سے اوس اوپر قربان ہے۔
گر وہ خوش ہوے شاہ کے مولود سے
نعمتاں کیا کیا ملیں گے گو اوسے
نعمتاں اوس کی ہیں بے حد اے خدا
دے تو یہ توفیق مومن کو سدا

ترقیمہ :۔
نسخہ نمبر ۹۴ میں درج ہے۔

---

(۵۲) من دیپک [۱۶۲ (۱)]

اوراق ۱۳ ۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶" × ۹"۔
خط نستعلیق پاکیزہ عنوانات سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔
سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ کاتب میر حسین علی
کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ ہجری۔

یہ ہشت بہشت کا پہلا حصہ ہے۔ اس کے موضوع و ترتیب کے متعلق آگاہ نے ہشت بہشت کے دیباچہ میں یوں لکھا ہے :۔

"رسالہ اول کا نام من دیپک ہے۔ اس رسالہ میں حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مقدس کا ذکر ہے۔ یعنے حق سبحانہٗ تعالیٰ اوس نور اقدس کوں سب موجودات کے اول پیدا کیا اور اس کے طفیل سے سب علویات و سفلیات کوں ہویدا کیا اور اس نور شریف کوں ہر پشت پاک سے ہر شکم پاک میں نقل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نور لطیف حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ میں آیا۔" (ورق ۱۷)

من دیپک ۲۰۶ ابیات کی مثنوی ہے۔ حمد و نعت و منقبت محبوب سبحانی و مدح سید ابوالحسن قربی کے بعد سبب تصنیف بیان کیا گیا ہے۔ آگاہ نے اپنے ایک دوست کی فرمائش پر ۱۲۱۵ھ میں لکھی تھی۔ اپنا تخلص ہر جگہ باقر لکھا ہے۔ وہ اُردو کتابوں میں باقر ہی تخلص کرتے تھے۔

آغاز:۔

جس حمد کو نہیں آخر اول	ہے خاص خدائے عزوجل
نا ذات کو اس کے غایت ہے	نا وصف کو اس کے نہایت ہے

اختتام:۔

ہے تیرے پہ ظاہر سب حال	کر لطف سے اپنے مجکو نہال
نت بھیج تو اے رب اکبر	تسلیم ترے محبوب اُپر

ترقیمہ:۔

جملہ رسالوں کے آخر میں ایک ہی جگہ درج ہے۔ جو نسخہ ۴۹ کے بیان میں نقل کیا جا چکا ہے۔

---

(۵۲) من ھرن [۶۲ (۲)]

اوراق ۱۴۔ سطور ۱۳ متن میں اور ۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۵"×۹"۔ خط نستعلیق پاکیزہ، عنوان سرخی ہیں۔ مُصنّف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا دوسرا حصہ ہے۔ ابیات کی تعداد رسالے کے آخر میں خود مصنف نے ۶۵۱ ظاہر کردی ہے ؎

ہنگا سب ابیات کا اس کے عدد	شش صد و پنجاہ و یک ای باخرد

موضوع کے متعلق بھی مصنف نے دیباچہ عمومی (۴۷) میں وضاحت کردی ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"اس رسالے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کا بیان ہے یعنے وہ بشارات کہ حق تعالیٰ حضرت کے ظہور سے اپنی کتابوں میں دیا اور اون کے پیغمبران صلی اللہ علیہم وسلم اور نجومیاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے خبر دیئے ہیں۔"

(ورق ۱۷)

اس میں بھی اصل مطلب شروع کرنے سے قبل حمد، نعت، منقبت، مدح مرشد اور سبب تصنیف کی سرخیاں قایم کی گئی ہیں۔ کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے:۔

نام رکھا ہوں میں اسے من ہرن	ہے او سب عشاق کے تیں من لگن

(ورق ۳۵ ب)

آغاز:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	گنج قدم کا ہے طلسم عظیم
بلکہ امانت ہے بہر حرف اسم	گنج حقایق کے ہزاراں طلسم

اختتام:۔

تجہ سے میں ہر لحظہ ہوں امیدوار	کب تلک ای شاہ کروں انتظار
منتظراں را بلب آمد نفس	اے ز تو فریاد تو فریاد رس
حق سے تحیات و صلواۃ و سلام	روح مقدس پہ تری صبح و شام

---

(۵۴) من موہن [۶۲ (۳)]

اوراق ۱۷، سطور ۱۳ متن میں اور ۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶" × ۹"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ دہلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا تیسرا حصہ ہے جو ۷۲۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ آخری حصے میں سنہ اور تعداد ان ابیات میں بیان کی ہے۔ ے

چار دہ کم اٹھے زبارا سو　　سال ہجرت سے یو ہوا ہے تو
سب یہ ابیات اس کی بے تکرار　　سات سو کے اوپر ہیں ثمار

(ورق ۶۳ ب)

کتاب کا نام ابتدائی حصہ میں اس طرح واضح کیا ہے

رکھ یو نسخے کا ناؤں من موہن　　کر وسیلہ اسے تو احمد کن

دیباچۂ عمومی میں موضوع کی یوں وضاحت کی ہے۔

"اس رسالے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے یعنے جو معجزات کہ مدتِ حمل اور ولادت اور دودھ چھڑائی اور خورد سالی میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے اوس حد تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ برس کی عمر ہوئی ہے۔" (ورق ۱۷)

اس کی ترتیب بھی بالکل پہلے دو رسالوں جیسی ہے۔ البتہ خاتمہ ایک غزل پر کیا ہے۔

آغاز:-

اے تیری حمد میں بیاں حیراں　　بوجھ میں تیری جسم و جاں حیراں

نہ تری ابتدا کوں غایت ہے　　نا نہایت کوں کچھ بدایت ہے

اختتام:-

بیاں تلک قصہ مجھ او پر نہ کرو　　آخر اے ذوالعطا تمہارا ہوں
عفو باقر کی اب کرو تقصیر　　از برائے خدا تمہارا ہوں

---

(۵۵) جگ سوہن [۶۲ (۴)]

اوراق ۱۷، سطور متن میں ۱۳ اور ۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶" × ۹"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ دیلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

ہشت بہشت کا چوتھا حصہ جس میں ۸۱۷ ابیات ہیں۔ نام، سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کے اظہار کے لئے یہ بیتیں وقف کی گئی ہیں۔

رکہ یو نسخے کا لقب جگ سوہن　　ہر دل پاک کا ہے من موہن

(ورق ۶۵)

کم اٹھے پانزدہ از بارہ سو　　سال ہجرت سے بنا ہے یہ تو
اس کی بیتوں کا عدد سن تو اب　　آٹھ سو کے ہیں اپر سترا سب

(۸۰ ب)

اس رسالے میں آٹھ سال کی عمر سے وفات تک کے حالات سرور کائنات بطور اجمال قلمبند کئے گئے ہیں۔ ترتیب دوسرے رسالوں کے مطابق ہے۔

آغاز:-

اے تیری ذات میں حیراں اصل　　اے تیرے وصف میں نادان عاقل
نا تجے اول و نا آخر ہے　　نا تجے باطن و نا ظاہر ہے

اختتام :-

کرنبھے پوں ترے محبوب میں گم | کہ ہو پھر مری ہستی کوں اُگم
خاتمہ کرتوں مرا ایمان پر | بحق ختم رسل خیر البشر

(۵۶) آرام دل [۶۲ (۵)]

اوراق ۲۷ - سطور ۱۳ متن میں - ۲۲ حاشیہ پر - تقطیع ۵¼ × ۹ - خط نستعلیق پاکیزہ - عنوانات سرخی میں - ۲ مطلا و مذہب نقشے نعلین مبارک کے - مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری - سنہ تصنیف ۱۱۸۵ھ - کاتب میر حسین علی کرمانی سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ ہشت بہشت کا پانچواں حصہ ہے جس میں بارہ سو باون ابیات ہیں - تعداد ابیات اور سنہ تالیف خود مصنف نے بھی خاتمہ کی ان ابیات میں لکھ دیا ہے ؎

کیا اس کی بیتوں کو میں جب عدد | ہوئے یکہزار و پچاس و دو صد
ہزار اور یکسو پو ہشتاد و پنج | تھے ہجرت کے برساں ہوا یہ گنج

اس رسالے کے موضوع اور ترتیب کے متعلق مصنف نے ہشت بہشت کے دیباچہ میں لکھا ہے :-

" اس رسالے میں تین باب ہیں - باب اول میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمایل کا بیان ہے - باب دویم میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ذکر ہے - باب سیوم میں حضرت کے عادات مذکور ہیں - "

رسالے کے آغاز میں حمد و نعت و مناجات ہے ، اور ابتدائی رسالوں من دیپک ، من ہرن ، من موہن اور جگ سوہن کے موضوعوں کا بھی تذکرہ کرکے اس رسالہ کا سبب تالیف بیان کیا ہے -

آغاز :-

جہاں تک ہے عالم میں حمد و ثنا | سزاوار ہے تجھ کو یا ربنا
ہیں سب عاقلاں جگ کے حیرت میں | کہ پوچھے نہیں عقل تیرے کنے

اختتام :-

الٰہی بحق نبی الہدیٰ | مجے عافیت بیچ رکھ توں سدا
مرا خاتمہ کرتوں ایمان پر | بحق محمد سراج البشر

ترقیمہ :-

مخطوطہ نمبر ۶۹ کے آخر میں درج ہے -

(۵۷) راحت جاں [۶۲ (۶)]

اوراق ۱۳ - سطور ۱۳ متن میں ۲۲ حاشیہ پر - تقطیع ۵¼ × ۹ - خط نستعلیق پاکیزہ - عنوانات سرخی میں - مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری - سنہ تصنیف ۱۱۸۶ھ - کاتب میر حسین علی کرمانی - سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ -

یہ چھ سو دو ابیات کی مثنوی ہے جو مجموعہ ہشت بہشت کا چھٹا حصہ ہے - اس میں انحضرت پیغمبر اسلام صلعم کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں - اس کتاب پر مصنف نے ۱۱۸۶ھ میں اپنی سیرۃ النبی (ہشت بہشت) کا کام ختم کر دیا تھا - لیکن بعد کو ۱۲۰۶ھ میں اور دو رسالے 'من جیون' اور 'من درپن' لکھ کر اور اس طرح حیات نبی

کو آٹھ رسالوں میں مکمل کرکے اُن کے مجموعے کا نام ہشت بہشت رکھا۔

حمد و نعت و منقبت محبوب سبحانی اور مدح سید ابوالحسن قربی کے بعد سبب تالیف کتاب بیان کیا ہے کہ مجھ سے قبل کسی نے آنحضرت کی خصائص پر اُردو میں نہیں لکھا۔ اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں ان خصوصیتوں کا ذکر ہے :-

قسم اول جو اتھے فرض اس اپر	نیں اتھی امت کوں شرکت اس بھتر
قسم ثانی جو اتھے شہ پر حرام	ہور اتھے امت پو جائز اے ہمام
قسم ثالث جو اتھے اوس پر حلال	ہور تھے امت پر حرام ای جگ اُجال
قسم چوتھی میں فضائل ہیں تو جان	کردیا ہے حق اُسے کرمان بیان

آغاز :-

حمد بے حد ہور ثنا ہے بے عدد	ہے سزاوار خدا و ند صمد
عرش و کرسی سات دھر و سات کھم	علم میں جس کے ہے یک ذرے سوں کم

اختتام

ہور شہادت پر مرا انجام کر	ہور مدینہ بیچ میرا کر مقر
راحت جاں یاں ہوا پورا تمام	از طفیل مصطفےٰ شاہ انام

ترجمہ کے لئے دیکھو بیان مخطوطہ نمبر ۵۹ -

---

(۵۸) من درپن [۶۲ (۷)]

ورق ۶۰ - سطور ۱۳ متن میں -
۲۴ حاشیہ پر - تقطیع ۶ × ۹ -
خط نستعلیق پاکیزہ - عنوانات سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری - سنہ تصنیف
۱۲۰۶ھ - کاتب میر حسین علی کرمانی
سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ ہشت بہشت کا ساتواں حصہ ہے جس میں تین ہزار اکیسو اکسٹھ ابیات ہیں۔ اس میں آنحضرت کے جملہ معجزے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس موضوع پر یہ اُردو کی ایک نہایت مبسوط کتاب ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے اجمال سے کام لیا ہے ورنہ یہ کتاب ساٹھ ہزار ابیات تک پہنچتی۔

حمد و نعت، منقبت محبوب سبحانی و مدح سید ابوالحسن قربی کے بعد سبب تالیف درج ہے۔ سنہ تالیف آخر کتاب میں یوں لکھا ہے :-

تھے بارا سو کے اوپر چھے برس جب
ہوا یہ نسخہ دل کش مرتب

معجزوں کے ختم پر عرض احوال بیان کیا ہے جس میں انتہائی انکساری کا اظہار کیا ہے اور اپنی پریشانیوں اور ضعیفی کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

ہیں ہوں کس حال میں توں جانتا ہے
ہوں کس جنجال میں پہچانتا ہے
ہیں میری مشکلاں سب تجکوں معلوم
ہیں میری کلفتاں سب تجکوں مفہوم
ہوا ہوں سب طرف سے میں اداسی
نہ کرا یسے نراسی کوں نراسی
ہوا ہوں ضعف و بیماری سے حیراں
طبیباں پاس نیں ہے میری درماں

ہوئی عاجز دوا میری دعا بھی	ہوئی عاجز میری طاقت غذا بھی
مرا خاطر پراگندہ ہوا ہے	نپٹ دنیا ستی گندا ہوا ہے۔
چھوڑا اے صاحب اسرار دانی	مجھے دنیا سے ہور از اہل دنیا

مجھے دے انکی صحبت سے رہائی — عنایت کر اپس کی آشنائی
ضعیفی سے ہوا ہوں میں میں گیر — نہیں کچھ سوجھتی ہے مجکوں تدبیر
ہم اس فکر میں ہے یہ کمینہ — کہ چلنا سر سے جاوے تا مدینہ
ہوں رہنے سوں یہاں کے بہوت بیزار — بہت اس بات سے پاتا ہوں آزار
ہوا ہے کفر کا یہاں گرم بازار — مسلمانان اوپر ہے سخت دشوار
سماں یوں مشکل اون پر آ گھڑا ہے — پہاڑ اون کے سر اوپر آ پڑا ہے
کدھر جاویں کہ یہ لشکر ہیں تیرے — اگر ہیں نیک و بد جاکر ہیں تیرے
اگرچہ ہیں بدیاں ان میں گھنیرے — ولے بے شبہ کہلاتے ہیں تیرے
تو اپنے دین کا ہے آپ حامی — ہے میری عرض یہ از راہ خامی
بلاشک انکوں دیوے گا ظفر تو — کرینگا دشمنوں پر ان کوں تو بل
تو کریوں دشمناں کوں ان کے پامال — کہ ہووے تیرا اون پر اون کا ہی بل

رکھ ان کوں نت ذلیل، خوار منکوس
دکھا مت مجکوں اون کی شکل منحوس

آخری اشعار میں اپنے عہد کی سیاسی پریشانی کا ذکر کیا ہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریز کمپنی کا اثر و اقتدار بڑھ رہا تھا اور اسی کی طرف ان ابیات میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ اس حصہ میں باقر نے غواصی کا اتباع کیا ہے ۔ اور جس طرح غواصی طوطی نامہ میں اپنی ضعیفی اور کمزوری کا اظہار کرتا ہے باقر نے بھی اپنی بیماری اور لاعلاجی کا ذکر کیا ہے ۔ لیکن سیاسی حالات کی طرف نہایت خوبی سے اشارہ کرنے میں باقر نے غواصی پر بھی سبقت حاصل کی ہے ۔

آخر میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی اولاد کا تذکرہ ان ابیات میں کیا ہے :-

مری اولاد کوں سرسبز کر توں — رکھ اپنے دین پر ثابت انوکوں
دے ان کوں خوبیاں دو نو جہاں کی — دے ان کوں نعمتاں تس رعیاں کی
میرے بھایاں کے تئیں بالکل اولاد — ہمیشہ دین ہور دنیا میں رکھ شاد
عطا کر اون کے تئیں خیر و برکت — یہاں کی ہور وہاں کی از عنایت

آغاز :-

الٰہی کیا لکھوں اوصاف تیرے — کہ عقل و فکر یہاں حیراں ہیں میرے
ہے کیا طاقت مرے عاجز بیاں کوں — کہ کھولے حمد میں تیری زباں کوں

اختتام :-

حیات و موت کرامت ہیں اوس کی — ہمارا حشر کرامت میں اوس کی
بحمد اللہ ہوا یہ نسخہ آخر — بحق مصطفیٰ سالار فاخر

ترقیمہ مخطوطہ ۵۹ کے آخر میں درج ہے

---

(۵۹) من جیون [۶۲ (۸)]

اوراق ۱۷ ۔ سطور ۱۳ متن میں ۔
۲۴ حاشیہ پر ۔ تقطیع ۶ × ۹ ۔
خط نستعلیق پاکیزہ عنوانات سرخی میں ۔
مصنف محمد باقر آگاہ ، ویلوری ۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۶
کاتب میر حسین علی کرمانی ۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

یہ مجموعۂ ہشت بہشت کا آٹھواں اور آخری رسالہ ہے جو آٹھ سو اٹھارہ ابیات پر مشتمل ہے ۔ سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کتاب کے آخر میں اس طرح واضح کیا ہے :-

بارا سو اوپر تھے چھے برس جب — یہ نسخۂ خوش ہوا مرتب
ابیات سب اس کے ای دل آرا — بے عیب ہیں آٹھ سو اٹھارہ

(ورق ۲۰۴ و)

اس رسالے کے موضوع کے متعلق خود مصنف نے

'ہشت بہشت' کے دیباچہ میں لکھا ہے :-

"آٹویں رسالے کا نام 'من جیون' ہے
اس رسالے میں تین فصل ہیں بفصل اول میں
حضرت صلعم کی محبت کی فرضیت کا اور
اوس کی علامات کا ذکر ہے اور دوسری
فصل میں حضرت صلعم کے درود کے
فضائل کا بیان ہے اور تیسری فصل میں
حضرت صلعم کی زیارت کے فضائل کا ذکر
ہے۔" (ورق ۱۷ ب)

دیگر رسائل کی طرح 'من جیون' کو بھی حمد ونعت ومنقبت ومدح سے شروع کیا ہے اور خاتمہ میں مناجات لکھی ہے -

آغاز :-

اے جو ترا وجود عالم — تجھ علم سے ہے نمود عالم
ہی مہر سے تیری میں اشراق — ہر ذرۂ انفس اور آفاق

اختتام :-

دو جگ منے اپنا مجکوں کر توں — مت مجکو لجا ادھر ادھر توں
نت ہوے خدا سے ذر سب اوقات — روضے پہ ترے سلام وصلوات

ترقیمہ :-

"تمت بالخیر عمت رسائل ہشت بہشت
در سیر وشمایل سید موجودات وخلاصۂ کائنات
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ وسلم
من تصنیف مولوی محمد باقر آگاہ شافعی
بیجا پوری ایلوری سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تاریخ
دویم شہر ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۰۹ھ
کاتبہٗ میر حسین علی کرمانی غفر اللہ ذنوبہ وستر
عیوبہٗ آمین یا رب العالمین۔"

ان تمام رسائل کا مجموعہ ہشت بہشت دو مرتبہ (۱۲۶۲ھ مطبع راج کشن اور ۱۳۱۲ھ مطبع عزیزیہ میں) چھپ چکا ہے۔ اس کے نسخے برٹش میوزیم (اورنٹیل ۶۵۰) ببلیوتک نیشنل پیرس (۸۷۲)۔ کتب خانہ آصفیہ (جلد دوم ص ۵۰۸ نمبر ۳۵)۔ جامعہ عثمانیہ (ص ۱۱۳ نمبر ۳۳) مکتوبہ ۱۲۶۹ھ۔ اور کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر (مکتوبہ ۱۲۵۴ھ و ۱۲۶۲ھ) میں موجود ہیں۔ لیکن ادارے کے یہ رسائل سنہ کتابت کے لحاظ سے سب میں اہم ہیں اور خود مصنف کی موجودگی میں خاص اہتمام سے نقل کرائے گئے ہیں۔

---

(۶۰) حاشیۂ من درپن [۶۲ (۹)]

اوراق ۶۔ سطور ۱۳ متن میں۔
۲۴ حاشیہ پر۔ تقطیع ۶" × ۹"۔
خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات سرخی میں۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری سنہ تصنیف
درمیان سنہ ۱۲۰۶ - ۱۲۰۹ ہجری
کاتب میر حسین علی کرمانی۔ سنہ کتابت ۱۲۰۹ھ

اس رسالہ میں تقریباً ۲۵۰ ابیات ہیں اور اس کا یہ نسخہ غالباً مکمل نہیں ہے۔ کیونکہ اس جلد کے آخری اوراق ۲۲۳ تا ۲۲۶ سے یہ شروع ہوتا ہے اور اس کے خاتمہ کے دو اوراق جلد کے ابتدائی حصہ میں (اوراق ۱۴ و ۱۵)

شامل ہیں۔ ممکن ہے کہ درمیانی چند اوراق غائب ہوں۔

یہ رسالہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے
چنانچہ حمد و نعت و منقبت کی سرخیاں اس میں نہیں ہیں
ابتدائی چار ابیات بطور تمہید و سبب تالیف لکھی گئی
ہیں اور ان کے بعد اصل کتاب شروع کر دی گئی ہے۔
ان ابیات سے سبب تالیف وغیرہ ظاہر ہو جائے گا۔

پس از حمد خدا و نعت مختار ــ سن اس مضمون کو گوش آسے یار
کہ من در بین میں ولا بین یجاز ــ باٹین ہیں قرآں کا اعجاز
جب اس کو مختصر کر دیا ہوں ــ کئی جا میں اشارت کر گیا ہوں
یہ نظم صاف کے تیں اب کیا ہیں ــ بطور حاشیہ اوس پر لکھا ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ من بین بہشت (نہشت)
کا ساتواں اور ضخیم ترین رسالہ ہونے کے باوجود مصنف
کی نظر میں مختصر تھا۔ اس لئے اُس نے ایک حاشیہ لکھنے
کی زحمت گوارا کی۔

اس حاشیہ میں قرآن کی خصوصیات اور صفات
بیان کی گئی ہیں۔

اختتام :-

ہیں اخبار و حکایات ایسے بسیار ــ ہیں درکار اس کے تیں لکھنے کو طومار
پہ میں مردم کی ہمت پر نظر کر ــ کچھ اون سے لکھ گیا ہوں مختصر تر
خدا سے نت ہو تسلیمات و صلوات ــ نبی کے روضۂ انور پہ دن رات
اور اس کے آل و صحب و تابعین پر ــ خصوصاً محی الدین محبوب داور

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ کاتب تمام رسائل کا
وہی ہے۔

---

(۶۱) مَحبُوبُ القلُوبْ [۱۳۷]

اوراق ۱۴۴ - سطور ۱۶ - تقطیع
۴½ × ۷½ - خط نستعلیق - عنوانات
سرخی میں۔ ناقص اول و آخر۔
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف
۱۲۰۷ھ

چار ہزار تر سٹھ ابیات کی یہ مثنوی حضرت محبوب سبحانی
غوث اعظم کے حالات میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے
آغاز میں بھی مصنف نے اُردو نثر میں ایک دیباچہ لکھا ہے
لیکن یہ دیباچہ ادارہ کے نسخے میں محفوظ نہیں ہے۔ اصل
مثنوی میں حمد و نعت و منقبت کا حصہ بھی غائب ہے۔
سبب تالیف کے ایک آخری ورق سے یہ نسخہ شروع
ہوتا ہے۔ جس میں کتاب کا نام اس طرح واضح کیا ہے۔

میں محبوب القلوب اس کا رکھا نام ــ کہ ہے لایق اسے یہ باصفا نام

مصنف اپنی زبان کو دکنی کہتا ہے اور اُردو
زبان کو وہ بالکل جدا زبان قرار دے کر کہتا ہے کہ یہ
زبان یہاں کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی بیت ہے :-

بھی اُردو زبان میں نیں کہا ہیں
کہ اس بھاکے کو یہاں کوئی جانتا نیں۔

اصل کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب
میں ذیلی ابواب ہیں۔ کتاب کے آخری حصہ میں سنہ کتابت
اور تعداد ابیات کو یوں ظاہر کیا ہے :-

تھا ہفتم سال بارا سو اُپر جب ــ بفال خوش ہوا ہے یہ مرتب
تمام ابیات اس کے ای مساعد ــ ہوئے چار الف و ترسٹ بے قصاید

مثنوی کے آخر میں مدح محبوب سبحانی میں قصید سے
بھی درج کئے ہیں۔ پہلے قصیدے کا نام مفرح القلوب
رکھا ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع یہ ہے:۔

پڑا ہوں ورطۂ اندوہ و محنت میں بحیرانی
مری اب دستگیری کر تو اے محبوب سبحانی

...... تیرے مہر سے رنگ قبولیت
یہ آنسو میرے ہو جائیں گے سب لعل بدخشانی

اس کے بعد ایک قصیدہ **ذو المطلعین**
شروع کیا ہے جس کے صرف چند ہی اشعار اس نسخے میں
موجود ہیں۔ مطلع اور اس نسخہ کا آخری شعر یہ ہیں:۔

کیوں حسن کا دکھاوے ہے کر د فر آفتاب
ٹک دور کر نقاب کہ ہو شیر آفتاب

ہے موج آنسوؤں سے بیاب نہیں کرن
دیکھا ہے تیرے ہاتھ میں جب ساغر آفتاب

یہ نسخہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے:۔

لکھا اس نسخے کو وہ کامل الذات   بعنوان حدیث اسناد کے سات
کیا جوں چاہئے توفیق اس میں   نہیں کوئی حرف بے تحقیق اس میں

اختتام مثنوی:۔

بس اس کے بعد لکھ دوسرا قصیدہ   بپایاں میرسانم این جریدہ
ہی دوسرا یہ قصیدہ شاعرانہ   ہی مانند ردیف اپنے یگانہ

اس کتاب کے نسخے برٹش میوزم (اورنٹیل ۶۵۰۱)
کتب خانہ آصفیہ (جلد دوم صفحہ ۱۵۶۲ نمبر ۵۳) اور کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ (۳۲) میں بھی محفوظ ہیں۔

ادارے کا نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ
ہے۔ اس کے پہلے اور آخری اوراق پر دستخط "عنایت

۴۰ ۱۳ ھ حیدر آباد" ثبت ہیں۔

---

(۶۲) ریاض الجنان [۲۱۸]

اوراق ۱۲۱ - سطور ۱۴ -
تقطیع ۵ × ۷½ - خط نستعلیق نفیس۔
عنوانات سرخی میں۔ مصنف محمد باقر آگاہ
ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ۔ کتابت
قبل سنہ ۱۲۹۹ھ

تین ہزار ننانوے ابیات کی یہ مثنوی مناقب
اہل بیت نبی میں لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں مصنف نے ۹ ورق
کا ایک دیباچہ اُردو نثر میں لکھا ہے جس میں سبب تالیف
یہ بیان کیا ہے کہ اُردو میں اب تک اہل بیت کرام کے
فضائل و مصائب میں "روضۃ الشہدا" ولی ویلوری
اور روضۃ الاطہار شیدا لکھی گئی ہیں جو تاریخی لحاظ سے
بہت کمزور ہیں۔ کیونکہ ان میں جھوٹی روایتوں کو بیان کیا
گیا ہے۔ اس لئے صحیح تاریخی نقطۂ نظر سے ایک کتاب
کی ضرورت تھی۔ اس لئے حسب ذیل عربی ماخذوں سے
استفادہ کرکے یہ کتاب مرتب کی جا رہی ہے:۔

ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ از حافظ محب الدین طبری۔
فصول المہمہ فی معرفۃ الائمۃ از ابوالحسن شافعی۔
نظم درر السمطین اور معراج الاصول از حافظ
جمال الدین زرندی مدنی۔
منہل العذب الروی فی مناقب اہل بیت النبی
از حافظ شمس الدین سخاوی۔

احیاء المیت بذکر فضائل اہل بیت اور اشغال القرنت
اور تاریخ الخلفاء از جلال الدین سیوطی۔ شذرات الباسمہ
فی مناقب سیدہ فاطمہ۔ جواہر العقدین اور وفاء الوفاء
از حافظ سید نورالدین سمہوری۔
مرأۃ الجنان از شیخ عبد اللہ یافعی۔ تاریخ کبیر از حافظ
عمادالدین ابن کثیر۔ صواعق محرقہ اور شرح قصیدہ
ہمزیہ از حافظ شہاب الدین ابن حجر مکی۔
عمدۃ الطالب فی نسب بنی طالب از سید شہاب الدین
حسینی۔
معالم العترۃ النبویۃ از حافظ عبدالعزیز حنبلی۔
اصل کتاب مثنوی کی شکل میں ہے جس پر ایک
مقدمہ اور بارہ روضے ہیں۔ مقدمے میں آل و اہل بیت کی
تحقیق بیان کی ہے اور روضوں کے موضوع یہ ہیں :۔
پہلا روضہ ۔ اہل بیت کرام کی تعریف و ثنا کی آیتیں
دوسرا " ۔ فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ کی نسل میں برکت
کے لیے پیغمبرؐ کی دعا۔
تیسرا " ۔ وصیت نبی کلام اللہ اور عترت کے بارے
میں۔ (پانچ ذیلی حصے ہیں)
چوتھا " اہل بیت عظام تاروں اور کشتی نوح کی طرح
باعث نجات ہیں۔
پانچواں " حضرت کی قرابت اور اولاد علی و فاطمہ۔
(چار ذیلی حصے ہیں)۔
چھٹا " ۔ اہل بیت اطہار کا جنتی ہونا۔
ساتواں " اہل بیت اطہار کی محبت واجب ہے (تین
ذیلی حصے ہیں)۔

آٹھواں روضہ ۔ اہل بیت اطہار کے ساتھ بغض حرام
ہے۔ (دو ذیلی حصے ہیں)
نواں " ۔ حسن سلوک و مراعات (دو حصے ہیں)
دسواں " ۔ سادات پر کیا واجب ہے۔ علامات شیعہ
کیا ہیں۔ (تین حصے ہیں)۔
گیارہواں " ۔ مصائب اہل بیت (پانچ حصے ہیں)
بارہواں " دشمنان امام سے انتقام (پانچ حصے ہیں)
اس دیباچہ کے آخر میں مصنف نے اپنی نسبت
حسب ذیل معلومات درج کی ہیں :۔

"یہ عاصی پندرہویں سال سے شعر کے ساتھ
الفت و ارتباط رکھتا ہے۔ اگرچہ شعر کم کہتا
ہے اس ہی واسطے تخلص اپنا مدت تک مقرر
نہیں کیا تھا۔ جب ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۵ھ میں
بعضے رسائل ہشت بہشت کے منظوم کیا
لفظ باقر کہ جزو نام ہے بجائے تخلص رکھا۔
من بعد بیچ ۱۱۹۴ھ یکہزار و یکصد و نود
اور چہار کے وقت نظم کرنے دیوان عربی
کے تخلص اپنا آگاہ مقرر کیا۔ اس تخلص
کو اشعار عربی و فارسی میں لایا اور اکثر
مراثی اور ریختوں میں بھی اسی تخلص کو
اختیار کر لیا اور تتمہ رسائل ہشت بہشت
میں کہ بیچ ۱۲۰۶ھ کے منظوم ہوئے اور
اس رسالے میں کہ ریاض الجنان
نام رکھتا ہے تخلص اپنا وہی لفظ باقر رکھا۔"
ریاض الجنان کا سنہ تصنیف اور تعداد ابیات کتاب کے

آخری حصہ میں یوں درج ہے ۔

جب تھے بارا سو اور سات برس | تب بنا ہی یہ نسخہ اقدس
ہیں گی ابیات اس کی تین ہزار | اور دو یہ تو بلا تکرار

اصل کتاب میں مقدمے سے قبل حمد و نعت و منقبت اہل بیت و منقبت خلفائے راشدین و منقبت غوث اعظم اور سبب تصنیف کے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب محبوب القلوب کے بعد لکھی گئی ہے کیونکہ اس کے دیباچہ میں محبوب القلوب کی تکمیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

آغاز :-

اے تیری بندگی میں کل وجود | کیا ملک کیا رسل ہیں سر بسجود
دیکھ تیری قدر کا سر عظیم | سر کئے اپنا انبیا تسلیم

اختتام :-

جو ہیں اخوان و دوستاں میرے | بخش سب ان کو نعمتاں تیرے
اور جتنے ہیں زمرۂ اسلام | کہ مدام ان پہ رحمت و انعام
صلی یا ربنا الرحیم علےٰ | شافع الکل انفا و غدًا
وعلےٰ آلہٖ واصحابہ | الذین اقتدوا باذابہ

ترقیمہ نہیں ہے البتہ ابتدائے کتاب میں دو جگہ ضیاء الدین محمد ۱۲۹۹ھ کی مستطیل اور خوش خط مہر ثبت ہے۔ یہ مشہور اردو شاعر اُستاد کل میر شمس الدین محمد فیض کے فرزند تھے۔ اور یہ نسخہ غالباً فیض کی ملک رہ چکا ہے اور وہاں سے لکھنؤ گیا۔ بعد کو لکھنؤ کے ایک تاجر سے ادارۂ ادبیات اُردو کے لئے خریدا گیا۔

اس کتاب کا ایک نسخہ (مکتوبہ ۱۲۴۰ھ) نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں اور کتب خانہ آصفیہ اور برٹش میوزیم (اورینٹل ۵۰۰۵) اور ببلیوتک نیشونل پیرس (۸۷۲) اور جامعہ عثمانیہ (۲۹) کے کتب خانوں میں بھی ایک ایک نسخہ محفوظ ہے۔

---

(۶۳) ریاض الجنان [۱۰۲]

اوراق ۵۰۔ سطور ۱۴۔ تقطیع ۵½×۷½
خط نستعلیق۔ عنوانات اور حاشیہ سرخی میں
مصنف محمد باقر آگاہ ویلوری سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ۔ کاتب غلام قادر۔
سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ۔

یہ کتاب نمبر ۶۲ کا ایک دوسرا نسخہ ہے جو ناقص الاول ہے مگر خود مصنف ہی کی زندگی میں (وفات سے ۷ سال قبل) لکھا گیا ہے اس لئے اہم ہے۔ اس میں ابتدائی ۱۷ اوراق غائب ہیں۔ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے

ہے عنایت مری اسے یاور | عاقبت اس کی ہوئیگی بہتر

حکایت پنجم

ہور لکھے ہیں بہت ثقات کرام | ایک سید کا بلخ میں تھا مقام

اختتام وہی ہے جو نسخہ ۶۲ میں درج ہوا۔

ترقیمہ :-

"تمت الکتاب بعون ملک الوہاب رسالہ ریاض الجنان بتاریخ چہاردہم شہر صفر المظفر ۱۲۱۳

ناظم ہے اس نظم کا باقر محمد مولوی | سب مولویاں کے ہے سلیے ہی اسکو مولوی
عاجز غلام قادر اس نظم کو لکھا ہے | امید مغفرت کا حسن سو رکھا ہے۔

صلواۃ اللہ علیہ"

---

(۶۴) ضیافت نامہ [۱۳۸]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۴۔ تقطیع ۸½ × ۵½ ۔
خط نستعلیق معمولی۔ مصنف شاہ غوثی ۔
سنہ تصنیف ۱۱۹۱ھ ۔ ۱۲۲۵ھ ۔
کاتب خورشید النساء ۔ سنہ کتابت ۱۳۲۳ھ

یہ تقریباً سو اشعار کا قصیدہ ہے جس میں آنحضرت کی ضیافت (جو حضرت عثمان اور حضرت فاطمہ نے کی تھی) بیان کی گئی ہے ۔ اس کے مصنف ارکاٹ کے صوفی مشرب واعظ شاہ غوثی (متوفی ۱۲۲۵ھ) ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب قصص الانبیا (ریاض مسعود ۱۱۹۱ھ) بھی ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست مخطوطہ نمبر ۲۵)۔ یہ قصیدہ غوثی نے اپنے مرشد کی فرمائش پر لکھا تھا۔

اس قصیدے میں پہلے حضرت عثمان کی ضیافت کا بیان ہے۔ اس میں شرکت کے بعد جب حضرت علی گھر پہنچے تو حضرت فاطمہ سے اس کی دھوم دھام بیان کی۔ اور اپنی مفلسی کا ذکر کیا کہ اس کی وجہ سے میں ایسی ضیافت نہیں کرسکتا۔

ابتداء میں مصنف نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ دعوت دینے اور دعوت کھانے والے دونوں پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اور یہ سنت نبی ہے اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ ضیافتیں کرتا رہے۔

حضرت فاطمہ نے علی کو تسلی دی اور کہا کہ میں مفلسی کے باوجود خدا سے دعا کرکے ایسی دعوت کروں گی جو تمہارے شایانِ شان ہو۔ اس کے بعد دعوت کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

آغاز :۔

اول کریم حق کی صفت ہے بعد ختم مرسلاں
ان پر درود رب سدا جو آل ہیں اصحابیاں
مرشد کے جو فرمان سے بولیا روایت غوثیا
مرقوم ہے راوی ستی سننا ضیافت کا بیاں

اختتام :۔

عاصی ہے غوثی امتی ہے فاطمہ بنت رسول
کرنا عطا بندے اُپر ہر دو جہاں کی نعمتاں
ہے سدق جو عدل و حیا شیر خدا کا وے لگن
کر خاتمہ ایمان سے اے خاتم پیغمبراں
مرشد کے جو ارشاد سے غوثی اتا پایا ظہور
جو کچھ کہ ہے اس میں صفت طاقت نہیں کرنے بیاں

ترقیمہ :۔

اس قصیدے کے بعد دو اور کتابیں ایک ہی کاتب نے نقل کی ہیں اور آخر میں یہ ترقیمہ لکھا ہے :۔

"تحریر کردۂ عاصیہ خورشید النساء
عفی عنہا المرقوم ۹ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ"

---

(۶۵) ظفرنامہ [۱۳۹]

اوراق ۱۹۳ ۔ سطور ۱۴ فی صفحہ
تقطیع ۸½ × ۵½ ۔ خط نستعلیق معمولی
مصنف محمود ۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۴ھ
کاتب خورشید النساء ۔ سنہ کتابت ۱۳۲۳ھ

یہ پانچ ہزار چار سو ابیات کی ایک ضخیم مثنوی ہے۔ جو محمد ابن حنیفہ کے حالات زندگی، جنگ، اور شہادت پر قلمبند کی گئی ہے۔ اس موضوع پر کئی مثنویاں لکھی جا چکی ہیں چنانچہ حیدرآباد کے ایک قدیم شاعر غلام علی خاں لطیف قزلباشی (سنہ پیدائش ۱۰۵۰ھ) نے بھی ۱۰۹۵ھ میں تقریباً اسی ضخامت کی ایک مثنوی لکھی تھی اور اس کا نام بھی ظفر نامہ ہے جس کے نسخے انڈیا آفس اور جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں

لطیف سے تین سال قبل ایک اور شاعر سیوک نے بھی ۱۰۹۲ھ میں جنگ نامۂ محمد حنیف مرتب کیا تھا جس کا نسخہ ادارہ کے کتب خانہ میں موجود ہے (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۳۰)۔

زیر نظر مثنوی ظفر نامہ محمود کا کوئی اور قلمی نسخہ غالباً حیدرآباد کے کسی مشہور کتب خانہ میں موجود نہیں ہے غالباً اسی شاعر کی ایک اور نظم ملکۂ مصر (سنہ ۱۲۰۶ھ) کا ذکر دکن میں اُردُو صفحہ ۲۷۴ پر کیا گیا ہے۔ گویا یہ کتاب ملکۂ مصر سے دو سال قبل لکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ دونوں کا مصنف ایک ہی محمود ہو جو سید اخوند میر شاہ کا مرید تھا اور انہی کی اجازت سے قصہ ملکہ مصر اُردُو میں منتقل کیا تھا۔

ارے محمود حمد کردگاری	نہ پورا کر سکے کوئی عمر ساری
	(ورق ۲ ب)
نبوت کے نکل گلشن سراب زود	ثنا خوانی سکا ہے گل ہاتھ محمود
	(ورق ۲ الف)
رضا لے اب بیاں کے زود محمود	کہ تا پاوے گا اپنے دل کا مقصود
	(ورق ۴ ب)
ارے محمود رکھ اب جلد نامہ	کروں اتمام زودی فتح نامہ
	(ورق ۱۹۳ الف)

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف کتاب کے آخر میں ان ابیات میں درج ہے :-

خدا مقصود حاصل کر کے میرا	ظفر نامہ کیا اتمام سارا
کیا اتمام جب یہ شبہ کا انجم	تو بارا سو پہ تھا سال چہارم
	(ورق ۱۹۳)

کتاب کے آغاز میں حمد و نعت کے بعد خلفائے اثنا عشر کی مدح الگ الگ عنوان کے تحت کی گئی ہے اور سبب تالیف کتاب کے سلسلے میں مصنف لکھتا ہے کہ :-

"شب عاشورہ ہم سیر کرتے پھر رہے تھے کہ ایک مکان میں مجلس نظر آئی جس میں شہنشاہ یمن کا فتح نامہ پڑھا جا رہا تھا تو میرے خوبرو اور پیارے دوست غلام محی الدین نے فرمائش کی کہ تم بھی ایک فتح نامہ لکھو۔ میں اگرچہ اس قابل نہیں ہوں تاہم اپنے دوست کی فرمائش کی تکمیل کر رہا ہوں۔"

آغاز :-

کروں نامے کو حمد رب سے آغاز	فصاحت میں رہوں دائم سرفراز
خدا کے نام سوں نامے کوں اتمام	کروں میں تا کہ ہو جلدی سوں اتمام

اختتام :-

پڑھو یاراں اُپر صلوات اطہر	بروح پاک وہ ساقی کوثر
کیا مرقوم اس نامے کوں اتمام	پڑھو سب فاتحہ اے اہل اسلام

ترقیمہ :-

"تحریر کردۂ عاصیہ خورشید النساء عفی عنہا المرقوم ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۳ ہجری"

(۶۶) احوال قیامت [۱۳۸ ب]

اوراق ۵ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔

تقطیع ۷½ × ۱۰½ - خط نستعلیق معمولی

مصنف غلام دستگیر۔ کاتب خورشید النساء

سنہ کتابت ۱۳۲۳ ہجری۔

یہ دوسو پچیس ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں قیامت کا حال اور آنحضرت صلعم کی شفاعت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مصنف کا نام غلام دستگیر اور تخلص دستگیر ہے۔ جو کتاب کے آخری حصہ کی اس بیت سے ظاہر ہوتا ہے:-

اس کو بھی بخشائیے روز اخیر ہے بڑا عاصی غلام دستگیر

درمیان میں مصنف نے اپنی ایک غزل بھی لکھی ہے (ورق ۳ ب) جس کا مطلع و مقطع یہ ہے:-

یا محمد مصطفےٰ فریاد ہے شافع روز جزا فریاد ہے

دستگیر آثم پہ بھی ہو یک نظر اوس کی اور دل کی سوا فریاد ہے

مصنف کے حالات اور سن تصنیف معلوم نہ ہوسکا۔

آغاز:-

حشر کا کیا سخت دن ہے الاماں العطش فرمائیں گے پیغمبراں

جب خلایق ہوے گی ساری فنا جوش میں آکر کہے گی کبریا

اختتام:-

یا الٰہی از براے مصطفیٰ پنجتن کی دوستی میں رکھ سدا

یا الٰہی از براسے فاطمہ ماتم شبیر میں کر خاتمہ

اس نسخہ کے بعد ہی خورشید النساء نے ظفر نامہ محمد حنیف شروع کر دیا ہے۔

---

(۶۷) نوبہار عشق [۵۱۷]

اوراق ۱۷۹ - سطور ۱۰ فی صفحہ۔

تقطیع ۵½ × ۷½ - خط نستعلیق معمولی

عنوانوں کی ابیات سرخی میں۔ مصنف غلام اعزالدین خاں مستقیم جنگ نامی

سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۷ھ

تین ہزار پانچسو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں نظامی کی مثنوی شیریں خسرو کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مصنف کے حالات مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی نے مدراس میں اُردو (صفحات ۶۹ - ۷۴) میں تفصیل سے لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے

غلام اعزالدین خاں مستقیم جنگ نامی فرزند حامد علی خاں ارکاٹ میں ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ محمد حسین اور محمد باقر آگاہ سے تعلیم پائی۔ عمدۃ الامرا (۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ) نے ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ آگاہ کی طرح عربی فارسی اور اُردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو، وفات نبی قصۂ بنارس اور سلیمان نامہ اُردو کی تصانیف ہیں۔ مدراس میں ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی اور ساحل سمندر کے قریب اپنے باغ میں مدفون ہیں۔

ہاشمی صاحب کی نظر سے نامی کا صرف سلیمان نامہ گزرا ہے جو ۱۲۲۶ھ کی تصنیف ہے اور جس میں تین ہزار آٹھ سو ابیات ہیں۔ ادارے کی زیر نظر مثنوی کا مخطوطہ کسی کتب خانہ میں موجود نہیں ہے اور یہ نامی کی پہلی تصنیف ہے۔

اس لئے بہت اہم ہے۔ ہاشمی صاحب نے ان کا نام غلام اعزالدین خاں لکھا ہے۔ زیر نظر نسخے میں نامی کا نام اس طرح درج ہے :-

ہے بس علو عزیزالدین نامی — کہ اس کو دو جہاں میں کر گرامی

کتاب میں کئی جگہ مصنف نے اپنا تخلص لکھا ہے (ورق ۱۳) مثلاً :-

ہے عاصی نامی بے چارہ کیا مال — کہ کھووے حمد میں تیرے پر و بال
(۴ ب)
نہ کر نامی زمانے کی شکایت — کہ یک پیدا ہوا اصحاب عدالت

(۱۵ ا، ب) اثنائے کتاب میں کئی غزلیں درج ہیں جن کے مقطعو میں بھی نامی تخلص درج ہے۔

کتاب کا نام اور سنہ تصنیف ان ابیات سے واضح ہوتا ہے :-

کیا جب خامہ گلریزی کو اتمام — رکھا میں نو بہار عشق اوسے نام
(۱۷۶)
کہا تاریخ ہاتف از مسرت — کہا نامی نے یہ شیریں حکایت
(۱۷۷ آ)
سن ہجری تھے بارہ سو پہ گیارہ — کہ میں اس مثنوی کے تئیں سنوارا
(۱۷۴ ب)

اس مثنوی سے مصنف کی نسبت حسب ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں :-

اس کتاب کی تصنیف کے وقت یعنی ۱۲۱۱ھ میں نامی کے والدین اور اساتذہ زندہ تھے۔ ان کی طرح وہ اپنے بھائیوں اور بیوی اور اولاد کی سلامتی کی بھی دعا کرتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۳۰ سال کی تھی اور نواب عمدۃ الامرا اوس کے قدرداں تھے۔ چنانچہ ان کی مدح ایک علیحدہ عنوان کے تحت لکھی ہے۔ جس کی یہ بیت خاص کر قابل ذکر ہے ؎

اگر دیکھے قصیدہ اوس کا سودا — رہے گا تا قیامت اس پہ شیدا
(۱۷ ا)

عمدۃ الامرا کی مدح کے آخر میں ان کی بہن اور ان کے فرزند سراج الملک کے لئے بھی دعا کی ہے۔

سبب تالیف میں نامی نے لکھا ہے کہ وہ تنہائی اور بے کاری سے تنگ آگیا تھا کہ مطالعۂ کتب کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس اثناء میں نظامی کی شیریں خسرو بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ اس کا ہندی میں ترجمہ کرنا چاہئے کیونکہ بہت سے شاعر گزرے ہیں لیکن کسی نے نظامی کی اس کتاب کا ہندی میں ترجمہ نہیں کیا۔

خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے کہ اگرچہ میں نے ہندی زبان میں یہ مثنوی لکھی ہے لیکن قصداً دو چار جگہوں پر دکھنی زبان بھی استعمال کی گئی ہے۔ یہ مثنوی ایک مہینے میں لکھی ہے۔ اگرچہ میری پہلی کتاب ہے لیکن یقین ہے کہ قابل تعریف ثابت ہوگی۔ اس حصہ کی حسب ذیل ابیات قابل ذکر ہیں :-

کیا میں مثنوی ہندی زباں سے — عیاں ہے کچھ نہیں حاجت بیاں سے
مگر قصداً کہیں دو چار جا میں — بیاں دکھنی زباں سیتی کیا میں
کیا اس بحر میں فکر اک مہینہ — تو ماہِ نو سا نکلا یہ سفینہ (۱۷۵ ا)
کہا میں اس کو در عین جوانی — رکھے حق جگ میں دائم یہ نشانی
اگرچہ اولیں تصنیف ہے گی — ولیکن قابل تعریف ہے گی (۱۷۵ ب)

حمد و نعت، معراج، شکایت زمانہ کے بعد عمدۃ الامرا، کی طویل مدح لکھی ہے جس کی چند ابیات یہ ہیں :-

مدح عمدۃ الامراء

حکومت کے صدف کا قیمتی در — جناب عمدۃ الامرا بہادر
نت اس کی ذات سی ہر شخص خرم — سراسر ہے وہ اخلاق مجسم

خسدا اس کو کیا ہر فن میں ممتاز
زمین شعر کا ہے وہ سرافراز
نہیں دیکھا ہے ایسا نیک سردار
ہے اس کو خوش کی جگہ گلستاں زار

آغاز :-

ہے اس کی عدو شیریں آبٍ زبان تر
گھڑے ہیں خسرواں اسکے در پہ
کیا وہ حسن کا یوں گرم بازار
کہ دائم عشق ہے اس کا خریدار

اختتام :-

سلاماں بے عدد صلوات بے حد
سدا حق سے ہو بر ذات محمد
اور اس کی آل اور یاراں پہ یک یک
کہ انجم ہیں ہدایت کے وہ بے شک

ترقیمہ :-

"بتاریخ ماہ ذیقعدہ روز چہارشنبہ
۱۲۹۱ھ لکھی گئی ہے کتاب۔"

یہ نسخہ نواب میر سعادت علی صاحب رضوی
ایم۔ اے کا عطیہ ہے جو ۱۲۹۱ھ میں ادارے کے
کتب خانے میں داخل ہوا۔ آخر میں ان کے دستخط ثبت ہیں

---

(۶۸) سحر البیان | ۵۱۶ |

اوراق ۱۵۱ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۲/۱ ۸" × ۲/۱ ۵" - خط نستعلیق معمولی
مصنف میر غلام حسن حسن۔ سنہ تصنیف
۱۱۹۹ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۷ ہجری۔
مشہور مثنوی بے نظیر و بدر منیر کا نسخہ ہے

جس کے مصنف کا نام میر غلام حسن تھا اور جو عام طور پر میر حسن (۱۱۵۰ھ تا ۱۲۰۱ھ) مشہور ہیں۔ ان کا کلیات انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن یہ اسی مثنوی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی مثنویاں ہیں۔ ان کے متعلق تفصیلی معلومات "تنقیدی مقالات" اور اُردو ادب کی جملہ تاریخوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مثنوی بھی بارہا چھپ چکی ہے۔ زیر نظر نسخے میں چار ہزار پانچ سو ابیات ہیں اور یہ ایک دوسری مثنوی "بہار عشق" کے ساتھ ایک ہی جلد میں محفوظ ہے اور ۱۲۷۷ھ سے قبل لکھا گیا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

آغاز :-

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم
سر لوح پر رکھ بیاض جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

اختتام :-

میاں مصحفی کو جو بھائی یہ طور
انھوں نے بھی کر فکر از راہ غور
کہی اس کی تاریخ یوں برمحل
یہ بت خانہ چین ہے بے بدل

یہ نسخہ بھی نواب میر سعادت علی صاحب رضوی
ایم۔ اے کا عطیہ ہے اور اس کے آخر میں انکے دستخط ثبت ہیں

(۶۹) سحرالبیان ۱۴۷

اوراق ۱۰۰ - سطور ۱۱ فی صفحہ۔
تقطیع ۶ × ۸ ۔ خط نستعلیق عنوانات
اور حاشیے سرخی میں۔ مصنف میر غلام حسن
حسن۔ سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ کاتب میر محسن علی
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام حیدرآباد دکن
یہ مثنوی نمبر ۶۸ کا دوسرا نسخہ ہے جو اس
سے ۴۳ سال قبل حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے۔ اس نسخہ
میں ابتدائی ورق غائب ہے لیکن احتیاط سے جلبند ہوا
ہے۔ حاشیہ پر جگہ جگہ اختلاف نسخ ظاہر کئے گئے ہیں۔
اور ابیات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ آخری حصہ میں قتیل
اور مصحفی کے قطعات تاریخی کے علاوہ ماہر
کی تاریخ بھی درج ہے۔ اس نسخہ میں تقریباً ڈھائی ہزار
ابیات ہیں - نسخہ ان ابیات سے شروع ہوتا ہے:-

تر و تازہ ہے اوس سے گلزار خلق
وہ ابر کرم ہے ہوادار خلق
اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے
ولے پرورش سب کی منظور ہے

اختتام:-

سنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی | تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں ہو کر فرح | ہوا اس مثنوی کی یہ نادر طرح

ترقیمہ:-

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب۔
در بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد فی التاریخ
اربع وعشرین شہر جمادی الاول فی سنہ ۱۲۲۳
الف ستین ثلاثہ وعشرین من الہجری
مالکہ و راقمہ میر محسن علی ۱۲۲۳ ۔
(یہ نام ایک دوسرے خوش وضع مہر
میں درج ہے جو ترقیمہ کے بالکل نیچے
ہے۔)

ترقیمہ کے نیچے دو قطعات تاریخی ہیں جن میں سے
ایک شریف الدین یوسف کی وفات کا ہے جو اُن کے گنبد
(واقع نام پلی حیدرآباد) کے دروازے پر درج ہے اور
دوسرا الٰہداد خاں کی وفات کا ہے جو حسب ذیل ہے:-

تاریخ الٰہداد خاں

سوے جنت العدن رفت از جہاں
الٰہداد خان مرد نیکو صفات
بگفت ارشد از بہر تاریخ او
الٰہداد خاں بود ز اہل نجات
۱۳ رجمادی الثانی ۱۱۹۸ھ ہجری

آخری ورق پر ایک فارسی معما از غلام عابد عابد
اور اس کی فارسی تشریح بھی درج ہے۔ یہ نسخہ
نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے چنانچہ اس کے
پہلے صفحہ پر ان کی بیضوی مہر "مصدر الطاف وعنایت حسین"
ثبت ہے۔

تحفتہ النصائح شاہ راجو - یہ نسخہ عہد قطب شاہی میں مطلا و مذہب لکھا گیا ہے -
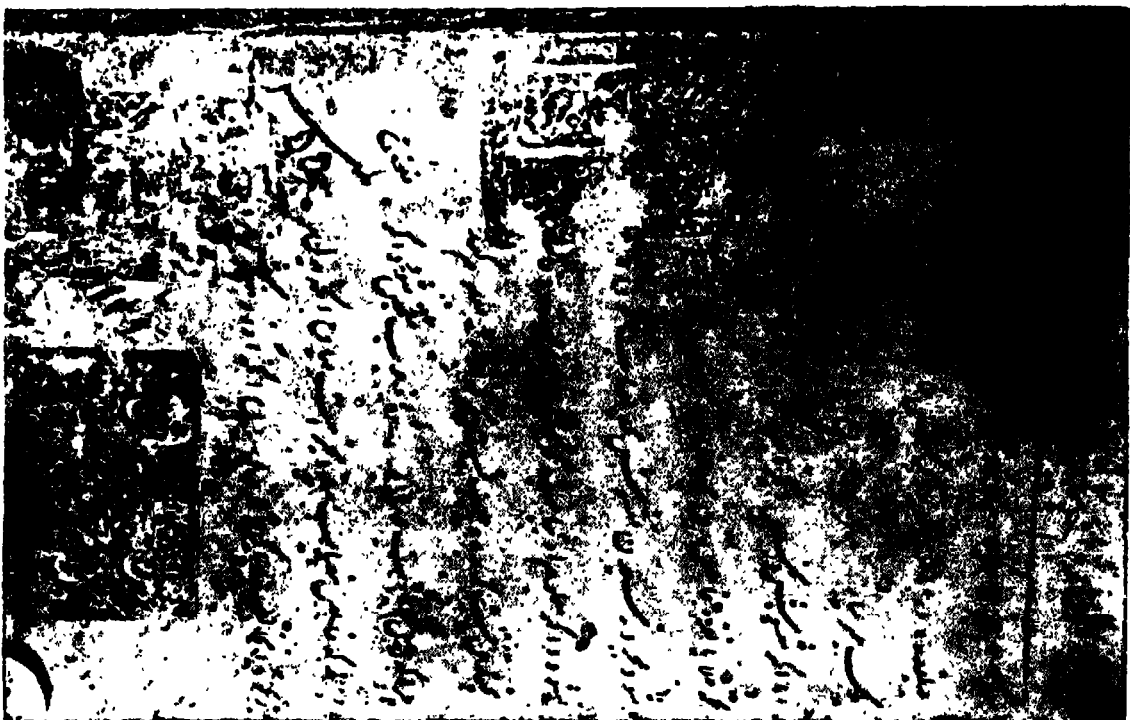
شرح جامع عباسی - حاشیہ ابن خاتون وزیر گولکنڈہ ۔ شاہان اودھ کے مطالعہ میں رہی ہے - ان کے دستخط اور مہریں ہیں

دیوان ملو فارسی ۔ نوشتہ قبل سنہ ۱۱۹۲ھ
ایک نادر مخطوطہ ۔ دیکھو صفحہ ۱۰۸

خواجہ فقیر محمد نبیرہ خواجہ محمود گاوان کے مکتوبہ
مخطوطات سنہ ۱۱۳۲ھ کا ایک صفحہ

(۷۰) سحرالبیان [۵۱۸]

اوراق ۸۰ - سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۸ - خط نستعلیق پاکیزہ۔
عنوانات سرخی ہیں۔ مصنف میر غلام حسن حسن
سنہ تصنیف ۱۱۹۲ھ - کاتب غلام حسین
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

مثنوی ۶۰ ، ۶۱ کا اور ایک نسخہ جو بہت قدیم ہونے کی وجہ سے اہم ہے اور جس میں ۲۲۵۰ ابیات ہیں۔ اس کے آخر میں تقلیل اور تصحیف کی ترقیمیں ہیں۔ بلکہ خود کاتب نے سحرالبیان ہی کی بحر میں بیادرہ ابیات بطور ترقیمہ لکھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود اچھا شاعر تھا۔

آغاز :-

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدے میں اول قلم
سرلوح پر رکھ بیاض جبیں — کہا دوسرا تجھ سا کوئی نہیں

اختتام :-

غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — سخن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سنیں گے کہیں گے یہی — نہ ایسا ہوا ہے نہ ہوگا کبھی

ترقیمہ :-

بحق محمد علی و حسین — لکھے مثنوی یہ غلام حسین
جمادی الآخر کی تاریخ چار — ز ہجر نبی دو صد و یک ہزار
وے بست و سہ اوس پر ازو تھے — بروز جمعہ دو پہر دن ڈھلے
. . . . — . . . .
جو ہیں دوست میرے سو دلشاد رکھ — اور اس شہر بیدر میں آباد رکھ

دل و جاں سے تیرا محب میں ہوا — مجھے جام کوثر تو مولا پلا

مثنوی کی لوح پر کسی صاحب تدفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

---

(۷۱) دیوان یقین [۵۱۹]

اوراق ۴۲ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۳ - خط نستعلیق پختہ شکستہ آمیز۔ مصنف میر انعام اللہ خاں یقین دہلوی۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۶۱ھ - کاتب - غلام حسین - سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

یقین (متوفی درمیان ۱۱۶۱ھ و ۱۱۷۰ھ) کا دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے مرتب کرکے انجمن ترقی اُردو سے شایع کرا دیا ہے۔ یہ اس کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے جس میں جگہ جگہ حاشیہ پر مزید غزلیں اور اشعار درج کئے گئے ہیں۔ اس نسخے میں ۱۱۱۱ از (۷۸) اشعار اور ۱۴۳ غزلیں ہیں۔ یقین کے حالات مختلف تذکروں اور دیوان یقین میں شایع ہو چکے ہیں اس لئے یہاں تفصیل غیر ضروری ہے۔

اس نسخے میں غزلیات یقین کے آخر میں حضرت علی کی مدح میں فغاں کا ایک قصیدہ بھی درج ہے۔

آغاز :-

ہے ترے داغ سیں تو سینۂ سوزاں میرا — آب رنگ آگ سیں رکھتا ہے گلستاں میرا
غم کے ہاتھوں نہ رہا کچھ بھی رفو کے قابل — بیکہ سو بار ہوا چاک گریباں میرا

اختتام :-

عمر فرباد میں برباد گئی کچھ نہ ہوا — یا کہ مشہور غلط ہے کہ اثر ہوتا ہے کربلا

یار کی بات ہمیں کوئی سناتا ہے یقین — کوئی کب گل کی دیوانوں کو خبر لاتا ہے

کوئی ترقیمہ نہیں بلکہ فغاں کا قصیدہ ساتھ ہی شروع کردیا گیا ہے۔ جس کے آخر میں "دیوان یقین تمام شد" لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اس کو یقین کا قصیدہ سمجھ لیا تھا یہ کتاب مثنوی میر حسن (نمبر ۷۰) کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے اور غلام حسین بیدری ہی نے ۱۲۲۳ھ میں لکھی ہے۔ سرورق پر تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

---

(۷۲) قصیدہ فغاں [۹۱ ب ۵]

اوراق ۲ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔

تقطیع ۵½" × ۸¾" ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز

مصنف اشرف علی خاں فغاں۔ تصنیف

قبل ۱۱۸۶ھ۔ کاتب غلام حسین -

سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

میر اشرف علی خاں فغاں (متوفی ۱۱۸۶ھ) محمد شاہ بادشاہ کے کوکا اور آبرو، مضمون، مظہر، حاتم، ناجی اور یکرنگ کے ہم عصر تھے۔ "آب حیات" اور اردو کے دوسرے تذکروں میں ان کے حالات درج ہیں۔

یہ فغاں کا ایک قصیدہ ہے جو ۳۸ اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں حضرت علی کی مدح کی گئی ہے۔ تشبیب کے سلسلہ میں ایک غزل بھی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

جب تلک ہے تن میں دم الفت نہیں جانے کی یار

بعد میرے خاک بھی در پہ ترے ہو گی نثار

مردمانِ چشم یوں رو رو کے کرتے ہیں فغاں

کیا دکھاوے گا ہمیں اس سے زیادہ نوکار

آغاز :-

شادی اور غم سے کہاں ہے (دور) بزم روزگار

جام اگر ہنستا ہے تو روتا ہے مینا زار زار

کونسی راحت ہے وہ بھی رنج ہر عالم کے بیچ

گل کے تیں جب ہاتھ میں لیتے ہیں تب چبھتا ہے خار

اختتام :-

دیکھ تو حالت فغاں کی یا امیرالمومنین

یہ ترا مداح رہتا ہے ہمیشہ بے قرار

کر نصیحت دل میں تیرے مشہد عالی کا وہ

روز و شب رو رو کے اس مطلع کو پڑھتا ہے پکار

بادۂ وحدت پلا دے کب تلک کھینچوں خمار

منتظر .... فلک ہو رنگا ہے گوش روزہ دار (؟)

تشنہ لب ہوں تشنہ لب دے ساقی کوثر شراب

سیر ہو تیرے تفضل سے دل امیدوار

ترقیمہ دیکھو نسخہ نمبر ۷۱ دیوان یقین۔

---

(۷۳) دیوان سودا [۵۲۰]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵"½ × ۸"½ - خط نستعلیق پاکیزہ
مصنف مرزا محمد رفیع سودا - تاریخ تصنیف
قبل ۱۱۹۴ھ - کاتب غلام حسین سنہ کتابت
۱۲۲۳ھ بمقام بیدر۔

یہ مرزا رفیع سودا (۱۱۲۵ - ۱۱۹۴) کا دیوان ہے جس کے حاشیہ پر کاتب نے سودا کے متعدد اشعار اور غزلوں کا اضافہ کیا ہے۔ سودا کا کلیات اور حالات زندگی شایع ہوچکے ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

یہ دیوان غزلوں سے شروع ہوتا ہے جن کے آخر میں دو تین مخمس اور ایک قصیدہ درشان بست خان درج ہیں۔ مخمسوں کے بعد مختلف ہمعصر شعراء مثلاً آرزو، فطرت، مظہر، اشتیاق، امید، یکرنگ، ناجی، کلیم، سجاد، حاتم، عزلت، حشمت، قائم، عارف، محسن، نیرنگ، تیر، تاباں وغیرہ کی غزلوں کا انتخاب درج ہے اور سراج کی مثنوی سوز و گداز پوری نقل کی گئی ہے۔ اس نسخے میں سودا کی غزلوں کے تقریباً سات سو اشعار درج ہیں۔

آغاز :-

مقدور نہیں اوس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

اختتام :-

میں بھی ہوں ضعیف اس قدر اے مور کہ وہ اب
گذرے مرے سر سے جو ترے تا کمر آوے
دنیا ہے کوئی مرغ دل اوس شوخ کو سودا
کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آوے

کوئی ترتیب نہیں ہے کیونکہ ساتھ ہی مختلف شعراء کے کلام سے انتخابات لکھے گئے ہیں۔ غلام حسین بیدری نے اس جلد کی جملہ کتابوں کو ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا ہے۔

---

(۷۴) سوز و گداز [۵۲۰ ب]

اوراق ۳ - سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵"½ × ۸"½ - خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی
تاریخ تصنیف قبل ۱۱۷۷ھ کاتب غلام حسین
سنہ کتابت ۱۲۲۳ھ۔

شاہ سراج اورنگ آباد (۱۱۲۵ - ۱۱۷۷) ولی کے مشہور جانشین اور اُردو کے مشاہیر شعراء سے ہیں۔ ان کا کلیات مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے پروفیسر سروری نے شایع کردیا ہے جس میں ان کے حالات اور تصنیفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

یہ شاہ سراج کی ایک مختصر مثنوی ہے جو ترپن (۵۳) ابیات پر مشتمل ہے۔

آغاز :- اے صبا ہے وطن ترا گلزار
نام تیرا ہے پیک خوش رفتار

تجھ سے اک التماس رکھتا ہوں۔
میں نراسی ہوں آس رکھتا ہوں

اختتام :۔
پردۂ راز دل کیا ہوں واز
نام اس کا رکھا ہوں سوز وگداز"
خوب ہے اسے سراج خاموشی
مست رہ پی کے جام بے ہوشی

نسخہ جات ۱۷ تا ۴۷ کی طرح اس کا کاتب بھی غلام حسین بیدری ہے اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

---

(۷۵) دیوان یقین [۵۲۱]

اوراق ۲۱۔ سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ ½" × ۳ ½"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف انعام اللہ خاں یقین۔ تصنیف قبل ۱۱۵۵ھ کتابت قبل ۱۲۲۳ھ

یہ دیوان یقین کا ایک دوسرا نسخہ ہے جو ناقص اول وآخر ہے۔ یقین کے اور دیوان بھی ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبرا ۷)

زیر نظر دیوان میں تقریباً ۹۸ غزلیں ہیں۔ لیکن اکثر غزلیں نسخہ نمبرا ۷ کے مقابلے میں طویل اور مکمل ہیں۔
پہلا ورق غائب ہے :۔
آغاز :۔ ادا کردیجئے اوس کو بھی تو کچھ عیب نہیں؟
آئینے سیں بھی گیا کیا دل حیراں میرا

میں تو ظاہر نہ کروں اوس کی جفا کو لیکن
چھپ سکے کیونکہ یقین زخم نمایاں میرا

اختتام :۔
مسافر ہو کے آئے ہیں جہاں میں تو یہ وحشت ہو
. . . . . . (کرم خوردہ) . . . . . . کرتے
کوئی فرہاد جیسے بے زبان کو قتل کرتا ہے
یقین ہم واں اگر ہوتے تو اک دو دو سخن کرتے

---

(۷۶) انتخاب کلام منور [۵۲۲]

اوراق ۵۔ سطور ۳۲ فی صفحہ۔
تقطیع ۸ ½" × ۵ ½" خط نستعلیق شکستہ
مصنف منور۔

یہ منور کی غزلیات کے انتخاب کا ناقص الاول اور کرم خوردہ نسخہ ہے۔ غزلوں کا حصہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے (جن میں سے پہلا مقطع ہے اور دوسرا نئی غزل کا مطلع) ؎
منور سب یہ کہنے کی ہیں باتیں کہیں پھر بات آتا ہے گیا دل
کہہ تو اوس شوخ کا دیدار کہاں ہے کہ نہیں
دیکھ منصف ہو طلبگار کہاں ہے کہ نہیں

اختتام غزلیات اس شعر پر ہوتا ہے ؎
کب صبا لادے اسیری سے چھڑانے کی خبر
نئی تمہیں شاید ہمارے آشیانے کی خبر

آخر میں جو مسدس شامل ہے اس کے ابتدائی اور آخری بند یہ ہیں :۔

ابتدائی بند :-

پیری کی کچھ طلب نہ مریدی کی آرزو
کچھ شغل کی تلاش نہ صیفی کی جستجو
آزادیتی ربط نہ فاضل سے گفتگو
(پروا) ہے کیا کسو کی مجھے بس ہے ایک کو
یا مرتضیٰ علی ولی صاحب کرم
قربان چشم مست تو دیوانہ و ایدم

آخری بند :-

تقدیر سے غرض ہے نہ تدبیر سے حصول
شادی سے شادماں نہ کدورت سے ہوں ملول
یہ ہو میری آنکھوں میں رشت نجف کی دھول
یہ عرض ہو شتاب منور کی اب قبول
یا مرتضیٰ علی ولی صاحب کرم
قربان چشم مست تو دیوانہ وم بدم

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ البتہ تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔

منور کوئی مشہور شاعر نہیں ہیں۔ قاسم نے اپنے تذکرہ میں ایک شاعر میر منور علی منور کا ذکر کیا ہے کہ "وہ ذہین آدمی ہیں" دیکھو یادگار شعرا ص ۱۹۸

---

(۷۷) دیوان درد [۵۲۳]

اوراق ۱۲۔ سطور ۱۵۔ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½" × ۸¾"۔ خط نستعلیق۔
مصنف خواجہ میر درد دہلوی۔ تصنیف
قبل ۱۱۹۹ھ۔

یہ خواجہ میر درد (۱۱۳۸ھ - ۱۱۹۹ھ) کے دیوان کا ناقص الاوّل والآخر نسخہ ہے جو بری طرح سے کرم خوردہ اور ناقص ہوگیا ہے۔ غالباً غلام حسین بیدری ہی نے اس کو ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا تھا۔ پہلے ورق پر تفضل حسین ۱۲۸۱ھ کی مہر ثبت ہے۔ درد کے متعلق تفصیلی معلومات شایع ہوچکی ہیں۔

آغاز :-

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں۔
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا
سو بار دیکھیاں ہیں تری بے وفائیاں
تس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

اختتام :-

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن ۔۔۔ جو شجر ہے سو شکل ماتم ہے
درد الفت کا کچھ نہ پوچھو تم ۔۔۔ وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

(۷۸) کلیات سودا [۱۱۶]

اوراق ۱۳۴ ۔ سطور ۱۵ فی صفحہ ۔
تقطیع ۵½ × ۹ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ ۔
مصنف مرزا محمد رفیع سودا ۔ تصنیف
قبل ۱۱۹۵ھ ۔ کاتب ہیم راج سکینہ ۔
سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ ۔

یہ مرزا سودا کے کلام کا ایک نفیس اور ایک حد تک مکمل نسخہ ہے ۔ ادارے کے کتب خانے میں اس کے اور بھی نسخے موجود ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبر ۷۳) ۔

زیر نظر نسخے میں ابتدائی ۷۰ اوراق غزلیات پر مشتمل ہیں جن میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں ۔ اس کے بعد رباعیاں شروع کی گئی ہیں جن کی تعداد بچیس ہے ۔ ایک صفحہ فردیات کے لئے وقف ہے ۔ ورق ۷۵ سے مخمسات و مسدسات شروع ہوتے ہیں جن کا سلسلہ ورق ۹۵ پر ختم ہوتا ہے ۔

ورق ۹۵ کے وسط سے مثنویاں شروع ہوتی ہیں جو ورق ۱۱۱ پر ختم ہوتی ہیں ۔ یہ تقریباً پانچ سو ابیات پر مشتمل ہیں ۔ ورق ۱۱۲ سے قصیدے لکھے گئے ہیں جن کی تعداد آٹھ ہے اور جو ورق ۱۳۲ پر ختم ہوتے ہیں ۔
آخر میں پھر پانچ صفحات کا ایک مخمس لکھ کر کلیات کو ختم کیا گیا ہے ۔

آغاز :-

مقدور نہیں اوسکی تجلی کے بیاں کا   جوں شمع سراپا ہو اگر وصف زباں کا
پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے   کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اختتام :-

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ جو اس غم سے تو کباب نہیں
کسو کی چشم نہ ہو گی کہ وہ پر آب نہیں
سوائے اشک تیری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

ترقیمہ :-

" تمام شد مخمس مرزا محمد رفیع سودا
۲۹ شوال المکرم ۱۲۱۳ھ روز شنبہ
بخط اضعف العباد ہیم راج متصدی بشیہ
قوم کالیتھ سکینہ
قیمت کتاب دہ روپیہ گرفتہ شد "

کلیات سودا کا یہ نسخہ خوبی کتابت کے علاوہ تاریخی قدامت کے لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے کیونکہ سودا کی وفات سے صرف سولہ، سترہ سال بعد ہی لکھا گیا ہے ۔

(۹۰) کلیات سودا [۱۴۸]

اوراق ۱۸۴ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ ۔

تقطیع ۵/۴ ۸ × ۲/۱ ۴ ۔ خط نستعلیق جلی۔

مصنف مرزا محمد رفیع سودا۔ تصنیف

۱۱۹۵ھ ۔ کاتب لالہ ودلہ رائے جیو دکھن

سنہ کتابت ۱۱۹۵ھ ۔

کلیات سودا کا یہ نسخہ تاریخ کتابت کے لحاظ سے نسخہ نمبر ۸۷ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ یہ سودا کی وفات کے ایک سال کے اندر ہی مرتب ہوا ہے۔

اس کلیات کے آغاز میں اصلح الدین کا لکھا ہوا فارسی نثر میں دیباچہ ہے جو سودا کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیات سودا کی زندگی ہی میں مرتب کیا گیا ہے۔

دیباچہ کے بعد (۱۹) قصیدے نقل کئے گئے ہیں ان کے بعد مثنویاں اور مرثیے ہیں۔ یہ حصہ ورق ۹۳ پر ختم ہو جاتا ہے جس کے آخر میں ترقیمہ ہے جو بعد کو نقل کیا جائے گا۔ غزلوں کا حصہ ورق ۹۴ سے شروع اور ۱۵۹ پر ختم ہوتا ہے اور پھر رباعیاں شروع ہوتی ہیں جن کے بعد ورق ۱۶۰ ب سے مخمسات لکھی گئی ہیں۔

حصۂ غزلیات و مخمسات کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے :۔

آغاز :۔

مقدور نہیں اوس کی تجلی کے بیاں کا
جیوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کوں تعین کے در دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اختتام :۔

سنا جاتا ہے فن شعر میں ایسا ہی ہے قابل
سبق اوس سے پڑہیں اس وقت اگر ہوویں میرزا بیدل
اگر وہ درس دیوے ہم سے نادانوں کو کیا حاصل
سمجھنا مطلع ابرو کا اوس کے سخت ہے مشکل
بدقت میتواں فہمید معنی ہائے ناز او
کہ شرح حکمت العین است مژگان دراز او

ترقیمہ :۔

" بتاریخ ہشتم جمادی الثانی بروز جمعہ ۱۱۹۵ھ تحریر یافت "

اس ترقیمے کے برابر حاشیہ پر قطعۂ تاریخ وفات سودا لکھا گیا ہے جس کا پہلا مصرعہ جلد ساز کی بے احتیاطی سے کٹ کر تلف ہوگیا ہے۔ بقیہ تین مصرعے یہ ہیں :۔

چوتھی رجب کوں جان سیں گذرے
سب کہ یکتا اٹھا ہوی تاریخ
آہ سودا جہان سیں گذرے

اس آخری مصرعے سے ۱۱۸۶ھ یا ۱۱۸۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔

دیباچہ کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے :۔

آغاز :۔

" رفیع ترین کلامے کہ رفعت بخش دیباچۂ سخن تواند "

اختتام :۔

" صبح اوراق این دیوان کہ گلدستہ معانی است

ازظلمت شام سامت سرف گیراں محفوظ باد"

ترقیمہ :-

"بروز چہار شنبہ و بتاریخ بیست و ہفتم
جمادی الثانی ۱۱۹۵ ہجری تحریر یافت
جمع این اوراق از باد پریشانی مصؤن
ہست تا بر لوح امکاں نقش ہستی آشکار

حصہ قصائد و مثنویات و مراثی کا آغاز و ترقیمہ

یہ ہے۔

آغاز :-

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر دگر نہ ننگ عریانی

اختتام :-

بخون ناحق شاہ شہید تیغ ستم
الٰہی غم نہ ہو سودا کو چھٹ حسین کا غم
ہو اس کا جیتے جی مونس حسین کا ماتم
جو بعد مرگ ہو مدفن تو کربلائے حسین

ترقیمہ :-

"دیوان سودا بخط لالہ دولہ رائے جیو و لکھمن لعل
بروز دوشنبہ بتاریخ بیست و پنجم جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ
صورت تحریر پذیرفت تمت تمام شد"

اس کی پشت پر ایک چھوٹی سی بیضوی مہر ثبت
ہے جس پر مرزا اسد علی ۱۲۲۰ھ درج ہے۔

یہ کلیات سودا نواب غایت جنگ بہادر کا عطیہ
ہے اور اس کے آخری ورق پر ان کی مستطیل خوشنما مہر
"غایت جنگ ۱۳۴۴ھ" ثبت ہے۔

---

(۸۰)

منتخب دیوان سودا [۱۳۶ ب]

اوراق ۵۔ سطور ۱۴ فی صفحہ۔

تقطیع ۶½" × ۹"۔ خط نستعلیق۔ عنوان
اور تخلص سرخی میں۔ مصنف مرزا محمد رفیع سودا
تصنیف قبل ۱۱۹۴ھ۔

یہ نسخہ اوائل تیرھویں صدی ہجری کی کتابت ہے
معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ چندو لال شاداں کی فرمایش پر
یا اُن کے زمانے میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں سودا کی
مختلف غزلوں کے تتّوسے زیادہ منتخب اشعار جمع کئے گئے
ہیں

آغاز :-

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا
آنے سے فوج خط کے نہ ہو دل کو مخلصی
بندھا یہ زلف کا ہے چھٹا یا نہ جائے گا۔

اختتام :-

نطق کہتا ہے مرا آج یہ ہر ناطق سے
آن کر ہو منھ ابھی طوطی کے مل جاؤں گا
کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب
ان کی خدمت میں لئے یہ میں غزل جاؤں گا

(زمانہ کتابت وغیرہ کے لئے دیکھو نسخہ نمبر ۸۱)

---

(۸۱) [۱۳۶ (ا)]

منتخب دیوان نصیر

اوراق ۲۲ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹ - خط نستعلیق - عنوان
اور تخلص سرخی میں ۔ مصنف شاہ نصیرالدین
نصیر دہلوی ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ

شاہ نصیر دہلی کے آخری مشاہیر شعرا میں سے تھے ۔ ابوظفر بہادر شاہ اور ذوق کے استاد تھے ۔ آخر زمانے میں لکھنو اور حیدرآباد کے کئی سفر کئے اور آخر کار حیدرآباد ہی میں ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی ۔ ان کی قبر واقع درگاہ سید موسیٰ شاہ قادری پر ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے سنگ مرمر کا کتبہ لگادیا گیا ہے ۔

شاہ نصیر نہایت پُرگو اور مشاق شاعر تھے ۔ انہوں نے سنگلاخ زمینوں میں غزلیں اور قصیدے لکھے تھے ۔ مہاراجہ چندو لال نے حیدرآباد میں ان کی ایسی قدر و منزلت کی کہ آخر وہ یہیں کے ہو رہے ۔ ان کا یہ منتخب دیوان بھی غالباً مہاراجہ ہی کے حکم سے یا انہی کے کسی درباری نے نقل کرایا ہے کیونکہ کتاب کے آغاز میں مختلف شعرا کے اشعار کے ساتھ مہاراجہ کا ایک مطلع بھی کاتب نے نقل کیا ہے جو یہ ہے :-

مطلع مہاراجہ بہادر

شب نگشتی روز گر جلوہ نکردے بوتراب
کے شدی روشن ز مشرق تا بمغرب آفتاب

اس نسخے میں شاہ نصیر کی غزلوں کے تقریباً آٹھ سو اشعار منتخب کئے گئے ہیں ۔

آغاز :-

دیکھنے جب اپنی صورت وہ پری پیکر لگا
بن گیا آئینہ جو گی منہ کو خاکستر لگا

چشم نقش پا سے نہ پامال حسرت دیکھئے
گوشۂ داماں کو اپنی اور ہی ٹھوکر لگا

اختتام :-

نہ کیونکہ شب رہا ہالہ نشیں ہو حلقہ بگوش
بلا یہ کان کے بالے تمہارے جلتے ہیں

غزل ایک اور بھی کہہ اس زمین کی کہ نصیر
زباں سے شعر ترے خوب تر نکلتے ہیں

---

(۸۲) [۱۳۶ (د)]

منتخب دیوان صاحب قران

اوراق ۴ - سطور ۱۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵½ × ۹ - خط نستعلیق عنوان
اور تخلص سرخی میں ۔ مصنف صاحب قران۔

یہ بھی نصیر اور سودا کے منتخب دواوین کے سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے ۔ اس میں صاحب قران (امام علی رضوی بلگرامی) کے تقریباً بچاشی اشعار منتخب کئے گئے جو ہزل میں کہے گئے ہیں ۔

ابتدائی دو صفحات کے حاشیوں پر جعفر زٹلی کی ہجو یہ غزل اور رقعہ بھی درج ہے ۔ صاحب قران عہد سودا و مصحفی کا ایک ہزل گو تھا جس کا ذکر قائم اور قدرت نے اپنے تذکروں میں کیا ہے۔

آغاز :-

یہ حسن خداداد ہے یا نور کا جھمکا
عالم سے جمال اس کا نظر آتا ہے چمکا

کیوں داغ محبت سے جلاتا ہے جگر کو
گر مثل شرر تجھ کو بھروسا نہیں دم کا

اختتام:۔

......کرا گر تو کر جائے گی — تو ایسا جڑوں گا کہ مرجائے گی

اگر تجھ کو مرنا ہے آ میرے پاس — ....ہی مرجائے گی

---

(۸۳) دیوان یقین [۱۳۶ (ز)]

اوراق ۴۲۔ سطور ۱۴ فی صفحہ

تقطیع ۵½ x ۴"۔ خط نستعلیق عنوان اور

تخلص سرخی میں۔ مصنف انعام اللہ خاں

یقین تصنیف قبل ۱۱۶۱ھ۔

یقین کے دو دیوانوں کا ذکر نسخہ جات نمبر ۱، ۵۷

میں گزر چکا ہے۔ یہ ادارے کا تیسرا قلمی نسخہ ہے۔ اور مہاراجہ

چندولال کی فرمائش پر یا انہی کی زندگی میں نقل کرایا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی شاہ نصیر، سودا، صاحب قراں اور لچھمی نارائن

شفیق کے بھی منتخبات ایک ہی جلد میں شامل ہیں اور ایک ہی

کاغذ پر ایک ہی کاتب نے نقل کئے ہیں۔ (تفصیل کے لئے

دیکھو تذکرہ نسخہ ۸۱)

اس نسخے میں یقین کے تقریباً چھ سو پچاس اشعار درج ہیں۔

آغاز:۔

کون کرسکتا ہے اس خلاق اکبر کی ثنا

نارسا ہے شان میں جس کی پیمبر کی ثنا

سربرا اس موبہ سے ہوسکتی ہے کب نعت رسولؐ

یا ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کی ثنا

اختتام:۔

ہمیں مارسیہ یہ زلف کے کاٹے سے کیا ہوگا

کہ ہم اک عمر سے مارے ہیں جالے کے افیوں کے

نہیں ہے باغ سے کچھ کام جز شمشاد سرواں کو

دیوانے ہیں یقیں ہم قمریوں کی طبع موزوں کے

ترقیمہ:۔

"تمام شد کار من نظام شد بحرمت النون والصاد"

اس کے نیچے نواب عنایت جنگ بہادر کی بیضوی مہر "مصدر

الطاف و عنایت حسین" اور دستخط عنایت جنگ ثبت ہیں۔

اس جلد کے جملہ نسخے انہی کے عطیہ ہیں۔

---

(۸۴) قصیدہ صاحب درجواب سودا [۱۳۶ (ہ)]

اوراق ۵۔ سطور ۱۴ فی صفحہ

تقطیع ۵½ x ۹"۔ خط نستعلیق عنوان اور

تخلص سرخی میں۔ مصنف رائے لچھمی نارائن

شفیق و صاحب۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۱۵

لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی اردو کے ایک مشہور

شاعر اور صاحب تذکرہ ہیں۔ ان کا تذکرہ چمنستان شعرا

چھپ چکا ہے اور ان کے حالات مرقع سخن جلد اول میں درج ہیں۔

ان کا اردو دیوان ابھی شائع نہیں ہوا۔

زیر نظر قصیدے میں ۴۲ اشعار ہیں اور یہ مرزا سودا

کے قصیدے کے جواب میں اسی زمین میں لکھا گیا ہے۔ اس کا

موضوع نعت رسولؐ عربی ہے اور اس کے مطالعے سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ ایک ہندو شاعر بھی نعت میں کتنے کامیاب شعر

لکھ سکتا ہے۔ شاعر کا تخلص اس شعر میں درج ہے۔

صاحب اب تیرے تئیں اتنی کہاں ہے قدرت

نعت میں ذات مبارک کی کہے حرف تنک

آغاز:۔

شام کے وقت میں کل گرد سے دامن کو جھٹک
من میں گھر کے ٹہلتا تھا تفکر میں سڑک
گاہ ایوان سے کرتا تھا خیابان کی سیر
گہ خیابان سے آتا تھا میں ایوان تلک

اختتام:۔

نامہ ہو وے بخیر اب مرا اے ختم رسل
صدقے اس شخص کے جس کو تو کہا ہے لولاک
مجھ کو کب مونہہ جو درود اب میں زباں پہ لاؤں
بھیجتا تجھ پہ ہے صلوات خدا اور ملک

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ اس کے بعد ہی ہفت بند کاشی درج ہے جس کا ذکر فارسی مخطوطات میں کیا جائے گا۔ ہفت بند کے بعد صاحب کی اردو غزلیں درج ہیں۔

(۸۵) دیوان انشا [۲۱۵]

اوراق ۹۶ ۔ سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ½۵" × ۹"۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔ عنوان
اور تخلص سرخی میں۔ مصنف میر انشاء اللہ خاں
انشا۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۳۳ھ
کاتب۔ میر احمد علی عصر۔ کتابت ۱۲۶۸ھ

میر انشاء اللہ خاں انشاؔ ولد میر ماشاء اللہ خاں دہلی کے مشہور شعرا میں سے تھے جنہوں نے لکھنؤ میں عروج حاصل کیا۔ وہ نہایت پرگو، بذلہ سنج اور مشاق شاعر تھے۔ ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اور فارسی و اردو نثر میں بھی کتابیں لکھیں۔ ان کا کلیات اردو، دریائے لطافت اور رانی کیتکی کی کہانی شائع ہو چکی ہے۔ ان کے حالات بھی مختلف تذکروں میں چھپ چکے ہیں۔

انشاؔ کا یہ دیوانِ غزلیات اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے کاتب دکن کے ایک بڑے اردو شاعر میر احمد علی عصر ہیں جو حضرت فیض کے شاگرد رشید اور نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے استاد تھے۔ ان کا دیوانِ رباعیات خود انہی کا لکھا ہوا ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

انشاؔ کے اس دیوان میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں۔ اور چونکہ ایک بڑے شاعر نے اس کو نقل کیا ہے اس لئے بہت صحیح اور قابل اعتماد نسخہ ہے۔

آغاز:۔

یہ دیوان ہے میر انشاؔ کا عصر
صنما برب کریم یہاں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بربکم تو ابھی کہے تو کہے بلا!
ہوس جمال حبیب ہو تجھے کچھ دلا تو حکیم وش
نہ او لن ترانی ادھر کی سن ارنی کہیں سے نہ دل جلا

اختتام:۔

وہ مار فلک کاہکشاں نام ہے جس کا
کیا دخل کرے کھا کے جو بل فوں مرے آگے
میں شاہ خراساں کے غلاموں میں ہوں انشاؔ
مصروف رہے موسیٰ و ہاروں مرے آگے

ترقیمہ:۔

"تمت۔ تمام شد بتاریخ ہجدہم ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ بروز شنبہ بوقت مغرب در مکان میر تہور علی نبیرۂ میر فضل علی خاں"

از دستِ میر احمد علی المتخلص عصر با ستصواب ادستادنا ومولانا سرآمد شعرائے ہند و دکن جامع ہر کمال و ہر فن سلطان الشعراء جناب حضرت مولوی حافظ میر محمد شمس الدین صاحب قبلہ المتخلص بہ فیض ادام اللہ فیوضہ از دیوان مرزا احمد علی بیگ تخلص زقند بطریق مشق برائے شوق خود ارقام نمودہ شد۔ تمت بالخیر۔

ترقیمے کے نیچے خود میر عصر نے اپنی ایک ناتمام غزل لکھی ہے جو غالباً اسی روز لکھی گئی ہے جس روز کہ اس دیوان کی نقل تکمیل کو پہنچی۔ کیونکہ اس میں درمیان میں مزید اشعار کے لئے جگہ چھوڑی گئی ہے۔ اس کا مطلع مقطع یہ ہے

کدورت رکھو کے دل میں ہے عبث فکر پریشاں میں
عدو کو عزم ہو گر ہمسری کا آئے میداں میں
کمالات جناب فیض روشن ہیں قیامت تک !
چھپائے سے چھپا بھی ہے چراغ مہر داماں میں !
پڑھا استاد سے جو عصر کیا بات اوس سبق کی
نہیں ہے آبرو اس کو کبھی بزم سخنداں میں

اس نسخے کے آخری ورق پر حافظ ظہور علی کی وفات کا قطعۂ تاریخ فیض درج ہے جس کا آخری شعر یہ ہے۔

فیض تاریخ ارتحالش گفت بے بدل فاضل مدرس بود

یہ نسخہ مولوی سید محمد صاحب ایم اے۔ لکچرار اردو سٹی کالج کا عطیہ ہے۔

(۸۶) کلیات انشا [۵۲۴]

اوراق ۱۹۰ ۔ ۱۴ سطور فی صفحہ
تقطیع ۵ ۱/۲ × ۸ ۱/۲ ۔ خط شکستہ
مصنفہ میر انشاء اللہ خاں تصنیف قبل ۱۲۳۳ھ

یہ کلیات انشاء کا ایک ناقص الاول اور کرم خوردہ نسخہ ہے۔ جس میں انشا کی غزلیں، مثنویات، رباعیات قطعات تاریخی، ہجویات، ہزلیات اور مخمسات وغیرہ درج ہیں۔ یہ نسخہ نہایت قدیم ہے اور بطور بیاض کے لکھا گیا ہے۔

آغاز:۔

اے ہم نشیں یہ موسم ہولی ہے اندنوں
منظور ہے جو سیر تو اس خوش ادا کو چھیڑ
لیکن کچھ اور سانگ : لا سر پر اپنے ایک
نیلا تھا باندھ کے اون کی دوا کو چھیڑ

اختتام:۔

قتل پر ان کے کی جو بے صبری بن گیا صفحہ کاغذ ابری
جی قلم کا بھی اب تو متلایا پیٹ میں تھا سو سب نکل آیا

(۸۷) دیوان میر [۴۴]

اوراق ۱۷۵ ۔ سطور ۱۷ فی صفحہ
تقطیع ۵ ۱/۲ × ۹ ۔ خط نستعلیق۔ عنوان حاشیہ اور تخلص سرخی میں۔ مصنف میر تقی میر
تصنیف قبل ۱۱۹۲ھ ۔ کاتب میر محمد علی
رادھا کشن۔ سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ
بمقام شاہ جہاں آباد۔

یہ میر تقی میر کا پہلا دیوان ہے جو خود ان کی زندگی میں خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے۔ کاغذ اور کتابت نہایت اعلیٰ ہے۔ حاشیہ پر سرخ اور نیلی جدولیں ہیں۔ صرف اٹھارہ دن میں (یعنی ۱۱ تا ۲۹ شوال) میں اس کی کتابت مکمل کی گئی ہے۔

یہ کتاب شیخ محمد شکراللہ کی فرمائش پر نقل کی گئی ہے اور اس
زمانے میں ایسے ہی کاغذ پر اور اسی اہتمام کے ساتھ محمد شکراللہ
نے میر کا فارسی دیوان نالہ دولت رائے سے نقل کرایا تھا
جو اسی جلد میں محفوظ ہے۔ اس کا ذکر فارسی مخطوطات کی
فہرست میں درج رہے گا۔ میر کا فارسی دیوان بالکل نادر ہے۔

یہ اُردو دیوان میر بھی تاریخ کتابت کے لحاظ سے
نہایت اہم ہے۔ اس میں ابتدائی ۵۵ اوراق غزلوں کے
لیے وقف ہیں جن میں تقریباً اٹھارہ سو شعر ہیں۔ اس حصے کو
میر محمد علی نے لکھا ہے۔

آغاز:-

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لئے کائنات کا
بکھرے ہے زلف اس رخ عالم فروز پر
ورنہ بناؤ ہووے نہ دن اور رات کا

اختتام:-

آسماں شاید ورے کچھ آ گیا — رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی
کاشکے برقع رہے اس رخ پہ میر — منہ کھلے اس کے چھپا جاتا ہے جی

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد بتاریخ دوئم روز یکشنبہ شہر
ذیعقدہ ۱۱۹۲ھ نبوی بحسب فرمائش شیخ محمد شاکر
جیو سلمہ ربہ بدست میر محمد علی تحریر پذیرفت
سنہ ۲۰ شاہ عالم بادشاہ"

ورق ۵۱ سے رباعیات شروع کی گئی ہیں جو ۴۳ ہیں۔
ورق ۵۸ ب سے مخمسات کا آغاز ہوا ہے جو ورق ۶۲ پر ختم
ہوئی ہیں۔ ان کے بعد بھی میر محمد علی کا حسب ذیل ترقیمہ ہے۔

"تمت تمام شد دیوان میر تقی بتاریخ چہارم
شہر ذیعقدہ روز سہ شنبہ بحسب فرمائش میاں
محمد شکراللہ بدست میر محمد علی رضوی موافق
۱۱۹۲ھ ہجری تحریر یافت سنہ ۲۰ شاہ عالم
بادشاہ غازی"

ورق ۶۳ سے منفردات، تضمین، مثلث، ترکیب بند، مسدس،
واسوز، واسوخت اور مخمس لکھے گئے ہیں جن کا سلسلہ
ورق ۹۳ ب پر ختم ہوتا ہے۔ ورق ۹۴ سے مثنوی اژدر نامہ
شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد حسب ذیل مثنویاں ہیں۔

تنبیہ الجہال (۹۵ ب)۔ زبان زد عالم ہجو بے ادبی
(۹۷ ب) ہجو آئینہ دار (۱۰۱)۔ سگ نامہ (۱۰۲ ب)۔ ہجو خانہ خود
(۱۰۳ ب)۔ سگ و گربہ (۱۰۵)۔ مادہ سگ (۱۰۶)۔ جوش باراں
(۱۰۶ ب)۔ ہجو اکول (۱۰۸)۔ دم الفضول (۱۰۹ ب)۔ مرثیہ مرغ
(۱۱۳)۔

ورق ۱۱۳ ب سے قطعات کا آغاز ہوا ہے جو یہ ہیں:-

تعریف اسپ (۱۱۳ ب)۔ ہجو خواجہ سرا (۱۱۴)۔
مبارک باد صحت (۱۱۴ ب)۔

ورق ۱۱۵ سے پھر مثنویات شروع ہوتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

تعریف آغا رشید (۱۱۵)۔ مبارک باد کدخدائی بشن سنگھ
(۱۱۵)۔ ساقی نامہ (۱۱۷ ب)۔ جوش عشق (۱۲۱)۔ دریائے عشق
(۱۲۶)۔ اعجاز عشق (۱۳۵)۔ خواب و خیال (۱۴۴)۔
شعلۂ شوق (۱۴۸ ب)۔ ہجو نامہ (۱۵۶)۔ تعریف بچہ کپی
(۱۵۹ ب)۔ تعریف گربہ موہنی (۱۶۰ ب)۔

یہ مثنویاں ورق ۱۶۳ پر ختم ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ہی
قصائد شروع ہوتے ہیں جن کی تعداد (۷) ہے۔

ورق ۶۳ سے ۱۷۵ تک کا حصہ یعنی غزلوں اور رباعیوں
کے بعد کا حصہ ایک دوسرے خطاط رادھا کشن نے قلمبند کیا ہے۔

اس حصے کا آغاز و اختتام و ترقیمہ یہ ہے۔

آغاز :۔

مصرع زلف کا نہ نکلا پیچ شاعروں نے بھی فکر کر دیکھی

کوچۂ یار سے نجاویں گے کیسے ہی ہوں گے ہم گئے گزرے

اختتام :۔

اگر یہ عذر ہو مقبول تو تو خیر ارنہ حریف ہونے کا میرے نتیجہ خفت ہے

کہاں تلک میں کروں اس نفاق کا شکوہ خموشی اب تو بڑا دلی کہ اس میں راحت ہے

ترقیمہ :۔

" تمت تمام شد دیوان میرتقی بتاریخ بیست نہم

شہر شوال روز پنجشنبہ ۲۲ سنہ جلوس شاہ عالم

مطابق ۱۱۹۲ھ بحسب فرمائش میاں

محمد شکر اللہ متمقام دار الخلافہ شاہجہان آباد

بخط احقر العباد بندہ رادھاکشن کائستھ تحریر یافت"

آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور بیضوی مہر

"مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا

عطیہ ہے۔

---

(۸۸) کلیات ایمان [۱۸۱]

اوراق ۱۵۶۔ سطور ۱۵۔ فی صفحہ

تقطیع ½۵" × ¼۸"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔

عنوانات سرخی میں۔ مصنف شیر محمد خاں ایمانؔ

تصنیف قبل ۱۲۲۳ھ۔ کتابت ۱۲۴۹ھ۔

شیر محمد خاں ایمانؔ عہد آصف جاہ ثانی کے ملک الشعراء

اور شاہ تجلی کے شاگرد تھے۔ ان کے حالات ادارے کی مطبوعات

مرقع سخن جلد اوّل اور ایمان سخن میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے کلام کے بہت کم نسخے موجود ہیں۔ ادارہ کا زیر نسخہ

نہایت پاکیزہ اور مکمل ہے۔ ایمانؔ پہلے حیدر آبادی شاعر

ہیں جنہوں نے شمالی ہند کی زبان میں اپنا شاعرانہ کمال منوایا۔

اس نسخے میں پہلے غزلیات ہیں جو ورق ۹۵ ب پر

ختم ہوئی ہیں۔ ان میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں۔ آغاز و

اختتام یہ ہے :۔

آغاز :۔

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دم بدم تیرا

کہ بخشا جان و ایماں بے نہایت ہے کرم تیرا

کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدا

بعد آداب پھر اوصاف لکھے ہے قلم تیرا

اختتام :۔

شور و فغان و گریہ و اندوہ و درد و غم

آخر ہمارے ساتھ یہ سب مشغلے چلے

ایمان اس جہاں سے بجز بار معصیت

افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

ورق ۹۵ ب کے آخر میں ایک قطعہ درج ہے اور ۹۶ سے رباعیاں

شروع کی گئی ہیں جو نشتر کی تعداد میں ہیں۔ ورق ۱۰۳ سے

مثلث، مخمس اور مسدس لکھے گئے ہیں جن کا اختتام

ورق ۱۱۴ پر ہوتا ہے۔ اسی صفحے سے مثنویوں کا آغاز ہوتا ہے

جن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) قصہ فرہاد و شیریں و لیلیٰ مجنوں (۲) مثنوی برق تاب

۱۲۶ ب۔ (۳) بے تاب نامہ ۱۳۰۔ (۴) اشتیاق نامہ ۱۳۱

(۵) فراق نامہ ۱۳۲ ب۔

ان پانچ مثنویوں میں تقریباً چھے سو ابیات ہیں۔ ان کے بعد

قصائد شروع ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) نعت ۱۳۳ ب ۔ (۲) منقبت امیر المومنین علی ۔ ۱۳۴ ب ۔ (۳) مدح نظام علی خاں ۱۳۶ ۔ (۴) سالگرۂ ارسطو جاہ ۱۴۰ ۔ (۵) جشن سالگرہ نظام علی خاں ۱۴۱ ۔ (۶) قصیدۂ تہنیت ۱۴۴ ب (۷) مدح سردار الدولہ ۱۴۴ ب (۸) شادی جہاں پرور ۱۴۷ ۔ (۹) سالگرہ ارسطو جاہ ۱۴۹ ۔ (۱۰) سالگرۂ ارسطو جاہ ۱۵۶

ان دس قصائد میں تقریباً پانسو اشعار ہیں ۔ قصائد کے بعد پھر مثنویاں شروع کی گئی ہیں جن میں سے چار تو نامہ جات منظوم ہیں اور آخری کا عنوان ہے "دتہنیہ عامہ"۔ مثنویوں کے بعد یک منقبت ہے جو مخمس کی شکل میں ہے ۔ اختتام اس بند پر ہوتا ہے ۔

تجھ آستاں پر مہر و مہ دن رات گھستے ہیں جبیں
ایمان صدق جان سے ہے گا غلام کمترین
تیرے سوا اس کا کوئی کونین میں حامی نہیں
ہر ایک دم صبح و مسا یہ درد ہے یا شاہ دیں!
صاحب روا مولا علی مشکل کشا مولا علی

ترقیمہ :-

"بتاریخ پانزدہم شہر صفر المظفر ۱۲۱۹ ہجریہ
مقدسہ تمت الکتاب یعنی این دیوان خیر مجموعہ
ایمان ۔ کاتب الحروف محمد ہاشم (یا قائم)
ایمان دے اوس کو خدا
دیدار کو اپنے دکھا"

اس کے برابر نواب عنایت جنگ بہادر کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہے ۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے ۔

(۸۹) حاشیہ من درپن [۱۱۰]

اوراق ۱۰ سطور ۱۲ فی صفحہ
تقطیع ½۴ × ۷ ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان
حاشیہ، معنی و تشریح سرخی میں ۔ مصنف
محمد باقر آگاہ ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۹ھ

یہ نسخہ نمبر ۱۰۶ کا دوسرا مخطوطہ ہے جو زیادہ مکمل ہے ۔ اس میں سطروں کے درمیان سرخ روشنائی میں مشکل الفاظ کے معنی اور حاشیہ پر مطالب درج ہیں ۔ تعداد ابیات تقریباً سوا دو سو ۔

آغاز :-

پس از حمد خدا و نعت مختار — سن اس مضمون کو گوش دل سوں اے یار
کہ من درپن میں بولا ہیں باعجاز — بائیں ہیں قرآں کا اعجاز

اختتام :-

خدا سے نت ہو تسلیمات و صلوات
نبی کے روضۂ انور پہ دن رات
اور اوس کے آل و صحب و تابعین پر
خصوصاً محی دین محبوب داور

یہ نسخہ مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب کا عطیہ ہے جو انہوں نے ۲۲ ۔ ۹ ۔ ۴۷ ء کو ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا ۔

(۹۰) مراثی آگاہ [۱۳۴]

اوراق ۶۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔
تقطیع ۱/۲ ۸ × ۵ ۔ خط نستعلیق ۔ عنوانات
سرخی میں ۔ مصنف محمد باقر آگاہ ۔
سنہ تصنیف ۱۲۰۷ھ ۔ سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ

یہ نسخہ در اصل ریاض الجنان (دیکھو مخطوطہ جات نمبر ۶۲ و ۶۳) کا ضمیمہ ہے ۔ اور غالباً نسخہ نمبر ۶۳ کے ساتھ شامل تھا اور جلدبندی کے وقت غلطی سے علحدہ کر دیا گیا ہے۔
اس میں تین سلام اور دو طویل مرثیے شامل ہیں ۔

آغاز :۔

السلام اے سبع الا الموت کے امام
السلام اے محفل بتلوہ شاہد کے ہمام
السلام اے مطلع والشمس کے ماہ تمام
السلام اے سید شباب جنت السلام

اختتام :۔

سوز و گداز درد نے پھر شمع داغ کو
سینے کے تابدان میں رکھایا ہے کس لئے
اس جو فش و اس گھٹا میں محرم کا ماہ غم
معلوم کچھ کیا تو کہ آیا ہے کس لئے

ترقیمہ :۔

دیکھو نسخہ ریاض الجنان نمبر ۶۳۔

(۹۱) پنچھی باچا [۴۰۱]

اوراق ۱۴۲ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ ۔
تقطیع ۱/۲ ۵ × ۸ ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان
سرخی میں ۔ مصنف وجدی ۔ سنہ تصنیف
۱۱۴۶ھ

اس کتاب کے تین اور نسخے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں (دیکھو نمبر ۳۳ تا ۳۵) یہ نسخہ مکمل اور محفوظ حالت میں ہے ۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اوائل تیرھویں یا اواخر بارھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے ۔ اس کی آخری بیت میں کتاب کی تاریخ جس مصرع سے نکالی گئی ہے اس میں صرف خاصہ کتاب سے ۱۱۱۹ھ سنہ تصنیف قرار دیا گیا اور لکھا گیا ہے ۔ اس سے قبل کے نسخوں میں کیا خاصہ کتاب سے ۱۱۴۶ھ تاریخ درج کی گئی ہے ۔ اس نسخے میں تین ہزار پانچ سو ابیات ہیں ۔

آغاز :۔

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر — حمد سوں حق کی بلند آواز کر
شوق سوں ایسا او چایا یک چھپا — جی رہے ترلوک کا عالم لوبھا

اختتام :۔

اس لئے یا رب مرا ہوتا ہے کام
شکر ہے جے ہوے پنچھی باچا تمام
جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں کیا **خاصہ کتاب** ۱۱۱۹ھ

ابتدائی اور آخری صفحات پر نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں ۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے ۔

(۹۲) روضۃ الشہدا [۴۰۲]

اوراق ۱۹۰ ۔ سطور ۱۵ فی صفحہ
تقطیع ۵½ × ۸ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز
عنوانات سرخی ہیں ۔ مصنف ولی ویلوری۔
سنہ تصنیف ۱۱۳۷ یا ۱۱۳۰ھ ۔ کاتب
محمد زماں خاں مندوزئی ۔ سنہ کتابت قبل
۱۲۴۶ھ ۔ بمقام لوکاپلی ۔

اس کتاب کے دو اور نسخے ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہیں (دیکھو نمبر ۳۱ و ۳۲) ۔ یہ مخطوطہ ناقص الاول اور کرم خوردہ ہے ۔ موجودہ حالت میں اس میں ۵۵۰۰ ابیات ہیں ۔ اس نسخے کے آخر میں سنہ تصنیف صاف طور پر ۱۱۳۰ درج ہے ملاحظہ ہو اختتامی ابیات ۔

آغاز : ۔

جیسے جتنا محبت ہور ولا ہے سواو اتنا بلا میں مبتلا ہے!
الست بربکم کا جب صدا تھا جواب اوس کا نعیم است کربلا کا

اختتام

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال ایگیا راسو یہ تھا سنہ تیس سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا ! انھا اس باعث امن واماں کا
ولی اب رکھ رقم ہور ختم کر بات نبی ہور آل پر نت بول صلوات

ترقیمہ : ۔

"بتاریخ ہزدہم صفر المظفر در جائے لوکاپلی بخیریت
بتمام رسید ۔ کاتب الحروف محمد زماں خاں مندوزئی۔"

ترقیمے کے نیچے تین خوب صورت مستطیل مہریں ہیں جن میں سے ایک پر محترم جنگ ۱۲۴۶ھ ۔ دوسری پر محترم الدولہ ۱۲۵۷ھ ۔ اور تیسری پر اعتصام الملک ۱۲۷۵ ہجری کندہ ہیں ۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ان کی ملک تھا ۔

بعد کو نواب عنایت جنگ بہادر کی ملک رہا کیونکہ سر ورق پر عنایت جنگ ۱۳۴۴ھ کی مہر ثبت ہے ۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے ۔ اعتصام الملک نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے خاص منظور نظر اور مشہور مدبر اور امیر تھے ۔ فن انشاء اور خوش نویسی میں بھی کمال حاصل کیا تھا ۔ ان کا تفصیلی ذکر گلزار آصفیہ صفحات ۱۸۳ تا ۱۹۰ میں درج ہے ۔ اس نسخے پر جو مہر ہے وہ بھی خوش نویسی کا بہترین نمونہ ہے ۔ لیکن اس کی مندرجہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرزند محترم جنگ احترام الدولہ کو بھی اعتصام الملک کا خطاب ملا تھا ۔ (محترم الدولہ کے حالات کے لئے دیکھو گلزار آصفیہ ۳۲۰)

(۹۳) طوطی نامہ [۱۶۹]

اوراق ۵۲ ۔ سطور ۱۷ فی صفحہ
تقطیع ½۴ × ۶ ۔ خط نستعلیق عنوان اور
معنی سرخی ہیں ۔ مترجم سید حیدر بخش حیدری۔
سنہ ترجمہ ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء کاتب غلام قنبر
بفرمائش وزارت علی خاں ۔ سنہ کتابت
۱۲۶۹ھ ۔ بمقام حیدرآباد در دیوان خانۂ
نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع ۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر سید حیدر بخش حیدری شاہ جہاں آبادی نے فورٹ ولیم کالج میں ۱۲۱۵ھ میں سید محمد قادری کے طوطی نامے کو اردو نثر میں منتقل کیا ۔ یہ کتاب چھپ بھی چکی ہے لیکن یہ نسخہ اس لئے اہم ہے کہ حضرت آصف جاہ رابع کے شاہی دیوان خانے میں خاص اہتمام سے لکھا گیا ہے ۔ مصنف کے حالات "ارباب نثر اردو" میں تفصیل سے درج ہیں ۔

آغاز :۔

" احسان اس خدا کا کہ جس نے دریائے سخن کو
اپنے ابرِ کرم سے گوہرِ معنی بخشا اور زبان انسان
کو واسطے اپنی حمد کے گویا کیا۔"

اختتام :۔

" اس بات کے سنتے ہی وہ تاب نہ لا سکا ایک
تلوار سے خجستہ کا کام تمام کیا۔ واللہ اعلم
بالصواب ۔ جو شخص سچ کہنے والا جانے ۔ اللہ
تعالیٰ اس کی حرمت رکھے ۔"

ترقیمہ :۔

" قصۂ طوطی نامہ بتاریخ بست ونہم شہر
ربیع الاول ۱۲۶۹ ہجری نبوی در دیوان خانۂ
نواب معلی القاب نواب ناصر الدولہ بہادر بہ فرمائش
جناب میر وزارت علی خاں بہادر دام اقبالہٗ
بروز یکشنبہ بوقت دو پہر کرے کم بدست
غلام قمبر اتمام یافت "

یہ نسخہ مولوی میر محمد تقی صاحب رضوی بی اے کا عطیہ ہے ۔

(۹۴) چہار درویش [۱۵۳]

اوراق ۴۸ ۔ سطور ۱۲ فی صفحہ
تقطیع ۴/۳ ۴ × ۱/۲ ۷ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔
مصنف میرامن دہلوی ۔
سنہ تالیف ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء

یہ میرامن کے چہار درویش کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے
میرامن نے بھی حیدری کی طرح جان گلکرسٹ کی فرمایش پر
فورٹ ولیم کالج میں اس قصے کو نثر میں لکھا تھا ۔ یہ کتاب
بھی بارہا چھپ چکی ہے ۔ مصنف کے حالات" ارباب نثر
اُردو" میں درج ہیں ۔ یہ نسخہ اوائل تیرھویں صدی کا مکتوبہ
ہے ۔ اور نواب عنایت بہادر نے ادارے کے کتب خانے
میں بطور عطیہ داخل کیا ہے ۔

آغاز :۔

" سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ جس نے ایک
مٹھی خاک میں کیا کیا صورتیں اور مٹی کی
مورتیں پیدا کیں ۔ "

اختتام :۔

" نعمتیں دیکھ کر روح بھر گئی جب ایک
ایک نوالا ہر ایک سے لیا پیٹ بھی بھر گیا
تب ہات کھانے سے کھینچا ۔ وہ شخص جو ز ہوا"

---

(۹۵) چہار درویش [۴۰۳]

اوراق ۱۲۲ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ
تقطیع ۶" × ۹ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز
عنوان سرخی میں ۔ مصنف میرامن دہلوی۔
سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ م ۱۸۰۱ء ۔

یہ بھی کتاب نمبر ۹۴ کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے۔
لیکن زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بھی نواب عنایت جنگ
بہادر کا عطیہ ہے۔

آغاز :۔

" سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ جس نے ایک مٹھی خاک
سے کیا صورتیں اور مٹی کی مورتیں پیدا کیں "

اختتام:۔

آخر ملک شہپال نے ہر ایک بادشاہ کو تحفہ ۱۰۰

سو غاتیں اور مال اسباب دے دے کر اپنے

اپنے وطن کو رخصت کیا۔ سب بخوشی و خاطر

جمعی روانہ ہوئے اور بخیر و عافیت جا پہنچے

اور بادشاہت کرنے لگے ۔

---

(۹۶) مذہب عشق [۱۲۱]

اوراق ۱۴۰ ۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔

تقطیع ۵" × ۸" ۔ خط نستعلیق ۔ جدول سنہری

عنوان اور اسماء سرخی میں۔ مولف نہال چند

لاہوری ۔ سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳ء

کاتب صاحبزادہ میر مظفر علی خاں۔

تاریخ کتابت ۱۲۷۴ھ مقام حیدر آباد۔

تاج الملوک و بکاولی کے قصے کو ۱۱۲۴ھ میں

شیخ عزت اللہ بنگالی نے اپنے ایک عزیز دوست

نذر محمد کی خاطر فارسی میں قلمبند کیا تھا۔ نہال چند لاہوری

نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۲۱۷ھ میں

اس کا اردو نثر میں ترجمہ کیا اور اس کا تاریخی نام

مذہب عشق رکھا۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور مصنف

کا احوال "ارباب نثر اردو" میں تفصیل سے درج ہے ۔

اس کے آخری حصے میں غالباً کاتب نے اپنی طرف سے

تھوڑی سی عبارت کا اضافہ کیا ہے جس کی تفصیل اس کے

دوسرے نسخے کے تذکرہ میں آئندہ صفحے پر درج ہے

یہ نسخہ حیدر آباد کے شاہی خاندان کے ایک علم دوست

نے خاص اہتمام سے خود نقل کیا ہے اس لئے قابل قدر ہے

آغاز:۔

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول

کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

حمد و ثنا کی ہمیشہ بہار کا گلستاں باغبان حقیقی

کو سزاوار ہے کہ اس طرز بوستان جہاں

نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت

بے اندازہ اس کے روضۂ رضوان سے پائی۔

اختتام:۔

"شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا۔ والا

اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل اس کا دریافت

کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور

شاہ جہاں نامے کے اس مقام کو جہاں

وہ اصول ہے ملاحظہ کرے۔"

کتاب کے اس حصے سے متعلق مذہب عشق کے دوسرے نسخے

کا تذکرہ ملاحظہ ہو جو اس کے بعد ہی درج ہے ۔

ترقیمہ:۔

"یہ کتاب گل بکاولی اختتام ہوئی بتاریخ چہارم

ماہ صفر المظفر بروز پنجشنبہ ۱۲۷۴ھ بخط

عاصی خاکپائے جہاں میر مظفر علی صاحبزادہ

فرزند میر فتح اللہ خاں اسفند یار جنگ مرحوم نبیرہ

میر محمد شریف خاں بسالت جنگ شجاع الملک

بہادر مرحوم تحریر یافت"

کتاب کے سرورق پر میر مظفر علی ۱۲۷۴ھ کی مہر ثبت ہے ۔ یہ

نسخہ مولوی میر محمد تقی صاحب بی اے کا عطیہ ہے اور انہوں نے

پہلے ورق پر کتاب کا مختصر سا تعارف لکھا ہے ۔

(۹۷) مذہب عشق [۱۵۱]

اوراق ۱۰۹ - سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ½۵ × ۸″۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی ہیں۔ مولف۔ نہال چند لاہوری۔
سنہ تالیف ۱۲۱۷ھ م ۱۸۰۳ء۔
کاتب سید فدوی علی خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ

یہ نسخہ نمبر ۹۶ کا دوسرا مخطوطہ اور اس سے ۳۴ سال قبل نقل کیا گیا ہے۔ اس کے آخری حصے اور نسخہ نمبر ۹۶ کے آخری حصے میں جو فرق ہے وہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

نسخہ (۹۶)	نسخہ (۹۷)
سب کے سب شاد ہوئے اور	سب کے سب شاد ہوئے
بخوبی آباد ہوئے غرض جس طرح	اور بخوبی سب آباد ہوئے۔
دی انہوں کی مراد ہماری بھی	در تاریخ قصہ مذہب عشق
دے یا الٰہی مراد۔	یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
ناظرین پر روشن ہو کہ	تو پھر فکر تاریخ تھی صبح و شام
تھوڑا سا احوال شاہ جہاں کے	اچانک سنی میں نے آواز غیب
بادشاہ ہونے کا آخر کتاب میں	کہ ہے مذہب عشق تاریخ و نام
تھا۔ مترجم نے اس کو معہ اس	ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک زباں
حکایت کے اور جو اس کے مطابق	کرے عیسوی سال کو بھی عیاں
تھی اس واسطے ترجمہ نہ کیا کہ خلاف	تو پھر ہاتف غیب نے دی صدا
شاہ جہاں نامے کے اس شاید	کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا	کرے مشرب جام گر اختیار
والا اتنا فرق نہ ہوتا جس کو مفصل	تو راز نہاں اوس پہ ہو آشکار
اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل	
کتاب کے آخر کو اور شاہ جہاں نامے	

کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔
تمت تمام شد کہ یہ کتاب گل بکاولی اختتام ہوئی۔

آغاز: —

گلستاں ہمیشہ بہار حمد و ثنا کا باغبان حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستان جہاں نے آب و رنگ تازہ در لطافت بے اندازہ اس کے روضۂ رضواں سے پائی۔

اختتام: — (اوپر درج ہو چکا ہے)

ترقیمہ: —

"نسخۂ مذہب عشق معروف بہ گل بکاولی تصنیف سید منیر علی خاں المتخلص انوس۔ در دیباچہ نام مصنف نہال چند لاہوری است۔ راقم اس قصے کا سید فدوی علی خاں بخش دیوے خدا اوس کے گناہوں کو۔ بیچ تاریخ غرہ شعبان المعظم سنہ بارا سو اکاون ہجری نبوی کے یہ قصہ بجز انصرام پایا۔ اگرچہ تحریر سے اس قصے کے چنداں خواہش نہ تھی بلکہ تضیع اوقات کیا اس واسطے کہ اگر کوئی کتاب دین و حکمت کی لکھتا تو برادران دینی کو اوس سے فائدہ ہوتا اور آپ جنات میں داخل ہوتا۔ اما نظر براینکہ کتاب خانے میں عاصی کے کتنے جلد قصہ ہائے تعشق اکثر عشاقان سلف کے فراہم کئے ہوئے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کے موجود ہیں۔ یہ بھی

اگر شریک۔ اون میں ہو تو بہتر ہے۔ اس لئے
محنت تحریر اپنے پر گوارا کرکر۔ جلدی تر تقریر لکھا
باللہ التوفیق"
آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر "مصدر الطاف ز
عنایت حسین" ثبت ہے یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۹۸) گل باصنوبر [۱۶۹ ب]

اوراق ۸۳۔ سطور ۱۷ فی صفحہ۔
تقطیع ۶" × ۱۱½"۔ خط نستعلیق۔ عنوانات
سرخی میں۔ مصنف نیم چند۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۴ھ م ۱۸۴۸ء۔ کاتب غلام قمبر
حسب فرمایش میر وزارت علی خاں بہادر۔
تاریخ کتابت ۱۲۶۹ھ۔ بمقام دیوان خانۂ
نواب ناصر الدولہ بہادر۔ حیدر آباد۔
نیم چند نے فارسی قصۂ گل باصنوبر کو اپنے دوست
بابو گرچرن سین کی فرمایش پر اردو میں ترجمہ کیا۔ مترجم
اپنا نام اور سبب تالیف وغیرہ یوں ظاہر کرتا ہے :۔
" فقیر رضائے الٰہی پر خورسند نیم چند یوں لکھتا
ہے کہ اس عالم ناپائدار میں کسی چیز کو قرار نہیں
....
....
گل باصنوبر قصے کو کہ زبان فارسی میں کسی
شخص نے لکھا ہے قدر شناسِ سخن دانائے
علم وفن دولت و اقبال کا نور العین بابو
گرچرن سین کے فرمانے سے اردو کے روزمرہ
میں ترجمہ کرکے عزیزوں کی انجمن کا تحفہ
اور سخن سنجوں کی مجلس کا ہدیہ بنایا۔"
یہ کتاب مطبع گلدستۂ نشاط بنگالہ میں ۱۸۴۸ء میں
چھپ چکی ہے اور اسی مطبوعہ کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

آغاز :۔
" حمد ہے اس صانع کا کہ جس نے انسان کو
اشرف المخلوقات بنایا اور عالم کو خلعت
ہستی پہنایا۔ اوس کے ابر احسان سے کیاریاں
عشق و محبت کی سیراب ہیں"

اختتام :۔
" بندہ امیدوار ہے کہ اس کے پڑھنے والے
سیر کے وقت اس گنہ گار کو بدعائے خیر یاد
کریں اور جہاں محاورے میں خطا پاویں اصلاح
کو دریغ نہ فرماویں کہ طینت انسان کی سہو اور
خطا سے مخمر ہے۔ مصرع۔
کہ انسان ہوں کچھ فرشتہ نہیں"

ترقیمہ :۔
" تمت تمام شد ایں رسالہ از دست غلام قمبر
حسب الفرمایش جناب خاں صاحب میر وزارت علی
خاں بہادر ادام اللہ اقبالہٗ بتاریخ بست و پنجم
شہر ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ روز شنبہ۔"
یہ نسخہ میر محمد تقی صاحب رضوی بی اے کا عطیہ ہے
اور طوطی نامہ حیدر بخش حیدری، نسخہ نمبر ۹۳ کے ساتھ ایک
ہی جلد میں محفوظ ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہی دیوان خانہ
نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع میں لکھا گیا ہے۔

---

(۹۹) سحرالبیان [۴۰۴]

اوراق ۱۸ - سطور ۱۳ فی صفحہ
تقطیع ۱/۲ ۸ × ۱/۲ ۵ - خط نستعلیق شکستہ
آمیز۔ عنوان سرخی میں - مصنف میرحسن
سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ

یہ مخطوطات نمبر ۶۸ تا ۷۰ کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے جس میں تقریباً ۴۶۸ ابیات ہیں۔

آغاز :۔

کروں پہلے توحید یزداں رقم — جھکا جس کے سجدہ میں اول قلم
سر لوح پر رکھ بیاض جبیں — کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں!

اختتام :۔

کروں اوس کی پوشاک کا کیا بیاں
فقط ایک پشواز آب رواں!
زبس موتیوں کی تھی سنجاف گل
کہے تو کہ بیٹھی تھی موتی میں تل

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ سرورق پر ان کی مستطیل مہر ثبت ہے۔

(۱۰۰) روضتہ الشہدا [۴۰۵]

اوراق ۱۹ - سطور ۱۳ فی صفحہ
تقطیع ۵ × ۱/۲ ۸ - خط نستعلیق مصنف
ولی ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۱۳۰/۱۱۳۲ھ - کاتب
محمد زماں خاں مندوزئی۔ سنہ کتابت قبل ۱۲۴۶ھ

مخطوطات نمبر ۳۱، ۳۲ اور ۹۲ کا ایک اور نسخہ ہے جو ناقص الآخر ہے - اس میں تقریباً ۴۰۹ ابیات ہیں۔

آغاز :۔

کروں نامے کوں بسم اللہ سوں آغاز
انھوں تا میں فصاحت میں سرفراز
سراؤں کیا اوسے جن ایک سخن میں
بندیا جیو دم کے رشتے سوں بدن میں

اختتام :۔

لگے ہونے آپس میں داروں پہ دار
کہ جس کا نہیں حد ہے نا ہے شمار!
نہ تھا کر سے اوس کے اون کو خبر
دیکھ سر پہ مارا ہے پاؤں اوپر!

اگرچہ یہ ناقص الآخر نسخہ ہے۔ لیکن اس کا کاتب محمد زماں خاں مندوزئی ہے جس نے غالباً لوکاپلی میں یہ نسخہ نقل کیا ہے۔ اس کا اور اس کتاب کے ایک اور نسخے (مخطوطہ نمبر ۹۲/۴۰۲) کا کاتب ایک ہی ہے۔
اس نسخے کے سرورق پر تین مہریں محترم جنگ ۱۲۴۶، محترم الدولہ ۱۲۵۷ھ اور اعتصام الملک ۱۲۴۷ھ کی ثبت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مخطوطہ نمبر ۹۲ کی طرح اعتصام الملک ہی کی فرمائش پر انہی کی جاگیر لوکاپلی میں نقل کیا گیا ہے۔ ادارے کے کتب خانے کو نواب عنایت جنگ بہادر نے عطا فرمایا ہے ان کی مہر پہلے صفحہ پر ثبت ہے۔

(۱۰۱) [۸۵]

چہار درویش منظوم

اوراق ۶۸ - سطور ۱۵ فی صفحہ

تقطیع ½۴" × ¾۶" - خط نستعلیق شکستہ

عنوان سرخی میں - مصنف محمد علی خاں شوق

زمانۂ تصنیف ۱۲۲۵ھ

چہار درویش کا منظوم قصہ ہے، جو قدیم مثنویوں کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ ناقص الاول و ناآخر ہے اور بحالت موجودہ بھی اس میں دو ہزار سے زیادہ ابیات ہیں۔ اس کے ابتدائی ۷ اوراق درویش دوم کے آخری حصے پر مشتمل ہیں۔ درویش سوم کا قصہ ورق ۷ ب سے شروع ہو کر ورق ۳۱ الف پر ختم ہوتا ہے۔ چوتھے درویش کا قصہ (ورق ۳۱ الف تا ورق ۴۳ ب) تقریباً ۱۲ اوراق میں درج ہے۔ اصل کتاب ورق ۶۶ پر ختم ہوتی ہے۔ اسی کے سلسلے میں مصنف نے اپنے حالات لکھنے شروع کئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آخر کے اوراق غائب ہونے کی وجہ سے مصنف کی نسبت زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا کوئی نسخہ کسی اور کتب خانے میں نظر سے نہ گزرا اور نہ مصنف ہی کا ذکر کسی تذکرے میں درج ہے اس لئے خود اس نے اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مصنف کا نام محمد علی ہے۔ وہ ۱۱۸۱ھ میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوا۔ تاریخ تولد **نیک ذات** سے نکلتی ہے۔ اس کے آبا و اجداد مشہد کے رہنے والے تھے اور مادری جد کا وطن سبزوار تھا مصنف کے والد میر عبدالسلام خاں تھے جو ۱۱۸۵ھ میں اورنگ آباد چھوڑ کر حیدرآباد چلے گئے۔ اس وقت محمد علی کی عمر تین چار سال کی تھی۔ آمد حیدرآباد کے دو تین سال بعد ہی امارت پناہ میر عبدالسلام کا انتقال ہوگیا۔ مصنف نے اپنے باپ کی تاریخ وفات ان فارسی اشعار میں نکالی ہے ؎

چو راہی شد آں پیر ذوالاحترام
ز دار الفنا سوئے دار السلام

مقدم بدل از سر داد گفت
خرد جنت آرام من بعد گفت

چو در قطعہ تصریح اسمش نشد
بہ بیت دگر عقل (کرد) انضمام

عیاں اسم تاریخ بے تعمیہ
امارت پناہ میر عبدالسلام

مصنف کے آبا و اجداد شاہان آصفی کے تقرب سے ممتاز تھے۔ چنانچہ جب اس کے والد کا انتقال ہوا تو اسی قدیم تعلق کی بنا پر نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے اس ہفت سالہ لڑکے کو دربار میں باریاب کیا اور خطاب خانی اور منصب و جاگیر سے سرفراز کیا۔

آٹھویں سال کی عمر میں مصنف چیچک سے سخت علیل ہوگیا تھا۔ علوم فارسی و عربی کی تعلیم اس عہد کے مشہور صوفی شاہ محمد وزیر سے حاصل کی۔ انہوں نے ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ شاگرد نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے :-

چو شد فوت آں فاضل بے نظیر
تاسف نمودند برنا و پیر !!

قلم سال تاریخ تحریر کرد
شده وصل جنت محمد وزیر

تیرہ، چودہ سال کی عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر ہوا اور اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی سے مشق سخن کی۔ تمنا صمصام الملک اور ارسطو جاہ کے درباری شاعر تھے۔ آصف جاہ ثانی کی مدح میں جو قصیدے لکھے ہیں وہ نسخۂ مجموعۂ فصاحت (دفتر دیوانی و مال) میں موجود ہیں۔ ۱۱۹۴ھ میں ایک تذکرۂ شعرا لکھا تھا جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ زیر نظر مثنوی میں شاگرد اپنے استاد کی تعریف ان ابیات میں کرتا ہے۔

کہوں کیا بیاں اوس کا مشہور تھا
کہ وہ شعر کا موسیٰ طور تھا!
مزاج رسا اور فہم بلند!!
مضامیں کا تھا وہ تو ترجیع بند
درست اس سے تھی ریختہ کی بنا
وہی چار عنصر رباعی کا تھا!
ہر یک اس کے دیواں کی بیت الغزل
قصیدے سے رکھتی تھی معنی کا بل
تھا اس کا ہر اک مصرع انتخاب
زلالی کی ہے منتخب جو پر آب!

تمنا کی تاریخ وفات اب تک نامعلوم تھی۔ اتفاق سے اس قصۂ چہار درویش کے مصنف نے اس کو بھی محفوظ کر دیا تھا جو قطعۂ ذیل سے واضح ہوگی۔

لیا جب تمنا نے راہ عدم
ہوئی موجزن بحر اندوہ و غم
کہا شوق نے سال تاریخ یہ
وفات بہشتی کراے دل رقم

چودہ سال کی عمر کے بعد مصنف چہار درویش کو خوش نویسی اور خطاطی کا شوق پیدا ہوا اور شاہ معین کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ یہی بزرگ مشہور شاعر اور مورخ شاہ تجلی کے بھی استاد تھے۔ ان کی تعریف میں مصنف لکھتا ہے:۔

جناب معیں وہ معلی جناب   کہ تھا نسخۂ فخر کا انتخاب
ریاضت کے گلشن کا وہ تازہ گل   حقیقت کا وہ معرفت کا وہ دل
تھا وابستہ اشغال سے اس کا دم   ذوالفقر فخری پہ ثابت قدم
تعلق سے دنیا کے آزاد تھا   مگر صاحب آل و اولاد تھا
عجب خوش نویسی سو ماہر تھی ذات   کہ محکوم تھے جس کے خط آٹھ سات

شاہ معین کی تاریخ وفات ۱۱۹۰ھ بھی مصنف نے اس مثنوی میں لکھ دی ہے جو درج ذیل ہے:۔

چو راہی شد آں رہبر راہ خشت
بگلزار خوبی ز دنیائے زشت
خرد داد سال تاریخ او!
چو در مزرعۂ سینہ شوق کشت
بدیہہ گفتم سال وفات (؟)
ہویدا محمد معین در بہشت

مصنف اپنی عمر کے سولھویں سال ۱۱۹۶ھ کو اپنے لئے بہت منحوس لکھتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اس کے بعد ہی واقعہ کولاس درپیش ہوا اور پھر صمصام جنگ فوت ہوئے۔ موخر الذکر کی تاریخ وفات ۱۲۰۱ھ اس قطعے میں لکھی ہے:۔

زدنیا چو شد میر با نام و ننگ (نیک؟)
نماند بروئے جہاں آب و رنگ
بن گفت سال وفاتش خرد!
بہ سوئے جناں رفت صمصام جنگ

واقعہ کولاس کیوں منحوس ثابت ہوا یا اس میں کیا خرابی پیش آئی اس کا ذکر نہ مصنف نے کیا ہے اور نہ تاریخوں میں درج ہے۔ (اس واقعہ کے متعلق دیکھو تاریخ نظام علی خاں صفحہ ۱۰۱ تاریخ گلزار آصفی صفحہ ۸۰) نظام علی خاں ۴ جمادی الاول ۱۱۹۰ھ کو قلعہ کولاس سے نکل کر ۲ جمادی الثانی کو حیدرآباد پہنچے تھے۔

اس کے بعد مصنف اپنے پہلے سفر کا حال بیان کرتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کے بعد کے اوراق غائب ہیں ورنہ مزید تاریخی معلومات حاصل ہو سکتے۔

مصنف نے اثنائے کتاب میں کہیں اپنا تخلص نہیں لکھا صرف مذکورہ قطعات تاریخی میں دو جگہ شوق تخلص استعمال کیا ہے۔

آغاز:

تھا صحرائے محشر سادہ ہولناک
تھی سوزندہ جوں آگ اوس جا کی خاک
وہاں کی تو رہ تیغ سے تیز ہے
وہاں کی ہوا تو شرر بیز ہے!

اختتام:

سن گفت سال وفاتش خرد — بسوئے جناں رفت صمصام جنگ
غرض چشم اسی غم سے تھی اشکبار — کہ پہلا سفر ہوگیا روبکار

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ دو چار جگہوں پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔

---

(۱۰۲) قصائد ہدایت [۹۹]

اوراق ۱۷۔ سطور ۱۵ فی صفحہ ابتدائی ۱۳ اوراق میں۔ اور بقیہ ۴ اوراق میں ۱۰ شعر فی صفحہ۔ تقطیع ۴½ × ۸"۔ خط نستعلیق شکستہ عنوان سرخی میں۔ مصنف ہدایت۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۸ھ۔ کاتب ہدایت۔ کتابت ۱۱۹۸ھ بمقام گھن پورہ۔

پانچ قصائد اور ایک قطعہ کا مجموعہ ہے۔ ابتدائی تین قصیدوں اور قطعے میں شاعر کا تخلص ہدایت درج ہے۔ بعد کے دو قصائد میں کوئی تخلص نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قصیدہ ادارے کے دو اور نسخوں میں بھی شامل ہے جن میں تخلص افسق درج ہے۔ اس کے جملہ مجموعوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہدایت اور افسق ایک ہی شاعر کے دو تخلص تھے اور ہدایت نے ہجو یہ قصیدوں میں اپنا تخلص افسق درج کیا ہے۔ یہ شاعر شمالی ہند کا رہنے والا تھا اور تلاش معاش کے سلسلے میں حیدرآباد آیا تھا یہاں پہلے مرزا اللہ یار بیگ کی سفارش پر امیر بیگ خاں کے یہاں ملازم ہوا لیکن ڈیڑھ سال بعد وہاں سے نکل کر راجے بالاجی کا متوسل ہوگیا۔ نواب شمس الامراء نے بھی اس کی بڑی سرپرستی کی تھی۔

یہ جملہ قصیدے تاریخی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں۔ کیونکہ ان میں عہد نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بعض حالات دکن بیان کئے گئے ہیں۔ اس عہد کی سماجی اور سیاسی زندگی کی ان قصائد میں بہت سی جھلکیں نمایاں ہیں۔ بعض امرا کی مدح کی گئی ہے اور بعض کی ہجو جیسا کہ ان قصائد کی حسب ذیل تفصیل سے واضح ہوگا۔

(۱) قصیدہ گوہر ثنا

مرزا رفیع سودا کے مشہور قصیدے کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس میں گیارہ مطلع اور ۱۲۵ اشعار ہیں۔ ابتدائیہ فارسی نثر میں قصیدے کا موضوع اور دیگر تفصیلات سرخ روشنائی میں اس طرح درج ہیں۔

"یا علی مدد۔ قصیدۂ گوہر ثنا در شکریہ با حمد رب العالمین و حالات روداد وصف محسن دوستاں مشفق مخلصاں دهرم مورت کرم صورت پرت پال خورشید مثال رائے دولہ سنگھ ورائے بالاجی دام اقبالہٗ و ذکر توصیف نواب مستطاب نواب شمس الدولہ مدظلہٗ۔ بیا زدہ مطلع۔ درجواب قصیدہ سودا"

ہر مطلع شروع کرنے سے قبل سرخ روشنائی میں اس کے موضوع کی وضاحت کردی ہے جو یہ ہے :-

مطلع اول درحمد۔ دوم در روداد حالات۔ سوم ذکر روزگار کہ بہ سبب مرزا اللہ یار بیگ صاحب بخانۂ امیر بیگ خاں شدہ، (چ) چہارم در خرق عادات آں امیر و سبب گذشتن روزگار از اں سرکار۔ پنجم درجواب مطلع سودا بدو مطلع بہ مضمون تمہید سخن ہجو گوید۔ ششم در ہجو مان اللہ خدمتگار ہفتم در ہجو کسانے کہ بہ سبب کسی از ادنا و اعلیٰ از مدد بدی او نمودند و باز بطمع جاہ با دشمن او موافقت نمودند۔ ہشتم در ہجو اعظم دور زمانہ۔ نہم در توصیف نواب شمس الملک بہادر مدظلہٗ دہم در تمہید و صف محسن مخلصان پرت پال خورشید مثال رائے دولہ سنگھ و رائے بالاجی سلمہٗ

یازدہم۔ بختم قصیدہ و اغیار .... (کرم خوردہ)

پہلے مطلع میں حمد و نعت کے بعد اس امر کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ خدا نے میری دعا قبول کرکے مجھے خوش حال کیا۔ اور پریشانیوں سے نجات دی۔ خدا کا شکر اور اوصاف محسن کا بیان ہو نہیں سکتا۔

دوسرے مطلع میں کہتا ہے کہ ثناء رحمانی سن کر دل نے کہا کہ تو سخن گو ہدایت ہے اس لئے تجھے چاہئے کہ اپنی ابتدائی پریشانی اور ناقدری کا حال اور اس سے نجات کے اسباب بیان کرے۔

تیسرے مطلع میں کہتا ہے کہ اے دوست مجھے یاد ہے کہ اس تفرقے اور پریشانی کے عالم میں ایک مہربان جانی مرزا اللہ یار بیگ سے ملاقات ہوئی تھی جنہوں نے مجھے امیر عادل امیر بیگ خاں کے یہاں ملازم رکھا دیا موخرالذکر کی تعریف جن اشعار میں کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں :-

امیر صاحب نوبت بعز دولت جاہ
بشان و شوکت دولت بقوم تورانی

ولی خصال محب گروہ درویشاں
ری ز طمع باآں نعمت فراوانی

دراون کا روے جہاں پر کشادہ نت دربار
بشل مدکے معطل بکار دربانی !!

بکار رزم شجاعت سے وہ شجاعت جنگ
سدائے برق سے خالی ز کینہ لاثانی

غرور و عجب سے ظاہر میں نت تہی باطن
بروں ز فسق وگریزاں ز فعل شیطانی

اسی مدح کے سلسلے میں دوسرا مطلع شروع کردیا ہے اور ڈیڑھ برس تک ان کے یہاں ملازم رہ کر ایک خدمتگار

ان اللہ کی شرارت کے وجہ سے ترک ملازمت کا ذکر کیا ہے
ہدایت نے مدح کے سلسلے میں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ
شجاعت جنگ بھولے پن سے لوگوں کی جھوٹ بات بھی سچ
سمجھ لیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ وہاں سے نکلے۔ اگرچہ
نواب نے ان کو مہربانی سے بہت کچھ سمجھایا لیکن طبیعت اچاٹ
ہوگئی تھی اس لئے پھر ان کے گھر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اس
مطلع کے بعض شعر ہیں ؎

جو سانچ پوچھو تو یہ بات ہے کئی حقانی
کہ وہ امیر ہے اس وقت میں بھی لاثانی
قسم ہے مطلع چارم کے مجھ کو مضموں کی
کہ کیسے دیسے کی کس مونہہ سے ثنا خوانی
جو ہو وے طفل سا بھولا مزاج اور معصوم
جو زندہ پیر بریں مسند امیرانی
بصدق بوجھے وہی بات آئے جو بولے
زراہ عقل کے یا از طریق نادانی
غرض میں ڈیڑھ برس تک رہا وہاں جاکر
بعد فراغ نہ کچھ دل بہ غم کی ویرانی

اس سلسلے میں امیر بیگ خاں شجاعت جنگ کی نسبت
یہ معلوم رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ عہد نظام علی خاں آصف جاہ
ثانی کے ایک بہادر امیر اور رسالہ دار تھے۔ ان کا ذکر تاریخوں
میں دو موقعوں پر آتا ہے۔ جب رمضان ۱۱۸۰ھ میں
رہٹوں کے پیشوا رگھناتھ راؤ سے آصف جاہ ثانی کا بمقام
بیدر مقابلہ ہوا تو توپ خانہ اور بان اندازی پر
بقول صاحب توزک آصفیہ ثابت جنگ کی کمان تھی
اور ان کی کمک پر امیر بیگ خاں مامور تھے۔ اس کے بعد
پھر معرکۂ نرمل ۱۱۹۲ھ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ اس
دو سالہ عرصے میں ان کو شجاعت جنگ کا خطاب مل چکا تھا
اور ان کا رسالہ اپنی بہادری کی وجہ سے مشہور ہو چکا تھا۔
چنانچہ احتشام جنگ کی سرکوبی کے لئے جب آصف جاہ ثانی
نے فوج روانہ کی اور ان کے حکم پر ۳ محرم ۱۱۹۱ھ کو دولت راے
نے قلعہ جگتیال کا محاصرہ کرلیا تو شجاعت جنگ کے رسالے
نے بھی اس کی مدد کی۔ آخرکار ۲۸ محرم کو قلعہ پر قبضہ ہوگیا۔
اس کے بعد خود احتشام جنگ سے مقابلے کے لئے جو فوجیں
۲ [illegible] گوداوری پار کرکے آگے بڑھیں ان میں بھی شجاعت جنگ
شریک تھے۔ سراج الدین طالب مولف کتاب نظام علی خاں
نے امیر بیگ خاں اور شجاعت جنگ کو شاید دو علیحدہ شخصیتیں
سمجھ کر اپنی کتاب کے اشاریہ میں دو جگہ ان کا نام درج کیا ہے۔
ہدایت کے اس قصیدے سے معلوم ہوا کہ امیر بیگ خاں
ہی کا خطاب شجاعت جنگ تھا۔

ہدایت نے اس قصیدہ کے مطلع پنجم کے سلسلے میں اپنی شاعری
اور ہجوگوئی کی تعلی کی ہے اور کہتا ہے کہ ایک مہرباں نے بعد مہربانی مجھ سے
کہا کہ جس خدمتگار کی شرارت کی وجہ سے تم شجاعت جنگ کی ملازمت
سے علاحدہ ہوئے اس کی ہجو کیوں نہیں لکھتے۔ اس حصے کے
چند شعر ہیں :—

کروں میں ہجو کے لکھنے میں گر قلم رانی
تو چومے ہاتھ مرے آکے روح شاہ زمانی
فلک پہ پھینکے وہ اپنی کلاہ فخر مدام
جسے میں بخشوں جہان ثنا کی سلطانی
کروں میں ہجو کو جس تنگ دل لعیں کی رقم
نہ نام زشت ہو اوس کا جہان سے فانی
ہے بعد حضرت سودا دکھن میں میرا نام
ہوں اپنے فن کا میں استاد وقت لاثانی

مطلع ششم میں مان اللہ خدمت گار کی ہجو لکھی ہے۔ اس میں کئی اشعار بالکل فحش ہیں۔ ان کو چھوڑ کر اس حصے سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔

"مان اللہ خدمت گار شیخ قوم سے تھا۔ اس کی بیوی کا نام بی بی رہائی تھا۔ اس کا باپ مسعود خاں کے مکان میں نفر تھا جس کی بیوی الہداد خاں کی نفرانی تھی۔"

الہداد خاں نے ۱۳ جمادی الثانی ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ ادارے کے نسخہ نمبر ۶۹ میں ان کی وفات کا قطعۂ تاریخ درج ہے۔

ساتویں مطلع میں گریز کر کے کہتا ہے کہ یہ تو معمولی آدمی ہے۔ اس زمانے میں ایسے کئی لوگ ہیں جو جنگ اور دولہ کے خطاب سے معزز ہیں اور اُن محسنوں کے ساتھ نمک حرامی کرتے ہیں جن کی ابتدائی مدد کی وجہ سے وہ اس درجے تک پہنچے ہیں۔ مصنف کا اشارہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کی طرف ہے جو شمس الامرا کی مدد سے دیوانی کے درجہ پر پہنچے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد مطلع ہفتم میں اعظم الامرا کی ہجو کی ہے۔ اور کہتا ہے کہ وہ بارھویں صدی کا سب سے بڑا ظالم ہے۔ دو تین شعر نہایت فحش لکھے ہیں۔ مشیر الملک ارسطو جاہ کا نام اس شعر میں لیا ہے ؎

نہ کیونکہ ملک دکھن ہوئے خراب اور ویراں
مشیر ملک شقاوت کو جب ہو دیوانی

مطلع نہم میں کہتا ہے کہ عقل نے یہ ہجو دیکھ کر کہا کہ یہ دیوانہ پن کی باتیں ہیں۔ عقلمندی تو اس میں ہے کہ اپنے وقت کے محسن اعظم کی مدح کی جائے کیونکہ ان ہی کے فیض در دولت سے تجھے دولت و عشرت نصیب ہوئی۔ اس مدح کے چند شعر یہ ہیں ؎

سو یعنی ملک سخاوت کا مہر شمس الملک
خدا نے جس کو کہ شجاعت کی ہے جہاں بانی
امیر ابن امیر و شہ جہانِ کرم
کریم خلق و رحیم السیر برحمانی!
نہ پہونچے جس سے مضرت کسی پہ ہر دو امیر
ستون دولت اقبال کا رشا بانی
سپاہ پرور و بندہ نواز و مقبلِ حق
ہنر بر بیشۂ میداں بفضلِ سبحانی

دسویں اور گیارھویں مطلعوں میں شاعر اپنے دو اور قدر دانوں رائے دولہے سنگھ اور رائے بالاجی کی بھی مدح کرتا ہے۔ وہ ان کو حاجت روائی میں بکرا جیت اور ہمت میں کشن کے ثانی بیان کرتا ہے۔ رائے دولہے سنگھ کا ذکر یوں کرتا ہے؎

سو یعنے نخل مروت وہ رائے دولہے سنگھ
صدف سے بحر کرم کے دُرِ درخشانی
ثمر ہے جن کے ریاض حیات خوبی کا
نہال باغِ سخا کا گلِ کریمانی!
یا درج علم سے اوس کے جواہر قابل
ہے مثل لعل و زمرد وو دانشمندانی
جہاں کے لطف و کرم کے جہاں کا سردفتر
ہے جس کو ملک فتوّت کی حق سے دیوانی

رائے بالاجی کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

ہے جن کا نام جہاں میں رائے بالاجی
جواں بعمر و بدولت بصد فراوانی
بفہم و عقل بہمت بخلق و لطف و کرم
مثال حاتم طے کے وو حاتم ثانی

مثال اوس کی بخوبی نظر نہ آیا کوئی

پھرا ہیں بھوت دہیں دور چرخ دورانی

سو ویسے محسن اکرم کے اب برائے نذر

بجز دعا کے کرے کیا ہدایت ارزانی

یہ بالاجی غالباً وہی بالاجی پینتو ہیں جو جنگ بیدر (ماہ رمضان ۱۱۸۶ھ) میں نواب نظام علی خاں کے عقب میں جانب جرنفار ان کی کمک کے لیے متعین تھے ۔ ماثر آصفی میں صفوف جنگ کی جو ترتیب بتائی گئی ہے اس میں ان کا نام بھی اس خدمت پر درج ہے ۔

آغاز :-

ہزار شکر بدرگاہ پاک یزدانی ! ہے جس کے فضل سے سب مشکلوں کی آسانی

زباں کو کس کی لیاقت ثنا کی اوسکی ہو پرے ہے وہم و تفہم سے ذات حقانی

اختتام :-

دراز عمر بدولت دونوں کو رکھ یا رب

بصد ہزار مسرت بقرب سلطانی

بقائے دہر تک اون کے محب رہیں شاداں

عدوے ظالم دوراں اون کے ہوویں فانی

---

(۲) قصیدۂ جواہر سخن

یہ قصیدہ حضرت نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی توصیف میں بتاریخ ۲۷ رمضان ۱۱۹۸ھ بمقام گھن پورہ لکھا گیا ہے ۔ اس میں ۱۳۵ اشعار ہیں اور درمیان میں مختلف سرخیاں قائم کی گئی ہیں مثلاً

وصف شجاعت، تیغ، زور، سخاوت، کمیت، نالکی عشرت محل، دانش، ضبط و نسق، عدل، لباس، جواہر، رعب سلطنت، دولت، فیل وغیرہ ۔

آخر میں دعائیہ اشعار ہیں ۔

وصف سخاوت کے ضمن میں خان زماں پر آصف جاہ ثانی کو ترجیح دیتا ہے ۔ لکھتا ہے :-

سن من کے ایسے شاہ کی ہمت کا ذکر وصف

شرمندہ کیوں نہ قبر میں خان زماں رہے

اسی سلسلے میں شمس الملک شمس الامرا کی بھی تعریف کر دی ہے :-

شمس الملک سا جس کا بجاں فدوی جاں نثار

فیض کرم سے دست فشاں در جہاں رہے

ہمتا نہ جس کا اور کوئی شیر رزم گہ !

ایسا نمک حلال بدل جاں فشاں رہے

نواب نظام علی خاں کے محل کا بیان بھی قابل ذکر ہے اس لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

ایسا بلند جس کا وہ عشرت محل ہے خاص

اطلس سے آسماں کے جیسے سائباں رہے

کیجے سواد صحن کا اوس کے بیاں اگر

مشتاق اوس کو دیکھنے باغ جناں رہے

قامت سا گلرخوں کے ہر یک نیں کا سرو سبز

فیض نسیم صبح سے جلوہ کناں رہے

آب و ہوا کے جس کی تفرج کے فرح سے

ہر غنچہ دل کا گل سا شگفتہ دہاں رہے

قالیں کے جس کے فرش کا گلزار دیکھ کر

نرگس کی چشم وا بہ سوئے آسماں رہے

احمر بنفشہ سوسن و سنبل چمن چمن !

زیب روش سے فرش کے کمتر نشاں رہے

بار ثمر سے مجرے کو خم ہووے ہر نہال

رونق فزا جب اوس میں وو شاہ جہاں رہے

رقصاں بشکل حور کے ہر اہل رقص وہاں

طاؤس سا بہ زیبِ مسرت کناں رہے

ایسی طرح سے بزمِ طرب گرم ہوئے وہاں

ہر عندلیبِ دل بخوشی غزل خواں رہے

آغاز:۔

ہے دل میں جب تلک کہ مرے تن میں جاں رہے

اور تر دہن میں فضلِ خدا سے زباں رہے

طغیانِ بحرِ موجِ مضامیں کے جوشش سے

شکلِ صدف سخن کا دہن درفشاں رہے

اختتام:۔

یعنے دو تخت ہند کا آصف نظام ملک

ہر دم ہمیشہ عیش سے نت شادماں رہے

یا رب ترے طفیل عنایات فضل کے

ایسا ظہور اوس کے کرم کا عیاں رہے

جو صلے میں مدح کے ہدایت کے حال پر

چشمِ نگاہ فیض بہوت بے کراں رہے

ترقیمہ:۔

"۲۷ رمضان ۱۲۹۶ھ سہ پہر روز شنبہ

بقلمِ گن پورہ نوشتہ شد۔ من مصنفہ"

(۳) قصیدہ گوہرِ سخن

یہ قصیدہ نواب شمس الملک بہادر (بعد کو شمس الامرا) کی مدح میں لکھا گیا ہے۔ اس میں ۸۱ اشعار ہیں اور درمیان میں یہ سرخیاں ہیں:۔

ثناو شجاعت، تیغ، تیر کمان، توت، سخاوت۔

تشبیب بہاریہ ہے اور گریز یوں کرتا ہے کہ جب چمن میں ایسا جشن ہے تو پھر تو اس امیرابن امیر کی مدح کیوں نہیں کرتا جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ اگر کوئی اس کے ہمتا کی تلاش میں عرب اور عجم بھی جائے تو پھر ہندوستان واپس آنا پڑے گا اور ہند میں بالاتفاق اگر تلاش کرنے والے کو راستے میں مرزا رفیع سودا کی خواب گاہ مل جائے اور اس قصیدے کے کچھ مضمون وہاں سنائے جائیں تو مرزا رفیع خوابِ سکوت سے اپنی زبان کو بیدار کرکے اس کی تعریف کریں گے اور اس قصیدے کا جواب نہ پاکر ترک سخن دل و جان سے کر بیٹھیں گے۔ اس کے بعد نواب شمس الامرا کی شجاعت اور تلوار وغیرہ کی تعریف شروع کی ہے۔ اور سخاوت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ شمس الامرا اپنی سپاہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھ کر پالتے ہیں اسی لئے ان کی سپاہ بھی ان پر اپنی جان نثار کرتی ہے۔

آخری حصے میں شمس الامرا کی غربا پروری کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

دولت کے جس کے لطف کی سائے میں ہر غریب

اوقات عمر صرف بآرام جاں کرے

ایسا کہاں جز اوس کے کوئی اور نامور!

لطف و کرم سے ہم جو برنا تواں کرے

دولت کا یعنی شمس و شمس الملک نواب

حق میں دعا یہ جس کے ہدایت بجاں کرے

آغاز:۔

اس تخم فکر دل سے اگر گل زباں کرے

مضمون کی زمین وہاں گلستاں کرے

فیضِ نسیم طبع سے ہر غنچۂ سخن!

ایسی بہار نطق سے واگل یہاں کرے

اختتام :۔

دولت کا اوس کے مہر درخشاں رکھے مدام
دل دوستوں کا اوس کے خدا شاد ماں کرے
اور اوس کی بارگاہ کے بدخواہ کا روسیہ
نت خالقِ دو کون بہ کونِ و مکاں کرے

ترقیمہ :۔

"۲۹ رمضان ۱۱۹۶ھ یکشنبہ بصبح بر قلعۂ
گن پورہ نوشتہ شد"

(۴) قطعہ ہجو سہراب جنگ

اس قطعے میں اکثر اشعار فحش ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہراب جنگ معین الدولہ ارسطو جاہ کی دیوانی سے ملک کا ایک طبقہ نالاں تھا ۔ یہ قطعہ ناقص الآخر ہے ۔

اس میں صرف ۹ شعر ہیں ۔

آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے :۔

حال زیر فرعوں ساغرے میں جو بڑھ چڑھ رہے
سر پہ اوس کی قبر میں نت آتشی آمود ہے
ایک دن اہلِ سپہ کو رہ میں یوں دیکھا رواں
زرہ تن میں اور سر اوپر ہر اک کے خود ہے

(۵) قصیدہ تزلزل آفاق

یہ ۱۹۰ اشعار کا طویل قصیدہ ہے ۔ جس میں کئی مطلع اور نقلیں ہیں ۔ اس میں منیر الملک ارسطو جاہ اور اون کے مشیران کار رام راؤ اور روشن رائے کی ہجو لکھی ہے ۔ اکثر شعر فحش ہیں ۔ مختصر خلاصہ یہ ہے ۔

"ایک روز جفائے چرخ سے دلگیر ہو کر گھر سے نکلا تو راہ میں میر منیر ملے ۔ میں نے پوچھا "خیر ہے کمر باندھے اور ہاتھ میں شمشیر و سپر لئے کہاں جا رہے ہیں ۔ کسی سے خانہ جنگی کرنی ہے یا کسی کی کمک درپیش ہے"؟

جواب دیا کہ یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ آج گارڈی والوں نے دنگا کر کے بلوہ کیا ہے اس کی حقیقت معلوم کرنے گیا تھا ۔ پتہ چلا کہ اہلِ بار نے فاقوں سے مجبور ہو کر مدار کار ریاست کے مکان پر حملہ کر دیا اور اس کو ڈھونڈھنے لگے ۔ جب وہ نہ ملا تو اس کے محل کے طاق، منڈیر، فرش اور صحن کے درختوں کو ڈھانا اور گرانا شروع کیا ۔ میر جملہ امیر امرا جو لوگ بچانے آئے ان کو بھی مارا ۔ اس طرح مفت میں دو چار عمدوں (امیروں) کی بھی عزت گئی جن کا نام لینا مناسب نہیں ۔ اتنے میں ایک رفعت چی تاشہ نواز نے کہا کہ صوبہ دار سے پوچھو کہ ان کے گھر کے مشیر کہاں ہیں جو فساد کے بانی ہیں اور سپاہیوں کو ابھار کر گھر کو ڈبانا چاہتے ہیں اور نظاب رائے کی امید میں اوس کو ستم نگر کا بادشاہ بنا کر خود وزیر بنے بیٹھے ۔ جن میں سے ایک رام راؤ ہے اور دوسرا حقیر جسم والا روشن رائے ۔ اگر یہ دونوں ہاتھ آئیں تو ان کے جسموں کو مار مار کے پنیر کی طرح چھلنی کر دیں ۔ یہ باتیں سن کر میں واپس ہو رہا تھا کہ اے دوست تم سے ملاقات ہوئی ۔ تم برائے خدا اس بیان کو لکھ دو کہ اب دنیا میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس کے ہاتھ سے امیر، فقیر، خوش باش اور اہلِ کسب سب نالاں ہیں ۔ نہ دن کو کھانا ملتا ہے اور نہ رات کو نیند آتی ہے ۔ لوگ بددعا کرتے ہیں کہ اے خدا اس کو جلد سزا دے یا تو یہ گدھے پر سوار ہو کر شہر سے نکلے، یا اس کا سر کاٹا جائے ۔ محل کی عورتیں الگ بددعا دیتی ہیں کہ جلد اس کو گولی یا تیر لگے، یا نگر میں مراد خاں کی طرح طوق و زنجیر کے ساتھ مقید ہو ۔ یا زرد رو ہو کر شہر بدر کیا جائے یا اچانک موت آئے ۔

کیونکہ اس کے فتنوں کی وجہ سے نمازی نماز اور موذن تکبیر
بھول گیا۔ بت خانے ویران پڑے ہیں۔ طبیب، نجومی سب
پریشان ہیں، حکیم منیم رل بھول گئے۔ اہلِ حرفہ دکھن سے لے کر
ہندوستان و کشمیر تک نالاں ہیں۔ غرض عجیب زلزلہ آگیا ہے۔
یہ سب سن کر میں نے گھبرا کے ان سے پوچھا کہ اے
بھائی سچ بتاؤ کہ یہ کون ظلم کر رہا ہے، کیا اہلِ نصاریٰ نے
سب ملک تسخیر کر لیا ہے، یا کرنیتا کو پار کر کے حیدر علی نائک
کا لشکر حملہ آور ہوا ہے۔ یا لشکرِ دجال گھس آیا ہے یا قیامت
آگئی ہے۔ حالانکہ۔

کہ یہ تو دورِ ریاست ہے اوس شہنشہ کا
کہ جس کا نیکی سے ہے نام مثل مہرِ منیر
کہ یعنے حضرت والا کرم وو آصف جاہ
نظام ملک جو ہے تخت ہند کا ہے وزیر
کریم اور حلیم و رحیم بندہ نواز!
رئیس ملک کرامت ولیِ زندہ پیر!
ہے تخت ملک ریاست پہ جیوں بہادر شاہ
بضبط و نسق مسلط سدا بعدل توقیر
کہ جس رئیس کریم السیر کے جا کے حضور
غنی ہو آئے ہے ایک آن میں غریب فقیر
ہے آفتاب سا مشہور جس کی دولت میں
سپاہ پرور و بندہ نواز اک وو امیر
ہے آب تیغ سے سرسبز جس کے اوس شہ کا
ہمیشہ گلشنِ اقبال کارِ دار و گیر
سوا اس کے دور میں کیا دخل ایسے ظالم کا
جھوٹاؤں کیونکر تری بات کو میں اب اے پیر

گر خدا کی مشیت کی ہے نرالی بات
کہ جس کے آگے ہیں لاچار سب ولی و پیر

اوپر شاعر نے مراد خاں کی قید کا ذکر کیا ہے یہ بڑا
با اثر امیر تھا لیکن جنگ راکس بھون میں شاہی افواج کی
شکست کا اسی کو ذمہ دار سمجھا گیا اور ۱۱۷۸ھ میں قلعہ
گولکنڈہ میں قید کر دیا گیا تھا۔

(اس کے بعد مطلع دوم شروع کیا ہے)

میری یہ تقریر سن کر میرے دوست نے شبر و شبیر
کی قسم کھائی اور کہا کہ میری بات کو جھوٹ نہ سمجھو۔ شاید
تم نے یہ نقل نہیں سنی کہ جب جولاہے کے ہاتھ میں عالمگیر
کی ڈاڑھی آئی تو وہ جدھر کھینچتا یہ ادھر چلے جاتے۔
اور کہا کہ یہ نہ میرا جرم ہے نہ اس کی خطا۔ نہ اس کے
ہاتھ میں ڈاڑھی آتی۔ نہ وہ کھینچتا۔ ایک درباری نے کہا
کہ اے شہ عالم اگر میری خطا معاف ہو تو عرض کروں کہ

بہ نیم بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ تیر

اس لئے اس میں نہ آپ کی غلطی ہے نہ اوس کا قصور۔
تقدیر میں جو تھا وہ ہوا۔ غرض اے دوست یہ ویسی ہی
بات ہے تقدیر کے آگے تدبیر کی نہیں چلتی۔ چنانچہ اہلِ
غفلت کی تنبیہ کے لئے خدا نے ایسے نفر کو دکھن کا مشیر
بنایا ہے۔ اسی طرح آخر تک ہجو کی ہے اور اس سلسلے
میں کئی نقلیں بھی لکھی ہیں۔ بعض شعر فحش کی حد تک
پہنچ گئے ہیں۔ ارسطو جاہ کے مذہب کے متعلق شاعر لکھتا ہے:۔

کروں کیا مشرب و مذہب کا ذکر اب اوس کے
نہ شیعہ اور نہ سنی نہ نطفۂ اکفیر!!

نہ شیخ، سید، و مرزا، نہ قوم افغاں میں

جولاہا ذات کا مومن بنام ہے وہ شریر

حریف اپنے ہے محسن کا آشنا کش وہ

غریب اور حرامی دراصل جیوں عصفیر

شاعر کا خیال ہے کہ نظام علی خاں کی ریاست میں یہی شخص زوال کا باعث ہے وہ کہتا ہے:-

جو سانچ پوچھو تو اس شاہ کی ریاست میں

زوال دولت و اقبال ہے یہی بے پیر!

جیسا کہ پہلے کہا گیا ارسطو جاہ عہد آصف جاہ ثانی کے بہت بڑے مدبر اور مدار المہام تھے۔ ان کی وفاداری کی نواب نظام علی خاں بے حد قدر کرتے تھے۔ اُن کے حالات میں ادارۂ ادبیات اُردو کی طرف سے ایک چھوٹی سی کتاب "ارسطو جاہ" مرتبہ پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی شائع ہو چکی ہے۔

روشن رائے کی بھی شاعر نے ہجو کی ہے۔ یہ حیدرآباد کے ایک بڑے امیر اور سپہ سالار تھے اور جب ٹیپو سلطان کے ساتھ آخری لڑائی ہوئی تو ان کے تحت چھے ہزار جوانان بار اس معرکہ میں شریک تھے۔ روشن رائے کے والد شاہ عالم بہادر شاہ کے دربار میں صاحب اعزاز تھے اور دلی ہی میں فوت ہوئے۔ روشن رائے جب حیدرآباد آئے تو راجا پنتولعل کی سفارش سے ارسطو جاہ کی بارگاہ میں باریاب ہوئے۔ اور ایک مشکل معاملہ کو اس خوبی سے سلجھا دیا کہ ارسطو جاہ نے ان کو آصف جاہ ثانی کے دربار میں پیش کیا اور اپنا پیشکار اور سررشتہ دار سپاہ کا عہدہ تفویض کرا دیا۔ رفتہ رفتہ رفتہ وہ معاملات دیوانی میں بڑے دخیل ہو گئے تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے راجہ شیو پرشاد اور راجا شنبو پرشاد نے اپنے باپ سے زیادہ اعزاز اور مناصب حاصل کئے۔ (گلزار آصفی صفحہ (۲۵۶) نظام علی خاں حصہ دوم ص۲۱۵)

روشن رائے پر شاعر نے یہ الزام لگایا ہے کہ وہ سپاہیوں کو ابھار کر دنگہ فساد کراتے تھے۔ اور ارسطو جاہ کو دھوکہ میں رکھتا تھا۔

آغاز:-

جفائے چرخ سے اک دن نپٹ ہو میں دلگیر

جو نکلا گھر سے ملے رہ میں مجھ کو میر منیر

کہا میں خیر ہے لے مہرباں کدھر کو چلے

کمر کو باندھ کے لے ہات میں سپر شمشیر

اختتام:-

خدا اونوں کو سلامت رکھے بعیش مدام

جو تیری قدر کرے ہیں قدرداں جہاں میں امیر

ہے نام اس کا جہاں میں تزلزل آفاق

بیان واقعیٔ روداد اس میں ہے تسطیر

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد ۴ شوال ۱۱۹۶ھ بجمعہ بصبح"

اس قصیدے میں شاعر نے کہیں اپنا تخلص نہیں لکھا ہے لیکن یہی قصیدہ ایک دوسرے مجموعہ قصائد میں ادارے میں محفوظ ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص افسق کیا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

(۶) ہجو حکیم بادشاہ

یہ ۱۷ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں ایک شاہی حکیم کی ہجو لکھی ہے۔ لیکن نام کسی کا نہیں لیا بلکہ یہ لکھ دیا ہے کہ:-

نہ لینا نام عیاں کو بیاں کی حاجت نئیں

حکیم بادشہاں ہو یا بید خلق اللہ

نظام علی خاں کے عہد کے دو حکیم بہت مشہور ہیں۔ ایک محمد ماہ خاں المخاطب بہ معالج خاں فرزند حکیم معالج خاں اورنگ آبادی اور دوسرے حکیم عزت یار خاں المخاطب بہ حکیم الحکما محی الدولہ۔ معلوم نہیں کہ شاعر نے کس حکیم کی ہجو لکھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہجو اول الذکر کی ہو کیونکہ وہ بعد کو ارسطو جاہ کے متوسل ہوگئے تھے۔ اور یہ شاعر ارسطو جاہ کا بڑا مخالف ہے۔

آغاز :۔

ملال غم کا اٹھا ایک دن جو ابر سیاہ
لگی برسنے جھڑی آب اشک کی ناگاہ
ہوئی جو کشتیٔ امید غرق بھر ایا سس
میں دیکھ مردم (اتم) چشم تب کا حال تباہ

اختتام :۔

نہ رکھیو چشم امید صلہ تو گردوں سے
سخن کے کہنے کے دعوے سے کر زباں کوتاہ
گئے دونا مجو سردار قدر دان سخن
صلہ جو دیتے تھے سن حرف مدح خاطر خواہ

ترقیمہ :۔

"پنجم شوال یکشنبہ بقصبۂ گن پورہ ۱۲۹۵ہجری
نبوی تمت تمام شد"

---

(۱۰۳) منظومات ہجویہ [۱۶۴]

اوراق ۱۴ - سطور ۲۶ شعر فی صفحہ۔
تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف - ہدایت - سنہ تصنیف ۱۲۰۰ھ۔
کاتب - ۔ سنہ کتابت ۱۲۰۰ و ۱۲۰۱ھ۔

اس مجموعے میں پانچ نظمیں ہیں جن میں ۳ قصیدے ایک مثنوی اور ایک مخمس ہے۔ یہ سب تاریخی موضوعوں پر لکھے گئے ہیں۔ اس لئے تاریخ دکن کا مطالعہ اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بہت اہم ہیں۔ ان سب کا مصنف ہدایت ہے جو ارسطو جاہ کا مشہور ہجو لگار ہے۔ اور جو ہجویہ نظموں میں اپنا تخلص احمق لکھتا ہے۔ اس کی اس قسم کی چھ نظموں کے ایک مجموعے کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ زیر نظر نسخے کی نظموں کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

۱۔ مثنوی جدل ارزل

یہ ناقص الاول ہے۔ موجودہ نسخے میں اس کی ابیات کی تعداد ۹۶ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت طویل مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنے زمانے کے ادنیٰ پیشہ والوں کی ہجو لکھی ہے۔ ابتدائی پچاس اشعار خدمت گاروں، باورچیوں کونجڑوں اور سائیسوں کی مذمت میں ہیں۔ اس کے بعد ہجو حجام کی سرخی قائم کرکے اس زمانے میں حجامت کے کیا طریقے تھے ان کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اسی سلسلے میں حکیم شیخ قاسم کی بھی ہجو لکھ دی ہے۔ حجام کا نام ننھا اور اس کی بیوی کا امینہ بتاتا ہے۔

آغاز :۔

عدم حق کی شرم کی خاطر — سوس آقا و گر بہ سوں جاکر
کھاٹ دیدے دو لینے گھر کے جب — موش سے بل طرف یہ گھر کے تب

اختتام:۔

سن کے فحش نے یہ نئی تقریر ہجو حجام کی کیا تحریر
لعنت اس مسخرے پہ کرکے مدام جدلِ ارذل رکھا ہے اس کا نام

ترقیمہ:۔

"بہ ۱۴ محرم ۱۲۰۰ھ روز جمعہ گفتہ شد و بہ نوزدہم
روز چہارشنبہ نوشتہ شد تمام شد"

۲۔ تزلزلِ آفاق

یہ وہی قصیدہ ہے جو پہلے مجموعے (نسخہ نمبر ۱۱۰۲) میں موجود ہے اور جس کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے۔ لیکن اس مجموعے میں یہ قصیدہ تقریباً سوا سال بعد نقل کیا گیا ہے۔ اس اثنا میں شاعر نے اس میں (۳۳) اشعار کا درمیان میں اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ آخری اشعار میں بھی اضافہ ہے۔

آغاز:۔

جفائے چرخ سے اک دن نپٹ ہو میں دلگیر
جو نکلا گھر سے ملے رہ میں مجھ کو میر منیر
کہا میں خیر ہے اے مہرباں کدھر کو چلے !
کمر کو باندھ کے لے ہاتھ میں سپر شمشیر !

اختتام:۔

خدا اونوں کو سلامت رکھے بہ عیش مدام
جو تیری قدر کے ہیں قدرداں جہاں میں امیر
خلاصے اوس کے مضامین دو سو اکیابیس
جب آئے شرح قلم میں بہ ندرت تقریر
کہا یوں مانی رنگ سخن نے اے بہزاد
ہوئی ہے خوب یہ تحریر ہجو کی تصویر
ہے اس کا نام جہاں میں تزلزلِ آفاق
بیانِ واقعی روداد اس میں ہے تسطیر

ترقیمہ:۔

"۱۱ محرم ۱۲۰۰ھ جمعہ سہ پہر نوشتہ شد"

گویا پہلے مجموعے کے ایک سال تین ماہ ۱۹ دن بعد یہ نقل کیا گیا ہے۔ اختتامی اشعار میں درمیانی دو شعر اسی عرصے میں اضافہ کئے گئے ہیں۔

۳۔ رزم نرمل

یہ ایک طویل تاریخی مخمس ہے جس میں پچپن[۵۵] بند ہیں اور جو بجائے خود ایک اہم تاریخی کتاب یعنی رزم نامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مخمس کی وجہ سے نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے معرکۂ نرمل کی نسبت اہم تاریخی معلومات تفصیل سے محفوظ ہو گئی ہیں۔ پہلے ہم اس معرکہ سے متعلق تاریخوں سے جو کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا خلاصہ بطور تعارف یہاں درج کرتے ہیں:۔

مبارز الملک ظفرالدولہ ضابط جنگ ابراہیم بیگ خاں دھونسہ نے جب ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء میں وفات پائی تو آصف جاہ ثانی کے حکم سے ان کے فرزند احتشام جنگ باپ کے قائم مقام اور نرمل کے حاکم ہوئے۔ لیکن کچھ عرصے بعد بغاوت پر کمر باندھی تو ان کی سرکوبی کے لئے سردار جنگ گھانسی میاں اور نادر جنگ فرانسیسی کو روانہ کیا گیا۔ انہوں نے کوٹگیر اور بودھن فتح کرکے دریائے گوداوری کو عبور کیا۔ جہاں احتشام جنگ کے سردار دلاور جنگ فرنگی وغیرہ مقابل ہوئے۔ اب آصف جاہ ثانی نے شرف الدولہ، زور آور جنگ، حشمت جنگ، سیف جنگ، اور امجدالدولہ کو بھی گھانسی میاں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور خود بھی ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۹۶ھ کو بلدہ سے نکلے۔ اور فتح میدان سے نجم الدولہ اور سید عمر خاں کو بھی آگے روانہ کردیا۔ بتاریخ ۲۹ ذیحجہ ایلوارتھ پہنچ کر نظام علی خاں نے

قلعہ جگتیال کے محاصرہ کے لئے دولت رائے کو کریم داد خاں یکّہ تاز جنگ، شجاعت جنگ، غلام علی وغیرہ کے ساتھ روانہ کیا۔ جس پر سخت مقابلہ کے بعد ۲۸ محرم ۱۱۹۰ھ کو قبضہ ہوگیا۔ اور یکم صفر کو خود نظام علی خاں وہاں پہنچ گئے۔ ۵ اصفر کو تمام فوج گوداوری پار کرگئی اور احتشام جنگ کی فوج کو بمقام چیٹیال (قریب نرمل) شکست ہوئی۔ آخرکار ۱۸ ربیع الاول کو احتشام جنگ دربار میں معافی کے لئے حاضر ہوئے۔ ان کا قصور معاف کرکے آصف جاہ ثانی نے ظفرالدولہ کا خطاب دیا اور صوبہ داری ایلچ پور پر مامور کیا۔ نرمل کی قلعہ داری پر امام علی خاں برہان الدولہ نامزد ہوئے۔ اور وہاں سے بہت سا زر و نقد ہاتھ آیا۔ اس واقعہ کو کتاب نظام علی خاں حصہ دوم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اس رزم نامہ کا مصنف بھی اس معرکہ میں غالباً شمس الامرا کے ساتھ تھا اس نے اپنے چشم دید واقعات لکھے ہیں اس لئے اس نظم کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

ضابط جنگ جب امر حق سے بیمار ہوئے تو اپنے بیٹے کو بلا کر نرمل کے لئے چار وصیتیں کیں۔ پہلی یہ کہ مجھے اس باغ میں دفن کرنا جو میں نے نرمل میں خاص اہتمام سے بنایا ہے۔ دوسری یہ کہ میں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے نوکری کی جنگ اور دولہ کا خطاب حاصل کیا اور نرمل میں مال کے انبار جمع کئے۔ جیسی میں نے اپنے خداوند نعمت کی اطاعت کی تم اس سے زیادہ کرنا ورنہ نرمل کے لئے کئی دشمن دربار میں موجود ہیں۔ تیسری یہ کہ جب حضور پُرنور ادھر آئیں تو اپنی سعادت جان کر ان سے ملو ورنہ نرمل کے لئے تمہیں ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ حضور نہایت رحیم و کریم اور اپنے فدویوں کے قدردان ہیں، وہ تمہاری بھی قدر کریں گے۔ تم کو جس مہم کے لئے بھیجیں وہاں سر کے بل جانا اور اپنی تلوار کا لوہا منوانا تاکہ نرمل تمہارے ہی قبضے میں رہے۔

چوتھی وصیت یہ ہے کہ جو میرے قدیم اہل کار ہیں ان سے کام لینا ظلم نہ کرنا اور نرمل میں دولت اس لئے جمع کی گئی ہے کہ تم سخاوت سے کام لو۔

غرض بعد وفات ضابط جنگ حضور نے ان کے مال سے ایک حبہ نہ لیا اور ان کے بیٹے کو احتشام جنگ کا خطاب دے کر نرمل ہی کا سردار مقرر کیا۔ لیکن دو روز ہی میں اس نے اپنے باپ کی وصیت کے خلاف قتل عام شروع کردیا۔ فوج کے بخشی اور دولت رائے کو مار ڈالا اور اپنے خویشوں اور ملازمانِ قدیم کو توپ کے منہ پر اڑا دیا۔ اور آخرکار سرکار سے جنگ کے لئے تیار ہوگیا۔ اور اس کا چھوٹا بھائی جو حاضر دربار تھا وہ احتشام جنگ کو سازشی خطوط لکھنے لگا اور اس لئے اس کو گرفتار کرکے قلعۂ گولکنڈہ میں قید کیا گیا۔ (سوانح نظام علی خاں میں یہ واقعہ درج نہیں ہے)

حضور نے دربار منعقد کرکے معرکۂ نرمل کے لئے تیاری کا حکم دیا اور گھانسی میاں کو طلب کرکے روانہ فرمایا جو ایک پل میں بودھن پہنچ گئے اور اوس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد خود حضور شہر سے نکلے اور خیمے میں قیام کیا اور حسب الحکم سب درباری حاضر رکاب ہوئے۔

جب دلاور جنگ فرنگی میدان میں آیا تو گھانسی میاں جلدی سے اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے اور صلہ داروں کی مدد سے ایسی شکست دی کہ دلاور جنگ سے ہاتھی اور گھوڑے تک چھین لئے۔ اس کے بعد گھانسی میاں کی شجاعت اور سخاوت کی بڑی تعریف کی ہے۔

جب اِس جنگ کی اطلاع نظام علی خاں کو پہنچی تو وہ

جگنتیال کے قریب آگئے اور اپنے صاحبزادہ کو جلد پونا روانہ کیا ۔
دو لیے واسے کو جگنتیال کے محاصرہ کے لئے حکم ملتے ہی اس نے قلعہ کو گھیر کر گولوں کی ایسی بوچھار کی کہ اہلِ قلعہ گھبرا گئے اور مجبور ہو کر قلعہ حوالے کر دیا۔

جگنتیال دیکھ کر حضور گنگا (گوداوری) پر آئے اور احتشام جنگ کے یہاں فرمان بھیجا کہ جان کی امان دی جاتی ہے اگر اب بھی مان لے ۔ لیکن اس نے نہ مانا تو حضور نے گنگا پار کرنے کے عزم سے کوچ کیا ۔

جب لشکر فیروزی چیٹیاں کے متصل آ کر اترا تو دشمنوں نے شب خون مارنا چاہا اس لئے پہلے چیونت راجا نے جا کر حملہ کیا اور پھر سدی عبداللہ اور سدی عنبر نے جا کر صف باندھی ۔ ایک طرف سے نادر جنگ پہنچے اور دوسری طرف سے سید عمر ۔

جب سید عمر کی لین سے گولے چلنے لگے تو دشمن بھاڑ کے چنوں کی طرح اڑ اڑ کے گرنے لگے ۔ اور کشتوں سے میدان بھر گیا۔ زمین سے آسمان تک بارود کا دھواں چھا گیا۔ گولے اولوں کی طرح برسنے لگے۔ (یہاں دو بند جنگ کے مناظر سے متعلق بہترین لکھے گئے ہیں) یہی حال صبح تک رہا۔ صبح حضور نے فوجوں کا مجرا لیا۔ اس کے بعد لڑائی شروع ہو گئی ۔ گولوں کی بوچھاڑ میں صولت جنگ اڑ گئے۔ اس نوجوان سردار کی موت سے تمام فوج کو رنج ہوا اور جب حضور نے سنا تو فرمایا ۔

جیف ہے صد حیف ہے افسوس ہے اے واہ دل
کیا جواں مارا گیا سردار نرمل کے لئے !

غرض گولوں کی جھڑی برس رہی تھی کہ شجاعت جنگ نے گھبرا کر لوہے کی کڑی توڑ کر اپنی عماری کی چھتری کو گرا دیا ۔ اور ادہر یہ خبر ملی کہ سید عمر کی لین پر سخت بار پڑ رہا ہے تو حضور نے غضبناک ہو کر اپنی فوج کو حکم دیا کہ :-

دیکھتے کیا ہو اے اہلِ رزم اے شیرانِ جنگ
ہاں اوٹھا گھوڑے کرو تہہ تیغ عدو کو بے درنگ

یہ سنتے ہی تمام اہلِ فوج تلوار لے کر چاروں طرف سے کود پڑے ۔ اور ادہر زور آور جنگ نے ہاتھی سے اوتر کر وضو کیا اور ساعت فتح و ظفر تک دعا مانگتے رہے کہ :-

فتح دے اے خالق جبار نرمل کے لئے

اس اثناء میں ایک طرف سے سیف جنگ فوج لے کر بے درنگ میدان میں پہنچے ۔ اور ایک طرف سے غلام امام خاں گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور نادر شاہ کی طرح دشمنوں کو مارنا شروع کیا۔ پرورش علی خاں بھی شیر نبرد کی طرح مدد کے لئے دوڑے اور اون کے ساتھی سواروں نے دشمنوں کو گرد میں چھپا دیا ۔

ایک طرف ابہت جنگ دشمنوں کو مار رہے تھے اور ایک طرف سر بلند جنگ نسیم کی طرح پہنچے اور قتل کرنے لگے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور کو فتح عظیم نصیب ہوئی ۔ احتشام جنگ کے حبشی اور روہیلے کب تک مقابلہ کرتے اور کیونکر جیتے جب کہ ان کا مقصد اچھا نہ تھا۔ سچ پوچھئے تو شمس الملک (شمس الامرا) اگر ایسے شیر نر اور رستم حشم سردار جمع نہ کرتے تو اس جنگ میں فتح نہ ہوتی۔ اس جنگ کے کشتوں کی تعداد اس سال ہجری کے اعداد کے مطابق ایک ہزار ایک سو ستانوے [۱۱۹۷] تھی ۔

اس شکست کے بعد احتشام جنگ نے اپنی ماں کے کہنے کے مطابق منفعل ہو کر اپنی جان کی امان مانگی اور حضور نے قبول کر لیا۔ وہ ہات باندھ کر آیا اور حضور کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور اپنے قصور عقل کا اقرار کیا ۔

جب حضور نرمل میں داخل ہوئے تو احتشام جنگ باناحصار ہی میں فروکش تھا اور ابھی اس کے ذہن میں خیال باطل موجود تھا۔ جب حضور کے سامنے یہ اندیشہ پیش کیا گیا تو انہوں نے مشورہ کر کے

احتشام جنگ کو ہوا بھیجا اور اپنے فیل خاصہ پر بٹھا کر سیر کے واسطے لے گئے۔ اور ادھر بارگاہ خاص کے آدمیوں نے بالا حصار میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس عقلمندی سے ایک اور مرحلہ طے کر لیا گیا۔ اس کے بعد احتشام جنگ کو برار کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا۔ اور خود نرمل کی سیر میں مصروف ہوئے۔ لوگوں نے فتح کی نذریں گزرانیں۔

ہم نے بھی یہ نظم اس شہر (نرمل) کی یادگار کے لئے ایک ہی روز میں دوپہر تک لکھ ڈالی اور اس کا نام رزم نرمل رکھا۔

آغاز:۔

غنچۂ لب کر کے وا یکبار نرمل کے لئے
کر شگفتہ فکر کا گلزار نرمل کے لئے
کھول کر مضمون کا منقار نرمل کے لئے
بلبلِ دل یوں کیا اقرار نرمل کے لئے
دل میں ہے کچھ کیجئے گفتار نرمل کے لئے

اختتام:۔

ماجرا اس جنگ کا جس دن ہوا سارا تمام
یادگاری واسطے اس شہر کے اے نیک نام
روئے تحسینِ سخن کو دیکھتے ہی صبح شام
دوپہر میں لکھ ہدایت رزم نرمل رکھ کے نام
ایک دن میں یہ کہا اشعار نرمل کے لئے

ترقیمہ:۔

"۲۲ محرم شنبہ ۱۲۱۳ ہجری نوشتہ شد در گن پورہ"

۴۔ قصیدہ بحر سخن

یہ ۵۴ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں شاعر نے موسیٰ ندی کی اس طغیانی کے چشم دید حالات بیان کئے ہیں جو ۱۲۰۰ھ میں آئی تھی اور جس سے شہر حیدرآباد کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہدایت نے بھی حیدرآباد کو شہری ضروریات کے تحت اس شہر کے پہلے اردو شاعر محمد قلی قطب شاہ کی طرح حیدر نگر لکھا ہے۔ اور کمال یہ کیا ہے کہ بظاہر تو طغیانی کا بیان لکھا ہے لیکن اس کا اصل مقصد (یعنی ارسطو جاہ کی ہجو نگاری ہے) بھی پورا ہو گیا ہے

چونکہ ۱۲۰۰ھ کی طغیانی ایک تاریخی واقعہ ہے اس لئے شاعر نے جو چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں ان کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

ہندوستان سے ایک نجومی حیدرآباد آیا اور راستے میں پوتھی کھول کر بیٹھ گیا اور کہنا شروع کیا کہ عید قرباں کے ساتھ ہی شہر میں آفتیں نازل ہو جائیں گی۔ چار مینار پر اس زور سے بجلی گرے گی کہ اس کی کڑاک سے لوگوں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ عورتوں کے پیٹ گریں اور بچے مر جائیں۔ اونچے درخت کے برابر شعلے نکلیں گے۔ اس کے بعد ابر تاریک چھا جائے۔ تین دن تک سورج نہ نکلے سانپ اور بچھو آسمان سے برسیں۔ توپوں کی طرح بادل گرجیں اور گولیوں کی طرح مینہ کے قطرے برسیں۔ تین روز اس شدت کی بارش ہوگی۔ دوسری محرم کو موسیٰ ندی میں اس زور کی طغیانی آئے گی کہ آدھا شہر ڈوب جائے گا۔ اور بہت سی مخلوق مرے گی۔

نجومی تو یہ کہہ کر اٹھ گیا۔ اب لوگ پریشان پھرنے لگے۔ اتفاق سے اسی تاریخ جب کہ سنہ ہجری پورا بارہ سو تھا رود موسیٰ میں طغیانی آئی۔ ہزاروں آدمی بہہ گئے۔ شہر کے حصار کو جابجا سے توڑ کر پانی بیچ شہر تک آگیا۔ اگلی طغیانیوں سے موسیٰ ندی کی یہ طغیانی کسی طرح کم نہ تھی۔ پل سے چار محل تک ایک تختۂ آب بن گیا تھا۔ لوگ درختوں پر اس طرح چڑھے ہوئے تھے جیسے منصور دار پر ہوں۔ گھانس پھونس کی طرح آدمی بہہ رہے تھے۔ اور بہرا کی لوٹ کھسوٹ میں مصروف اور شاداں تھے۔ دو تین

...کے بعد جب طغیانی کا زور گھٹا تو لوگوں کو اطمینان ہوا۔

اس واقعہ کے بعد ایک روز علی الصبح وہ نجومی مجھے پھر نظر آیا۔ میں نے پوچھا "اے جھوٹے اتنی بڑی جھوٹ گیا غرہ ہی مٹی بیٹ کو مانگ لینا تو مل جاتا۔ نہ وہ بجلی گری، نہ وہ خورشید چھپ گیا۔ نہ آسمان سے سانپ اور بچھو گرے" اوس نے جواب دیا "اے صاحب! یہ سب غضب الہی محض اوس شخص کی وجہ سے نازل ہو رہا تھا جس کے ظلم وستم سے اس شہر کی مخلوق نالاں ہے اور جو والی ملک کی دولت پر قبضہ کرکے مغرور بن گیا ہے۔ لیکن چونکہ ممدوح آصف جاہ بندہ پرور، سخی، کریم، اور ذات حق کی صفات سے معمور ہیں اس لئے ان کی نسبت کی وجہ سے یہ بلائیں سب دور ہوگئیں۔"

آغاز:۔

گوش دل سے سنو اے اہل شعور تازہ حیدر نگر کا ایک مذکور

مدت سے ایک دن جو نکلا اک نجومی وہاں زراہ دور

اختتام:۔

سب حسن نیت اس شہ کے ہوں بلیات یہ جہاں سے دور

سن کے یہ بات اے ہدایت تب دل کو حاصل ہوا بہت سرور

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی قصیدہ گلشن بہار شروع کر دیا گیا ہے۔

۵۔ قصیدہ گلشن بہار۔

اس قصیدے میں نواب تیغ جنگ شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا کے فرزند نواب امام جنگ کی شادی مکتب یعنی تقریب بسم اللہ خوانی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور اس طرح شاعر نے اپنے ممدوح اور ان کے فرزند کو اس تقریب میں مبارک باد اور دعا کی نذر دی ہے۔ اس میں (۶۵) اشعار ہیں۔

پہلے بہاریہ تشبیب لکھی ہے جس کا گریز اس شعر سے کیا ہے:۔

پوچھا میں باغبان خرد سے یہ دیکھ رنگ

کہ کس سبب خوشی کا یہاں انتہا ہے

اس کے بعد شمس الملک کی مدح نہایت تفصیل سے لکھی ہے جس میں ان کی شجاعت، تلوار، سپر، گرز، اور اسپ ابلق وغیرہ کے اوصاف ہیں۔ اور پھر ان کے فرزند امام جنگ کی مدح شروع کی ہے جس میں ان کی ذہانت، ہونہاری، شریف دوستی، سپاہی زادوں پر نظر عنایت وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

آغاز:۔

فصل بہ خوشی کی آج عجائب بہار ہے گلشن میں ان کے عیش کی مرسو نگار ہے

پُر نزہت انبساط ہے نشیمن میں سرو کے ساقی کا دور لطف وکرم بے شمار ہے

اختتام:۔

بدخواہ اس کے گھر کا شتابی سے ہوئے فنا

شاداں رہے وہ اس کا جو کوئی دوستدار ہے

ہیں کہیں دعا یہ ہدایت سے سن ملک

یہ ہی تیرے سے عرض اے پروردگار ہے

ترقیمہ:۔

"۲۲ محرم شنبہ ۱۲۰۱ھ نوشتہ شد۔"

اسی ترقیمے پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے۔

(۱۰۴) ہجویہ نظمیں [۱۶۲]

اوراق ۔ ۶ ۔ ۲۴ شعر فی صفحہ ۔
تقطیع ۔ ۵" x ۸" ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔
مصنف ۔ افسق ۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۱ھ ۔
کاتب ۔ افسق ۔ سنہ کتابت ۱۲۰۱ھ ۔

اس مجموعے میں ہدایت کے دو ہجویہ قصیدے اور ایک مخمس شامل ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص بجائے ہدایت کے

افسق لکھا ہے ۔ لیکن کاغذ، قلم، طرزِ تحریر وہی ہے جو اس سے پہلے کے دو مجموعوں کا ہے ۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے مخطوطہ نمبر ۱۰۳ کے تذکرہ میں لکھا ہے ۔ ہدایت اور افسق ایک ہی شاعر ہے ۔ ہجو یہ نظموں میں وہ افسق تخلص کرتا ہے اور دیگر کلام میں ہدایت۔

ان تینوں نظموں میں بھی شاعر نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو اُس زمانے کی تاریخ دکن پر کافی روشنی ڈالتی ہیں ۔ اس لئے ان کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے :۔

۱۔ قصیدہ ہجو اخرج

اس میں ۱۶۱ اشعار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف شیعہ مذہب کا پیرو تھا اور اس کے زمانے میں بھی مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں شیعوں کے علاوہ سنّی اور خارجی بھی شرکت کرتے تھے ۔ چنانچہ وہ ایام عاشورہ میں ایک مجلس میں گیا تھا وہاں ایک شخص نے یزید پر لعنت بھیجنے سے انکار کردیا۔ جس کی بنا پر مذہبی معاملات پر مباحثہ ہوا۔ شاعر اس شخص کی تفصیلی ہجو لکھتا ہے جس میں اس کے باپ سعادت، نانا گمنام اور اس کی بیوی مبارز خاں کی کنیز کے متعلق بھی نہایت فحش اشعار شامل ہیں ۔ مصنف نے مرزا رفیع سودا کی ہجو مولوی ساجد کی تقلید میں یہ قصیدہ لکھا ہے ۔ اور اس کی طرف آخری اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے ۔

آغاز :۔

ہے یہ سوال مرا تجھ سے چرخ نافرجام
غلط یہ کیسا ہے تجھ سے بہ دین خاص عام

دو فرقے خلقت حق سے جو ہیں گے آدم سے
سو یعنی اہل کنشت اور صاحب اسلام

اختتام :۔

جہاں آباد میں ساجد تھا ایک جو اخرج
یہ بیٹا اوس کا دکھن میں ہے بے حیا بدنام

زباں خموش اے افسق نہ کر تو اس کی ہجو
کہ ہوگا اس کے نواسے سے اب تجھے ہی کام

ترقیمہ :۔

" ۴ ربیع الاول ۱۲۰۱ھ روز یکشنبہ بوقت عصر نوشتہ شد"

۲۔ مخمس شب خون ٹیپو سلطان

اس مخمس میں ۱۳ بند ہیں اور اس میں اس تاریخی شب خون کا ذکر ہے جو بمقام شاہ نور ۱۱ صفر ۱۲۰۱ھ ہجری کو ٹیپو سلطان والی میسور نے حیدرآباد اور مرہٹوں کی متحدہ فوجوں پر مارا تھا ۔ تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر ہے لیکن اس کی تفصیلات درج نہیں ہیں ۔ حسن اتفاق سے اس شاعر نے محققین کے لئے اس کی تفصیل بھی محفوظ کردی ہے اس لئے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

ابتدا میں شاعر اپنے زمانے کے ظلم و ستم کی شکایت کرتا ہے ۔ اور غالباً ارسطوجاہ کو ملک کی ساری خرابی کا باعث گردانتا ہے ۔ اسی سلسلے میں وہ ظالموں کو رات بھر بددعا دیتا رہا اور صبح یہی کہتا ہوا باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر میں ایک قاصد آیا ہے جو یہ خبر لایا ہے کہ :۔

" فلاں طرف قہر خدا نازل ہوا ۔ ایسی گولیاں چلیں کہ اس شب خون کے دریا میں سب پیر و جواں ڈوب گئے ۔ جو زندہ بچے وہ قید ہوگئے اور جو مر گئے وہ رنج سے چھوٹے ۔ ۱۱ صفر ۱۲۰۱ھ کو جب دونوں لشکروں (یعنی مرہٹہ اور نظام) کو غافل پاکر ٹیپو نے شب خون مارا تو اہل سپاہ برہنہ سر بھاگے اور راستوں پر لوگوں نے جمع ہوکر چھینا شروع کیا۔

کہ یہ سب لوگ کہاں ڈوبے۔
قاصد نے جو باتیں رو رو کر بیان کیں اُن کو کیا
بتاؤں۔ جب مرہٹے نے سب لشکر ساتھ لیا اور دامی سے
کر شاہ نور کے قریب قیام کیا تو وہاں یہ سب مل کر تباہ ہوئے۔
بہت سے تو وہیں مر گئے لیکن اکثر لوگ جنگل میں بھاگ گئے۔
ان کے ساتھ تہور جنگ اور گھانسی میاں بھی تھے جو گویا
ہزیمت میں ڈوب گئے۔ مرہٹے اس بری طرح بھاگے کہ ان
کو کسی بات کی سُدھ نہ تھی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ٹیپو سلطان کے خلاف نظام
اور مرہٹوں کے اتحاد سے ناخوش تھا۔ ورنہ وہ اس خوب خون
اور شکست و پریشانی کے واقعہ کو اس طرح بیان نہ کرتا۔ خاصکر
گھانسی میاں کا تو وہ بڑا مداح ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ
یہاں اپنے جذبات کو چھپا نہ سکا۔

آغاز :-

خیال شکوۂ گردوں کے گرچاہ میں زماں ڈوبے
تو کیوں نہ بحر حیرت میں سخن کا خانماں ڈوبے
بہا ہے موج اس معنی میں کر دل گلستاں ڈوبے
کہ آفاتِ فلک سے مرد کا نام و نشاں ڈوبے
نہ ڈوبے اور وہ ظالم کہ جس سے سب جہاں ڈوبے

اختتام :-

کہا پھر اوس نے کیا بولوں اے احمق بات اس بن کی
کہ بھاگے مرہٹے ایسے نہ سُدھ اون کو رہی تن کی
خدا برلاوے پھر اون کی ظفر کی آرزو من کی!
عدو سے لفظ اختر (۱۲۰۱ھ) کے لکھی تاریخ اوس رن کی
صفحے پر دل کے ہاتف نے وہ جب نواب و خاں ڈوبے

ترقیمہ :-

"تمت ۳ ربیع الاول ۱۲۰۱ھ بروز دوشنبہ سہ پہر در حیدرآباد
راقم مصنف"

۳۔ قصیدۂ زلزلۂ فلک

یہ ترجیع اشعار کا قصیدہ ہے جس میں معرف مشیر الملک
ارسطو جاہ کی ہجو لکھی گئی ہے۔ ابتدا میں زمانے کی شکایت کی ہے
کہ غریب اور مظلوم روز بروز پریشان حال ہیں اور ظالم مزے
اڑا رہے ہیں۔ ارسطو جاہ کا شاعر پر اتنا رعب طاری تھا کہ وہ
قصیدے میں صاف طور پر نام نہیں لیتا۔ بلکہ اس نے اشعار ذیل
کے ہر مصرع کے ابتدائی حرف سے ان کا خطاب مشیر الملک
ظاہر کیا ہے۔

مصلحت کی میم ہے جس کی بلا ہووے نزدل
شور وشر کی شین ہے جس کی ہر اک دل کا گلے
یائے یاری سے ہو نقصاں جس کے (کرم خوردہ)
رائے رسم ظلم رائے رحم کے اوس کی (کرم خوردہ)

ان اشعار سے قبل ارسطو جاہ کا نام نہ لینے کا ذکر یوں کرتا ہے:-

لینے ایسے سخت ظالم کو خدا دے ہی بٹھا — مسند ملک ستم کے شامیانے کے تلے
نام کے لینے سی جسکے پانچ سو چالیس دیں — سور فکر ملی سوں چشم تر آنسو ڈھلے
بس جو ایسا ہووے مادر... بلا کو دیجئے — ذکر کر کچھ اور اوس کا اسم اب ہرگز نہ لے

آخر میں اس امر کی دعا کی ہے کہ ہم اوس ظالم کی لاش جلد
ہاتھی کے پاؤں تلے دیکھیں۔ جو دوسروں کو بھیک منگواتا ہے وہ
خود بھیک مانگنے لگے۔ یا غیب سے اس پر ایسی مصیبت پڑے کہ
مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ شاہ آصف تا ابد سلامت رہیں اور
ان کی بلا بدخواہوں پر ٹلے۔ ان کی دولت و اقبال کا طبل سدا
بجتا رہے اور ان کی ریاست کے نقش کا سکہ محشر تک چلتا رہے۔
شاعر کی دوسری دعا تو قبول ہوئی لیکن پہلی تمنا اس کے

دل کی دل ہی میں رہ گئی ہوگی کیونکہ ارسطو جاہ آخر دم تک مختار و ممتاز رہے اور نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے ان کی لڑکی کی شادی ولی عہد سلطنت سے کرکے ان کو اور بھی مفتخر فرمایا۔

آغاز:۔

بارشِ جورِ فلک کے دیکھتے دے زلزلے
جوشِ موجِ غم سے کیوں نہ بحرِ دل اب کھل بلے
خشک ہو جب قطرۂ آبی سمِ دریائے خوشی
ماہیٔ بے آب سا تب کیوں نہ ہر اک تلملے

اختتام:۔

تا ابد رہوے سلامت آصف شاہ جہاں اور بلا اسکی ہوا خواہوں کے سب اوپر ٹلے
دولتِ اقبال کا باجے سدا اوس کے طبل سکۂ نقش ریاست اوس کا نام سے چلے

کوئی ترقیمہ نہیں۔

---

(۱۰۵) دیوانچہ [۱۷۴]

اوراق ۱۳۔ سطور ۲۴ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۸۔ خط نستعلیق۔ عنوان اور جدولیں سرخی میں۔
مصنف۔ افسق۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۰۳ھ
کاتب ۔ ،، ۔ سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ

اس مجموعے میں افسق کے تین قصیدے ہیں۔ افسق اور ہدایت ایک ہی شاعر کا تخلص ہے۔ اسی شاعر کے تین اور مجموعوں کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ وہ تینوں مجموعے مصنف کے ابتدائی مسودے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابت کے بارہ[۱۲] سال بعد مصنف کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اُن پر نظرِ ثانی کرکے ذرا خوش خط لکھے۔ چنانچہ یہ مجموعہ خاص اہتمام کے ساتھ سرخ جدولیں کھینچ کر لکھا گیا ہے لیکن خط ان چاروں مجموعوں کا ایک ہی ہے۔

اس مجموعے کا نام مصنف نے دیوانچہ رکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اِسی طرح ایک بڑا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ اس نسخے میں تین قصیدے درج ہیں۔ ۱۔ صدمات زمانہ ۲۔ تزلزلِ آفاق ۳۔ تنزلِ آخات۔ ان میں سے دوسرا قصیدہ اسی شاعر کے دو اور مجموعوں (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۰۲ و ۱۰۳) میں درج ہے اور اس کا تفصیلی ذکر مخطوطہ نمبر ۱۰۲ میں کیا جاچکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مصنف ایک طویل اور معرکتہ آلارا قصیدہ ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت دیتا تھا۔ اس لئے اپنے تین مجموعوں میں دوسرے قصائد کے ساتھ اس کو بھی نقل کیا ہے۔

بقیہ دو قصیدوں کی تفصیل یہ ہے: ۔

(۱) قصیدہ صدمات زمانہ

یہ (۵۱) اشعار کا قصیدہ ہے جس میں تاریخ دکن کے ایک مشہور واقعہ کو قلمبند کیا گیا ہے جو ۱۲۰۳ھ کے جشنِ سالگرہ آصف جاہ ثانی سے متعلق ہے۔ اس سال آصف جاہ ثانی نے گولکنڈے میں ایک نیا محل (جو آج کل موتی محل یا نو محل کہلاتا ہے) بنایا تھا اور اسی میں مقیم تھے۔ نئے مکان کی گھر بھرائی کی تقریب میں یہاں ایک مینا بازار قائم کیا گیا جس میں نفائیس و جواہر کے علاوہ ہاتھی اور گھوڑے بھی بغرض فروخت مہیا کئے گئے تھے۔ آصف جاہ ثانی اور ان کے امرا اِس مینا بازار کی دلچسپیوں میں منہمک تھے کہ ایک پالتو بندر نے حضور کے ہاتھ کو زخمی کردیا جو ایک مہینے کے بعد اچھا ہوا۔ اس کی خوشی میں غسل صحت و سالگرہ کا جشن قرار پایا جس کی تیاری نواب ارسطو جاہ کر رہے تھے کہ ایک روز دربار میں حیدر علی بیگ جمعدار (علاقۂ ارسطو جاہ) نے اپنی جاگیر کی ضبطی اور قرضداری کی شکایت کی اور اپنے ہمراہیوں کو نذر کے لئے پیش کرتے کرتے اپنی کٹار نکال لی اور ہاتھ آگے بڑھا کر کہنے لگا کہ "حضور یا تو مجھے اس سے ذبح کردیں، یا مقدمۂ جاگیر و تنخواہ سپاہ کا فیصلہ فرمائیں" ارسطو جاہ

درمیان میں آکر کنارہ چھیننے لگے اور اس کوشش میں ان کا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ خون بہتا دیکھ کر ان کے ہواخواہوں نے حیدرعلی بیگ اور اس کے بعض ساتھیوں کو وہیں قتل کردیا۔ اور حضور نے ارسطو جاہ کی صحت تک جشن کو ملتوی کردیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھو نظام علی شاہ از سراج الدین طالب صفحہ ۱۵۶)

اس واقعے کو افسق نے شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ لیکن بجائے گولکنڈے کے اس کو خاص شہر حیدرآباد کے واقعے کے طور پر پیش کیا ہے چونکہ وہ اس وقت شہر میں موجود تھا اس لئے اس کا بیان اہم ہے اور آئندہ ماہرینِ تاریخ کو اس سے مدد ملے گی اس لئے اس قصیدہ کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

"میں صفحۂ کاغذ پر زمانے کے صدمات بیان کررہا ہوں۔ اس زمانے میں ظلمِ ہلاکو' طوفانِ نوح' اور غرورِ نمرود کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔

میں لوگوں کے ظلم وجفا پر سوچ رہا تھا کہ کسی ضرورت سے چوک کی طرف گیا وہاں شمالی ہند کے ایک دوست' خواجہ سرا میاں منظور سے ملاقات ہوئی۔ وہ پریشان حال کھڑے تھے میں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ کل کی بات ہے کہ تم ملک ہند میں امیر با مقدور تھے اور آج ایسی کیا گذری کہ پھٹا پرانا جوتا پہننے پر مجبور ہو۔

میاں منظور نے رو کر تیرھویں صدی کی شکایت کی اور کہا کہ میں ایک دوست کی تلاش میں ہند سے نکل کر متھرا کی طرف آیا تو معلوم ہوا کہ وہ آج کل کار دکن پر معمور ہے۔ اس کی دادی جو شوخ مزاج اور وجیہہ تھی محل خاص کی اصیلوں میں تھی اور ایک وقت خراب پوشیدہ کام کی وجہ سے پکڑی گئی تھی تو میں نے اس کی جان و آبرو بچالی تھی۔

غرض اس بھروسے پر کہ نجیب آدمی اپنے محسن کا مشکور ہوتا ہے یہاں آیا وہ شخص پہلے تو ٹھیک طور پر ملا لیکن بعد کو اتنا ستایا کہ آخر کار اپنے گھر میں ناظری کی خدمت دس روپے ماہوار پر قبول کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ اگر اس سے زیادہ کی خواہش ہے تو اس ڈبیا کو یاد کرو جو تم میری دادی صاحبہ کے ہاتھ سے چھین لے گئے تھے اور جو کروڑ روپے قیمت کی تھی۔

میں اس کی جھوٹ پر خاموش ہو کر چلا آیا لیکن ہزاروں گالیاں دل میں دیتا رہا۔ اس کے ایک ملازم نے کہا کہ میاں منظور تمہاری کیا شامت آئی تھی جو تم ایسے انسان کے بھروسے پر چلے آئے جس کی بدی سے شیطان بھی عاجز ہے۔

ابھی ہم میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ چوک میں لوگوں کی بھگدڑ مچ گئی اور شور ہوا کہ امیر کے گھر میں تلوار چل رہی ہے۔ راستوں سے زخمی جانے لگے۔ معلوم ہوا کہ حیدر بیگ نے مدارکار ریاست پر فتنہ و فساد کی غرض سے نذر دینے کے بہانے سے تلوار کھینچی ہے۔ اہلِ کار ریاست نے جرات کر کے ٹالنا چاہا تو اس کا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ اس پر تلوار چلی اور دو چار وہیں گر گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ حیدر علی بیگ کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ زخمیوں کو قید کر کے حضور کے حکم سے قلعہ گولکنڈہ بھیج دیا گیا اور ان کے گھر لوٹ لئے گئے۔

یہ حال سن کر خواجہ سرا میاں منظور نے کہا کہ اگر ظالم کی جان بچ گئی تو کیا ہوا اس کی خصلت تو بد ہے۔ اب اس کے خزانے میں زر نقد اور اصطبل میں ماش صدقے کی داخل ہوگئی۔ ایسی صورت میں اگر محتاج لوگ ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگیں تو کیا عجب کہ جو شخص ناوک تیر جفا سے کسی کے دل چھیدتا ہے اس کے بدن کا ہر زخم سو ناسور بن جائے۔ اور اس کے زخم میں مرہم کا فور زہر کا کام کرنے لگے"۔

اس تمام قصے میں ارسطو جاہ کا کہیں نام نہیں لیا۔

لیکن اصل میں انہی کی ہجو مقصود ہے کیونکہ اس وقت وہی کار
ریاست پر مامور تھے اور انہی کا ہاتھ حیدر علی بیگ کی کٹار سے
زخمی ہوا تھا۔

آغاز :۔

کروں ہوں منعقد کاغذ پہ بے قلم سطور سنو زمانے کے صدمات کا نیا مذکور
اٹھایا میں بلا ایسی جس کے صدمے سے ہوئے نمود علامات روز نفخ نشور

اختتام :۔

ستم کی تیغ سے زخمی ہو جس کی جان بشر ہو زہر اس کی جراحت پہ مرہم کافور
بجز خدا کے ہو سر بہتر نیک اہل کرم اے افتیؔ اونکے در سے گھر سے رہو آفت دور

۲۔ قصیدۂ تنزل آفات

(۱۴۰) اشعار کا ذوالمطلعین قصیدہ ہے جس میں مشیر الملک
ارسطو جاہ کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔ ابتدا میں زمانے کی حالت بیان
کی ہے کہ آج کل خواہ کوئی ہنر اختیار کریں پریشانی اور نقصان کا
باعث ہے۔ یہاں بے ہنر کو ہنرور سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی دو دن
کی زندگی کے تجمل کے واسطے ایسے مدار المہام کی ملازمت کرے جو
خیر خواہاں آصف جاہ کا بدخواہ ہو تو کیا فائدہ۔ اس کے بعد دوسرا
مطلع شروع کرتا ہے کہ :۔
میرے کلام کی اس شوخی کو دیکھ کر عقل نے کہا کہ کیوں
نہیں ایسے مدار المہام کی ایک زبردست ہجو لکھتا۔ اس کے بعد ہجو
شروع کی ہے جس کے اکثر شعر فحش ہیں۔
ارسطو جاہ کی پیدائش سے لے کر ماں باپ اور استاد کے ساتھ برتاؤ
تعلیم کی حالت، شادی کا ایسے روز ہونا جس روز کے نادر شاہ نے
ہندوستان میں قتل عام کیا تھا بہرحال تمام کوتیں اور برائیاں بیان
کی گئی ہیں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ اُن کے گھر پر ایسا اژدحام رہتا ہے
جیسے کوئی مرگیا ہے۔ پھر اُن کے جسم، حلیہ، چال، آواز، گھوڑے
ہاتھی، مکان، تہہ خانے اور باغ کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔ ان کے
مکان کی تعمیر کی تاریخ لفظ دارظلم (۱۱۹۷ھ) سے نکالی ہے۔
ان کے ملازمین اور سپاہیوں کی بھی ہجو لکھی ہے اور کہتا ہے کہ
یہ سب محمد نظام کی برادری کے لوگ ہیں۔ انہوں نے دھوبی کو رسالدار
اور جولاہے کو پیشکار بنایا ہے۔ اس کے بعد ان کے ہتھیاروں کی ہجو ہے۔
اُن کے دفتر میں دیوان، بخشی، کوتوال، عرض بیگی، قاضی
اور منشی وغیرہ ایسے لوگ ہیں جن کے باپ کا نام تو عبدالشکور ہے اور
ماں بیگی ہے۔ کسی کی ذات مومن ہے، کسی کا وطن گھن پورہ ہے۔
کسی کی بیوی کسی ملا یا امام کی داشتہ ہے۔ یہ لوگ دن کو تو خدا کا نام
لے کر مزدوری کر لیتے ہیں لیکن رات کو محمدؐ کے نام کی بھیک مانگتے ہیں۔
دوسرا لشکر تو ندی کے پار نکل جاتا ہے اور یہ لوگ ابھی
گاؤں ہی میں کوچ یا واپسی کی خبر پوچھتے رہتے ہیں۔ ان کا بخشی
قصاب کی اولاد سے ہے جو گائے کی چربی چرا لیتا ہے۔ (اسی طرح
ہر عہدہ دار کی تفصیلی ہجو لکھی ہے۔)
پھر ارسطو جاہ کی سواری کا ڈھنگ، دستخط کی شکل، عادات
و اطوار، غرض ہر بات کی تفصیل درج ہے جس سے مورخین کو بڑی
مدد مل سکتی ہے۔ آخر میں اُن کے مذہب کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

کیونکر کہیے شیعہ کہو اوس پلید کو
ضبطی میں بارگاہ رکھے جو امام کی

اس کے بعد دو تین شعر شمس الملک اور بالاجی رائے کی
مدح میں لکھے ہیں۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے وہ عیش و آرام سے زندگی
بسر کر رہا ہے۔ اپنا تخلص اس شعر میں لکھا ہے :۔

افتیؔ زباں خموش بس آگے سخن نہ کہہ
رخصت نہ دے تو فکر کو طول کلام کی !

آغاز :۔

زاہد نے عمر زہد میں اپنی تمام کی چھوٹی نہ فکر شیخ سے اکل دوام کی

عالم نے فارسی کی کتابیں پڑھاتو کیا　　حرص وہوا کی ترکی نہ اپنی تمام کی

اختتام :-

بدخواہ جو ترے ہوں قدردان قدر کے　　ہووے علل نصیب اولوکے جذام کی
کیا کام تجھ کو قہر جفا کار دہر سے!　　ہووے عمر دراز دکھن کے نظام کی

ترقیمہ :-

"تمت ۱۲ ربیع الاول ۱۲۰۲ھ روز دوشنبہ. تحریر
اتمام ایں دیوانچہ سلخ ماہ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ پنجشنبہ
راقمہ مصنفہ۔"

(۱۰۶) مثنوی نادر [۸۴]

اوراق ۴۴ - سطور ۱۱۔
تقطیع ۶¼" × ۸½" - خط نستعلیق نہایت اعلیٰ۔ عنوان سرخی میں
مصنف نادر۔ سنہ تصنیف ۱۲۲۸ھ
کتابت وسط تیرھویں صدی ہجری۔

یہ کہنے کو تو نواب اعظم جاہ والی ارکاٹ کا سفرنامہ ہے لیکن اس میں ان کے عہد کے اکثر مشاہیر کی خصوصیات اور تاجی و معاشی کیفیات بھی محفوظ ہوگئی ہیں۔ مصنف کے حالات کسی تذکرے میں درج نہیں البتہ "مدراس میں اردو" میں نصیر الدین صاحب ہاشمی نے اس کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے یعنی (۱) مثنوی رشک قمر و مہ جبیں　(۲) مثنوی نادر یا سفرنامۂ اعظم جاہ ان دونوں کے نسخے کم یاب ہیں۔ زیر نظر کتاب کا مخطوطہ شاید ہی کسی اور کتب خانے میں موجود ہو۔

اس کتاب سے مصنف کی نسبت جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

شاعر کے باپ اور دادا دونوں نواب صاحب ارکاٹ کے ملازم اور مقرب تھے۔ اور خود شاعر بچپن ہی سے نواب اعظم جاہ کا مقرب رہا ہے۔ اس کے والد نواب موصوف کے استاد تھے اسی لئے ان کو پالکی کا اعزاز دیا گیا تھا۔ لیکن شاعر کو اس مثنوی کی تصنیف کے وقت تک یہ اعزاز نصیب نہ ہوا تھا۔ چنانچہ جگہ جگہ اس کے حصول کی آرزو کی گئی ہے۔ شاعر کو اپنی تنگدستی اور قرضداری کا بھی شکوہ ہے۔ پہلے وہ بندی خانہ کا داروغہ تھا۔ لیکن نواب اعظم جاہ کا سفر نامہ لکھنے کی خاطر اس عہدے کو چھوڑنا پڑا۔ شاہی دربار کے مشہور شاعر اظفری سے نادر نے سخن گوئی میں اصلاح لی تھی۔ بادشاہ کے اگرچہ کئی استاد تھے لیکن نادر کے والد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ وہ ان کے متعلق لکھتا ہے :-

میرے باپ شہ کے جو استاد تھے!　　فخر اور حافظ خوش آزاد تھے
تھے خوش حال شہ کی عنایت سے وہ　　رہے تادم زیست عزت سے وہ
نہایت تھے تائب ہر اک صبح و شام　　نہ ہرگز طمع سے تھا دنیا کا کام
تھا یاد الٰہی میں نت ان کا دم　　رہ حق میں بے شک تھے ثابت قدم
موئے بعد آشاہ کے خواب ہیں　　ہوئے ساعی ہم سب کے اسباب ہیں

اس کے بعد لکھا ہے کہ مرحوم نواب ارکاٹ میرے والد کے مکان پر کئی بار آئے اور ان کی اتنی عزت کرتے تھے کہ کبھی ان کا کوئی سوال رد نہ کیا۔ شاعر کو اس امر کی شکایت ہے کہ دوسرے استاد زادوں پر عنایات کی بارش ہوئی اور میں محروم رہ گیا۔

یہ سفرنامہ حمد، نعت، تعریف اصحاب کبار، مناقب محبوب سبحانی اور مدح امیر الہند والا جاہ نواب اعظم جاہ کے عنوانات سے شروع کیا گیا ہے۔ موخر الذکر عنوان کے تحت اعظم جاہ کی بہت تفصیلی تعریف لکھی ہے جس میں ان کی بیگم، اور والدہ اور بھائی محمد علی خاں عظیم جاہ کے اوصاف بھی بیان کردئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہی اعظم نگر یعنے مدراس کی تعریف شروع کی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ اعظم جاہ کے جملہ امرا کی توصیف ایک نئی سرخی کے تحت

لکھی گئی ہے۔ اس میں ممتاز الامرا، اعظم الملک، حفیظ اللہ خاں، شرف الملک، معتمد جنگ، عبد الحمید خاں، وجیہہ اللہ خاں اور قادر حسین کے حالات الگ الگ لکھے ہیں۔ پھر عالموں، مشائخوں اور طبیبوں کا ذکر کیا ہے۔ طبیبوں میں صرف باقر حسین خاں اور شعرا میں اطفری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ان شخصیتوں کے تذکرے کے بعد اعظم جاہ کے قصر اور باغ "ہمایوں محل" کی تعریف لکھی ہے۔ اور اس کو آبادی میں حیدرآباد سے تشبیہ دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حیدرآباد اُس زمانے میں اپنے باغات اور آبادی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

وہ بستی سے یوں باغ آباد ہے   گویا باغ میں حیدرآباد ہے

محل کی روشنی، آرائش اور تصویروں کے تذکرے کے بعد دربار اور مسند شاہی کا ذکر کیا ہے۔ اصل موضوع ورق ۲۰ سے شروع کرتا ہے۔ سفر کی تیاری، انگریزوں کو علم، امیروں اور سپاہیوں کی ہمراہی، ڈیروں اور قناتوں کی تفصیل، ایک سفری مسجد اور حوض کی شان و شوکت غرض جملہ امور وضاحت سے درج کئے ہیں۔

اعظم جاہ کے سفر کا اصل مقصد درگاہوں کی زیارت اور نذر و نیاز قرار دیا گیا ہے۔ ناگور شریف میں قادر ولی کے مزار کی زیارت اور عرس کے اہتمام کو خاص عقیدت اور تکلف سے قلمبند کیا ہے۔ یہاں کے قیام کے زمانے میں لشکر میں وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے اہل لشکر اور امرا میں جو ہلچل مچی اس کو بہت دلچسپ طریقے سے پیش کیا ہے۔

ناگور سے تنجور کی طرف کوچ کیا گیا اور راستے میں جن جن مصائب یا مسرتوں سے سابقہ پڑا سب کی تفصیل درج کی ہے۔

مصنف بھی اس سفر میں نواب کے ہمراہ تھا اور یہ سفرنامہ منظوم کر رہا تھا۔ اس کے مطالعے سے اس زمانے کے شہر مدراس اور جنوبی ہند کی معاشرت اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سفرنامہ ایک طرح کا تاریخی ذخیرہ ہے۔

اس کا ابتدائی ورق (یعنی چند سطریں) غائب ہیں۔

آغاز:—

نہال اب ہیں تجھ فیض سے نونہال   گرہ میں ہے غنچے کی زر مالامال
مہ و مہر بخشش سے تیری سدا   کہ شام و شفق کا دوشالہ لیا

اختتام:—

کیا ہے سفر جب شہ نیک خو   کہ بارا سو اٹھتیسواں سنہ تھا وہ
اوس ہی سن میں کر فکر نظم کلام   کیا اس سفرنامے کو اختتام
بدل جب کہ تاریخ کی فکر کی   ندا ہاتف غیب نے تب یہ دی
صلا اس کا تجھ کو ملے بہترین   یہ نادر ہوئی مثنوی آفریں

ترقیمہ:—

"مالک حلیمہ بنت صبغۃ اللہ بن محمد غوث بن ناصر الدین محمد عفا اللہ عنہم۔ غلام محمد شرف الدولہ بہادر۔ مالک، عبد القادر عنہ شرف الدولہ"

یہ عبارت کتاب کے آخری ورق پر درج ہے۔ یہ نسخہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کا عطیہ ہے۔ سرورق پر ان کے دستخط اس طرح ثبت ہیں۔

"تحفہ بہ کتب خانہ ادارۂ ادبیہ۔ ہاشمی ۲۲-۹-۴۷ء ف"

[۷۲] دہ مجلس (۱۰۷)

اوراق ۱۲۱۔ سطور ۱۲ فی صفحہ۔

تقطیع ۵¾" × ۷¾"۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ فاضل۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۲ھ

اس مثنوی میں تقریباً تین ہزار ابیات ہیں۔ حمد و نعت کے بعد ہی پہلی مجلس شروع کر دی گئی ہے۔ ہر مجلس کسی ایک موضوع

لئے مختص ہے۔ جس کی صراحت درج ذیل ہے :۔

۱۔ وفات سید المرسلین (۴ ب) ۲۔ وفات سیدۃ النساء (۱۴ ب)
۳۔ شہادت امیر المومنین (۲۲ ب) ۴۔ شہادت امام حسن (۳۴ و)
۵۔ " مسلم بن عقیل (۴۱ ب) ۶۔ " محمد و ابراہیم پسران عقیل (۵۵ و)
۷۔ " حُر بن یزید (۶۵ و) ۸۔ " قاسم (۷۶ ب)
۹۔ " عباس و علی اکبر (۸۶ و) ۱۰۔ " امام حسین (۹۲ ب)

دسویں مجلس کے خاتمہ پر ورق ۱۰۱ سے شہادت کے ہر بیان کے ختم پر پڑھنے کے لئے ایک منظوم دعا درج کی گئی ہے۔ جس کے بعد کے ورق ۱۰۳ سے اہلِ حرم کا احوال سفر شام لکھا ہے جو ورق ۱۱۰ ب پر ختم ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے اہلِ حرم کا مدینہ جانا اور چہلم کا ذکر کیا ہے۔

شاعر نے آخری ابیات کے علاوہ کتاب میں اپنا تخلص جن ابیات میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں :۔

گنہگارانِ امت ہے یہ فاضل اُسے جنت ہو یا شبیر حاصل (۱۴ ب)
یا خدا بہر حیدر کرار ہے جو فاضل تراذلیل و خوار (۱۰۲ ب)

شاعر اور اس کی اس کتاب کی نسبت مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ البتہ اس کے مذہب کے متعلق ان ابیات سے اندازہ ہوسکتا ہے :۔

واسطے چار یار اہل صفا اور وہ جن کے دل میں ہے نہ ریا
واسطے سید محی الدین ! کہ وہ ہیں بادشاہ خلد بریں
(ورق ۱۰۲ و)

اور جو شخص چار یاری ہیں جن کو کہتے غرض کہ سنی ہیں
رے انہوں کو خوشی مرے غفار اور نہ محتاج ان کو کر زنہار
(ورق ۱۰۲ ب)

آغاز :۔

لکھوں ہوں حمد اول کبریا کی کہ جس نے ہم کو دانائی عطا کی
حواس و ہوش اور فہم و فراست ادب تمیز اوس نے کی عنایت

اختتام :۔

رولاؤ اور روؤ تا قیامت محمد جو کریں سب کی شفاعت
بس اب آگے تو ہو خاموش فاضل تجھے جنت معزز ہوگی حاصل

قطعہ تاریخ دہ مجلس

دہ مجلس مفتوحہ محرم کہہ کر تاریخ کی فکر کی جو میں نے
ہاتف نے کہا کہ تو نے فاضل یہ حال غم امام لکھا اچھا
۱۲۴۲ھ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ کتاب مولوی نصیر الدین صاحب ایم اے۔ بی ٹی لکچرار اردو عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ کی عطیہ ہے۔

---

(۱۰۸) نامۂ حضرت سلطان [۱۵۶]

اوراق ۴۔ سطور ۱۰۔
تقطیع ۴ × ۸″۔ خط شکستہ۔
مصنف۔ عبد الملک عبد زمانۂ تصنیف اوائل گیارھویں صدی ہجری
کاتب " " کتابت "

الملک بھروچی شاعر عبد الملک کی نظم مولود نامہ (مرتبہ ۱۰۰۹ھ) کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ (دیکھو مخطوطہ نمبر ۶) تقریباً پچاس ابیات کی یہ مثنوی بھی غالباً اُسی عبد الملک کی تصنیف ہے۔ اس میں شیخ سید عبد القادر محی الدین جیلانی محبوب سبحانی کی مدح کی گئی ہے۔ آخری بیت میں شاعر نے اپنا نام و تخلص بھی لکھ دیا ہے۔

آغاز :۔

محی الدین سلطان قادر اہے مجکو ی جاں کرے یاد حاضر اہے
محی الدین ساچا توں سلطان اہے دیون ہار توں دان ایمان اہے

اختتام :-

جو اس کی طرف سوں ہوا منبع عیاں دو میم کا گنج میں کیا ہو بیاں

سو عبدالملک عبد بندہ کمیں ! حقیقت خداوند سوں ...... (کرم خوردہ)

ترقیمہ : -

"تمت تمام شد۔ کار من نظام شد کاتب الحروف فقیر عبدالملک ..... (کرم خوردہ)

سرورق پر حسب ذیل دو بیتیں سید میراں کی درج ہیں ۔

ہیں علی شہ سچی جیبہ ہوا کھو راول تے کرم تو کہ تابع مریداں کہو کھو راول آئے

سید میراں تو جوگی ہونا تو توں راول بندا ذکر فکر سوں محبت لانا مت دے گورکہ دھندا

---

(۱۰۹) مدح شاہ میرانجی [۶۵۲]

اوراق ۶ - سطور ۸ -

تقطیع - ۸ × ۸ - خط ثلث -

مصنف - کریم - زمانہ تصنیف اوائل گیارھویں صدی ہجری -

کتابت - اوائل گیارھویں صدی ہجری -

یہ ایک ترکیب بند ہے - اور ہر بند میں پانچ یا چھے مصرعے ہیں جن کے آخر میں وہی ایک شعر درج ہے جو نظم کی ابتدا میں لکھا گیا ہے - جملہ چھے بند ہیں - ان میں شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری کی مدح ان کے ایک مرید کریم نے قلمبند کی ہے -

آغاز :-

ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا !

جب روح کوں تن کا سنگ ہوا بجل اثروں اس کے دنگ ہوا

جب گیان ترنگیں تنگ ہوا یہاں یاد دلبر یک رنگ ہوا

او شاہد دلبر تنگ ہوا ! ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا !

اختتام :-

پیر شہ میراں جی آن ملے منج پر موں اپنے لائے گلے

سب تن من جیو کے پھول کھلے اس خوش بوئی سوں جیو پھلے

یوں سب میں دیکھے ویلے ویلے سب رخ کریا پیو ملے !

ارے طالب ہونا طلب خدا

جے حق تے آیا یہی ندا

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی کسی دکھنی شاعر حافظ کی نو اشعار کی دو غزلیں درج ہیں جن کے مطلع اور مقطع یہ ہیں :-

مطلع - شاہی منجے مبارک ہو حسن لایزالی ! منجہ کوں اچھو گدائی ہور عشق لایزالی

مقطع - کر گل بدن حافظ کوں لس مہر ہو کرم تھے دنیا داغ تازہ کرگئے ہیں گل نہالی ! (او بالی)

مطلع - دیکھو پیا سکی نے کیا سحر منجہ پو کرگئے دل سٹا دل ملا کر دل چھین منجہ بسر گئے

مقطع - مشتاق جدے ہوئی ہوں حافظ ترے درس تھے کھلے لگ بس ہو نال تل میرے اوپر گزر گئے

اس نسخے کی کتابت اوائل گیارھویں صدی ہجری کی معلوم ہوتی ہے -

---

(۱۱۰) توصیف نامہ میراں محی الدین [۶۵۳]

اوراق ۸ - سطور ۱۳ فی صفحہ -

تقطیع ۸ × ۶ ۱/۲ - خط ثلث -

مصنف - فیروز - سنہ تصنیف قبل ۹۷۲ھ

کتابت - اوائل گیارھویں صدی ہجری -

یہ ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ سو سے زیادہ ابیات ہیں - اس میں حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی اور مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کے اوصاف تفصیل سے قلمبند کئے گئے ہیں -

اس کتاب کا مصنف گولکنڈہ کا مشہور شاعر فیروز تھا جو عہد ابراہیم قطب شاہ (۹۵۵ھ تا ۹۸۸ھ) میں گذرا ہے - اور جس کی استادی اور کمال کی شہرت قطب شاہی دور کے خاتمے تک عروج پر تھی -

عہد محمد قلی قطب شاہ کے ملک الشعرا وجہی نے اپنی کتاب قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) میں اس باکمال شاعر کا بڑی عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

کہ فیروز آ خواب میں رات کوں ۔۔۔ دعا دے کے چومے مرے ہات کوں
لکھیا ہے توں یو شعر ایسا سرس ۔۔۔ کہ پڑنے کوں عالم کرے سب ہوس
تو یوں کر کہ خصلت یو تج آئے نا ۔۔۔ کہ توں خوش اچھے ہور کسے بھائے نا
توں ایسی طرز دل تے پیدا نوی ۔۔۔ کہ دوسرے کریں سب تری پیروی
وجہی ترا ذہن جیوں برق ہے ۔۔۔ تجے ہور بعضیاں میں لئی فرق ہے

(یعنے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو فیروز رات کو خواب میں آئے اور دعا دے کر ہاتھ چومے اور ہمت افزائی کی کہ تم نے ایسے دلچسپ شعر لکھے کہ تمام عالم ان کو پڑھنا چاہتا ہے۔ اور نصیحت کی کہ تو ایسی خوبی نہ پیدا کر کہ خود تو خوش ہو اور دوسرے پسند نہ کریں۔ بلکہ تو ایسی نئی طرز اپنے دل سے نکال کہ دوسرے بھی اس کو پسند کر کے تیری پیروی کریں۔ اے وجہی تیرا ذہن برق کی طرح ہے۔ اور تجھ میں اور دوسروں میں بڑا فرق ہے۔)

ملک الشعرا وجہی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز کو وہ اپنا بزرگ سمجھتا تھا۔ کیا تعجب کہ فیروز وجہی کا استاد ہو۔ جب ہی تو اس کے خواب میں آکر دعا دینے، نصیحت کرنے اور تعریف و ہمت افزائی کرنے کا تذکرہ کرتا ہے۔

وجہی کے ایک عرصے بعد ۱۰۶۶ھ میں گولکنڈہ کے ایک اور شاعر ابن نشاطی نے اپنی مثنوی پھولبن میں بھی استاد الشعرا فیروز کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ اس زمانے میں استاد فیروز موجود نہیں ہیں جو میری شاعری کی سچی داد دیتے۔ اس کا شعر ہے ؎

نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد ۔۔۔ جو دیتے شاعری کا مج مرے داد

اس شعر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فیروز اپنے تلامذہ کی بڑی ہمت افزائی کیا کرتا تھا اور شعرا اس کی داد کو شاعرانہ کمال کا اصلی صلہ سمجھتے۔ یعنے جس شاعر کی وہ تعریف کر دیتا اس کا کمال مستند و مسلم ہو جاتا۔

گولکنڈہ کے اس عظیم الشان شاعر کو اردو دنیا گذشتہ دو صدیوں میں بھول چکی تھی۔ سب سے پہلے اس کو اردو شہ پارے میں روشناس کیا گیا اور اس کے کچھ عرصے بعد دکن میں اردو اور اردوئے قدیم کے دوسرے ایڈیشنوں میں اس کا ذکر شریک کیا گیا۔ اردو شہ پارے میں اس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ:۔

"وجہی نے بھی قطب مشتری کے دیباچے میں اس کو اردو شاعری کا استاد بتایا ہے۔ وجہی اپنی شاعری کی خواہ مخواہ تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کا بیان ہے کہ فیروز نے خواب میں آکر اس کی شاعری کو تسلیم کیا اور اس کی شاعری سے خاصہ اثر لیا۔

وجہی جیسے مغرور شاعر کا جب یہ خیال ہو تو ظاہر ہے کہ فیروز بہت بڑا شاعر تھا۔ لیکن یہ نہایت بدقسمتی ہے کہ ان دونوں شاعروں (فیروز اور محمود) کے حالات اور ان کے کارناموں کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں" ص ۴۳

ہماری یہ بدقسمتی ٹھیک چودہ سال بعد خوش قسمتی میں بدل گئی جب ادارے کے کتب خانے میں خود فیروز کی یہ کتاب "توصیف نامہ" داخل ہوئی۔ اور ہم اس قابل ہوئے کہ اس استاد شاعر کے کچھ حالات اور اس کے کلام کا نمونہ پیش کر سکیں۔ اردو شہ پارے کی اشاعت کے بعد سے جن جن کتابوں میں فیروز کا ذکر کیا گیا وہ انہی ابتدائی معلومات پر مبنی تھا جو اردو شہ پارے میں درج کی گئیں اور کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ فیروز کی نسبت معلومات میں کوئی اضافہ کر سکے۔

فیروز کی زیر نظر کتاب تاریخ ادب اردو کے ایک اہم خلا کو پر کرتی ہے۔ اب تک سلطان محمد قلی قطب شاہ سے قبل کے بہت کم شاعروں کا پتہ چل سکا ہے۔ اور گولکنڈے کے

کسی ایسے شاعر کا کلام نہیں ملا تھا جس کا تعلق عہد ابراہیم قطب شاہ سے ہو یا جو محمد قلی قطب شاہ سے پہلے گذرا ہو۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ خود فیروز کی اس مثنوی سے اس کی نسبت کچھ معلومات حاصل ہوگئیں اور کیا تعجب کہ اس کتاب کی طرح اس کی اور دوسری کتابیں بھی موجود ہوں اور بعد کو ہمیں دستیاب ہو جائیں۔

فیروز ملا خیالی کا ہم عصر اور ابراہیم قطب شاہ کے عہد کا بڑا شاعر تھا۔ یہ کتاب اس نے محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش سے چند سال قبل لکھی تھی۔ وہ بیدر کے مشہور صوفی اور صاحب تصانیف عالم مخدوم جی شیخ محمد ابراہیم کا معتقد او مرید تھا۔

مخدوم جی شیخ محمد ملتانی کے بڑے صاحبزادے اور بیدر کے مشہور و معزز مشائخین میں سے تھے۔ مشکواۃ النبوۃ اور دوسری کتابوں میں ان کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ وہ صاحب کشف و کرامات اور خارق عادات تھے۔ تصوف کے مسائل میں کئی کتابیں لکھی تھیں۔ تذکرۂ اولیائے دکن میں لکھا ہے کہ

"باوجود کبر سنی تمام شب عبادت کرتے تھے۔ آپ عالم فاضل ولی کامل تھے۔ جامع کمالات انسانی و فضائل روحانی تھے۔ دکن میں آپ کے خوارق مشہور ہیں" ص۲۱۹

اس کے بعد چند خوارق عادات نقل کئے ہیں جن میں سے ایک کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

ایک شیعہ امیر شاہ جی المخاطب صدر جہاں کو سنی درویشوں سے کوئی اعتقاد نہ تھا مخدوم جی کی شہرت سن کر ان کے امتحان کی خاطر دل میں یہ خیال کرکے آیا کہ اگر وہ حضرت علیؓ کے فضائل بیان کریں گے تو میں ان کو درویش کامل سمجھوں گا۔ جب وہ مخدوم جی کی خدمت میں پہنچا تو وہ حضرت علیؓ کے فضائل ہی بڑی خوبی سے بیان کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ بڑا معتقد ہوگیا اور اکثر ان کی خدمت میں آتا رہا۔

مخدوم جی اپنے والد کے سجادہ نشین تھے۔ امیروں سے بہت کم ملتے اور کسی دنیا دار کے یہاں نہ جاتے۔ ان کے ذکر و شغل کی شہرت بیدر سے نکل کر گولکنڈے تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں کے اکثر لوگ ان کے یہاں جاتے اور فیض پاتے۔ ان کے کمالات کا شہرہ سن کر ایک وقت ابراہیم قطب شاہ نے بھی ملاقات کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے گولکنڈہ آنے سے انکار کردیا۔ یہ بادشاہ ایسے بزرگوں کا بڑا معتقد تھا چنانچہ اپنے خاندان کی اکثر لڑکیاں مشائخین او صوفیا سے بیاہ دی تھیں اور اپنے بڑے لڑکے شاہ عبدالقادر کی شادی بھی بیدر کے مشائخ خاندان میں کی تھی۔ اسی اعتقاد کی بنا پر عرض کرایا کہ مخدوم جی بیدر سے تشریف نہ لاتے ہوں تو نعلین ہی بھیج دیں تاکہ میں نعلین بوسی سے مشرف ہوں۔ مخدوم جی نے کہلا بھیجا کہ سلاطین درویشوں سے دعا چاہتے ہیں میں آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شریک کرتا ہوں یہ کافی ہے۔

مخدوم جی نے ۲۲ر شوال ۹۷۲ھ کو وفات پائی اور بیدر ہی میں مدفون ہوئے۔ فیروز نے اس زیر نظر مثنوی میں مخدوم جی کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے خواب میں حضرت محبوب سبحانی کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مخدوم جی ہوبہو ویسے ہی ہیں۔ اسی لئے وہ ان کو جگہ جگہ محی الدین ثانی لکھتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ وہ عرصے تک زندہ رہیں تاکہ میں ہمیشہ مئے وحدت پیتا رہوں۔ وہ اپنے مرشد کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

مدح مخدوم جی

ابراہیم مخدوم جی جیونا ۔۔۔ کہ مئے صرف وحدت صدا پیونا

دایہ مخدوم جی جگ منے ۔۔۔ منگوں نعمتاں (میں سدا) اس کنے

کریں منجھ اُپر پیارا پیے پیو جگ   کہ تجھ پیار تھیے ہوئے مند پیر جگ
جنا یو تھیے تو ہمن باس ہے   تو ہم جیو کے پھول کا باس ہے
دہی پھول جن پھول کی باس تو ں   وہی جیو جس جیو کی آس توں
سو توں روک ہے دین کا باردار   جو تجھ چھانوں جگ ہر پکڑیا قرار
تجھو منجھ اپر چھپا تو تیرا جرم !   کہ آدھار میرا سو تیرا کرم
اریاں کی مجلس کرامت تجھے   امیناں کی صف میں امامت تجھے
سدامت مدہوش دیدار کا   سچا توں طلب گار کرتار کا
محی الدین مخدوم جی جاگنا   ہمیں جیو اس پیو سوں لاگنا
ہے پیر مخدوم جی جانیا !   محی الدین وجے پوجم آنیا
تجے راد نے جگت راتا جنم   محی الدین سوتوں کماتا جنم
مجے دان دے دین ودل شاد کر   دنیا کے گناہاں تے آزاد کر
نگہبان میرا توں سنج رکھ نگاہ   مجے دوے دشمن تھے تیرا پناہ
جتے پیر مخدوم جی پاک ہے   اسے دین و دنیا میں کیا باک ہے

یہ ابیات مسلسل نہیں بلکہ مختلف مقامات سے منتخب کی گئی ہیں۔

ان سے مخدوم جی کے متعلق تاریخوں کے اُن بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ البتہ اس واقعہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ مخدوم جی گولکنڈے کے اس شاعر کو بہت چاہتے اور اس پر بڑے مہربان تھے۔

فیروز کی زبان محمد قلی قطب شاہ سے ملتی جلتی ہے لیکن محمد قلی نے پٹھانوں اور ہندو ماہرین موسیقی کی صحبت میں ہندی کا عنصر زیادہ کر دیا تھا۔ فیروز کے کلام کی روانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرانا شاعر تھا اور اس مثنوی سے قبل اس نے شاعری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔

شاعر نے اپنا تخلص ان ابیات میں لکھا ہے :۔

تو فیروز خستہ کو رات امان دے   منگوں دان تجھ کن اتوں ایماں دے (۴ و)
سو فیروز سپنے (خواب) میں پایا رتن !   رکھیا سو رتن ڈھانک جیو سوں رتن (۵ ب)
رتن خاص فیروز جب پائیا   پدک دل منے لال بسلائیا (۵ ب)

افسوس ہے کہ نسخہ ناقص الآخر ہے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اصل مثنوی کتنی ابیات پر مشتمل تھی۔

آغاز :۔

تمہیں قطب اقطاب جگ پیر ہے   تمہیں غوث اعظم جہانگیر ہے
تمہیں چاند باقی ولی تارے ہیں   توں سلطان سردار بسیارے ہیں

اختتام :۔

نگہبان میرا توں مجھ رکھ نگاہ   مجے دوے دشمن تھے تیرا پناہ
جتے پیر مخدوم جی پاک ہے   اسے دین و دنیا میں کیا باک ہے
جسے پیر مخدوم جی سائیاں   دھرے ۔ ۔ ۔

---

(۱۱۱) فقر نامہ [۶۵۴]

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۶۔

تقطیع $\frac{1}{2}$۴ × $\frac{1}{2}$۲ ۔ خط نستعلیق معمولی۔

مصنف کامل۔   زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ

یہ سو اسو ابیات کی مثنوی ہے جس میں ایک صوفی شاعر کامل نے فقر و فقیری کے قواعد و ضوابط اور اسرار و لوازم کے متعلق اپنے مرشد رحمت اللہ کے خیالات کو منظوم کیا ہے۔

گجرات و دکن کے صوفیائے کرام میں دو بزرگ بہت مشہور ہوئے جن کا نام رحمت اللہ تھا۔ (۱) شیخ رحمت اللہ چشتی جو سلطان محمود بیگڑہ کے مرشد تھے اور ۲۶ جمادی الثانی ۹۶۵ھ میں وفات پائی اور شیخو پورہ گجرات میں مدفون ہوئے۔ (۲) خواجہ رحمت اللہ بلگانوی جو کرنول میں قیام پذیر تھے اور وہاں سے اودگیر آئے اور ۲۶ ربیع الاول ۱۱۹۵ ہجری میں فوت اور رحمت آباد میں دفن ہوئے۔ یہ کتاب جن بزرگ کے ملفوظات پر مشتمل ہے وہ موخر الذکر رحمت اللہ ہوں گے کیونکہ اس کی زبان زیادہ قدیم نہیں ہے۔ نیز یہ کہ موخر الذکر

خود بھی مصنف اور کئی مصنفوں کے مرشد اور استاد تھے ۔

شاعر نے اپنے مرشد کا ذکر ان ابیات میں کیا ہے :۔

کیا رحمت اللہ نے مجھ پر کرم   بکی مجھے راہ سب دم قدم (۲آ)
مرا پیر ہے رحمت اللہ امام   کمینہ ہے کمترینہ کامل غلام (۲ب)
جو کچھ رحمت اللہ سوں سنتا تھا جیوں   قلم بند کر کر میں رکھتا تھا یوں
مجھے کوں سکت تھی اسے بولنے   نہ تھی مجھ سکت اس زبان کھولنے
دلے ہوں فقیراں سوں یک لحظہ یا   جو دون کے کرم سوں کہا بہتریا
عنایت فقیروں کی دایم اچھو   جو رحمت دے سر پو قایم اچھو
(ورق ۲ب)

ان آخری ابیات سے سب تالیف ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے مرشد کے ملفوظات کو شاعر ساتھ کا ساتھ قلم بند کرتا جاتا تھا ۔

مصنف نے اپنا تخلص ان ابیات میں بھی لکھا ہے :۔

یہ کامل فقیراں کا ہے پائے خاک   کرم کر کرو اس کوں سب جرموں پاک
میرا پیر ہے رحمت اللہ امام !   کمینہ ہے کمترینہ کامل غلام (۱ب)
(۲ب)

اسی طرح آخری بیت میں بھی اپنا نام لکھا ہے ۔

کتاب کا نام ان ابیات میں درج ہے :۔

مدد مانگتا ہوں میں سب طرف سوں   کہوں "فقرنامہ" میں خوش حرف سوں (۱ب)
پرکھ عقل نیت منیں اے جواں   کہا فقرنامہ یو کامل عیاں ! (۲ب)

شاعر کی نسبت تو مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ البتہ اس کے مرشد کا تفصیلی حال تذکرۂ اولیائے دکن جلد اول ص۳۶۳ تا ۳۶۷ میں درج ہے۔ وہ تورانی الاصل اور سادات حسینی سے تھے۔ ان کے والد نواب آصف جاہ کے ہمراہ رہے ۔ اور بعد کو موضع بدگاؤں ضلع بیجاپور میں مقیم ہوگئے۔ رحمت اللہ وہیں پیدا ہوئے۔ بڑے ہوکر حاکم کرنول کے ملازم ہوئے۔ لیکن سید علوی بیجاپوری کے مرید ہونے کے بعد دنیاداری ترک کردی۔ بعد کو حج کے لیے روانہ ہوئے اور سید اشرف مکی سے فیض حاصل کیا۔ واپسی میں مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے کڑپہ آئے۔ جس کے قریب اودگیر کے قلعہ دار عبدالقادر خاں نے اُن کے نام پر رحمت آباد کو آباد کیا۔ اودگیر میں فوت ہوئے لیکن رحمت آباد میں دفن کیا گیا۔ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی ایک اُردو کتاب تنبیہ النساء کے کئی نسخے ادارے میں محفوظ ہیں جن کا ذکر آئندہ درج ہوگا۔

آغاز :۔

کہوں حمد اللہ کوں دل شاد کر   خزاین رکھیا جس نے آباد کر
وو قادر ہے قدرت کا پروردگار   کہا کُن ہوا سب جہاں آشکار

اختتام :۔

جو کوئی پڑھے اس فقرنامہ کوں   مجھے یاد کر خیر انجام سوں !
ہوا فقرنامہ جو کامل تمام   بحق محمد علیہ السلام !

---

(۱۱۲) گنج مخفی [۶۵۵]

اوراق ۴۔ سطور ۱۳ ابیات فی صفحہ۔
تقطیع ½۴ × ½۷ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف معظم۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ

یہ ایک ناقص الاول نسخہ ہے جس میں تقریباً سو ابیات ہیں۔

مصنف شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کا مرید ہے اور انہی کے ملفوظات کو اس مثنوی میں منظوم کیا ہے۔ اس میں درویشوں اور صوفیوں کے اوصاف و اسرار بیان کئے گئے ہیں۔

مصنف کی نسبت اس کتاب سے اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں دکن میں اُردو (ص۷۲) میں معظم کو سکندر عادل شاہ کے عہد کا شاعر قرار دیا گیا ہے۔ ہاشمی صاحب نے اس کی دو کتابوں

(شجرۃ الاتقیا اور گنج مخفی) کو سرسری طور پر ایک کتب فروش کے یہاں دیکھا تھا۔ اور چند ابیات بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گنج مخفی کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے :۔

الٰہی ہَیں قادر ذوالجلال | تو صاحب جمیل و یحب الجمال
سمیع و بصیر و علیم و حکیم | توں خالق توں رازق رؤف الرحیم

ادارے کے نسخے کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے۔

دیکھو حق سوں رہتے اہیں بے نیاز | دیکھو حق ہے ان پر الیس بانیاز
مربی کی خدمت فرض جانتے | مربی کو معبود کر مانتے !
حضوری سوں او غائب ہوتے نہیں | عبث دم او نا چیز کھوتے نہیں

اختتام :۔

مرے پر یوسب راز کھولے امین | حقیقت او نو کا یو بولے امین
اللہ یوگ بر حق عجائب ہیں دیک | نفیری اینو پر غرایب ہے دیک
معظم نے تب آ کے سجدہ کیا | سدا اون کی نعلین سر پر لیا

یہ نسخہ وسط بارھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتا ہے۔ کسی اور کتب خانے میں اس کا پتہ نہیں چلا۔

---

(۱۱۳) وصیت نامہ [۶۵۶]

اوراق ۶۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔
تقطیع ۵ × ۳¾ خط نستعلیق شکستہ۔
مصنف شیخ مصطفیٰ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۰۰ھ

یہ ڈیڑھ سو ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں آنحضرت رسول خدا کی وہ وصیتیں درج ہیں جو شیخ حمزہ کو کی گئی تھیں۔ سرلوح کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصیتیں عربی عبارت میں تھیں شیخ مصطفیٰ نے دکھنی زبان میں ترجمہ کیا۔

شاعر کا تخلص مصطفیٰ آخری ابیات میں درج ہے جہاں اس نے اپنے والد شیخ محمود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ محمود تخلص کے دو شاعر مشہور ہیں۔ پہلا عہد ابراہیم قطب شاہ میں گزرا ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۱۱ میں سرسری طور پر آیا ہے۔ اور دوسرا ظفر نامہ کا مصنف تھا جس کا ذکر اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۹۶ میں درج ہے۔

ایک تیسرے شاعر شیخ محمود کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں البتہ اس کا کچھ کلام ادارے کے ایک نسخے میں محفوظ ہے جس کا ذکر آئندہ درج کیا جائے گا۔ چونکہ یہ نسخے ایک ساتھ لکھے گئے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ یہ شاعر اس تیسرے محمود کا فرزند ہو جو غیر معروف ہے۔

یہ کتاب حمد و نعت سے شروع کی گئی ہے اور اصل موضوع کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے :۔

کہے شیخ حمزہ کوں حضرت نبی | کہوا ہے وصیت امت کوں سبھی
کہے شیخ حمزہ یو پنداں تمام | سُنیا ہوں نبی سوں علیہ السلام

اس کے بعد لکھتا ہے کہ شیخ حمزہ نے جمعرات کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ میری امت کو میری یہ وصیتیں سنا دو۔ اس کے بعد امت کے لئے نصیحت کی باتیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مصطفیٰ ایک معمولی درجے کا شاعر تھا۔

آغاز :۔

الٰہی ہَیں پاک پروردگار ! | بچن کوں زباں تے کیا آشکار
خداوند توں ہے بڑا مہرباں | تو پیدا کیا ہے یو جملہ جہاں !

اختتام :۔

قبول کر الٰہی مناجات کوں | تو بر لیا ہمارا ہے حاجات کوں
کمینہ بندے پر الٰہی سدا | عنایت کی تشریف دے اے خدا
خداوند یو مصطفیٰ کے اوپر | کرم سوں نظر کر کرم کی نظر
ہوں فرزند میں شیخ محمود کا | جو دھرتا ہوں امید معبود کا

ترقیمہ :-

"کاتب الحروف محمد حسین بروز جمعہ شہر صفر بوقت اشراق تمام شد"

اوائل تیرھویں صدی کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱۱۴) چکی نامہ [۶۵۷]

اوراق ۲ - سطور ۱۲

تقطیع ۸ × ۵ خط شکستہ۔

مصنف فاروقی - زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ہجری

حضرت خواجہ بندہ نواز اور شاہ میراں جی خدا وند خدا نما کے چکی نامے کے نسخے بھی ادارے کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ اور ان کا تذکرہ مخطوطات نمبر ۳۰ و ۳۲ میں گذر چکا ہے۔ یہ چکی نامہ بھی غالباً انہی کی تقلید میں لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا مصنف ایک بند میں خداوند خدا نما کا اور ایک بند میں ان کے مرشد امین الدین اعلیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ بند درج ذیل ہیں:-

خداوند شاہ دیں قدرت — اپنا ہم میں نے (ہیں) کچھ ندرت
پیر ملے رسول حضرت — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

امین دین اعلیٰ آئے — ہمنا سیدی مارگ لائے
اللہ رسول ہیں پائے — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

اس چکی نامے میں اسی طرح کے ۱۶ بند ہیں۔ آخری بند میں شاعر کا تخلص فاروقی (قی) درج ہے۔ یہ کوئی غیر معروف شاعر ہے اور غالباً خداوند خدا نما کا مرید ہے۔

آغاز :-

بسم اللہ ذاتی ناؤں — قرآن پر کیا ٹھاؤں
کل شے یو اس کی چھاؤں — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

اختتام :-

فکر کر فاروقی لیائے — سب سہاگنیاں پائے
شاہ کا جلوہ دل دال لگائے — دیکھو سلطان سبحان
ہیں ناؤں پو ہیں قربان

---

(۱۱۵) مدح میراں [۶۵۸]

اوراق ۳ - سطور ۱۶ فی صفحہ۔

تقطیع ۸ × ۵ خط ثلث معمولی۔

مصنف شہ میر۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ہجری

یہ پندرہ ابیات کی ایک نظم ہے جس کا ہر شعر چار ٹکڑوں میں منقسم ہے۔ اس نسخے میں یہ نظم دو بار لکھی گئی ہے۔ پہلے زشت خط ثلث میں بے ترتیب نقل کی گئی ہے اور پھر از سر نو بہ عنوان "در مدح غوث الاعظم" خط نستعلیق میں صاف اور ترتیب کے ساتھ قلمبند ہوئی ہے۔

اس نظم کا ایک اور نسخہ مولوی نصیر الدین خاں صاحب ایم اے ناظم دفتر دیوانی و مال کے خانگی کتب خانے میں موجود ہے یہ ایک بیاض میں شامل ہے جس میں عبداللہ قطب شاہ کی موسیقی کی نظمیں، اور وجدی، غواصی اور شہاب الدین قریشی کا منتخب کلام بھی درج ہے۔ لیکن اس نسخے میں آخری شعر جس میں شاعر نے تخلص لکھا ہے موجود نہیں ہے۔ ادارے کے دونوں نسخوں میں تخلص شہ میر موجود ہے۔

یہ نظم حضرت محبوب سبحانی کی مدح میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ بڑی مقبول تھی اور اسی لئے کثرت سے اس کی نقلیں کی گئی تھیں۔ مگر تعجب اس کا ہے کہ شاعر نے خود محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی کو قادری لکھا ہے حالانکہ ان کے متوسلین ان کے نام عبدالقادر کی نسبت سے قادری کہلاتے ہیں۔ اگر اس نظم پر عنوان نہ لکھا ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ یہ نظم یا تو شاہ میراں قادری حموی (مدفون قریب لنگر حوض) کی مدح میں ہے یا شاہ میرانجی شمس العشاق کی مدح میں۔

شاعر کی نسبت معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ غالباً کوئی صوفی بزرگ ہیں۔ ایک شاہ میر عہد ابراہیم قطب شاہ میں وزیر اعظم اور محمد قلی قطب شاہ کا خسر تھا۔ لیکن وہ غالباً اردو کا شاعر نہیں تھا۔ قصبۂ راچوتی میں ایک صوفی شاہ میر گذرے ہیں جن کا رسالۂ توحید مشہور ہے۔ ممکن ہے یہ نظم انہی کی ہو۔

آغاز:—

سرمست ہے معبود کا یا قادری میراں مدد
محبوب ہے موجود کا یا قادری میراں مدد
توں قطب ربانی صحی، محبوب سبحانی صحی
یعنے ابوالقاسم صحی یا قادری میراں مدد

اختتام:—

محی الدین ولی ہے پیار کا، معشوق ہے کرتار کا
عاشق ہے حق دیدار کا یا قادری میراں مدد
تعنوی منجے ہوئے ہیں میر کاتب مدح کھوں میں پیر کا
سچ پیر توں شہ میر کا یا قادری میراں مدد

(۱۱۶) بیاض دکنی [۶۵۹]

اوراق ۶ - سطور ۱۶
تقطیع ۴/۳ × ۱/۲ ۶ - خط ثلث معمولی۔
مصنف محمود۔ جعفر۔ تحرنی وغیرہ۔
زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ۔

اس بیاض میں بعض دکنی شاعروں کے کلام کے منتخبات شامل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ مثنوی شیخ محمود

یہ ۳۲ ابیات کی مثنوی ہے جس میں روح اور تن کا مکالمہ درج کیا ہے۔ یہ شیخ محمود غالباً وہی ہیں جن کا ذکر ادارے کے ایک مخطوطہ نمبر $\frac{113}{656}$ میں وصیت نامے کے مصنف شیخ مصطفےٰ نے کیا ہے۔

آغاز:—

اپس حکم تے پاک پروردگار وجود ہور جیو کوں ملا ایک ٹھار
دنیا میانے بھی جا ہے تیرنا برات بلانے کا وعدہ کیا دیں سنگات

اختتام:—

ترے ساتھ سوں منج یہ قصہ کھڑیا آخر جواب دینا سو مشکل پڑیا
کہے شیخ محمود سن یو اصل قیامت جب پوچھیں گے دونوں مل

۲۔ غزل جعفر۔

یہ ۶ اشعار کی غزل ہے۔ مصنف کی نسبت کوئی معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ نہایت قدیم دور کے شاعر ہیں۔

مطلع — بند و بھوت لئے سا توشہ کہ منزل دور جانا ہے
بزاں بھی کوئی نالیا سے لے جائے سوچ کھانا ہے

مقطع — رہو تدبیر خدا سوں مل نکو باندھو کسو سوں دل
کرو جعفر سوں یوں حاصل یہی کچھ کام آنا ہے

۳ - غزل مجرمی -

یہ ۵ اشعار کی غزل ہے جس میں زیادہ تر مذہبی مضمون باندھے گئے ہیں۔ یہ بھی کوئی قدیم شاعر ہیں۔ شاہ میر اللہ مجرمی بیجاپوری نے ۱۱۱۱ھ میں ملا وجہی کی سب رس کو نظم میں قلمبند کیا تھا۔ لیکن اس شاعر کا تخلص مجرمی ہے اور زبان کے لحاظ سے وہ مجرمی سے بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔

مطلع - جے دین کے میں مرداں احوال نیں ہے تن کا
ان کی نظر میں دنیاں دستی ہے جیوں کے تنکا

مقطع - اول توں مجرمی ہوا ہے وجود سیتی
بعد از خبر جو ہوے تجھ انس ہو رجن کا

۴- مناجات محمود -

یہ ۹ ابیات کی مثنوی ہے جس کا مصنف غالباً وہی محمود ہے جس کی غزل کا تذکرہ اوپر گزر چکا۔

آغاز: -

الٰہی تو داوار دادر کریم — الٰہی تو کرکر تو رحمٰن رحیم
الٰہی تو صاحب سکت کا کریم — کرم کر کریماں غفور الرحیم

اختتام: -

منگوں دان ہر دم میں ایمان کا — توں منج دان دے امن ایمان کا
دے دیدار تیرا شفاعت رسول — مناجات محمود کی کر توں قبول

۵- غزل میراں

یہ ۵ اشعار کی ایک مرصع غزل ہے جس کے ہر شعر کے ابتدائی تین رکن ہم قافیہ ہیں اور آخری رکن دوسرے مصرع کا آخری حصہ ہے۔ اس غزل کو اس نسخے میں رباعی کے طور پر لکھا ہے۔

اس غزل کے مصنف میراں کی نسبت قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کونسے میراں ہیں۔ اس نام کے کئی بزرگ دکن میں گذرے ہیں۔ شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری کا بھی یہی تخلص تھا۔ لیکن اُن کی زبان بہت قدیم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزل شاہ میراں جی خداوند خدانما حیدرآبادی کی ہو جن کا چکی نامہ ادارے میں محفوظ ہے اور اس فہرست کے نسخہ نمبر ۲۸ میں اس کا تذکرہ لکھا جاچکا ہے۔

مطلع - (کرم خوردہ)...... جو لکھیا قسمت سو آپیں ہونہارا ہے
فہم عاجز عقل حیراں تردد کیا بچارا ہے!
کہ جب لک بخت کا بل نیں سو مشکل عقل کو حل نیں
مقدر کوں مبدل نیں، سخن یو آشکارا ہے

مقطع - فکر مت حرف گیراں تو مارے بول ہیں تیراں
عمر یو بے وفا میراں دنیا کا کس پنیارا ہے!

اس سلسلے میں کاتب نے شاہ برہان اور شیخ محمود کی نظموں کے چند شعر لکھے ہیں۔ خط نہایت زشت ہے۔ املا بھی غلط ہے۔ چنانچہ جعفر کو زافر، وعدہ کو وادا وغیرہ لکھا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

---

(۱۱۷) کفایت الاسلام [۶۶۰]

اوراق ۱۱- سطور ۱۴-

تقطیع ۶" × ۹" - خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔

یہ غالباً اسی نام کے فارسی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ مصنف اور اس کے نام کا اس نسخے سے کوئی پتہ نہ چل سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے نقل کرتے کرتے نامکمل حالت میں اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ بحالت موجودہ اس مثنوی میں تقریباً ۲۸۰ ابیات ہیں۔

کتاب حمد و نعت و منقبت اصحاب کی سرخیوں سے شروع کی گئی ہے۔ ان کے بعد "در تعریف کتاب گوید" کا عنوان لکھ کر

ہضم کے فوائد گنائے گئے ہیں اور اسی سلسلے میں کتاب کا موضوع بیان کیا گیا ہے جو "ارکان واحکام اسلام" ہے۔ مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ میں اس کتاب کو دکھنی زبان میں منتقل کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں نام بھی لکھ دیا ہے۔

اس نسخے کی چند ابیات یہ ہیں:۔

نہیں تھی جو کچھ فہم فارسی ا ہے دکھنیاں کو دکھنی زبان آرسی
جو مسلیاں کوں دکھنی کیا آن سب مجھ بیگ ہووے کچھ یا د سب
کہ سب اس میں ارکان احکام ہے کہ نام اس کفایت الاسلام ہے

(ورق ۳)

زبان کے لحاظ سے اواخر بارھویں صدی ہجری کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ مصنف معمولی درجے کا شاعر تھا۔

آغاز:۔

الٰہی دے توفیق انسان کوں تو بندگی کرے تیری دل جان سوں
تو پیدا کیا شخص بندگی کے تئیں سوا وچھوڑ کر پڑے ہیں گندگی کے تئیں

اختتام:۔

نہیں پکارسند و یا آہ کئے ٹوٹے گا اگر آہ یا واہ کئے
بتی ٹوٹتا ہے درواں کے روزنے میں کرے گا عمل یک کثیر جینے (؟)

---

(۱۱۸) خوان نعمت [۷۱]

اوراق ۳۵۔ سطور ۱۴۔
تقطیع ۵" × ۸½"۔ خط نستعلیق شکستہ۔
عنوانات سرخی میں۔ مصنف نعمت اللہ (؟)
سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ

یہ ایک طویل دکنی مثنوی ہے جس میں کھانے پینے کی جملہ اشیا کی طبی خصوصیات نہایت خوبی سے قلمبند کی گئی ہیں۔ اس میں جملہ ۸ باب اور ان کے تحت ۲۷ عنوانات میں تقریباً دو سو اشیا کو تقسیم کر کے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور آخر میں باضابطہ طریقے پر فہرست بھی دے دی ہے۔

ابتدائی ورق غائب ہے اس لئے پہلے باب کے چند اشعار محفوظ نہیں رہے۔ ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱۔ در توبلادت مباح — باب ۲۔ در حیوانات لحم
" ۳۔ در لبنیات — " ۴۔ در طیورات و ماج
" ۵۔ در ماکولات — " ۶۔ در بقولات
" ۷۔ در گلہا — " ۸۔ در متفرقات

پوری کتاب تقریباً ۹۰۰ (نوسو) ابیات پر مشتمل ہے۔ آخر میں اختتام کتاب کے عنوان سے کتاب کا نام اور سنہ تالیف درج کیا گیا ہے۔ آخری مصرع میں نعمت اللہ اس طرح لکھا ہے کہ گویا وہ مصنف کا نام ہے۔ لیکن یہ یقینی نہیں۔

آغاز:۔

دانتوں کے تئیں ملو تو کرے درد اس کا دور
کیا مرچ بھی ... کے پھل سوختہ ضرور
بلغم کے تئیں دفع کرے مرچ سیہ کے سات
پتوں کے واسطے اسے دو نو کھا یمو سنگات

اختتام:۔

نام خدا سوں جلد ہوا نسخہ ایہ تمام
جو فیض لیویں اس سنے دکھن میں خاص و عام
داخل نہیں ہے ایک دوا سب غذا ہے دیکھ
لیکن معالجات غذائی بجا ہے دیکھ
اسم است خوان نعمت (۱۲۱۷) و تاریخ ہست ہم
خور نعمت الٰہ بکن شکر دم بہ دم

ترقیمہ :-

" بتاریخ دوازدھم شہر شوال المکرم ۱۲۵۱ سنہ ہجری "

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ اس ترقیمہ کے نیچے ٹیپو سلطان کی شہادت کی تاریخ کا یہ شعر درج ہے۔

تاریخ بیست و ہشتم ذیعقدہ تھا مہینہ
جمعہ کا روز حضرت شہید ہو گئے سلطان

---

(۱۱۹) وفات نامۂ سرورِ کائنات [۹۱]

اوراق ۱۱ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶" x ۹" خط نستعلیق
مصنف دریاؔ - سنہ تصنیف ۱۱۱۱ ھ
سنہ کتابت ۱۲۸۰ ھ

یہ تقریباً ۲۳۰ ابیات کی مثنوی ہے۔ اس کا ایک اور نسخہ جو ۱۱۶۵ھ کی کتابت ہے ادارے کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ۱۵)۔ اسی موضوع پر ایک اور شاعر امامی کی مثنوی کا تذکرہ صفحہ ۲۰ پر درج ہو چکا ہے۔

فہرست ہذا کے نسخہ ۱۵ میں مصنف نے جس بیت میں اپنا تخلص لکھا ہے وہ اس نسخے میں بھی موجود ہے لیکن اس میں تخلص درج نہیں۔ دونوں نسخوں کی یہ بیت ذیل میں درج ہے جس سے دونوں کا اختلاف ظاہر ہوگا۔

نسخہ نمبر ۱۵	نسخہ نمبر ۱۱۹
کیا دریا رسالہ نظم سوں سانچہ	کیا پورا رسالہ نظم سوں یو
یو بنتیاں ہیں دو صد دو بست پر پانچہ	یو بنتیاں ہیں دو صد دو بیس پر دو

اس نسخے میں بھی تاریخ تصنیف کی بیت درج نہیں ہے البتہ جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں یہ بیت موجود ہے (دیکھو فہرست جامعہ ص ۵۷)

ادارے کے نسخہ ۱۵ کا خاتمہ جن ابیات پر ہوتا ہے ان کے بعد بھی مزید دو بیتیں اس نسخے میں اضافہ ہیں۔

آغاز :-

بنا اول کروں حمد خدا میں — زباں اوپر الیس کی ابتدا میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت — بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام :-

بقا نئیں ہے سمجھ یو عمر فانی! — لکھا ہوں تار ہے میری نشانی
لکھا ہوں میں وفا حضرت کا سارا — جہاں میں اس کے تئیں کر آشکارا
دے اپنے فیض تے توفیق یارب — پڑھے سب لوگ اس نسخے کے تئیں سب

ممکن ہے کہ یہ آخری دو بیتیں خود کاتب نے اپنی طرف سے بڑھا دی ہوں!

ترقیمہ :-

" قریب دوپہر بروز دوشنبہ بتاریخ نوزدہم شہر جمادی الاول ۱۲۸۰ھ "
" از کتب خانہ حضرت قادر بی بی صاحبہ تحفہ بہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو "

یہ کتاب حضرت قادر بی بی مرحومہ بنت حافظ عبدالسلام کی فرمائش پر غالباً قصبۂ بھینسہ ضلع ناندیڑ میں نقل کی گئی تھی۔ موصوفہ مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ معین المہام امور مذہبی کی حقیقی نانی اور مرتب فہرست ہذا کی حقیقی پڑنانی تھیں۔ ان کو علم و فضل کا خاص ذوق تھا اور کئی کتابیں انہوں نے لکھیں اور لکھوائی تھیں ان میں سے اکثر راقم الحروف نے ادارے کے کتب خانے میں بطور عطیہ داخل کر دی ہیں — موصوفہ کا ذکر آئندہ متعدد نسخوں میں بھی درج رہے گا۔

---

(۱۲۰) وفات نامۂ رسالت پناہ [۲۱۷]

اوراق ۱۰ - سطور ۱۳

تقطیع ۵ × ۸ - خط نستعلیق۔

مصنف دریا۔ سنہ تصنیف ۱۱۱۱ ہجری۔

کاتب غلام احمد الدین۔ سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ۔

یہ بھی مخطوطہ نمبر ۱۵ و ۱۹ کا ایک اور نسخہ ہے۔ لیکن اس میں ۳۵۰ سے زیادہ ابیات ہیں۔ مصنف اور زمانہ تصنیف کے لئے دیکھو فہرست مذا صفحہ ۴۴ اس کے کاتب غلام احمد الدین عرف حاجی میاں محتسب بھینہ کا ذکر آئندہ اور مخطوطات میں بھی درج رہے گا۔

آغاز:-

بنا اول کروں حمد خدا میں	زباں اوپر اپس کی ابتدا میں
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت	بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

اختتام:-

لکھا ہوں میں وفات حضرت کا سارا	جہاں میں اس کے تیں کر آشکارا
دے اپنے فیض تے توفیق یا رب	پڑھے سب لوگ اس نسخے کو تیں سب

ترقیمہ:-

ہے کاتب اس رسالے کا پچھانو	غلام احمد الدین نام جانو
لکھا ہوں واسطے قادر بی کے	جو بنت حافظ عبد السلام کی ہے
تھی تیجم ماہ جمادی آخریں کی	تھا وہ دو شنبہ میں پورا کیا جی
ہزار و دو صد و ہشتاد و سہ سال	کئے ہجرت رسول اللہ خوش حال

یہ نسخہ راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں ادارے کو عطیہ دیا ہے۔

اس کے ترقیمے کے نیچے میرے دستخط اس طرح ثبت ہیں:-

"یہ کتاب میری جدۂ ماجدہ حضرت قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانہ کی ہے۔

سید محی الدین قادری زور ۱۳۵۵ھ"

(۱۲۱) دین دیپک [۱۴۴]

اوراق ۸۴ - سطور ۱۶

تقطیع ۶ × ۴ - خط نستعلیق پاکیزہ۔

عنوانات سرخی میں۔ بعض صفحات کرم خوردہ۔

مصنف محمد علی شاہ الفت حیدرآبادی۔

سنہ تصنیف قبل ۱۲۴۲ھ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۲ھ۔

یہ تقریباً ڈھائی ہزار ابیات کی ایک طویل مذہبی مثنوی ہے جس میں امامیہ عقاید کے مطابق دین کے پانچ اہم مسائل (یعنے توحید، عدل، نبوت، امامت، معاد و بشر) کی وضاحت کی گئی ہے۔

مصنف نے پوری کتاب کو ۲۰ ابواب میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے

۱۔ توحید	۲۔ عدل	۳۔ ایجاد انسان
۴۔ نبوت	۵۔ امامت	۶۔ معاد
۷۔ ایمان	۸۔ شرائط	۹۔ فسق و نفاق
۱۰۔ کفر و شقاق	۱۱۔ توبۂ عصیاں	۱۲۔ سلطنت
۱۳۔ طہارت	۱۴۔ نماز و عبادت	۱۵۔ زکواۃ
۱۶۔ نکاۃ	۱۷۔ روزہ	۱۸۔ حج
۱۹۔ جہاد۔	۲۰۔ امر معروف	

حمد و نعت و منقبت علی و منقبت یازدہ ائمہ کے بعد اردو رسم خط کو صحیح پڑھنے کے قواعد کے لئے ایک عنوان قائم کیا ہے۔ یہ بالکل نئی چیز ہے۔ اس میں یائے معروف و یائے مجہول اور زیر زبر وغیرہ لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اور تاکید کی ہے کہ جو کوئی اس دین دیپک کو نقل کرے گا اس کو چاہئے کہ اس قاعدے پر عمل کرے تاکہ کتاب صحیح پڑھی جائے۔

چھٹی سرخی دیباچہ وسبب تالیف کے طور پر لکھی ہے جس میں کتاب کے موضوع اور ابواب کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قدیم دکنی مثنویوں

(علی نامہ وغیرہ) کی طرح اس کا ہر باب ایک شعر سے شروع ہوتا ہے
اس طرح کہ اگر سب اشعار کو ایک جگہ لکھ لیا جائے تو ایک قصیدہ بن جائے۔
مثال کے طور پر چند سرخیاں درج ذیل ہیں۔

باب اول توحید کے ہے کا بیاں میں برمحل
جو شرک کے تئیں دور کر تحقیق کا بووے عمل
(۴ ب)

ہے باب ہفتم ذکر میں ایمان کے جس کی صفت
کس وجہ سے ہے اور کیوں آوے کیف دور از خلل
(۴۴ ا)

ارکان میں روزے کے ہے مذکور باب ہفدہم
ہے واجبی و سنتی ہم صحت و باطل جل!
(۶۸ ا)

بستم جو باب ہے، ہے امر میں معروف کے
اور نہی منکر سے سدا ہے مومناں کا یہ عمل
(۸۳ ب)

مصنف نے کتاب کا نام ان ابیات میں لکھا ہے:۔

ہے اس دین دیپک میں سب بول لکھی   تامل سے پڑھنا ہے اس کو بھلا
(ورق ۳ ا)

جو دینی مسائل سے روشن ہے سب   کیا دین دیپک اسے نام اب
(ورق ۴ ا)

کتاب کے آخر میں مصنف نے اپنا پورا نام اور تخلص اس طرح لکھا ہے:۔

محمد علی شاہ الفت فقیر   کیا ہے گنہ ہم کبیر و صغیر
(ورق ۸۴ ب)

الفت کے متعلق کتاب سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

یہ کتاب ۱۲۴۲ھ ہجری میں نقل کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الفت اوائل تیرھویں صدی کا شاعر ہے۔ اس کی ایک اور کتاب "حسینیہ" ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔

الفت اپنے زمانے میں کافی مشہور ہو چکا تھا چنانچہ اردو شعرا کے تذکروں (عمدۂ منتخبہ، صبح وطن، فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ وغیرہ) میں اس کا ذکر درج ہے۔ عمدۂ منتخبہ کو نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور نے سنہ ۱۲۱۶ و ۱۲۴۴ھ کے درمیانی زمانے میں قلمبند کیا تھا اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ الفت حیدرآباد کے قریب کے رہنے والے تھے۔

افسوس ہے کہ خود الفت نے اپنی کتابوں میں اپنے متعلق سوائے اپنے اور اپنے فرزند احمد علی کے نام کے اور کچھ نہ لکھا۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم و فاضل آدمی تھے اور امامیہ مذہب کے پیرو۔ اثنائے مثنوی میں جگہ جگہ قرآن کی آیتیں، احادیث، اور اقوال آئمہ بھی نقل کئے ہیں۔ یہ غالباً ان کے عہد پیری کی تصنیف ہے۔ رسالہ حسینیہ (جو اس سے قبل کی تصنیف ہے) کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔

آغاز:۔

کروں حمد اللہ سے ابتدا!   یہ نامہ کے تئیں میں بنام خدا
کروڑاں لکھا اوس کو شکر و سپاس   کیا گوہر علم انعام ناس (ج ا اکرم خوردہ)

اختتام:۔

محمد علی شاہ الفت فقیر   کیا ہے گنہ ہم کبیر و صغیر
نہ توشہ ہے نیکو عمل کا اوسے   نظر تیری بخشش پہ دائم دھرے
نہ طاعت عبادت نہ حسن عمل   ولے ہے غلام علی از ازل!
تو اس کے گناہاں پہ نا کر نگاہ   نظر اپنی بخشش پہ رکھ یا الٰہ

ترقیمہ:۔

"تمام شد کتاب دین دیپک بتاریخ نہم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۲ھ
روز جمعہ بوقت یک و نیم پہر روز بلند شدہ"

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ پہلے اور آخری ورق پر

اُن کی بیضوی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۲۳۲ھ" ثبت ہے اور ابتدا میں ان کے حسب ذیل دستخط بھی ہیں :-

"دین دیپک۔ محمد علی شاہ الفت حیدرآبادی عنایت ۱۲۴۴ھ"

(۱۲۲) ایمان درپن [۱۰۳]

اوراق ۹۷۔ سطور ۱۲۔

تقطیع ½ ۵" × ½ ۸"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔

عنوانات سرخی میں۔ آخری ۷۸ اوراق کا اوپری حصہ کرم خوردہ۔

مصنف محمد علی شاہ الفت۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۴۲ھ۔

سنہ کتابت ۱۲۴۲ھ۔

یہ مثنوی محمد علی شاہ الفت مصنف دین دیپک کی غالباً پہلی تصنیف ہے۔ اس میں مصنف نے اپنا نام صرف محمد علی الفت لکھا ہے۔ شاید بعد کو وہ اپنے نام کے ساتھ شاہ بھی لکھنے لگے تھے۔

الفت نے اپنے فرزند احمد علی اور ایک دوست حسن بیگ خاں کی فرمایش پر ابراہیم استرآبادی کے فارسی رسالۂ حسنیہ کو ایمان درپن کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ وہ اپنی زبان کو جگہ جگہ ہندی لکھتے ہیں۔ سبب تالیف کی چند ابیات یہاں نقل کی جاتی ہیں جن سے الفت کا اسلوب اور اس کتاب کے عربی و فارسی نسخوں کا حال معلوم ہوگا۔

محمد علی اب تو مطلب طرف ! زباں کھول چل بحث مذہب طرف
سبب اس رسالے کی تالیف کا بیاں کر یہ نسخے کی تصنیف کا
کہ احمد علی نور چشم ایک روز کیا مجھ سے اظہار وہ دلفروز
جو ہے حسنیہ کا رسالہ جلیل ہے بحث مذاہب میں روشن دلیل
زبانِ عرب سے یہ نسخہ تھا ! عجم میں سمجھ جس کا مطلق نہ تھا
سو ابراہیم استرآباد نے عربی کتیں فارسی کر لکھے
سو بہرہ کئے اوس سے حاصل تمام عجم میں سبھی از خواص و عوام
جو باشندۂ ہند ہیں با لتمام علی ولی کے ازل سے غلام
انوہیں سے اکثر غلام و کنیز نہیں جن کو ہے فارسی کی تمیز
نہیں اون کو بہرہ یہ دولت سے نہیں اون کو لذت یہ نعمت سے
یہ ہندی زباں تم کرو ترجمہ کہ حاصل کریں یہ سعادت ہمہ
کیا ترجمہ کا ارادہ عیاں ! تھا فکر میں اوس کے میں یک زماں
اوسی دن برادر بدل تو اماں جو ہے نام نامی حسن بیگ خاں
ملاقات کو آئے سن یہ نوا کیا عرض یوں در کمال صفا
کہ منظوم اگر ہوئے تو یہ بیاں طبایع کو خوشتر ہے ہندی زباں

کتاب کا اور اپنا نام مصنف نے ان ابیات میں لکھا ہے:-

ارادہ کیا جب یہ لکھنے کتاب دیا اس کو ایمان درپن خطاب
محمد علی الفت اب ہو خموش ! ہے آگے تجھے بہوت جوش و خروش

رسالہ کا موضوع یہ ہے کہ ہارون رشید کے عہد میں ایک تاجر کے ہاں ایک کنیز حسنیہ تھی جو امام ششم کے حرم میں دس سال رہنے کی وجہ سے علوم دین میں ماہر کامل ہوگئی تھی۔ تاجر جب نہایت مفلوک الحال ہوگیا تو حسنیہ کو بیچنے کے لئے ہارون کے یہاں لے گیا اور ایک لاکھ دینار قیمت طلب کی۔ ہارون رشید نے تعجب سے اتنی بڑی قیمت کا سبب پوچھا تو اس کو معلوم کرایا گیا کہ یہ کنیز بڑی عالم و فاضل ہے۔ ہارون رشید نے دینی معاملات میں اپنی سلطنت کے جملہ پیشوایان مذہبی سے اس کا مباحثہ کرایا۔ چنانچہ پوری کتاب اسی کی تفصیل کے لئے وقف ہے۔

ہارون رشید بغداد کا مشہور عباسی خلیفہ ہے۔ اس رسالہ میں اس کی سادات دشمنی کی وضاحت کرکے اس کو بہت برا کہا گیا ہے مثلاً:

وہ غاصب تھا دین حق کا عنید وہ ملعون کا نام ہارون رشید
جو موسیٰ کاظم تھے ہفتم امام کیا ہے شہید اُن کو دے زہر جام
موالی سادات اکثر وہ زشت چنایا بہ دیوار جیوں سنگ و خشت
وہ ملعون پرتا بہ روز جزا ! ہزاراں سے نفریں و لعنت سدا
(ورق ۲ ب)

اس مثنوی میں الفت کی دوسری کتاب دین دیپک کی طرح حمد و نعت و منقبت کے لئے علاحدہ علحدہ سرخیاں نہیں قائم کی گئی ہیں بلکہ حمد و نعت کے لئے ابتدا میں چند ابیات وقف کرکے ساتھ ہی اصل کتاب شروع کردی گئی ہے۔ تقریباً سوا دو ہزار ابیات کی مثنوی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نسخے کے آخری ۷۴ اوراق اوپر کی طرف سے ضائع ہوگئے ہیں۔ آخری بیت میں تاریخ تصنیف بھی درج تھی لیکن ضائع ہوجانے کی وجہ سے صاف طور پر پڑھی نہیں جاتی۔

آغاز:۔

کروں بسم اللہ سے ابتدا	یہ نامہ کے تئیں با ہزاراں ثنا
صفت اوس کی طاقت بشر کا کہاں	نہ مقدور کہنے کے تئیں یہ بیاں

اختتام:۔

بحق نبی و علی مرے والدین	او نو کو بخشنا برائے حسین
تمام آشنایاں کو کر مغفرت	خصوصاً جو تھے صاحب تعزیت
اینو سب کا کر حشر شہدا اتی	بحق نبی دوستی علی !!
محباں کی خدمت میں ہے التجا	یہ ایمان دین جو دیکھیں تجا

اس کے بعد پانچ بیتیں اور تھیں جو ضائع ہوگئیں۔

ترقیمہ:۔

"بتاریخ نوزدہم شہر جمادی...... ۱۲۲۱ہجری بوقت یک پہر شب گذشتہ روز سہ شنبہ کتاب ایمان دین باتمام رسید"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ابتدائی اور آخری اوراق پر ان کی مہریں "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" ثبت ہیں۔

---

(۱۴۳) پندنامہ [۲۱۲]

اوراق ۵۔ سطور ۱۲۔

تقطیع ۵"×۸"۔ خط نستعلیق۔

سنہ تصنیف ۱۰۸۶ھ۔

کاتب شیخ ملتان۔ سنہ کتابت ۱۲۶۸ھ

یہ ۱۰۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کو کسی نامعلوم مذہبی شاعر نے ۱۰۸۶ھ میں فارسی سے دکنی اردو میں ترجمہ کیا۔ اس نسخے کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ اصل مثنوی شروع ہی اسی طرح کی گئی تھی یا چند ابتدائی ابیات غائب ہیں جو نہ حمد و نعت ہے اور نہ سبب تالیف۔ البتہ مصنف نے آخر میں مثنوی کا نام تعداد ابیات اور تاریخ تصنیف نہایت وضاحت سے بیان کردیے ہیں۔ اس حصۂ کتاب کی چند ابیات یہ ہیں:۔

امت کوں محمد علیہ السلام	نصیحت کئے پند نامہ تمام
سو یو پند نامہ سنے تو ثواب	ہے اتنا کہ ناہو سے گور کا عذاب
سو اس وجہ بھی فارسی سے کتاب	کسب یو دکھن سار کیتا شتاب
سبب کیا جو کوئی معنیٔ فارسی	نیں پایا کرمیں کیا آرسی
ہوئے ایک سو پانچ بیتاں تمام	تصدق محمد علیہ السلام
انھا سن چھے او پراسی ایک ہزار	ربیع الاول ماہ دن ایتوار

اس کتاب میں آنحضرت سرور کائنات کی ان نصیحتوں کو قلمبند کردیا گیا ہے جو آپ نے ایک شخص کے استفسارات کے جواب میں دین اسلام کی وضاحت کے طور پر کی تھیں۔

آغاز:۔

کہ یک دن محمد علیہ السلام	لے اصحاب بیٹھے مدینہ تمام
کہ یک شخص نے آنبی کو سلام	کیا ہور کہنے لگا یو کلام

اختتام:۔

تصدق کیا ہوں مبارک گھڑی — عنبر کی طبق لے کھڑی منتری
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — زما بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ:۔

"کاتب الحروف فقیر حقیر کمترین خاکپائے عالمین شیخ میاں ولد شیخ لانگ سکنۂ بعینہ بپاس چھوٹے صاحب برخوردار پیش امام قصبۂ بعینہ۔ مرقوم بتاریخ چہارم ذیقعد ۱۲۶۵ھ ہجری تحریر یافت۔"

یہ نسخہ حضرت قادر بی بی کے کتب خانہ کا ہے۔ چھوٹے صاحب فرزند پیش امام صاحب بعینہ جن کی فرمائش پر یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے غالباً ان کے بھائی تھے۔ ادارے کے کتب خانے میں راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں بطور ہدیہ داخل کیا ہے۔ قادر بی بی کے متعلق دیکھو نسخہ ۱۱۹/۹۔

(۱۲۴) رسالۂ احوال میت [۶۶۱]

اوراق ۱۵۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ½۵" × ½۴"۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔ قدرے کرم خوردہ۔
مصنف محمد شمس الدین شمس۔ سنہ تصنیف ۱۲۰۰ھ۔
کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۶ھ۔

یہ رسالہ اردو نثر میں لکھا گیا ہے اس میں تجہیز و تکفین و نماز جنازہ اور زیارت قبور وغیرہ سے متعلقہ جملہ مسائل کو آیات و احادیث کی روشنی میں مدلل بیان کیا گیا ہے۔ اور بدعتوں کی مخالفت کی گئی ہے۔

مصنف نے حمد و نعت کے بعد سبب تالیف یوں بیان کیا ہے:۔

"محمد شمس الدین بن محمد عظیم الدین ناصی اودگیر خدمت میں صاحبوں کے عرض کرتا ہے کہ رسالہ احوال میت کا کتابہائے معتبرہ سے انتخاب کرکے ترجمہ محاورۂ زبان ہندی میں صاف صاف بیان کرتا ہے تا ہر ایک کو فائدہ عام ہووے۔ ... مسلمان لوگ اس رسالہ کو دیکھ کر تجہیز و تکفین درست کریں۔"

مصنف قلعہ اودگیر (قریب بیدر) کے قاضیوں میں سے تھے۔ ان کے خاندانی حالات اور شجرۂ نسب "مشاہیر قندھار دکن" (صفحات ۱۵۸-۱۶۱) میں درج ہیں۔ مولوی قاضی زین العابدین صاحب علامہ ایچ سی ایس ناظم آبکاری حیدرآباد کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ محمد شمس الدین فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے شمس تخلص تھا۔ ان کی اور کتابیں بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس رسالے کے آخر میں انہوں نے تقریباً ۲۵ ابیات کی ایک اردو مثنوی اور ختم پر ۱۰ اشعار کی ایک فارسی مناجات بھی لکھی ہے۔ اردو مثنوی کے آغاز و اختتام کی ابیات یہ ہیں:۔

آغاز:۔

خدا قرآن میں فرمایا ہے یار — کرو اپنے طرف سے نیک تم کار
مروج نیکیوں کے جتنے ہیں کار — نہ اون کو چھوڑیو یارو خبردار

اختتام:۔

نہ دے اے دل بہت تقریر کو طول — دعا کر یہ رسالہ ہووے مقبول
قلم کو شمس اب یہاں سے اوٹھالے — یہ وقت جمعہ ہے سر کو جھکالے

اصل رسالۂ نثر کا آغاز و اختتام ان عبارتوں سے ظاہر ہوگا:۔

آغاز:۔

"شروع کرتا ہوں میں نام سے حق سبحانہٗ جل شانہٗ کے کہ پیدا کرنے والا اور مارنے والا اور جلانے والا مختار اپنے ملک کا ہے خواہ کسی کا بیٹا چھین لے خواہ کسی کی بیٹی۔ کسی کو حکم میں اوس کے دم مارنے کی طاقت نہیں۔"

اختتام:۔

"شکر حق سبحانہٗ جل شانہٗ کا کہ یہ رسالہ احوال میت کا

گیارھویں تاریخ ماہ مبارک رمضان شریف میں وقت
قبل جمعہ کے سنہ بارہ سو اکسٹھ ہجری میں تیار ہوا ۔ بمنہ وکرمہ ۔"
اس کے بعد مناجات فارسی لکھی ہے جس کے آخر میں ترقیمہ ہے ۔

ترقیمہ :۔

"بعون تعالیٰ بتاریخ ہفتم شہر ذالحجہ ۱۲۵۶ ہجری بخط
احقر العباد شیخ احمد عزت کا بے شاں ساکن مبہ گلشن آباد
تحریر یافت ۔"

---

(۱۲۵) تناولی [۱۵۶]

اوراق ۹۱ ۔ سطور ۱۲ ۔
تقطیع ۶" × ۴½" ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔
مصنف فقیر اللہ شاہ حیدر ۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۴ھ
کاتب حسینی بادشاہ ۔ تاریخ کتابت ۱۲۶۶ھ

یہ اردو نثر میں ایک ضخیم قصہ ہے جو نہال چند لاہوری کے قصۂ بکاؤلی (مذہب عشق) کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ بکاؤلی کا قصہ اصل میں شیخ عزت اللہ بنگالی نے ۱۱۲۴ھ میں فارسی زبان میں لکھا تھا اور اس کا ترجمہ نہال چند لاہوری نے ۱۲۱۸ھ میں ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر فورٹ ولیم کالج میں کیا تھا ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے ۔ دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۹۶/۱۲۱ ۔

تناولی کے مصنف کا نام غالباً محمد حیدر تھا اور جب وہ مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری اور ان کے خلیفہ رحمٰن شاہ کا مرید ہوا تو فقیر اللہ شاہ لقب اختیار کیا اور اپنی تحریروں میں اسی کو بطور نام کے رائج کیا ۔ لیکن اشعار میں حیدر ہی تخلص کرتا تھا ۔ چنانچہ اس کتاب کے آغاز میں جو حمد (مثنوی کی شکل میں) لکھی ہے اس کی آخری بیت یہ ہے :۔

مدد ان کی اور اون کے احباب کی   یہ حیدر ترے پڑھو ہر باب کی

اس بیت کے بعد ہی اپنا اور اپنے والد اور مرشدوں کا نام اس طرح درج کیا ہے :۔

"فقیر اللہ شاہ بن محمد سنگی عفی عنہما پابوس سلسلۂ عالیہ قادریہ
بوساطت ید اللہ فوق ایدیہم کہ قدم گیر حضرت رحمٰن شاہ بن
محمد بشیر قدس سرہٗ و نوبذیر (؟) حضرت شاہ رفیع الدین بن
شمس الدین الدکھنی القندھاری رحمت اللہ علیہ کا ۔"

مصنف نے اپنی ایک اور کتاب "نظم انور" کے آخری حصے میں بھی اپنے اصلی نام حیدر اور مشہور عام لقب فقیر اللہ کا ذکر اس طرح کیا ہے ۔

جسے تو نے حیدر کا دے پہلے نام   فقیر اللہ کر اب پکارا ہے عام

نظم انور کا نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے ۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے ۔ اس "نظم انور" میں حیدر نے حمد و نعت و منقبت کے بعد شاہ رفیع الدین قندھاری کی توصیف ایک علاحدہ عنوان میں لکھی ہے اور اس سے قبل بیان کیا ہے کہ کس طرح کلبرگہ میں خواجہ بندہ نوازؒ نے خواب میں آکر شاہ رفیع الدین کا مرید ہونے کے لئے حکم دیا ۔ اس حصے کی منتخب ابیات اور سرخی یہ ہے :۔

"در توصیف مرشداں و کیفیت مرید و فقیر شدن بخانداں
چہار طریق از حضرت رحمان شاہ و مولوی رفیع الدین قدس سرہٗ"

میں دیکھا نجاست میں بالکل بھلا   رہا ہوں نجاست میں اب تک رُلا
کہ شاہِ رفیع دین قندھاریئے   وہ تھے حاجی سیاح کے وارثیے
حسین و حسن کی بہن کے نشاں   تن مرتفع اور رفیع ان کی جاں
نہ عالم تھے تا شرف علما تھے او   فقیری میں خود فخر فقرا تھے او
مجاہد مشاہد مراتب ہیں   مدرس معلم مواہب ہیں
گئے خواجۂ رحمت اللہ کی دید   تھے رحمان شاہ خادم ان کے [illegible]
کہ رحمان درمیان اللہ رحیم   کیا جس طرح بسم کو مستقیم
اوسی طرح رحماں، فقیرِ رفیع   کئے ہیں فقیر اللہ اوپر [illegible]

نکات جگر رحمت اللہ کے بطلب مرتب ہیں ونخواہ کے
اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین نے
خواجہ رحمت اللہ (نائب رسول اللہ) سے فیض حاصل کیا تھا اور
ان سے شاہ رحمان نے کیونکہ وہ رفیع الدین کے فقیر تھے۔ اس طرح
رفیع کے فقیر نے حیدر کو فقیر اللہ بنا کر نکات رحمت اللہ سکھا دیئے۔
مولنا شاہ رفیع الدین نے ۱۲۲۳ھ میں بمقام قندھار شریف وفات پائی
اور یہ کتاب تنا ولی ان کی وفات کے تین سال بعد ۱۲۲۶ھ میں لکھی گئی ہے
اس اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلیفہ شاہ رحمان بھی فوت
ہو چکے تھے کیونکہ حیدر نے ان کے نام کے آگے قدس سرہ لکھا ہے۔
حیدر کی ان دونوں کتابوں (تنا ولی اور نظم انور) سے
مصنف کے متعلق اور بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی
عمر سیر و سیاحت میں بسر ہوئی۔ کبھی وہ حیدرآباد میں بمقام موتری گلی
اسفندیار جنگ کی ڈیوڑھی میں مقیم تھا اور کبھی گلبرگہ کی تفریح کر رہا تھا
کبھی قندھار شریف گیا اور کبھی ورنگل میں لاڈلے حسینی کے یہاں قیام پذیر
رہا۔ اپنی اس سیاحی کا وہ خود بھی نظم انور کے آخر میں تذکرہ کرتا ہے اور
اس کا سبب پیری مریدی کو قرار دیتا ہے۔ یعنے پہلے تو پیر کی تلاش
میں سیاحت کی اور بعد میں دوسروں کو مرید بنانے کے لئے سفر
اختیار کیا۔ اس کی چند ابیات ہیں:۔

ہو سیاح ہر طرف گرداں کیا ہر یک جائے ہر طرز بسماں کیا
رہا آخرش چھوڑ شہر وطن کہ جو آصفی کے ہے گھر کا صحن
ورنگل کے قلعہ میں مسکن کیا لئے طالبوں کے تو طن کیا

نظم انور ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسفندیار جنگ اور خواجہ خیر الدین خاں بہادر
داماد مختار الدولہ نبیرۂ شاہ بلخ حیدر کے قدر دان تھے۔ موخر الذکر کی مدح
میں جو ابیات لکھی ہیں ان میں سے ان دو بیتوں میں بھی اپنی سیاحی
کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

ارے سائے جہاں گرد دنیا بغل کہاں اور کدھر تو لگایا شغل
کہاں تک تجھے شان و شوکت کی چال رہی کس کی ہے شان و شوکت بحال

(ورق ۱۰۱)

اب اصل کتاب تنا ولی کے سبب تالیف کا حال خود مصنف کی زبانی سنئے۔

"بعث تنا ولی ... کتاب لکاولی کا بر جمہ مخکم محروسہ دولت مدار
... آثار کے درمیان بہوت ہے۔ فقیر کو اوس کتاب کے مطالعے
کا شوق بھی از حد ہوا۔ بافضل خدا ایک روز او کتاب تا نگا
مدرسہ حیدرآباد میں دیکھنے میں آئی۔ جب مشائخ لاڈلے حسینی برہا
قبلہ اللہ حسینی صاحب اور بہادر حسینی صاحب سلمۃ اللہ تعالیٰ قلعہ ورنگل
میں تشریف فرمائے۔ فقیر ملازمت ... سے حاصل کر کچھ ادھر ادھر کی
گفتگو میں تذکرہ کتاب لکاولی و چہار درویش کا بھی موافق استماع
کے نکالتے ہی صاحبان ممدوح فرمائے کہ ہمارے یہاں یہ دو کتابیں
حاضر ہیں ہم تمہیں عنایت فرماتے ہیں"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی اردو کتابیں پندرہ بیس سال
کے اندر ہی اتنی مقبول و مشہور ہوئیں کہ ان کے نسخے حیدرآباد، ورنگل
اور راجمندری تک پہنچ گئے اور ان کا چرچا ہر جگہ ہونے لگا۔ چنانچہ
ان مشائخین نے راجمندری پہنچ کر ڈاکٹر گلکرسٹ کی قواعد اردو بھیجنے
کا بھی وعدہ کیا۔ کیونکہ فقیر اللہ نے ان سے کہا کہ وہ زبان اردو سے
کم واقف ہے۔ اسی طرح ان مشائخین نے بھی اس زبان سے اپنی
کم آگاہی کا تذکرہ کیا۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دکن
شمالی ہندی اردو کو اس زمانے میں کتنی اجنبی اور غیر زبان سمجھتے تھے۔
مصنف نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے
کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سو سال قبل دکنی اور شمالی اردو
کتنی جدا جدا سمجھی جاتی تھیں۔ مصنف لکھتا ہے:۔

"کتاب زبان اردو میں۔ اور اس فقیر کو کم واقفیت اوس زبان
سے نہیں فرصت والا امیر انہیں کے بیٹھ پڑھنا شروع کیا۔ اونھوں نے

کچھ تعلیم کر تا نے کہ مجھے بھی خوب اس زبان میں درک نہیں۔

... . فقیر سات آٹھ روز کے عرصے میں

بکاولی اور چہار درویش کہ دونوں ایک ہی جلد میں تھے دیکھ لیا۔

بارے کچھ کچھ وہ زبان سے واقفیت ہوئی اور چہار درویش والا تو

کیفیت بھی اوس زبان کی لکھتا تھا کہ لشکری زبان ہے زبان اردو

اور اردو لشکر خاص بادشاہی کو کہتے ہیں" (ورق باب)

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک دکن میں اس زبان کے لئے اردو کا لفظ عام نہیں ہوا تھا۔ وہ حیرت اس کی ہے کہ جس ملک میں عہد قطب شاہیہ میں اس زبان نے ایسی ترقی پائی تھی وہیں کے باشندے آصفی عہد کے ابتدائی سو سال میں فارسی کے رواج کی وجہ سے اس زبان کو غیر سمجھنے لگے تھے۔ حالانکہ ان کی بول چال اور گھروں کی زبان اردو ہی تھی لیکن وہ اس کو دکنی کہتے اور شاید اس کو اردو سے علاحدہ ایک غیر زبان سمجھتے تھے۔

اسی سلسلے میں مصنف اپنے احساس کمتری کے پیش نظر یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ:۔

"اگر اس کتاب کو بھی ورنگی زبان کی دیئے برابر بکاولی کے چرچا ہو سکتا ہے"

اس قصے کو ماوراءالنہر کے بادشاہ سریرالملک کی شان و شوکت کے بیان سے شروع کیا ہے۔ ہر فصل کا نام داستان رکھا ہے۔ کل ۳۲ داستانیں ہیں۔ خاتمے میں قصیدۂ مناجات کے طور پر ۵۰ اشعر لکھے ہیں۔ جن میں پہلا اور آخری شعر یہ ہے۔

مطلع۔ اے جسم جہاں کی زندگانی کیا خوب کیا تو انس و جانی

مقطع۔ دیکھا نہ سوائے آصفی گھر ہے چتر الملک کا اب اوثانی

آغاز:۔

باسمے کہ ہے اسم کل اسم کا مجسم ہے او جسم ہر جسم کا

شہنشاہ شاہاں او نسا جہاں کہ شاہنشہوں کا ہے اوس سے نشاں

اختتام حصۂ نثر:۔

"ورد اکبر کا دورہ تسبیح میں پھر (پڑھ) ادم کرنے آوے کہ ایسا شاہزادہ نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔ اور دنیا بہ ہزار وجہ نہ لوٹائے گا"

ترقیمہ:۔

تمت تمام شد بتاریخ بیست و چہارم شوال ۱۲۴۵ھ ہجری۔ روز یکشنبہ۔ و تاریخ کتاب اصلی چہارم ربیع الاول ۱۲۴۵ھ و تاریخ مسودہ دوماہ ذیحجہ ۱۲۴۴ھ۔ این کتاب برائے خود نوشتہ بتاریخ ہجدہم ماہ شوال ۱۲۶۶ھ روز سہ شنبہ بوقت قریب سہ پہر با تمام رسید۔ کاتب الحروف حسینی بادشاہ"

اس ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ۱۲۴۴ھ میں اصل مسودہ لکھا اور تین ماہ بعد ۱۲۴۵ ہجری میں مبیضہ کیا جس کے بعد یہ نسخہ ورنگل ہی میں محفوظ رہا اور اس کی یہ نقل ورنگل ہی کے ایک شائق حسینی بادشاہ نے اپنے لئے ۱۲۶۶ھ میں لکھی۔ حسینی بادشاہ خود بھی شاعر اور ادیب تھے ان کی بعض کتابیں موجود ہیں جن کا ذکر بعد کو کیا جائے گا۔

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ترقیمہ کے برابر ان کی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہے۔

---

(۱۲۶) نظم انور [۱۵۵]

اوراق ۱۱۰ - سطور ۱۰ -

تقطیع ۲″ × ½۴″ - خط نستعلیق شکستہ -

عنوانات - سرخی میں -

مصنف - فقیر اللہ شاہ حیدر - سنہ تصنیف ۱۲۴۷ھ -

کاتب - سید مظہر علی عرف میر جان - سنہ کتابت ۱۲۶۶ھ -

مقام - کھمم میٹ -

یہ دو ہزار سے زیادہ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں چار بھائیوں نرگس، سنبل، نسترن اور یاسمن کی داستان بیان کی ہے۔ مصنف کے حالات اور اس کی ایک اور کتاب تناولی کا ذکر ابھی نسخہ ۱۲۵/۱۵۶ میں گذر چکا ہے -

داستان شروع کرنے سے قبل، حمد، نعت، وصف صحابہ و پنجتن، مناجات بقبول سخن، قیام بڈیوڑھی اسفندیار جنگ، بیان جلوس عرس خواجہ بندہ نوازؒ، مریدی، توصیف نظام علی خاں، مدح خواجہ خیر الدین خاں جیسے عنوانات کے تحت تقریباً ۲۰۰ ابیات لکھی ہیں - انہی عنوانات میں مصنف نے اپنے بعض حالات بھی قلمبند کر دیئے ہیں جو قصۂ تناولی کے تذکرہ میں درج کئے گئے ہیں -

یہ تعجب کی بات ہے کہ مصنف نے توصیف نظام علی خاں کی سرخی قائم کر کے آصف جاہ ثانی اور مہاراجہ چندو لال کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ جس سے بجائے مدح کے ذم کا پہلو نمایاں ہے - اور پھر یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ نظام علی خاں کی وفات (۱۲۱۸ھ) کے تیس۳۰ سال بعد مصنف نے ان کی توصیف یا ہجو کیوں لکھی - اسی طرح عرس خواجہ بندہ نوازؒ کے جو حالات بیان کئے ہیں ان میں بھی اکثر جگہ سوء ادب اور عریانی نمایاں ہے -

کتاب کا سنہ تصنیف خود اس کے نام نظم انور (۱۲۴۷ھ) سے نکلتا ہے چنانچہ آخر کتاب میں تاریخ بھی درج ہے - اثنائے مثنوی میں جگہ جگہ غزلیں بھی لکھی ہیں - اور شادی کے بیان میں وہ تمام رسم و رواج بیان کئے ہیں جو دکن میں رائج تھے - خطبۂ نکاح اور جلوہ کی نعتیں غزلوں اور قطعوں کی شکل میں لکھی ہیں - یہ کتاب تلنگانہ میں تصنیف ہوئی ہے کیونکہ آخر زمانے میں مصنف وہیں توطن پذیر تھا -

آغاز :-

سب سے پہلے توصیف یزداں اہم ۔۔۔ تصانیف پر تو کروں میں رقم
کہ محمود حامد ہے کل کائنات ۔۔۔ اوسے ذات اوس کی تمامی صفات

اختتام :-

اگر ذکر ہے جان عالم یقیں ۔۔۔ گر و حقیقت غیر تیری نہیں
کرم سے دیا و حقیقت جس طرح ۔۔۔ کرم کر کہ واصل بھی ہو اس طرح
نکل سنہ میں دا نظم انور کا نام (۱۲۴۷) ۔۔۔ ہوا روز جمعے کے ختم تمام
سپردِ حق کے یہ نظم و ناظم کا کام ۔۔۔ بس اب آگے کیوں کیا ختم والسلام

ترقیمہ :-

”تمت تمام بخامہ سید میر مظہر علی عرف میر جان در کھمم میٹ در علاقہ سید لاڈلے حسینی صاحب بتاریخ ہم ماہ شعبان ۱۲۶۶ھ روز جمعہ بعد نماز“

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے - ان کے دستخط اور مہریں ابتدائی اور آخری اوراق میں ثبت ہیں -

(۱۲۷) مرغوب الطبع [۴۰۶]

(یعنی قصۂ کامروپ)

اوراق ۵۵ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ۶ ۱/۲ × ۱۰ ۱/۲ ۔ خط نستعلیق ۔

عنوانات اور حاشیہ سرخی میں ۔

مصنف ۔ سید حسین علی خاں ۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ ۔

کاتب " ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ ۔

یہ کتاب دراصل فارسی قصۂ کامروپ کا اردو نثر میں ترجمہ ہے ۔ اس کے مولف سید حسین علی خاں حیدرآباد کے طبقۂ شرفا و جاگیرداران سے تھے ۔ انھوں نے اپنی ایک اور کتاب چہار درویش میں اپنے پانچ فرزندوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ولایت علی خاں کی فرمایش پر انھوں نے چہار درویش کا قصہ لکھا ہے جس کا ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے ۔ ان کی ایک اور ضخیم اور اہم کتاب ہمیشہ بہار بھی ادارے میں محفوظ ہے ۔

مصنف نے سبب تالیف میں بیان کیا ہے کہ اب تک کسی نے کامروپ کے قصے کا اردو ترجمہ نہیں کیا ہے ۔ حالانکہ بکاولی اور چار درویش کی کتابیں اردو میں مشہور ہیں ۔ ان کے بیان سے بھی فقیر اللہ شاہ حیدر مصنف نظم انور و تنا ولی (دیکھو مخطوطات ۱۲۵ و ۱۲۶) کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس دور میں فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کا دکن میں بہت چرچا تھا ۔ چنانچہ اس کتاب میں مصنف سبب تالیف کے سلسلے میں لکھتا ہے : ۔

"ایک روز مجلس میں تذکرہ قصوں کا درپیش آیا ۔ قصۂ بکاولی و چار درویش کا جو زبان ہندی سے لکھے ہیں کیفیت اوس کی ایک صاحب نے بیان کئے ۔ احباب کے تئیں شوق مطالعہ ہوا ۔ چنانچہ بہم پہنچا کے مطالعے سے اوس کے جو کیفیت اچھی لکھی ہے محظوظ ہوتے تھے ۔ ایک روز ذکر کامروپ کا نکلا ۔ تب ایک صاحب نے جو مجھ سے اتحاد کمال رکھتے تھے فرمائے کہ اگر تجھ سے ترجمہ اس قصے کا زبان ہندی سے جو قریب الفہم ہو لیکن آوے تو بہوت احسن ہے ۔ تب میں نے عذر اپنی بے استعدادی کا کیا لیکن مبالغے سے اون کے لاچار ہو جیسا کہ مجھ سے ہوسکا لکھا اور موسوم بہ مرغوب الطبع کیا ۔ ....

جب ارادہ اس کتاب کے اتمام کی تاریخ کا ہوا تو ملہم غیب نے جو لفظ اول نام مرغوب ہے مادہ تاریخ کی مبارک باد دی ؎

خیال اوس کی جو تاریخ کا ہوا دل میں

ندا یہ ہاتف غیبی نے مجھ کو دی مرغوب"

(۱۲۴۸ھ)

حسین علی خاں کی زبان فقیر اللہ شاہ حیدر کی زبان سے بہتر اور شگفتہ ہے ۔ ادارے میں ان کی تصنیفات کے تینوں نسخے خود انھی کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں ۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھے خوش نویس بھی تھے ۔

آغاز : ۔

"ہزار ہا شکر و لاکھوں حمد جناب حق تعالیٰ جل شانہٗ میں کہ بشر کو زینت نطق سے آراستہ کیا واسطے ادا کرنے حمد و ثنا کے ۔ لیکن انسان کو کہاں طاقت ہے جو عہدہ برآ حمد کا ہووے ۔ اور اوس کی حمد کے میدان میں قلم کے گھوڑے کو جولان دیوے ۔"

اختتام : ۔

"مدت تک جشن ہائے شاہانہ و بزم ہائے خسروانہ مرتب ہوئے اور باب بخشش کا جہانیوں پر کھولا ۔ اور داد احسان و دادگستری کی دیا ۔ غرض مدت تک عیش و نشاط و خوشی و خورمی سے کاٹا اور بھاڑ سے جوانی کے ثمرہ مراد و کامرانی کا چنا ۔ اور اپنی مراد دل کو پہنچا ۔ اللہ تعالیٰ سب کسی کا مدعا و مراد اسی طرح بر لاوے ۔ بہ تصدق جناب پنجتن و ائمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔"

ترقیمہ:-

"بتاریخ نہم شہر رمضان المبارک روز پنجشنبہ ۱۲۴۸ ہجری
از مسودہ صاف شد"

یہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ابتدا اور آخر میں ان کے دستخط اور مہر ثبت ہیں۔

---

(۱۲۸) مرغوب الطبع [۱۴۶]

اوراق ۷۵۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۶½" × ۱۰¾"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
عنوانات۔ سرخی میں۔
مصنف۔ سید حسین علی خاں۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ۔
کاتب۔ " ۔ سنہ کتابت ۱۲۵۳ھ۔

یہ نسخہ نمبر ۱۲۷ کی ایک دوسری نقل ہے جو خود مصنف نے پانچ سال بعد زیادہ صاف اور پاکیزہ خط میں لکھی ہے۔

آغازی و اختتامی عبارتیں بعینہ وہی ہیں جو نسخہ ۱۲۷ میں درج کی گئی ہیں البتہ ترقیمہ میں مصنف نے اپنا نام بھی بطور کاتب لکھ دیا ہے۔

ترقیمہ:-

"تمت بتاریخ بست و سیوم جمادی الاول ۱۲۵۳ ہجری
بخط خام عاصی سید حسین علی خاں تحریر یافت"

یہ نسخہ بھی نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ چنانچہ اس کے ابتدائی اور آخری اوراق پر ان کے دستخط اور مہر بیا "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۲۳۶ھ" ثبت ہیں۔

---

(۱۲۹) چار درویش [۱۴۹]

اوراق ۲۱۔ سطور ۱۵۔
تقطیع ۵½" × ۸"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ سید حسین علی خاں۔ زمانۂ تصنیف ۱۲۵۰ھ۔
کاتب " ۔ " کتابت "

یہ اردو نثر میں قصۂ چار درویش کا ایک ناقص الآخر نسخہ ہے۔ اور چونکہ مصنف کا مسودہ ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مصنف نے اس کو ناتمام چھوڑ دیا تھا۔ بحالت موجودہ اس نسخے میں پہلے درویش کا قصہ پورا درج ہے۔ اور دوسرے درویش کے قصے میں صرف تین صفحے لکھے گئے ہیں۔

مصنف کے حالات نسخہ نمبر ۱۲۷ میں درج ہیں۔ اس کی اور دو کتابیں مرغوب الطبع اور ہمیشہ بہار بھی ادارے میں محفوظ ہیں۔ یہ سب قصے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو قصوں اور داستانوں سے بہت دلچسپی تھی۔

سبب تالیف میں مصنف بیان کرتا ہے کہ چہار درویش کے قصے کی آج کل بڑی شہرت ہے لیکن یہ کمیاب ہے اور میرے فرزند ولایت علی خاں کو دستیاب نہ ہوا اس لئے اس کی فرمائش پر میں خود یہ قصہ قلمبند کر رہا ہوں۔ اس حصۂ کتاب میں سے ذیل کی عبارت بطور نمونہ نقل کی جاتی ہے۔ اس سے مصنف کے اسلوب کے علاوہ سبب تالیف بھی ظاہر ہوگا:-

"بندہ کو پانچ فرزند تصدق پنجتن پاک عطا فرمائے ہیں۔ بندہ ان کو اپنے حواس خمسہ جانتا ہے اور پنجگانہ میں جناب الٰہی سے ان کی صحت کی دعا مانگتا ہے ....غرض ان میں سے برخوردار ولایت علی خاں طال اللہ عمرہٗ و قدرہٗ تعریف قصۂ چار درویش کی سنے اور نہایت مشتاق ہوا کہ کہیں سے

قصہ چار درویش بہم پہنچے کہ خریدوں یا مستعار ملے تو نقل نویسی
کروں مگر دستیاب نہ ہوا۔ تب بندہ نے اون کی گرانی خاطر سے
اندیشہ کیا اور دل سے کہا کہ مجھ کو کچھ شغل دینا سوائے بیکاری
کے نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے بیٹھے سے بیگار بھلی۔ ... ...
یہ خیال کرکے ارادہ کیا کہ قصہ چار درویش فارسی زبان میں نظم کروں
پھر اوسی برخوردار نے کہا کہ بندہ چاہتا ہے کہ اس قصے کو زبان
اردو میں آپ تصنیف فرماویں کہ خواص و عام اور وضیع و شریف
سمجھیں اور فرحت پاویں۔ غرض مامور مجبور۔ اس واسطے یہ
قصہ اگرچہ سابق ہی زبان اردو میں لکھا گیا ہے اور چھاپ
بھی ہوا ہے اور حال میں ہندی میں نظم بھی کیا (گیا) ہے۔
بندہ بھی بہ پاس خاطر عزیز برخوردار معز لکھتا ہے کہ جو
سنے لذت پاوے۔"

اس عبارت میں مصنف نے حال میں چار درویش کے قصہ کے منظوم ہونے کا جو ذکر کیا ہے وہ غالباً محمد علی خاں شوق کے "منظوم چار درویش" کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۰۱ میں گذر چکا ہے۔ اصل کتاب حمد و نعت و منقبت ائمہ سے شروع ہوتی ہے جو فارسی میں ہے۔ اس کے بعد یہی عبارت شروع ہوتی ہے جو اوپر درج ہے۔ مصنف نے اپنا نام اس میں نہیں لکھا لیکن خط وہی ہے جو حسین علی خاں کے دوسرے مکتوبہ نسخوں میں ہے اور سرورق پر نواب عنایت جنگ بہادر نے بھی "چہار درویش مصنف حسین علی خاں" لکھا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا مصنف سید حسین علی خاں ہی ہے۔ اصل قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"آغاز قصہ تخلبندان حکایات چار درویش و مرہم بندان
جراحت دلہائے ریش قصۂ چار سلطان درویش نام اس طور
سے بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، ہمارا تمہارا خدا اور
خدا کا رسول بادشاہ، شہر روم اوس کا دار السلطنت تھا
عادل، دانا اور باذل اوس کے عہد دولت میں باز کا مقدور
نہ تھا کہ صعوہ کو بدنظر دیکھے۔"

پہلے درویش کا قصہ ان جملوں پر ختم ہوتا ہے :-

"اوس خضر راہ نما کی ہدایت سے یہ معصوم تم مخدوموں کی
خدمت میں آپہونچا ہے اب دیکھئے حق تعالیٰ بادشاہ وقت سے
کب ملاتا ہے۔ بندہ کی یہ سرگذشت تھی جو عرض کی۔"

یہ مخطوطہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے :-

"میں اوس کے خون کی دھار سے کہ وہی اوس کا سراغ تھا
اوس کے عقب روانہ تھا۔ بعد وہ آہو دامن ایک کوہ میں
غائب ہوگیا۔ میں ہر چہار طرف اوس کی جستجو میں رہا مگر وہ
نہ ملا آخر اوسی پہاڑ پر او ۔"

کوئی ترقیمہ نہیں۔ ابتدا اور آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کے دستخط اور مہریں ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۱۳۰) ہمیشہ بہار [۱۴۳]

اوراق ۱۸۲ - سطور ۱۵ -

تقطیع ½۶" × ½۹" - خط نستعلیق - عنوان سرخی میں -

مصنف - سید حسین علی خاں - زمانہ تصنیف ۱۲۵۰ھ -

کاتب - ” - سنہ کتابت ”

یہ اردو نثر کی ایک ضخیم کتاب ہے جو دراصل شیخ عنایت اللہ کی فارسی بہار دانش کا ترجمہ ہے۔ مصنف کی دوسری کتابیں مرغوب الطبع اور چار درویش کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اول الذکر کتاب ۱۲۴۲ھ کی تصنیف ہے اس لئے یہ کتاب بھی اسی قریبی زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔

زیر نظر نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تصنیف و

سنہ کتابت معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ ابتدا میں مصنف نے اپنا نام اور سبب تالیف بیان کیا ہے اور اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انگریزوں کی فرمایش سے بہت سی کتابیں ہندی میں ترجمہ ہوئی ہیں لیکن ابھی شیخ عنایت اللہ کی بہار دانش کا ترجمہ نہیں کیا گیا اس لئے اپنے دوستوں کی فرمایش پر میں یہ کام انجام دے رہا ہوں۔ اسی سلسلہ میں نواب ناصر الدولہ (وفات ۱۲۷۳ھ) کی مدح بھی کی ہے۔ اس حصے کے بعض اقتباس یہ ہیں:۔

"کتاب بہار دانش شیخ عنایت اللہ نے زبان فارسی میں بہوت عبارت رنگین، مسلسل، دقیق، و نقلیں عجائب، و کہانیاں نادر اور نصیحتیں جو وزیر، امیر و حکیم و ندیم و امراء و اعیان جہاندار سلطان کے تئیں بے وفائی عورتوں کی کی نصیحت لکھی ہیں۔ اکثر اوقات مجلس میں شغل اوس کتاب کا رہتا تھا اور سب اہل محفل کو جو بہرہ علم سے رکھتے تھے انبساط حاصل ہوتی تھی اور لاتعلیم اوس کی فہم کی لذت سے محروم رہتے۔ کئی صاحبوں نے کہے کہ اگر اس کتاب کا ترجمہ زبان ہندی سے ہوتو سب باعلم و بے علم کی سمجھ میں جو یہ کہانیاں و نقلاں جو رنگین ہیں آئیں گی۔ اور کئی منشیوں نے بہوت سی کتابیں فارسی کی بموجب فرمایش انگریزوں کے ترجمہ ہندی سے جو قریب الفہم ہوتا ہے کئے ہیں۔ مجھے جو بے کاری و خانہ نشینی تھی بنے وقوف کے موافق دقائق و طول کلامی کو موقوف کر مطلب چیدہ کر کے ہندی جو زبان اپنی تھی وہ ہی بول چال سے ترجمہ کیا عہد میں مسندنشینی نواب کیواں جناب معلا القاب رستم دوراں حاتم زماں ؎

ہست کیواں جناب و انجم سپاہ — زیب بخش سریر و چتر و کلاہ
جانشین سکندر ثانی! — ناصر الدولہ یعنی آصف جاہ

قائم رکھے اللہ تعالیٰ اوسے مع اولاد و سلطنت کے تا دور قیامت۔

سخاوت اوس کی اگر حاتم زندہ رہ کر آنکھوں سے دیکھتا تو آپ کو ایک ادنیٰ بھیلہ بردار اوس سے جانتا کہ یکسر دم تونگری کا مارتے ہیں۔ پرداخت و پرورش اعلیٰ و ادنیٰ و مسکین و فقیر و سالک و مجذوب کی بدرجہ ملحوظ ہے اور اوس کی دست سخا کے آگے اشرفی حکم خرمہرہ کا رکھتی ....
مترجم اوس کا سید حسین علی خاں جو زاد بوم بھی شہر فردوس رشک ہے
.... بہجت بہار نام رکھا"

یہ نسخہ خود مصنف کا مکتوبہ ہے۔ حسین علی خاں کی جملہ کتابیں جو ادارے میں محفوظ ہیں سب مصنف ہی کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ اور ان کے نسخے اب تک کسی کتب خانے میں نظر سے نہ گذرے۔ غالباً یہ نادر مخطوطے ہیں۔ ان سب کا خط اور نہج تحریر ایک ہی ہے۔ یہ کتاب مصنف کا مسودہ معلوم ہوتی ہے۔ اور چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے پتہ نہ چل سکا کہ مصنف نے اتنا ہی ترجمہ کیا تھا یا کتاب مکمل کر لی تھی۔

آغاز:

"حمد و ثنا زبان بشر سے ادا نہ ہو — قاصر زباں مالک صفت اسمائے
اوس کی ثنا قلم جو لکھے تاب ہے کہاں — یہ دو زباں خواہش اوسے زبانی ہے
حمد و ثنا جناب جہاں آفرین کی زبان بشر کو قدرت نہیں جو بیان کرے اور اگر قلم جرأت لکھنے کی کرتا ہے تو زبان شق ہوجاتی ہے"

اختتام:۔

"وہ مرد مفلس کہا کہ اے خسرو تدبیر، جنوں کہے میں مرد زراعت پیشہ ہوں عمر بھر جنگل میں دانہ چھڑکتا رہا۔ گر اور دام سے آسمان کے کنارے دہقان فلک نے میرے مزرعۂ حال میں سوائے تخم نادانی کے نہ بویا"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ ابتدا اور اختتام پر ان کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔

(۱۳۱) ترتیب النکاح [۶۶۲]

اوراق ۹۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۵" × ۸"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی ہیں۔

مصنف۔ محمد شمس الدین شمس۔ سنہ تصنیف ۱۲۵۰ھ۔

کاتب۔ شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

نکاح کے موضوع پر اُردو نثر کا یہ رسالہ محمد شمس الدین اوکیری کی تالیف ہے جن کی ایک اور کتاب احوال میت کا تذکرہ (مخطوطہ نمبر ۱۲۴) میں گذر چکا ہے۔ انہی کی ایک اور کتاب ترتیب نماز کا ذکر اس کے بعد ہی درج ہوگا۔ مصنف کی نسبت معلومات بھی مخطوطہ ۱۲۴ کے سلسلہ میں ملاحظہ ہوں۔

یہ کتاب نہایت مفید اور ضروری معلومات پر مشتمل ہے اور اس کی ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے۔ پہلی فصل ترغیب نکاح کے لئے وقف ہے۔ اور دوسری فصل میں مسائل و ترتیب نکاح بیان کی گئی ہے۔ قرآن شریف احادیث، اور بزرگان دین کے اقوال سے جگہ جگہ کتاب میں کام لیا گیا ہے۔ آخر میں خطبۂ نکاح بھی لکھ دیا ہے۔ عملی نقطۂ نظر سے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ شایع کر کے عام طور پر تقسیم کی جائے۔

ابتدا میں حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے جس میں مصنف نے اپنا نام اور کتاب کی ترتیب کے متعلق ضروری باتیں لکھی ہیں۔ کتاب کا اختتام ۱۵ ابیات کی ایک مثنوی پر ہوتا ہے جس کی آخری بیتوں میں مصنف کا تخلص اور سنہ تصنیف بھی درج ہے۔

آغاز:۔

"لایق حمد و سپاس وہ خالق اکبر ہے کہ ایک ذات آدم علیہ السلام سے خلقت بے شمار پیدا کیا۔ اور اولاد کو اون کی خلعت فانکحوا ماطاب لکم من النساء سے سرفراز کیا۔ خامۂ خشک مغز کا کیا مقدور کہ عہدے سے حمد و ثنا اوس کی سے باہر نکلے اور جو حق لکھنے کا ہو ٹھو سکے۔"

اختتام:۔

ہو چکا اب یہ رسالہ اختتام! در ہزار و دوصد و پنجاہ تمام
بس قلم کو شمس اب یہاں سے اٹھا ہو چکا اتمام تیرا مدعا

ترقیمہ:۔

"ہزار شکر اوس جناب اقدس الٰہی کا کہ یہ رسالہ ترتیب النکاح روز سہ شنبہ تاریخ دویم صفر المظفر ۱۲۵۸ھ این رسالہ از دست شیخ احمد عرف کالے خاں بجہتہ خود تحریر نمودہ تمت تمام شد"

اس ترقیمے کے نیچے ہی سے رسالہ ترتیب نماز شروع کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۳۲) ترتیب نماز [۶۶۲ ب]

اوراق ۳۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۵" × ۸"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی ہیں۔

مصنف محمد شمس الدین شمس (؟)۔ زمانہ تصنیف غالباً ۱۲۵۰ھ کے آس پاس۔

کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

یہ مختصر سا رسالہ مختلف نمازوں اور اس کے لوازم کے متعلق قلمبند کیا گیا ہے۔ اس میں بھی ترتیب نکاح کی طرح عملی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مصنف کا نام اور سنہ تصنیف درج نہیں لیکن ترتیب نکاح کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے اور اسلوب بھی وہی ہے اس لئے غالباً اس کا مصنف بھی محمد شمس الدین ہی ہے۔

آغاز:۔

"نیت وضو۔ وضو کرتا ہوں واسطے دور ہونے حدث کے اور جائز ہونے نماز کے۔"

اختتام:۔

"سبحان ربی الاعلیٰ بھی تقدیر بموجب آئین تمام گذار دے بعد التحیات تمام از لفظ سلام بیرون آید۔"

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد کار من نظام شد۔ بخط الفقیر حقیر مذنب العاصی من ذنب والتقصیر شیخ احمد عزت کاسے خاں جہت خود تحریر نمودہ شد۔ بتاریخ سیوم روز چہارشنبہ درماہ صفر ۱۲۴۰ہجری سہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ بود۔"

(۱۳۳) منتخب دیوان عاشق [۲۱۰]

اوراق ۹۔ سطور ۱۸۔

تقطیع ... خط نستعلیق شکستہ آمیز پاکیزہ۔

عنوان سرخی میں۔

مصنف عاشق۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۶۵ھ۔

سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ۔

یہ تقریباً ۵۴ غزلوں اور ۳۵۰ اشعار کا منتخب دیوان ایک ایسے اعلیٰ پایہ شاعر کا ہے جو اب تک غیر معروف رہا۔ میر یحییٰ عرف عاشق علی خاں عاشق برہان پور میں پیدا ہوا لیکن حضرت آصف جاہ اول کی رفاقت میں دکن چلا آیا۔ اور شاہی منصب داروں کے زمرہ میں شامل ہو کر اپنی عمر حیدرآباد ہی میں گذار دی۔ علم و فضل اور انشا پردازی کی وجہ سے اپنے زمانے میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اردو شاعری کا بے حد دلدادہ تھا۔ اور اس کے کلام کو اتنی شہرت حاصل ہو گئی تھی کہ فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ (مرتبہ ۱۱۶۵ھ) میں اس کا حال درج کیا۔ اور اس کے علاوہ علی ابراہیم خاں 'عشق' اور ذکا کے تذکروں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ عبدالجبار خاں صوفی نے محبوب الزمن جلد دوم (صفحہ ۸۴۲ و ۸۴۳) میں بھی اس کے حالات اور نمونۂ کلام شامل کیا ہے۔ اور بڑی تعریف کی ہے۔

عاشق کے اس منتخب کلام میں بھی چند شعر ایسے ہیں جو اس کے وطن اور زمانے کو متعین کرتے ہیں۔ ایک شعر میں اس نے ولی کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

ولی من یہ غزل عاشق کہنے نہیں پاتا اگر ہوتا
رہا کر سگ ہو تو دائم نبی کے آستانے کا

معلوم ہوتا ہے کہ عاشق حیدرآباد میں اپنے ایک ہم عصر شاعر میر نوازش علی خاں شیدا کا بڑا معتقد تھا۔ پہلی غزل کے مقطع میں شیدا کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

جب سے شیدا سا کوئی استاد صاحب معرفت
خوب ظاہر ہوئے عاشق بھید عشق اللہ کا

اس مجموعے کی بعض غزلیں ولی کی زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ کلام نہایت پختہ اور رنگین ہے یقین ہے کہ عاشق اپنے زمانے میں بہت مشہور ہوگا۔ لیکن اس کے کلام کا کوئی نسخہ اب تک دستیاب نہ ہوا تھا۔

آغاز:-

سعدوں پر کتابت کرے بسم اللہ کا تحفۂ صلوٰۃ لکھتا ہوں رسول اللہ کا
بفضۂ منی سیے فرمائیں حضرت رسولؐ نبی سب کہلاتا ہوں بندہ خاص اوس درگاہ کا

اختتام:-

یارو شفق میں ڈوب گیا آفتاب سب دیکھا اوس صنم کے طرۂ زرتار کی ٹنک
عاشق ہو کر کر خوں میں نہیں ہو تن کیا عجب سن یہ رنگ زبان سیں مجھ اشعار کی ٹنک

تنگ کرتا ہے سرکچ کا تغافل رنگ رنگ
پیچ دیتا ہے پریشانوں کو کاکل رنگ رنگ

ترقیمہ:-

"تحریر ۱۲۴۰ ہجری۔
این کتاب مرزا احسان اللہ بیگ خاں پسر نیاز بہادر خاں"

(۱۳۴) تنبیہ النساء [۱۳۰]

اوراق ۳۶ - سطور ۱۰ -

تقطیع ۸½ × ۵½ - خط نستعلیق -

مصنف خواجہ رحمت اللہ - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ -

سنہ کتابت ۱۲۰۰ھ -

یہ مثنوی دکن کے ایک مشہور صوفی خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کی تصنیف ہے - ان کے مختصر سے حالات اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۱۱ (فقرنامہ کامل) میں درج کئے گئے ہیں - کیونکہ فقرنامہ کا مصنف انہی کا مرید تھا اسی طرح مخطوطات نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۶ کے مصنفین بھی ان کے معتقدین میں سے تھے - خاص کر فقیر اللہ شاہ حیدر کی نظم انوار (۱۲۶) میں مدح شاہ رفیع الدین قندھاری کے سلسلے میں ان کا بھی ذکر آگیا ہے - مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری ان کے خلیفہ تھے اور ان کے توسط سے شاہ خواجہ رحمت اللہ کا فیض دکن میں دور دور پہونچا - شاہ رفیع الدین خود بھی مصنف تھے اور ان کے ایک خلیفہ مولانا حافظ شجاع الدین بھی ایک مقتدر صوفی اور صاحب تصانیف بزرگ تھے - ان دونوں کی اُردو و فارسی تصنیفات کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں - اور ان کا ذکر آئندہ درج رہے گا -

چونکہ خواجہ رحمت اللہ کا مختصر حال اس فہرست میں (صفحات ۱۴۷ - ۱۴۸) درج ہوچکا ہے اور تذکرۂ اولیائے دکن، انوار القندھار، اور مناقب شجاعیہ میں بھی ان کے حالات چھپ چکے ہیں اس لئے یہاں ان کی اس کتاب کی نسبت ضروری باتیں درج کی جاتی ہیں -

اس مثنوی کے کئی نسخے ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہیں -

یہ کتاب راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی اور وہ ایسی کئی خواتین سے واقف ہے جنہیں یہ پوری کتاب حفظ تھی اور ان کے گھر کے ملازموں اور بچوں کو بھی اس مثنوی کی بیسیوں ابیات یاد تھیں - مسلمان عورتوں کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی - اور نہ اتنی مشہور و مقبول ہوئی -

اس کتاب کا موضوع خواتین کی اصلاح ہے - اس میں معاشرتی اور مذہبی دونوں قسم کی برائیوں کو نہایت سخت اور تلخ الفاظ میں واضح کیا گیا ہے - اردو زبان میں ترقی پسند ادب کا جو نظریہ زمانۂ حال میں روشناس ہوا ہے اس کا یہ مصنف لفظ بلفظ قائل ہے - انسانی نفس کی خباثتوں اور اخلاق و اعمال کی گندگیوں کو خواجہ رحمت اللہ نے نہایت عریاں اور واضح انداز میں بیان کیا ہے - اور عورتوں اور مردوں دونوں کی بری طرح خبر لی ہے - ان کے زمانے میں جتنے برے رسم و رواج تھے ان میں سے ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا اور ان کی سختی سے مذمت کی اور مضحکہ اڑایا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ طنز نگاری میں ماہر تھے - ان کی اکثر ابیات باوجود زبان کی قدامت کے اب بھی تبر و نشتر کا کام دے سکتی ہیں -

انہوں نے پند و نصیحت کرنے یا ایک ثقہ وعظ قلمبند کرنے کی بجائے تمام بری باتوں کو ترنم و حجاب کے بغیر کھول کھول کر بیان کیا ہے - وہ خود کہتے ہیں :-

بدرسم اون کے چھڑانے کے بدل — میں کیا مشرک رسم سارے نقل
کفر کے چن چن رسم بولیا ہوں میں — شک شبہ کے سب گرہ کھولیا ہوں میں
جو سخن سانچا اتھا برحق تمام — بے لاحظہ ہو کہیا مطلق تمام
فاضلاں کو بات یہ نا بات ہے — جاہلاں کے نین جگر میں لات ہے

مصنف نے اپنا اور مثنوی کا نام کتاب کے آغاز میں عنوان "حکایت کہ سبب تصنیف ایں کتاب افتادہ است" کے تحت ان ابیات میں لکھا ہے :-

نام تنبیہ النساء اس کا دھروں — مشرکاں کے رسم سب ظاہر کروں
یا الٰہی اپنی رحمت فضل کر — رات اور دن رحمت اللہ کے اُپر

(ورق ۵)

مثنوی کے زیرِ نظر نسخے میں وہ بیت درج نہیں ہے جس میں تعداد ابیات و ابواب کا اظہار کیا ہے لیکن ایک دوسرے نسخے (نمبر ۱۳۶/[illegible]) میں کتاب کے آخر میں یہ بیت شامل ہے۔

پانچ سو ستر جو ہیں بیتاں اسے — باب پندرا یاد رکھ دل میں اتے

لیکن یہ بیت خود مصنف کی نہیں معلوم ہوتی غالباً کاتب کا اضافہ ہے۔ بہرحال اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مثنوی میں تقریباً ۵۷۰ ابیات ہیں اور اس کو ۱۵ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب کا عنوان فارسی میں لکھا ہے۔ اور درمیان میں قرآن کی آیتوں اور حدیثوں کو بھی درج کیا ہے۔

مصنف نے سبب تالیف یہ بیان کیا ہے کہ ایک روز عشرۂ محرم میں ایک شخص اپنی بیوی کو عاشور خانوں کا تماشا دکھانے لے گیا۔ ان ایام میں سڑکوں، گلیوں اور عاشور خانوں میں جو بھیڑ ہوتی ہے اس میں عورتوں کی شرکت سے بڑی بدنمائیاں اور مذموم حرکتیں رونما ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس شخص کو اس حرکت سے منع کیا تو اس نے ان قدیم رسوم کی تائید میں مصنف سے بحث شروع کی۔ آخرکار جب راہ راست پر آیا تو کہا کہ میں تو قایل ہو گیا لیکن میری بیوی نہیں مانے گی اس لئے آپ ان باتوں کو لکھ دیں تاکہ سب عورتیں ان کو پڑھیں اور مضر رسم و رواج سے باز آئیں۔ اس طرح یہ کتاب لکھی گئی اور اسی لئے ہر بیان مصنف نے سہاگن سے مخاطب ہو کر شروع کیا ہے مثلاً

سن سہاگن پندِ حق دل جان سے — میں کہوں احادیث اور قرآن سے (۵)

سن سہاگن بات میری کر قبول — میں کہوں فرمائے سو حضرت رسول (۹)

سن سہاگن یاد رکھ باتاں تمام — پڑھ درود اں چھوڑ دے گیتاں حرام (۱۵)

سن سہاگن حق ستی ملحوظ ہو — کر سے ابلیس کے محفوظ ہو (۱۸ ب)

کتاب کی ابتدا حمد و نعت سے کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد اصل موضوع کا تعارف بعنوان "بیان کفر و رسومات بد" کرایا گیا ہے۔ اور پھر سبب تالیف بیان کیا ہے۔ افسوس ہے کہ سنہ تصنیف درج نہیں کیا۔ چونکہ مصنف نے ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی اس لئے یہ نسخہ اواخر بارھویں صدی کی اچھی اور مفید کتابوں میں سمجھا جائے گا۔

آغاز:۔

حمد بے حد ہے اوسی سبحان کو — جو کیا پیدا جسم اور جان کو

دو جہاں کا مالک اور دایم ہے وہ — سب فنا آخر کے تئیں قائم ہے وہ

اختتام:۔

ہم دکھا تا رہ نبیؐ در کار ہے — کوئی چلو کوئی نا چلو مختار ہے

گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا — نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:۔

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب۔ این تنبیہ النسا —
سیوم ماہ رجب المرجب روز جمعہ بوقت صبح سنہ ۱۲۶۰ ہجری انتظام یافت"
این کتاب فاطمہ بیگم دلیکنی بیگلونی پرگنہ نوڑ ہمشیرۂ سدی
حبش خاں۔ برائے اوشاں خریدہ شد"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ اس کے بعد دوسرے صفحہ سے حضرت شیخ عبدالقادر کی ایک فارسی نظم لکھی ہے جس کے آغاز و اختتام پر عربی عبارتیں ہیں۔ اس حصے کا عنوان خطبہ اولیٰ لکھا ہے۔ اور اس کا ذکر فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

(۱۳۵) تنبیہ النساء [۶۶۳]

اوراق ۲۷ - سطور ۱۳ -

تقطیع ½۵ × ½۷" خط نستعلیق پاکیزہ -

عنوانات - سرخی میں کرم خوردہ -

مصنف - خواجہ رحمت اللہ - زمانۂ تصنیف قبل سنہ ۱۱۹۵ھ -

کاتب شیخ احمد عرف کالے خاں - سنۂ کتابت ۱۲۵۶ھ -

بمقام حیدرآباد -

یہ مخطوطہ نمبر ۱۳۴ کا ایک اور نسخہ ہے جو خاص اہتمام اور نفاست کے ساتھ اس سے ۱۰۴ سال قبل حیدرآباد میں نقل کیا گیا ہے - اسی کاتب کی نقل کی ہوئی اور کتابیں بھی ادارے میں موجود ہیں -

(دیکھو فہرست ہذا نسخہ جات نمبر ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۲)

اس نسخے میں تقریباً ۶۵۰ ابیات ہیں - لیکن اس میں وہ بیتیں درج نہیں ہیں جن میں مصنف نے اپنا نام اور تعداد ابیات و ابواب درج کی ہے -

آغاز :-

حمد بے حد ہے اوسی سبحان کو جو کیا پیدا جسم اور جان کو
دو جہاں کا خالق و دایم ہے او سب فنا آخر کے تیں قائم ہے او

اختتام :-

ہم دکھا نارہ نئی درکار ہے کوئی چلو نا کوئی چلو مختار ہے
گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد رسالہ تنبیہ النسا بتاریخ بست دوم ذیحجہ ۱۲۵۶ھ بخط فقیر حقیر شیخ احمد عرف کالے خاں بہ بلدہ فرخندہ بنیاد بروز دوشنبہ بعد مغرب تحریر یافت"

---

(۱۳۶) تنبیہ النساء [۸۶]

اوراق ۲۹ - سطور ۱۲ -

تقطیع ¾۵ × ½۹" - خط نستعلیق -

مصنف خواجہ رحمت اللہ - زمانۂ تصنیف قبل سنہ ۱۱۹۵ھ -

کاتب میراں صاحب استاد - سنۂ کتابت ۱۲۶۱ھ -

یہ مخطوطات نمبر ۱۳۴ و ۱۳۵ کا ایک اور نسخہ ہے - اس میں جگہ جگہ ابیات کا اضافہ ہے - چنانچہ آخر کتاب میں ۹ بیتیں ایسی زیادہ ہیں جو دوسرے نسخوں میں درج نہیں ہیں - اس کاتب نے ایک اور کتاب اردو نثر میں (سوالات گرد دین عیسوی وغیرہ) اسی کے ساتھ نقل کی ہے - اس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا - (دیکھو ص ۱۸۲)

آغاز :-

حمد بے حد ہے اوسی سبحان کو جے کیا پیدا وہ جسم و جان کو
دو جہاں کا خالق دایم ہے او سب فنا آخر کے تئیں قائم ہے او

اختتام :-

عرض میری تم سنو اے باشعور فضل سے اپنے مجھے بخشے غفور
پانچ سو ستر جو ہیں بیتاں اسے باب پندرا یاد رکھو دل میں اسے

ترقیمہ :-

"تحریر فی التاریخ بست و سویم شہر ذی القعدہ بروز دوشنبہ وقت ظہر اتمام یافت سنہ ۱۲۶۱ھ - کاتب الحروف میراں صاحب استاد این کتاب برائے خواہش طبع لاڈلے صاحب زردی نوشتہ شد"

(۱۳۷) تنبیہ النساء [۶۶۴]

اوراق ۲۶۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۸ × ۵ - خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ بعض صفحات بوسیدہ۔

مصنف خواجہ رحمت اللہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔

یہ تنبیہ النساء کا ایک مکمل خوش خط نسخہ ہے جو شہر پلانگ میں شیخ احمد سپاہی لائٹ کمپنی ۲۲ رجمنٹ کی فرمائش پر کئی اور کتابوں (قیامت نامہ، ہدایت المومنین وغیرہ) کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ان سب کتابوں کا ذکر آئندہ درج ہوگا۔ ہر کتاب کے آخر میں کاتب نے جدا جدا ترقیمہ لکھا ہے لیکن اس التزام کے باوجود افسوس ہے کہ سنہ کتابت درج نہیں کیا۔ غالباً اواخر تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ اس نسخے میں بھی مصنف کے نام کی بیت شامل نہیں ہے۔ کاتب کا نام اسی جلد کی کتاب قیامت نامہ کے ترقیمے میں درج ہے۔

آغاز:—

نہ ہے حد ہے اوسی سبحان کوں جے کیا پیدا جسم ہور جان کوں
دو جہاں کا خالق و رازق ہے او سب فنا آخر کے تئیں قائم ہے او

اختتام:—

ہم دیکھا نا راہ نبی درکار ہے کوئی چلو یا نا چلو مختار ہے
گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:—

"تمام شد نسخۂ تنبیہ النساء بپاس خاطر شیخ احمد تحریر یافت"

یہ نسخہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ہندستان کے باہر پلانگ میں لکھا گیا ہے۔

---

(۱۳۸) تنبیہ النساء [۱۹۱ب]

اوراق ۵۔ سطور ۹۔

تقطیع ۵ × ۹ - خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف خواجہ رحمت اللہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۹۵ھ۔

سنہ کتابت - ۱۲۶۶ھ۔

یہ مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸ کا ایک ناقص الآخر نسخہ اور سعدی کی ایک نظم کے اردو ترجمہ کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

آغاز:—

سب تم جی میں رکھے مشرک کے یاد بت پرست شدے پرست ہو تو زیاد
فی الحقیقۃ مومناں سے دور ہیں کافراں کے ساتھ او محشور ہیں!

اختتام:—

ہم دیکھا نا راہ نبی درکار ہے کو چلو کوئی نا چلو مختار ہے
گر چلیں گے تو خدا دیوے جزا نا چلیں گے تو یقیں پاوے سزا

ترقیمہ:—

"تمام شد این رسالہ تنبیہ النساء من تصنیف مولنا حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہ بتاریخ بست چہارم ماہ صفر المظفر ۱۲۶۶ ہجری اختتام پرداخت۔"

(۱۳۹) کشف الخلاصہ [۱۳۱]

اوراق ۲۲ - سطور ۱۳ -
تقطیع ۱/۲ ۵ × ۱/۲ ۹" - خط نستعلیق -
مصنف میر شجاع الدین - سنہ تصنیف ۱۲۳۲ھ -
کاتب محمد امیر الدین - سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ -

یہ مثنوی حضرت حافظ میر شجاع الدین حسین (۱۱۹۱ھ تا ۱۲۵۶ھ) کی تصنیف ہے جو مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری کے مرید و خلیفہ اور حیدرآباد کے مشہور صوفیائے کرام میں سے تھے - ان کے حالات زندگی "مناقب شجاعیہ" میں قاضی امیر اللہ برادر نواب فضیلت جنگ انوار اللہ خاں قندہاری نے قلمبند کئے ہیں - یہ کتاب چھپ چکی ہے - تاریخ اولیائے دکن میں عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری نے بھی تفصیل سے ان کا تذکرہ لکھا ہے (دیکھو جلد دوم صفحات ۱۰۰۲ تا ۱۰۱۲)

حافظ شجاع الدین شہر حیدرآباد میں چارمینار کے قریب جامع مسجد میں قیام پذیر تھے اور یہ مسجد انہی کی وجہ سے آباد ہوئی - ان کے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد کثیر تھی - اب بھی میر جملہ کے تالاب کے قریب ان کا گنبد زیارت گاہ عوام و خواص ہے - ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) جوہر النظام - عربی میں فقہ کا رسالہ (۲) رسالہ علم قرات - اُردو میں
(۳) رسالہ رویت - فارسی میں رویت الٰہی کے موضوع پر (۴) رسالہ فوائد جماعت - فارسی میں -
(۵) ،، جبر و قدر - ،، ،، رضا و تسلیم ،، ،، (۶) ،، سماع - ،،
(۷) ،، احتلام - ،، (۸) رسالہ قادریہ - فارسی میں ذکر و اشغال
(۹) ،، سلوک نقشبندیہ ،، ذکر و اشغال (۱۰) مناجات ختم قرآن عربی میں -
(۱۱) خطب عربی، خطبوں کا مجموعہ (۱۲) غزلیات فارسی -
(۱۳) سمات - فارسی میں (۱۴) مکتوبات و قصاید -
(۱۵) کشف الخلاصہ - اُردو میں -

کشف الخلاصہ اصل میں فقہ کا ایک فارسی رسالہ تھا جو غالباً ۱۱۵۰ھ میں تالیف ہوا تھا اور جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں - اس کو مفید پاکر حافظ شجاع الدین صاحب نے اردو میں منتقل کیا - چنانچہ وہ کہتے ہیں :-

اس رسالے کی زباں تھی فارسی — صاف اور پاکیزہ جیسے آرسی
اختصار اس کا بیاں کوئی کیا کرے — جیسا کوئی دریا کو کوزے میں بھرے
تھا مصنف اس کا مرد اہل دل — دل بحق مشغول ظاہر آب و گل
باوجود اس کے کہ تھا عالی مقام — نام اپنا نئیں لکھا اپنے نیک نام
....
اور جو اس کا ترجمہ ہندی کیا — بندۂ مسکیں ہے تجھ درگاہ کا

کتاب کی آخری بیت میں مصنف کا نام اس طرح درج ہے :-

ہے شجاع الدین حافظ کا کلام — تم سنو یہ سب خلاصے کوں تمام

تاریخ تصنیف اس بیت میں درج ہے جو آخری حصۂ کتاب میں شامل ہے :-

ختم پر گذرے تھے جو ہجرت کو سال — ہندوی کشف الخلاصہ سے نکال
۱۲۳۲ھ

مصنف مناقب شجاعیہ نے صرف نام کشف الخلاصہ کے اعداد سے ۱۱۵۰ھ ہجری تاریخ ترجمہ بیان کی ہے (ص ۶۲) جو غلط ہے کیونکہ اس وقت تو حافظ شجاع الدین پیدا بھی نہیں ہوے تھے - اور خود مناقب شجاعیہ (ص ۴) میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۹۱ھ درج ہے - اسی غلطی کی تقلید میں پروفیسر سروری نے کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کی فہرست اردو مخطوطات (ص ۵۶) میں اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۱۵۷ بیان کیا ہے - یہ سنہ اصل فارسی کتاب کی تصنیف کا ہوگا -

یہ رسالہ فقہ کے مسائل میں ایک مستند تالیف سمجھا جاتا ہے اور بقول صاحب مناقب شجاعیہ "اگر یہ رسالہ کسی کو حفظ ہو تو وہ عالم فقہ کا ہے" اس میں جملہ ۳۸۳ ابیات ہیں - حمد، نعت، اور منقبت صحابہ کی سرخیوں سے ابتدا کی گئی ہے -

آغاز :-

سب ثنا ہے حضرت رحمان کو — جان و عقل و دیں دیا انسان کو
فضل سے اپنے ہمیں قرآں دیا — اس میں امر و نہی سب روشن کیا

اختتام :-

بعد ازاں سب مومنات و مومنیں — منتجب ہو لائے رب العالمیں
ہے شجاع الدین حافظ کا کلام — تم سنو یہ سب خلاصہ کوں تمام

ترقیمہ :-

"وتمت تمام شد کشف الخلاصہ من تصنیف مولوی شجاع الدین حنا
بتاریخ بیست و پنجم ماہ ربیع الثانی روز شنبہ ۱۲۶۳ہجری اتمام یافت"

اس ترقیمہ میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن اس کے بعد ہی اسی کاتب نے کتاب ہدایات ہندی شروع کردی ہے جس کے آخر میں اس نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے :-

"کاتب الحروف محمد امیر الدین ساکن اطراف اورنگ آباد برائے
نعل ڈی صاحب سوداگر زہروی دام اقبالہ تحریر یافت"

(دیکھو فہرست ہذا صفحہ ۳۳)

(۱۴۰) وفات نامۂ خاتون جنت [۸۸]

اوراق ۵ - سطور ۱۳ -
تقطیع ۵½ × ۸½ - خط نستعلیق -
سنہ تصنیف ۱۲۲۴ھ -
کاتب محمد غلام احمد الدین حسین - سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ -

یہ تقریباً ۱۲۰ ابیات کی مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا اور سنہ تصنیف بھی زیر نظر نسخے میں درج نہیں ہے - البتہ جامعہ عثمانیہ کے نسخے میں ۱۲۲۴ہجری درج ہے -

(دیکھو فہرست اردو مخطوطات جامعہ ص۵۹)

یہ مثنوی یا تو کسی بڑی مثنوی کا ایک حصہ ہے یا اس سے قبل مصنف نے کوئی اور کتاب لکھی تھی چنانچہ حمد و نعت کی ابیات کے بعد وہ لکھتا ہے کہ :-

دیگر بار بولوں سنو یک قصا — وفات جگ سوں پائے ہیں خیر النساء

اس میں حضرت فاطمہؓ خاتون جنت کی وفات کے حالات بیان کئے گئے ہیں - زبان اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف بڑے پائے کا شاعر نہیں تھا - ادارے میں اس کا ایک اور نسخہ موجود ہے مگر اکثر ابیات میں لفظی اختلافات ہیں -

آغاز :-

کہوں ابتدا میں بنام خدا — ؤ مارے ؤ پائے جلاوے سدا
محمدؐ نبی سید المرسلین — حبیب خدا رحمت العالمین !

اختتام :-

قیامت جس وقت وہاں آویں گے — جو کچھ یہاں کیا ہے سو وہاں پاویں گے
قیامت میں طاقت شفاعت کرن — کریں گے شفاعت تجھے پنجتن !
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — نبی پر محمد علیہ السلام !

ترقیمہ :-

"کاتب الحروف محمد غلام احمد الدین حسین مخشب حسب فرمایش
مسماۃ قادر بی بی دختر حاجی عبد السلام چیتی امام موم بتاریخ
ششم شہر جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲۷۶ فصلی روز شنبہ
بقلم آمد"

یہ نسخہ راقم الحروف کا عطیہ ہے اور اصل میں قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانے کے مخطوطات میں شامل تھا - ان کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گذر چکا ہے - (دیکھو نسخہ ۱۱۹ و ۱۲۳)

(۱۴۱) وفات نامہ خاتون جنت [۷۹]

اوراق ۶ - سطر ۱۲

تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق معمولی -

سنہ تصنیف ۱۲۲۴ھ - سنہ کتابت ۱۲۷۸ھ -

یہ مخطوطہ نمبر ۱۴۰ کا ایک دوسرا نسخہ ہے - اس میں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا - یہ بھی حضرت قادر ولی کی فرمائش پر نقل کیا گیا ہے - موصوف کو علم دین کا خاص ذوق تھا اور انھوں نے اس قسم کے رسائل کثیر تعداد میں نقل کرائے تھے اور خواتین میں تقسیم کئے تھے - اس نسخے اور نسخہ نمبر ۱۴۰ میں لفظی اختلافات کثرت سے ہیں جو آغاز و اختتام کی ابیات ہی سے ظاہر ہو سکتے ہیں :-

آغاز :-

کیا ابتدا میں بنام خدا ! کہ مارے جلاوے وو پالے سدا
محمد نبی سید المرسلین ! حبیب خدا رحمت العالمین

اختتام :-

دگر میں تو بے حد ہی خوار ہو وگے جو کچھ یہاں کروگے سو وہاں پاوگے
قیامت میں طالب شفاعت کے دن شفاعت سے بخشے تجھے پنجتن
ہوا یہ مراتب تمامی تمام درود بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ :-

"مرقوم ۱۸ ماہ شعبان المعظم ۱۲۷۸ھ روز سہ شنبہ"

---

(۱۴۲) معجزہ خاتون جنت [۸۱]

اوراق ۱۱ - سطور ۱۱ -

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق معمولی -

مصنف قادر - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ -

زمانہ کتابت قبل ۱۲۸۷ھ -

یہ تقریباً ۲۲۵ ابیات کی مثنوی ہے جس میں قادر نے حضرت فاطمہ خاتون جنت کا ایک معجزہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایک کافر کے گھر میں شادی کی دعوت میں شریک ہو کر کس طرح دولہا اور دولہن کو مسلمان بنایا - حالانکہ میزبان چاہتا تھا کہ ان کو تمام مہمانوں کے سامنے ان کی تہی دستی اور مفلسی کی بنا پر ذلیل کرے -

یہ روایت اصل میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی بعد کو فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا جس سے اس مصنف نے اردو میں منتقل کیا - چنانچہ لکھا ہے کہ :-

روایت ہے یو حضرت عباس سوں لکھے ہیں کتابوں میں اخلاص سوں
لکھے ہیں عربی سوں ہے در کتاب کئے ترجمہ فارسی در جواب !
کیا فارسی کا میں دکھنی کلام یو معلوم ہوناکہ ہر خاص و عام !

کتاب کا نام اس مصرعہ میں درج ہے :-

یو ہے معجزہ فاطمہ کا تمام

مصنف نے اپنا نام کتاب کے آخری حصے میں اس بیت میں لکھا ہے :-

اے قادر ثنا بولنا صبح و شام شفاعت بحق نبی السلام

قادر تخلص کے دو شاعر دکن میں مشہور ہوئے ہیں جن میں سے ایک امین الدین اعلیٰ کے خلیفہ شاہ عبد القادر معروف بہ قادر لنگا تھے - آقا حیدر حسن صاحب کے کتب خانہ کی ایک بیاض میں ان کا کلام محفوظ ہے - یہ ۱۱۰۰ ہجری سے قبل گذرے ہیں - اس نام کے ایک دوسرے شاعر تقریباً پچاس سال بعد دکن میں موجود تھے -

یہ مرثیہ گو تھے اور ۱۱۶۹ھ ہجری سے قبل وفات پائی تھی۔ اردو شہ پارے در دکن میں اُردو میں ان کے حالات درج ہیں۔
یہ مثنوی غالباً پہلے قادر کی تصنیف ہے کیونکہ اس کی زبان قدیم ہے۔

آغاز:۔

روایت کتا ہوں سنو اے عزیز — سنو دل کے کانوں سے تم باتمیز
صحیح یو روایت ہوتت رسول — دل و جان سوں بات کرنا قبول

اختتام:۔

گناہ پر ہمارے نکو کر نظر — نظر کر تو اپنے محمد اوپر
ہے ۔۔۔۔ شمی محمد رسول — الٰہی یو ہے عرض کرنا قبول
اے قادر ثنا بولنا صبح و شام — شفاعت بحق نبی السّلام!
ہزاراں درود اں ہزاراں سلام — بحق محمد علیہ السلام!

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد این معجزۂ حضرت خاتون جنت"
یہ کتاب حضرت قادر بی بی کے کتب خانہ کی ہے۔ اس ترقیمہ کے بعد زیوروں کی ایک فہرست شروع کی گئی ہے جس پر حسب ذیل سنہ درج ہے:۔
"بتاریخ غرہ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۶ھ"
جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ سے قبل نقل کی گئی ہے۔

(۱۴۳) گلسر نامۂ خاتون جنت [۱۱۸]

اوراق ۵۔ سطور ۱۰۔
تقطیع ۵" × ۸ ۳/۴"۔ خط نستعلیق۔
کاتب سید اسد اللہ۔ سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ۔
یہ تقریباً ستّر ابیات کی ایک مثنوی ہے جس کا نہ سنہ تصنیف معلوم ہو سکا اور نہ مصنف کا نام۔ کاتب نے بھی نہایت غلط سلط نقل کیا ہے۔ اور ہر مصرع کے آخر میں شاید گانے والیوں کی خاطر لفظ "جی" داخل کیا ہے جس کی وجہ سے اکثر مصرعوں کا وزن معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کسی قدیم شاعر کا کلام ہے۔ زمانۂ تصنیف اواخر بارھویں صدی ہجری معلوم ہوتا ہے۔

آغاز:۔

اول حمد سبحان کا دم بدم جی — نعت بر محمد شفیع الامم جی
کہوں ایک قصہ میں اہل رسول جی — کہ حضرت کی دختر خاتون بتول جی

اختتام:۔

ہوا گلسر نامہ بی بی کا تمام جی — محمد نبی پر درود اور سلام جی
جو کوئی گلسر نامہ پڑھے یا سنے جی — خدا ان کے گھر میں برکت کرے جی
ہزاراں درود و ہزاراں سلام — زما بر محمد علیہ السلام

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد قصۂ گلسر نامہ حضرت بی بی خاتون جنت به پاس خاطر قادر بی بی صاحبہ نوشتہ شد۔ کاتب الحروف فقیر حقیر سید اسد اللہ فرزند قوام الدین صاحب بتاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۷۶ھ ہجری"

(۱۴۴) نصیحت المسلمین [۶۶۵]

اوراق ۲۸۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۵ ۳/۴" × ۸ ۱/۴"۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔
مصنف خرم علی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۸ھ۔
کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔
یہ اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس میں ہندوستانی مسلمانوں کی شرک و مشربی کے خلاف اصلاحی قدم اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف سبب تالیف کے تحت لکھتا ہے کہ:۔

"اب ہندستان میں عجب ایک بلا پھیل گئی ہے۔ امت محمدی میں بہوت لوگ شرک میں گرفتار ہیں۔ لیکن اکثر مسلمان بےچارے بسبب بےعلمی کے اور ناداری کے لاچار ہیں تو اس واسطے بندہ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجیے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریئے ۔۔۔۔۔۔ الحمد اللہ کہ سنہ بارا سے اٹھتیس ہجری میں یہ رسالہ بن چکا اور اس کا نام نصیحت المسلمین رکھا۔"

پوری کتاب پانچ فصلوں پر منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے :۔
(۱) شرک کس کو کہتے ہیں (۲) شرک کرنے والوں کی حماقت۔
(۳) وہ چیزیں جو صرف خدا کی تعظیم کے لئے مخصوص ہیں۔
(۴) رسومات شرک (۵) شرک کی برائی اور اس کی سزا۔

مصنف نے جگہ جگہ اپنی زبان کو ہندی لکھا ہے۔ کتاب کے آخر میں ۲۴ ابیات کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے تاکہ بچوں کو یاد کرادی جائے اور اس طرح بچپن ہی سے لوگ شرک، بدعتیں اور خلاف مذہب باتوں سے واقف رہیں۔ یہ نظم راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی اور اس کی ابیات اکثر بوڑھی خواتین کو یاد تھیں۔

آغاز :۔

"سبحان اللہ کیا صانع ہے کہ بغیر مدد دوسرے کے اتنے بڑے آسمان اور زمین کو کس خوب صورتی کے ساتھ پیدا کیا اور کسی نبی ولی کو اپنے کارخانے میں کچھ اختیار نہیں دیا۔"

اختتام :۔

"خصوصاً لڑکوں کو یاد کرا دینے کے واسطے بہوت خوب ہے تاکہ لڑکپن سے عقیدہ صاف ہو رہے اور برائی شرک کی خوب دل میں بیٹھ جاوئے۔"

اس کے بعد جو مثنوی لکھی ہے اس کی آغازی و اختتامی ابیات یہ ہیں:۔

آغاز :۔

خدا فرما چکا قرآں کے اندر — مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں — کہ کام آوے تمہاری بےکسی میں

اختتام :۔

ذرا یہ اور بھی سن رکھئے حضرت — جو ناحق پر چلے اوس پر بھی لعنت
تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم — زباں اب بند کر واللہ اعلم!

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد نسخہ نصیحت المسلمین بپاس خاطر شیخ احمد بخش سپاہی تحریر یافت۔ در شہر پلانگ"

کاتب کا نام اسی جلد کی دوسری کتاب قیامت نامہ کے ترقیمے میں مرزا دوست محمد درج ہے۔

---

(۱۴۵) قیامت نامہ [۶۶۶]

اوراق ۶۴ ۔ سطور ۱۳۔
تقطیع $\frac{3}{4}$۵ × $\frac{1}{4}$۸ ۔ خط نستعلیق۔
مصنف محمد عبداللہ ۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۹ھ۔
کاتب مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ۔

یہ اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس کو محمد عبداللہ نے مولنا شاہ رفیع الدین دہلوی کے فارسی قیامت نامہ سے اردو میں منتقل کیا۔ مصنف نے اپنی زبان کا نام ریختہ ہندی لکھا ہے۔ سبب تالیف کا کچھ اقتباس درج ذیل ہے تاکہ مترجم کے اسلوب کا اندازہ ہو :۔

"ایک روز خاکسار ذرۂ بےمقدار محمد عبداللہ عفی اللہ عنہ کے خاطر فاتر میں یوں گذرا کہ یہ قیامت نامہ کو جس کو مولنا شاہ رفیع الدین مبرور دہلوی نے عبارت فارسی میں تالیف کیا ہے زبان ریختہ ہندی میں ترجمہ ہو تو ہر ایک خاص و عام کی سمجھ میں آوے

اور سے خدائے تعالے توفیق بخشے وہ قیامت کے حال سے
خوب واقف ہوکر راہ ہدایت کی پادے۔ ہر چند اس کم استعداد
کو محاورہ ہندی میں تمام نہیں ہے .... "

آخر کتاب میں مترجم نے قطعہ تاریخ ترجمہ بھی درج کیا ہے۔

آغاز:-

حد سے باہر ہیں گے انعام خدا کس سے ہو سکتا ہے شکر اوس کا ادا
کی عطا جس نے ہی اپنے لطف سے کل شئی خلقتہ ثم ہدیٰ !

"وہ لطف اور احسان اس رب الناس کا بے حد و نہایہ ہے کہ
جس نے ہماری ہدایت کے لئے اپنے حبیب خاص محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا"۔

اختتام:-

"عذاب قبر و دغدغہ حشر سے محفوظ رکھ کر جنت میں پہنچاوے
اور وہاں اپنی دیدار لایدرکہ الابصار سے مشرف کرکر مقام رضا میں
ابدالآباد مستغرق و برقرار رکھے۔ صدقہ صاحب لولاک اور اس کی
آل پاک کا۔ آمین ثم آمین"

جب ہوا تعمیر یہ اس قصر کے فارغ قلم جس میں ہر جانب کو ہے مفتوح باب آخرت
عقل نے دیکھ اس میں آئین قیامت آشکار رکھ دیا نام اس کا با تاریخ داب الآخرت
۱۱۳۹

ترقیمہ:-

"تمام شد کار من نظام شد نسخہ قیامت نامہ بہ پاس خاطر
شیخ احمد سپاہی ٹیٹ کمپنی ۲۲ رجمنٹ ...... ۔ از خط خام
مرزا دوست محمد تحریر یافت"

اسی کاتب نے تنبیہ النساء، نصیحت المسلمین، اور ہدایت المومنین وغیرہ کتابیں بھی بمقام پلانگ نقل کی ہیں جو ایک ہی جلد میں شامل ہیں۔

مولوی رفیع الدین دہلوی کے رسالہ قیامت نامہ کا ایک اور صاحب نے بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا تھا۔ اور یہ نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۵۳۔

(۱۴۶) ہدایت المومنین [۶۶۷]

اوراق ۳۰۔ سطور ۱۳۔
تقطیع ۳/۴ ۵ × ۱/۲ ۸۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔
مصنف حسن قنوجی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۳ھ۔
کاتب۔ مرزا دوست محمد۔ بمقام پلانگ

اردو نثر کے اس رسالے میں تعزیہ کی برائی بیان کی گئی ہے۔
اس کا مصنف حسن قنوجی سبب تالیف میں بیان کرتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت سی بدعتیں اور مشرکانہ رسوم جاری ہوگئے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کے خلاف لکھے لیکن کتاب نصیحت المسلمین (دیکھو نسخہ نمبر ۱۴۴) میں اس کو منت اور قبر پرستی کے خلاف مضامین لکھے ہوئے ملے اس لئے اس نے صرف تعزیہ کے خلاف لکھنا مناسب سمجھا۔
سبب تالیف کے حصہ سے چند اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ کتاب سے متعلق معلومات کے علاوہ مصنف کا اسلوب بیان بھی ظاہر ہو۔

"جب مسلمانوں کو اس بلا میں گرفتار دیکھا تو بندۂ خیر خواہ
حسن قنوجی نے کہ اللہ اوس کو حسنین کے طریقہ اور محبت
میں رکھے چاہا کہ اپنے بھائیوں کو اور جس کو خدا توفیق
دے، برائی ان رسموں کی سمجھا دیوے ....
اس لئے اس وقت میں کہ سنہ بارہ سو تینتالیس (۱۲۴۳) ہجری ہے
یہ رسالہ ہندی زبان میں لکھا تا ہر کوئی اپنی بولی میں سمجھ کر
بلا تکلف بوجھ لے اور سوجھ پکڑے ....
اور منت پوجا کے بیان میں رسالہ نصیحت المسلمین لکھا پایا
اس واسطے اس رسالے میں فقط برائی تعزیہ کی صاف صاف
بیان کی...... اور نام اس رسالہ کا ہدایۃ المومنین رکھا۔"

مصنف نے کتاب کو ایک مقدمہ اور تین فصلوں میں مرتب کیا ہے۔ مقدمہ تو یہی تھا جس میں مصنف نے سبب تالیف اور اصل موضوع کی تمہید لکھی ہے۔ فصلوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) تعزیہ کی برائی عقلی، و شرعی دلائل سے۔

(۲) جاہلوں کے سوال کے جوابات۔

(۳) تعزیہ کی برائی قرآن اور حدیثوں کی رو سے۔

کتاب کا آغاز ۱۶ ابیات کی ایک مثنوی سے کیا گیا ہے اور اختتام ۷ اشعار کے ایک قطعہ پر ہوتا ہے۔ ان دونوں میں مصنف نے جن اشعار میں اپنا تخلص لکھا ہے وہ حسب ذیل ہیں:—

جب تئیں یارب تو حسن کو جلا راہ حسین ابن علی پر چلا (۲)

حسن خاموش ہو اتنا بہت ہے جسے چاہے خدا دیوے سجھائی (۳۰)

کتاب کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے:—

شکر خدا جس نے بنایا ہمیں راہ پیمبر پہ چلایا ہمیں

غم میں ہمیں صبر کی تعلیم کی راہ بتائی ہمیں تسلیم کی

نثر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:—

"قبل شروع مطلب کتاب کے بوجھنا مقدمہ کا ضرور ہے تا حقیقت حال بہ خوبی دل نشین ہو"

حصہ نثر اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:—

"ہم تو تم کو محض خدا کے واسطے بتاتے ہیں۔ اور جو اس پر بھی نہ سمجھو تو بھاڑ میں جاؤ اور اپنا سر کھاؤ۔ موت قریب ہے منکر نکیر قبر میں سمجھا دیں گے۔"

اس کے بعد جو نظم درج ہے اس کا آغاز و اختتام یہ ہے:—

آغاز:—

تمہاری ہم نے کی ہے خیر خواہی اگر سمجھو تمہاری ہے بھلائی!

ادہر دنیا میں ذلت سے بچو گے ادہر عقبیٰ میں دوزخ سے رہائی

اختتام:—

اگر اس پر نہ بوجھو بوجہل ہو خدا نے مُہر ہے دل پر لگائی

حسن خاموش ہو اتنا بہت ہے جسے چاہے خدا دیوے سجھائی

ترقیمہ:—

"شکر اللہ تعالیٰ کا اوس کے فضل و کرم سے بخیر و خوبی یہ کتاب ہدایت المومنین کی تمام ہوئی۔"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا ہے بلکہ ساتھ ہی اردو نثر کا ایک اور رسالہ (اعمال بد) شروع کر دیا ہے جس کا ذکر آگے درج ہے۔

---

(۱۴۷) رسالۂ اعمال بد [۶۶۸]

اوراق ۵۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۵ × ۸۔ خط نستعلیق۔

مصنف غالباً مرزا دوست محمد۔

یہ مختصر سا رسالہ حمد و نعت سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد سبب تالیف بیان کیا گیا ہے لیکن مصنف نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ رسالے کا۔ اور نہ سنہ تالیف ہی درج کیا ہے۔ غالباً اس کا مصنف مرزا دوست محمد ہی ہے جس نے اس جلد کی جملہ کتابیں (یعنے تنبیہ النساء نصیحت المسلمین، قیامت نامہ، ہدایت المومنین) نقل کی ہیں۔

سبب تالیف کے سب ذیل جملے اس کتاب کے موضوع کو واضح کریں گے:

"برے کاموں سے منع فرمایا جس کی تفصیل عام و خاص مومنین کے بوجھنے کے واسطے اس کتاب میں لکھی جاتی ہے۔ باقی اس پر اور باتوں کا قیاس کر کر اپنے تئیں بچائیں ....

جن باتوں کا بالفعل اس ملک ہندوستان میں زیادہ رواج ہو گیا ہے اون کو بھی تمام بنام لکھ دیا کہ مسلمان اس کو سمجھ بوجھ کر ان کاموں کے گرد نہ جائیں۔"

آغاز:۔

"حمد اور شکر اس خاوند کو لایق ہے کہ جس نے ہم کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہماری ہدایت کے واسطے بیچ ٹیڑھی راہ سے سیدھی راہ کی طرف بلانے اور دوزخ سے بچا کر بہشت میں لے جانے اور حلال و حرام پہنچوا دینے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب کو جن اور انس کی طرف بھیجا۔"

اختتام:۔

"جانے بوجھے نقصان کو خریدار سے ظاہر نہ کرنا۔ مسلمانوں کے عیب ڈھونڈھنے۔ اگر چہ فاسق ہو اس نیت سے کہ وہ فسق سے باز آوے کسی مسلمان کو دوزخی کہنا۔ کبوتروں کو اڑانا اور مرغ لڑانا"

ترقیمہ:۔

"یہ کتاب تمام ہوئی۔ شیخ احمد سپاہی لیٹ کمپنی کے واسطے لکھی گئی۔

...... نوشتۂ خط خام احقر العباد منشی دوست محمد

بوقت نماز عصر بمقام پانگ تحریر یافت۔"

(۱۴۸) باز و فاختہ [۹۷]

اوراق ۴۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ۵ x ۸ ۱/۴۔ خط نستعلیق شکستہ۔

زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔

کاتب عبدالقادر۔ زمانہ کتابت غالباً ۱۲۷۵ھ ہجری۔

یہ تقریباً ۷۰ ابیات کی مثنوی ہے جس میں آنحضرت پیغمبر اسلام کی سخاوت کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز جبرئیل اور عزرائیل باز اور فاختہ کی شکل میں آنحضرت کے یہاں آئے۔ فاختہ نے فریاد کی کہ باز مجھے کھانا چاہتا ہے۔ آنحضرت نے اس کو منع کیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنے رخسار کا گوشت اس کے بدلے میں کھلائیں تو میں فاختہ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اصحاب اور اہل بیت نے اپنا اپنا گوشت پیش کیا لیکن باز نے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت اپنا گوشت کاٹنے لگے تو باز نے ہاتھ پکڑ لیا اور اصل واقعہ بیان کیا کہ ہم فرشتے ہیں اور آپ کی سخاوت آزمانے آئے تھے۔

مصنف کی زبان بہت قدیم ہے جس کی وجہ سے یہ مثنوی ۱۱۰۰ھ سے قبل کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب بھی حضرت قادر بی بی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور کاتب نے آخری ورق پر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ موصوفہ اور کن کن کتابوں کی نقل کرانا چاہتی ہیں۔

آغاز:۔

فضا میں کہوں یک نبی خاص کا — دو عالم کے صاحب کے اخلاص کا

کہ یک روز محمد نے یاراں سنگات — مدینے کی مسجد میں کرتے تھے بات

اختتام:۔

چلے گئے فرشتے یہاں سے مگر — کئے جا خدا کو یہ ساری خبر

الٰہی ہمیں کیا جو تعریف کرے — کہ پیارے حبیب کی صفت کیا کرے

سخن صفت اوس کا سو اثبات ہے — کہ سب حال میں پاک او ذات ہے

کہیں کس زباں سوں جو تعریف ہم — کہ دریا بھرا نور ہے در فہم!

ہزاراں درود و ہزاراں سلام — زنا بر محمد علیہ السلام!

ترقیمہ:۔

"فرمائش حضرت معظمہ معدن الطاف مخزن اشفاق حضرت قادر بی بی صاحبہ این کہ کتاب لعل و گوہر و لیلیٰ مجنوں و گل بکاولی از برائے مطالعہ ضرور است۔ انشاء اللہ تعالیٰ بموجب فرمائش حاضر کردہ شود۔ حررہٗ من مسمی بعبدالقادر۔"

حضرت قادر بی بی راقم الحروف کی پرنانی تھیں۔ ان کا ذکر دوسرے مخطوطات میں بھی گذر چکا ہے۔ یہ کتاب انہی کے کتب خانہ کی ہے۔ راقم الحروف نے ادارے میں داخل کر دی ہے۔

(۱۴۹) سوالات گڈوین وجوابات ہادی [۶۳]

اوراق ۶۳۔ سطور ۱۰۔

تقطیع ۸ × ۹۔ خط نستعلیق۔

مصنف غالباً محمد ہادی۔ سنہ تصنیف ۱۲۴۲ھ۔

کاتب میراں صاحب استاد۔ سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ۔

اردو نثر کا یہ رسالہ بطور سوال وجواب لکھا گیا ہے۔ اس کا موضوع اور سنہ تصنیف خود اس کے آغازی جملوں سے ظاہر ہوگا۔ مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا۔ غالباً محمد ہادی ہی اس کا مصنف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی دعوت میں ایک عیسائی صاحب بھی مدعو تھے۔ مسلمانوں نے ان کو علٰحدہ کھلایا اس لئے انھوں نے بحث شروع کی اور آخر کار قائل ہو کر مسلمان ہوگئے۔

آغاز:۔

"یہ رسالہ بیان میں سوالات گڈوین عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدی کے، اور ادس عیسوی کے مسلمان ہونے میں، واسطے معلوم ہونے مسلمان بھائیوں کے سنہ بارہ سو بیالیس ہجری نبوی میں لکھا گیا۔"

اختتام:۔

"میں آج سے توبہ کرتا ہوں اور اپنے باطل مذہب سے باز آتا ہوں۔ تم گواہ رہو۔ تب اس کو کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑھایا اور احکام دارکان مسلمانوں کے سکھلائے اور نام ادس کا مرزا ہدایت بیگ۔"

مثنوی۔

اس رسالہ کا جب کہ ہوے بیاں — عیسوی سن کے ہوویں گے شاداں
دین اسلام میں دے آویں زود — اور محمد پہ دل سے بھیجیں درود

رباعی۔

اگر کوئی اس رسالے کو کرے یاد — رہے گا اپنے وہ اسلام پر شاد
ہے اس میں آگہی علم سوالات — جوابوں سے وہ ہوگا شخص آباد

اس مخطوطہ کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی مثنوی تنبیہ النسا (نسخہ نمبر ۱۳۶) شروع کردی گئی ہے۔ جس کو جلد بندی کے وقت علٰحدہ کردیا گیا۔ دونوں مخطوطے ایک ہی کاتب نے لکھے ہیں۔ اور ان کا ترقیمہ یہ ہے:۔

"تحریر فی التاریخ بست وسوم شہر ذیقعدہ بروز دوشنبہ وقت ظہر اتمام یافت ۱۲۶۲ھ۔ کاتب الحروف میراں صاحب استاد ایں کتاب برائے خواہش طبع لاڈلے صاحب زردی نوشتہ شد۔"

---

(۱۵۰) کتاب ہدیٰ [۶۶۹]

اوراق ۵۷۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ۶ × ۹۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں

مصنف۔ مشتاق۔

یہ کتاب ایک ناقص الاول وآخر مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ سولہ سو سے زیادہ ابیات ہیں۔ ابتدائی صرف ایک ورق غائب ہے۔ مصنف نے اپنا تخلص مشتاق حسب ذیل ابیات اشعار میں استعمال کیا ہے:۔

یہ باتوں سے مشتاق کی ہو خفا — کہو دین میں ایسا کب ہے رواج (۱۴۳ ب)
الٰہی تو اپنے نبی کے لئے ! — گناہوں کو مشتاق کے بخش دے (۱۰۴ ا)
اگر بوے مشتاق حق بات تو — یقیں ہے کہ کڑوی لگے خلق کو (۴۲ ا)
یہی تم کو تاکید مشتاق ہے — کبھی دین سے تم بچھڑنا نہیں (۴۳ ب)

کتاب میں حمد، نعت، مدح اصحاب، ائمہ اربعہ، علمائے ملت، کی سرخیوں کے بعد پیدائش آدم وحوا کی سرخیاں قائم کی گئی ہیں۔ آخر میں "خاتمۃ الکتاب" کے عنوان سے کتاب کے موضوع کی وضاحت کی ہے

ں حصے کی دوسری بیت میں غالباً کتاب کا نام اس طرح لکھا ہے:۔

ے لئے از برائے خدا — لکھی میں نے خاصی کتاب ہدیٰ

یہ کتاب عورتوں کی عام معلومات اور دینی اصلاح کے لئے
ئی ہے۔ اور ہر عنوان اور ہر بیان کے آغاز و اختتام پر عورتوں
و مخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً نعت کی پہلی بیت ہے:۔

ی بیاں تم کو معراج ہے — نبی تو گئے تھے تمہیں آج ہے

ح اصحاب" کے بیان کو اس طرح شروع کیا ہے:۔

اں کہ تم سنو عنقریب — ہو کے کا صندل تمہارے نصیب

طرح چند اور مقامات کی بیتیں درج ذیل ہیں:۔

بیبیاں جاہل مت ہو — کچھ احوال اب عالموں کا سنو (۷ الف)

بیبیاں دین کی شوقیاں — قدم ہے تم کو یہاں یہ بیان (۷ ب)

بیبو آدمی زادیو! — سنو حضرت آدم کی بنیاد کو (۸ ب)

بیبیاں بیچ مسافر ہو تم — تمہیں منزلیں پانچ ہیں کلہم (۱۳ الف)

بیبیو خواب سے جاگیو — یہ دنیا سے دین کی طرف بھاگیو (۱۶ الف)

مصنف کے حالات اور کتاب کا ٹھیک نام اور سنہ تصنیف
کا پتہ نہ چل سکا۔ البتہ زبان اور اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ
ف دکنی شاعر ہے اور تیرھویں صدی ہجری میں یہ کتاب لکھ
ہے۔ کاتب اور سنہ کتابت کا بھی علم نہ ہو سکا۔

اثنائے کتاب میں نظمیں (یعنی قطعے، قصیدے اور
ں وغیرہ) بھی جگہ جگہ شامل کی گئی ہیں۔

از:۔

بیوں کو اے بندہ نواز — سبھی بندگوں بیچ کر سرفراز
ایک بہتر سی نعمت دیا — نہ ایسی کسی کو عنایت کیا

نام:۔

میل میں آپ مشغول ہو — دیا جان وہ استریاں میری دھو
انا اس کو نہ ہو وقت پر — تو وہ دوڑ کو کھینچنا میرا سر

(۱۵۱) رسالۂ اصلاح مسلماناں [۱۶۵]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۳۔
تقطیع $6\frac{1}{2}$" × $9\frac{1}{2}$"۔ خط نسخ۔ عنوانات سرخی میں۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۴۵ھ۔
کاتب سید قاسم سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف
کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ حمد و نعت سے ابتدا کی ہے۔ اور پھر سبب تالیف
بیان کیا ہے۔ مسلمانوں میں جو بدعتیں (بالخصوص قبر پرستی اور تعزیہ
و علم پرستی کی) عام ہو گئی ہیں ان کی مخالفت کی ہے۔ آخر میں نکاح
بیوگان پر بہت زور دیا ہے۔ مرشدوں اور پیروں کی بھی خاص طور پر
مذمت درج ہے۔

درمیان میں نظمیں بھی لکھی ہیں مثلاً ایک نظم کے ابتدائی اور آخری
شعر یہ ہیں:۔

اگر چاہے کہ تو بچ جائے محشر کے فسادوں سے
تو پھر موقوف کر ملنا یہ مشرک پیرزادوں سے
وہی ہے بندۂ اللہ و امت نبی محمد کی
جو باز آوے خلاف شرع منت اور مرادوں سے

رسالہ کے اختتام پر بھی ایک مثنوی (۹ ابیات کی) لکھی ہے جس کی
پہلی اور آخری بیتیں یہ ہیں:۔

نکاح بیوہ کو معیوب جانتے ہیں سب
کہ جس کا وصف تو قرآن میں کرے ہے رب
وگرنہ دیکھیو مستی پہ جس دن آوے گی
ضرور گھر میں ترے آگ پھر لگا دے گی

آغاز:۔

"سب خوبیاں اللہ ہی میں ہیں اور اللہ کے ہوتے دوسرے کی تعریف کرنی اللہ کی
قدر دانی سے بعید ہے۔"

اختتام:-

اس رسالہ کا اختتام ایک مثنوی پر ہوتا ہے جس کی دو ابیات اوپر درج ہوئی ہیں۔ (نسخہ نثر کی جس عبارت پر یہ رسالہ ختم ہوتا ہے وہ یہ ہے)

"مسلمان کو ضرور ہے کہ اگر عورت بیوہ اپنی قابو کی ہووے تو

اوس کا نکاح زبردستی اپنی سعادت و عزت جان کر کردے۔

اور جو قابو کی نہ ہووے تو اوس کو نصیحت بہت سی کرے۔ اور

جو اوس سے بھی نہ مانے تو اس کی ملاقات، لینا دینا، بات چیت

موقوف کردے۔ اس واسطے کہ وہ تو رسول خدا کی بہو بیٹیوں کو

عیب لگا کر آپ اشراف بن کر بیٹھی ہے۔"

ترقیمہ:-

اسی رسالہ کے بعد ہی ایک دوسری کتاب "شرک و بدعت" اسی کاتب نے شروع کردی ہے۔ اور اس کے بعد جو ترقیمہ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

"تمام شد رسالہ مبارک بخط عاصی الراجی الی بعفو ربہ الغنی ... احد عاصم سید قاسم حسب فرمائش صاحبی مشفقی مکرمی غلام محی الدین صاحب سلمہ اللہ تعالی بتاریخ بیستم شہر رمضان شریف ۱۲۴۵ھ ہجری نبوی ترقیم یافت۔"

دونوں رسالوں کا خط نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا نسخ ہے۔ یہ نسخہ مولوی عبدالحق صاحب محتسب بنولہ کا عطیہ ہے جو مولوی ابو سعد سید اسمٰعیل صاحب شوراپوری کے توسط سے ادارے کے کتب خانے میں داخل ہوا

(۱۵۲) رسالۂ شرک و بدعت [۱۶۶]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۳۔

تقطیع ۶½" × ۹¼"۔ خط نسخ۔ عنوان سرخی میں۔

مصنف خرم علی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۵ھ۔

کاتب۔ سید قاسم۔ سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک طویل رسالہ ہے جس کے سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ حمد، نعت کی طویل عبارتوں کے لکھا ہے:-

"اب آگے عرض یوں ہے کہ اس رسالے میں پانچ فصلیں ہیں شرک اور بدعت میں۔"

اس کے بعد فصلوں کے عنوانوں کی وضاحت کے بغیر پہلی فصل شروع کردی گئی ہے۔ ان فصلوں کی حسب ذیل تفصیل سے کتاب کا موضوع ظاہر ہو جائے گا۔

(۱) اشراک فی العقیدہ (۱ تا ۲۴ ب) (۲) اشراک فی العبادت (۲۴ ب تا ۳۵ ا)۔
(۳) اشراک فی العادت (۳۵ ا تا ۳۶ ب) (۴) بدعت (۳۶ ب تا ۴۱ ب)۔
(۵) نکاح (۴۱ ب تا ۴۳ ب)۔

جملہ مسائل قرآن کی آیتوں، حدیثوں اور مشہور بزرگوں کے اقوال سے ثابت کئے گئے ہیں۔ جگہ جگہ مشہور شعرا کی غزلوں کو مسخ کر کے مذہبی مسائل کے لئے موزوں کرلیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:-

پوچھتے ہو کیا ہم سے تم ان لوگوں کے دین و مذہب کو
تبر کو پوجا پیر سے مانگا کب کا ترک اسلام کیا

مدت سے ہم بھولے بھٹکے شرک کی رہ میں پھرتے تھے
آتے آتے آخر کو توحید کے گھر میں مقام کیا!

بندہ جس کا ہووے خرم بندگی اوس کی لازم ہے
سارے اصحابوں نے مل کر اپنے نبی کو سلام کیا

گرہادی و گرچہ رہنما ہے — گفتار خدا و مصطفیٰ ہے
سب مولویوں کی سن نہ لیجو — شیطاں بھی انھی میں آچھپا ہے
کیا کرتے ہو اعتبار اس کا — جو آدمیوں نے خود لکھا ہے

اس رسالے کے مصنف کی ایک اور کتاب کا ذکر پہلے گزر چکا ہے جس نظموں کے آخر میں خرم تخلص لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالہ کا مصنف وہی ہے۔ ذیل میں ایسے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں یہ تخلص موجود ہے:-

بندہ جس کا ہووے خرم بندگی اس کی لازم ہے
سارے اصحابوں نے مل کر اپنے نبیؐ کو سلام کیا (۲۹)
خرم رواج شرک ہوا ورنہ ہے کہاں !
جز ذات پاک حق کے مسلمان کی قسم (۳۵ ب)

آغاز:-

" اللہ ہمارا بہت دور ہے شرکوں سے اگرچہ لوگ اپنی عقل میں آدم مشت خاک کو اس مالک عرش و افلاک کا شریک جانتے ہیں اور اس غبار ناپائدار کی تعظیم برابر اوس پاک پروردگار کے کرتے ہیں "

اختتام:-

" جو اللہ کا بندہ اللہ سے ڈرتا ہووے اور دنیا کو ناپائدار سمجھتا ہووے اوس کو ضرور ہے کہ یہ پانچ باتیں موقوف کردے اللہ اوس کو دنیا اور دین میں ہر جگہ آرام دیوے گا۔ بیت

ہمارا کام کہہ دینا ہے یارو — اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

ترقیمہ:-

نسخہ نمبر ۱۵۱ کے آخر میں درج کیا گیا ہے۔ یہ خوش خط نسخہ بھی مولوی عبدالحق صاحب محتسب بولہ کا عطیہ ہے جو مولوی ابوسعد صاحب شور اپوری کے توسط سے ادارے میں داخل ہوا۔

(۱۵۳) قیامت نامہ [۵۷]

اوراق ۱۲۴ - سطور ۱۳ -
تقطیع ۶ × ۱۰ خط نستعلیق - کرم خوردہ -
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ -
کاتب شیخ محمد - سنہ کتابت ۱۲۵۵ھ -
بمقام سکندرآباد دکن -

اردو نثر کا یہ ضخیم رسالہ مولوی رفیع الدین دہلوی کے فارسی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا اور نہ سنہ تالیف ہی درج کیا ہے۔ حمد و نعت کے بعد لکھا ہے کہ:-

" یہ رسالہ ترجمہ قیامت کا ہے زبان ہندی سلیس میں کہ جسے مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن اور احادیث صحیح سے زبان فارسی میں جمع کیا تھا "

مولوی رفیع الدین دہلوی ہندستان کے مشہور مجدد مانے جاتے ہیں۔ ان کا یہ رسالہ بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ اردو نثر میں اس کا ایک اور ترجمہ محمد عبداللہ نے ۱۲۳۹ھ میں کیا تھا۔ اس کا نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۴۵)

آغاز:-

" خداوند ہزاروں شکر تیرے کہ تو نے محض اپنی عنایت سے احوال قیامت کا اور کیفیت دوزخ اور بہشت کی ہم پر ظاہر کیا۔ اب ہم کو توفیق دے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کے طریق پر چلیں "

اختتام:-

" اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں اور دوستوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ ساتھ ایمان کے کرے اور ہول و ڈر سے نجات بخشے اور عذاب سے محشر کے اپنی عنایت سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے فضل و کرم

کے ساتھ بہیچ سلامت جنت کو پہنچاوے اور رضامندی اپنی
روزی کرے برائے خاتم النبیین وآلہ الصابرین۔ آمین آمین
یارب العالمین"۔

ترقیمہ :۔

"تمت تمام شد این نسخہ قیامت نامہ بتاریخ بیزدہم
شہر صفر المظفر بروز یکشنبہ ۱۲۵۵ ہجری۔ در چہاونی لکنڈ آباد
(کہ از حیدر آباد دو کروہ واقع است کمترین بندۂ کمترین درگاہ
صمد شیخ احمد ساکن بلدہ ... ."

---

(۱۵۴) حملۂ حیدری [۱۵۰]

اوراق ۲۱۴۔ سطور ۱۵۔ (بعض صفحات میں ۱۲)
تقطیع ۵ × ۸۔ خط نستعلیق عنوان سرخی میں۔
مصنف محمد مرزا مرزا۔ سنہ تصنیف ۱۲۶۰ھ۔

چھ ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ ضخیم مثنوی دراصل اسی نام کی
فارسی کتاب کی جلد دوم کا اردو ترجمہ ہے۔ فارسی حملۂ حیدری کی جلد اول
کا ترجمہ میرزو الفقار علی خاں صفا لکھنوی نے کیا تھا۔
دوسری جلد کا بھی ترجمہ کرنا چاہتے تھے کہ سنہ ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی
اور یہ کام نامکمل رہ گیا جس کو دکن کے ایک مشہور شاعر، خوش نویس
اور مورخ شاہ تجلی علی تجلی کے فرزند محمد میرزا نے مکمل کیا۔ یہ نسخہ
ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تکمیل اور کاتب کا نام وغیرہ معلوم
نہ ہو سکا۔

صفا میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ لکھنو سے بنگالہ گئے اور
وہاں سے چینا پٹن میں کچھ عرصہ قیام کرکے نواب ابو القاسم میر عالم کی
دیوانی میں حیدر آباد آئے اور میر صاحب کے یہاں ملازم ہوئے۔ بعد کو
جب راجہ چندو لال نے پانسو روپے ماہوار اور اپنی مصاحبت سے
مشرف کیا تو حیدر آباد ہی کے ہو رہے۔ اردو، فارسی غزلیات و
قصائد کے کلیات مرتب کئے تھے اور کئی اردو مثنویاں بھی لکھی تھیں
جن میں "چھو منتر" مشہور رہے۔ گلزار آصفی میں ان کی نسبت لکھا
ہے کہ :۔

"تا حال از تیغ ولایت مانند او جامع علوم و کمالات احدے
دیگر نہ آمد" (ص ۱۶۱)۔

محبوب الزمن میں ان کے حالات (جلد دوم ص ۶۱۹) میں درج ہیں۔
مگر صاحب محبوب الزمن نے ان کی مثنوی "حملۂ حیدری" کا ذکر نہیں کیا۔
ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی میر اکبر علی خاں نے محمد میرزا سے
خواہش کی کہ نظم کو صفا بہت چاہتے تھے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کا
جو کام باقی رہ گیا ہے اس کی تم تکمیل کرو۔ اس فرمائش کی بنا پر
محمد مرزا نے حملۂ حیدری کی جلد دوم کا ترجمہ کیا۔

محمد مرزا کے والد تجلی علی شاہ دکن کے ایک مشہور استاد سخن تھے۔
تاریخ نگاری کے علاوہ فن مصوری، خوش نویسی اور تصوف میں بھی
کمال حاصل کیا تھا۔ فارسی زبان پر بھی ایک اہل زبان کی طرح
قادر تھے۔ اردو اور فارسی دونوں میں شعر لکھتے تھے۔ آصفجاہ ثانی
ارسطو جاہ شمس الامرا اور سردار الملک گھاسی میاں ان کے بڑے
قدر دان تھے۔ دکن کے بہت سے شاعر ان کے شاگرد تھے جن میں
شیر محمد خاں ایمان جیسے استاد سخن بھی شامل ہیں۔ تجلی نے سنہ ۱۲۵۰ھ
میں وفات پائی۔ مرقع سخن، محبوب الزمن اور گلزار آصفی میں
ان کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ موخر الذکر دونوں کتابوں میں
ان کے فرزند کا نام مرزا محمد درج ہے۔ محبوب الزمن میں لکھا ہے:۔

"آپ کے خلف الصدق مرزا محمد متخلص میرزا یادگار تھے"
(جلد اول ص ۳۲۷)

گلزار آصفی میں لکھا ہے :۔

"مرزا محمد مرزا تخلص ...... بادراک علوم معمور شدہ

بخدمت صدارت فائز گشت . مرد وجیہہ در فن سپہ گری نیز ماہر بود" (ص ۳۸۳)۔

لیکن اس قلمی نسخے میں عنوان ہی پر مصنف نے اپنا نام محمد میرزا لکھا ہے . اس طرح کہ :۔

" عاصی سراپا عاصی محمد میرزا پسر تجلی علی شاہ "

گلزار آصفی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا عالم آدمی تھے اور صدارت کے عہدے تک ترقی پائی تھی . نیز یہ کہ وہ گلزار آصفی کے زمانہ تالیف (۱۲۵۵ھ تا ۱۲۶۰ھ) تک فوت ہو چکے تھے اگرچہ گلزار آصفی کا سنہ تالیف مقدمہ میں ۱۲۵۸ھ لکھا ہے ۔ لیکن مولف نے اس کام کو ۴ جمادی الثانی ۱۲۶۰ھ میں تکمیل کو پہنچایا تھا جیسا کہ اس کے خاتمے میں درج ہے ۔ (مطبوعہ ص ۶۳۰)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیر نظر مخطوطے کے مصنف محمد مرزا نے ۴ جمادی الثانی ۱۲۶۰ھ سے قبل وفات پائی تھی اور یہ مثنوی اس سے قبل ہی لکھی گئی تھی . اور اگر صفا کی تاریخ : فات ۱۲۶۰ہجری (مندرجہ محبوب الزمن) صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا نے چھے ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ مثنوی صرف چند ہی مہینوں میں لکھی تھی ۔ اور اس لحاظ سے وہ واقعی ایک بڑے اور پُر گو شاعر تھے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے حالات اور دیگر کلام کے متعلق کسی اور ذریعے سے معلومات حاصل نہ ہو سکیں ۔ اور نہ ہی یہ نسخہ کسی اور کتب خانے میں نظر سے گذرا ۔

کتاب کا آغاز سبب تالیف ہی سے ہوتا ہے ۔ حمد و نعت وغیرہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کو ایک علحدہ کتاب نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ صفا کی کتاب کے ضمیمے کے طور پر لکھا تھا ۔ انھوں نے سبب تالیف کا بیان ابتدائی ابیات میں مختصر طور پر کیا ہے اس لئے اس حصے کی منتخب ابیات درج ذیل ہیں :۔

مہہ آسمانِ علوم و ذکا — سخن سنجِ اعلیٰ جنابِ صفا
زباں اس کی جاں بخشِ جانِ سخن — سخن پہلواں پہلوانِ سخن
کیا ریختہ "حملۂ حیدری" — تو وارد ہے سرقہ سے سارے بری
گہر ریز جب اس کا خامہ ہوا — تو اتمام سال یہ نامہ ہوا
ہوئی جلد اول بخوبی تمام — کیا خلق میں اپنا مشہور نام
نہ دی آگے فرصت اجل نے اوسے — کہ ہر طرح اتمام اوس کو کرے
جو بھائی ہیں اون کے وہ مہ جبیں — شجیع و سخی میر اکبر علے
کہا مجھ سے اس طرح اے میرزا — کہ تھا تجھ پہ الطاف اون کا سدا
دو عالم میں ہو گی تری برتری — کر انجام تو حملۂ حیدری
اگرچہ یہ بات آئی دل کو پسند — ولے کم بضاعت سی تھا فکرمند
یہ تھی بحر بشتو لشن میرے تئیں — سخن کا ملانا کچھ آساں نہیں
اوسی طرح سے حملۂ فارسی — او سے اپنی آنکھوں کی کر آرسی
اگرچہ کہ ہے فرق اصل و شروع — کیا کہہ کے بسم اللہ میں بھی شروع

(اس حصے میں درمیان میں کئی ابیات چھوڑ دی گئی ہیں ۔) اس کے بعد مرزا نے غزوۂ خیبر کی داستان شروع کی ہے ۔ جس کی پہلی بیت یہ ہے :۔

دلاور د کر نام پرور دگار — کہ لاکھوں حصاروں کا ہے یہ حصار

تمام عنوان اردو نثر ہی میں لکھے گئے ہیں ۔ یہ اس مثنوی کی ایک خصوصیت ہے کیونکہ اس عہد تک مثنویوں کے درمیانی عنوان بالعموم فارسی نثر میں لکھے جاتے تھے ۔ یا اردو نظم میں ۔

آغاز :۔

" پہنانا خلعت اختتام کی کتاب حملۂ حیدری کو بعد انتقال
جناب فیض مآب سید ذوالفقار علی خاں بہادر المتخلص بصفا
عاصی سراپا عاصی محمد میرزا پسر تجلی علی شاہ "

(اس کے بعد ہی ابیات شروع کر دی گئی ہیں جو سبب تالیف کے سلسلہ میں ابھی اوپر نقل ہوئی ہیں ۔)

اختتام :۔

اگر ان پہ ہوتا تھا دشمن کا زور — اوٹھاتے تھے اوس تختہ پل کو بزور
عرب میں نہ ثانی تھا اوس کا کہیں — رکھا پشتہ پر پھر وہ حصن حصین

چونکہ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔
ابتدا اور آخر میں نواب عنایت جنگ بہادر کی مہر "مصدر الطاف و عنایت حسین" ثبت ہے۔ اور پہلے ورق پر ان کے دستخط "عنایت جنگ حیدرآباد ۱۳۴۴ھ" درج ہیں۔ یہ نسخہ انہی کا عطیہ ہے۔

---

(۱۵۵) پدماوت [۱۷۲]
(شمع و پروانہ)

اوراق ۱۵۴۔ سطور ۱۴۔
تقطیع ۶ × ۱۰۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی ہیں۔
مصنف۔ عبرت و عشرت۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۱ھ - ۱۲۵۱ھ۔
سنہ کتابت ۱۲۵۱ھ۔ کرم خوردہ۔

چار ہزار سے زیادہ ابیات کی یہ مثنوی رتن سین اور پدماوت کے عشق و عاشقی کی داستان ہے جس کو ضیاء الدین عبرت رام پوری نے شروع کیا اور بارہ سو ابیات لکھنے کے بعد وفات پائی۔ اس ناتمام قصہ کی تکمیل مولوی قدرت اللہ شوق (مولف تذکرہ شعرائے ریختہ) کی فرمائش پر ان کے ایک دوست میر غلام علی عشرت نے کی۔

اصل مصنف ضیاء الدین عبرت ایک اچھے پائے کے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے مثنوی کو خاص اہتمام سے لکھنا شروع کیا تھا۔ ہر عنوان کا آغاز ایک منظوم سرخی سے کیا ہے۔ اور قدیم دکنی مثنویوں کی طرح یہ عنوانات ایک ہی زمین میں اس طرح منظوم کئے گئے ہیں کہ اگر انہیں مسلسل لکھا جائے تو ایک قصیدہ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چند عنوان درج ذیل ہیں :۔

ہر ایک صورت میں آکر وہ نیا جلوہ دکھاتا ہے
کہیں یوسف کہیں لیلیٰ کہیں عذرا بناتا ہے (ب ۱)
امیر وقت کی کہتا صفت ہوں جو کہ عالم میں
لقب سے آسماں کے جو گرے اس کو اٹھاتا ہے (ب ۵)
صفت استاد کی لکھنا مجھے لازم ہوا اے دل
کہ بے استاد بزم شعر میں الزام پاتا ہے (ب ۷)
پدم کی آہ ہم زادوں کی صورت یہ دل محزوں
مجھے کس کس طرح گلگشت کی رغبت دلاتا ہے (ب ۱۴/۷)

طویل حمد و نعت کے بعد عبرت نے اپنے پیر سید حسن شاہ کی مدح لکھی ہے اور اس کے ساتھ ہی امیر وقت فیض اللہ خاں کی مدح بھی شروع کردی ہے جس کی چند ابیات یہ ہیں :۔

مدح نواب فیض اللہ خاں

لکھوں اب مدح فیاض زماں کی — خدیو عصر فیض اللہ خاں کی
کہاں ایسا ہوا اں ہونا ہے پیدا — کہ نوکر ہیں گے جس کے زہد و تقوا
(؟) بہرہ بہ خلق و قدر دانی — زمانہ کا ہے عالم گیر ثانی!
نہیں ہے عہد میں اوس کے کوئی یہاں — دل عاشق سدا زار و نالاں
کسی کا حکم نہیں دیکھا تھا ایسا — کہ نت بے دست و پا چلتا ہے پیسا
میں اس کی خوبیاں کیا کیا بتاؤں — غزل ایک فارسی پڑھ کر سناؤں
مطلع۔ چو دریبا بکف خنجر گرفتہ — عدو دست اماں بر سر گرفتہ
مقطع۔ بسان آفتاب عالم افروز — دلش عبرت بکف خاور گرفتہ

عبرت نے اپنے استاد نواب محبت خاں محبت خلف حافظ رحمت خاں کی بھی تفصیلی مدح لکھی ہے اس حصہ کی چند ابیات یہاں درج کی جاتی ہیں :۔

مدح نواب محبت خاں

مضامیں کس طرح کرتا میں ایجاد — نہ ہوتا گر محبت خاں سا استاد
کہوں کیا میں وہ نواب زماں ہے — قلم آسا سراسر نکتہ داں ہے

اصول و منطق اوس کی ہے زباں پر ہے فن شاعرانہ اوس کا جوہر
سخن کے سقم کا ہے وہ غلاطوں ! کہ اوس کے ہاتھ میں ہے نبض مضموں
کرے اصلاح یہاں تک وہ سخن کو کہ معنی آپ ہووے آفریں کو
غزل کے اس کے مطلع کو نظر کر تجل ہے مطلع خورشید انور
وہ بھر کر نقشۂ مضمون رنگیں کرے ہے منتظم جوں عقد پرویں
دل و بازو و چشم اس کے ہیں عبرت سخاوت اور شجاعت اور مروت
خدا اوس کو رکھے دلشاد و ایم بحق پنجتن پاکِ معظم !

نواب محبت خاں اُردو کے ایک اچھے شاعر اور شاعروں کے سرپرست تھے۔ فارسی میں مرزا فاخر مکین اور اُردو میں مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے۔ یک مثنوی "سسی پنو" لکھی تھی۔ ان کے استاد بھائی اور مشہور شاعر جراَت نے ان کی وفات کا جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ١٢٢٢ھ میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد عبرت نے یہ مثنوی ان کی زندگی ہی میں لکھی تھی اور اپنے استاد کی مثنوی "سسی پنو" ہی کی بحر اس کے لئے اختیار کی ہے۔ محبت کے حالات اُردو کے تقریباً جملہ تذکروں میں درج ہیں۔

مدح محبت کے بعد عبرت نے غلام مصطفٰے خاں کی مدح لکھی ہے کیونکہ وہ تین پشتوں سے ان کا نمک خوار تھا۔ اس حصہ کی چند ابیات یہ ہیں :—

مدح غلام مصطفٰے خاں

زہے نوبادۂ باغِ جوانی ! چمن آرائے سرو زندگانی !
رہے کیونکر نہ اس کا ہاتھ خالی کہ ہے رسم اس کی بخشش کی نرالی
کسی نے ایسا دیکھا ہے اولوالعزم کہ جانے رزم کو سمجھے ہے نت بزم
بڑا کیونکر نہ ہو اوس کا ارادہ کبیر شیخ ہوئے جس کا دادا
بنیکی جب یہ نام اس کا ہی رہا ہے کہ کہتے ہیں غلام مصطفٰے خاں
نبی کا ہم پیارا ...... (کرم خوردہ) ہے اس کا کشور دل حیدر آباد

آخری مصرع میں یا تو مثنوی نادر (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ نمبر ١٠٦) کی طرح شہر حیدر آباد کی معموری اور سرسبزی سے تشبیہہ دی ہے یا پھر اپنے ممدوح کے دل کو حُب علیؑ سے آباد بتانا چاہتا ہے۔

سبب تالیف کے سلسلہ میں پہلے شاعر نے اپنے کمال کی تعریف کی ہے اور پھر لکھتا ہے :—

ہے دل میں تا کہ میں ہو کر نواساز نکالوں پردۂ دل سے ایک آواز
برائے خاطرِ یارانِ بے کیں ! لکھوں اک داستان شوخ رنگیں
کروں خورشید ساں طبع آزمائی شہابی کی بنا دوں روشنائی
صلا جائے گے میں پوچھوں حسن تجکو کہ کرتا ہوں بیانِ عشق ہندو
کہے کوئی کہ عبرت سا مسلماں ہوا ہے عشق کا فر سے سخن راں

اس سلسلہ میں مزید شاعرانہ خودستائی کی ہے اور کہتا ہے کہ میں جس قصہ کو چاہوں لکھ سکتا ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ اپنے وطن کا کوئی قصہ لکھوں۔ کیونکہ اب تک تو عرب و ایران کے بہت سے قصے اور داستانیں ہمارے شاعروں نے لکھی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہندستان کی جو تعریف کی ہے وہ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے کیونکہ بالعموم اُردو شاعروں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے وطن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے عبرت کی حسب ذیل ابیات اس خیال کی خود بخود تردید کردینگی۔

توصیف ہندوستان

ولیکن قصہ کہتا ہوں وطن کا کہ ہوں میں عندلیب اپنے چمن کا
سواد ہند کو اے مونسِ جاں بناؤں سرمۂ چشم صفاہاں
کروں ہندوستاں کا وصف مرقوم مجھے جس سے عرب کے ملک میں دھوم
ہے شعلہ عشق ہندی کا شرر بیز کہ ہے گا آفتاب اس جا نپٹ تیز
کہ سوزِ عشق ہندی تیز تر ہے عرب کے عشق سے خونریز تر ہے
عجم میں ہند کا ہے عشق خونخوار قیامت ہند کی کالی ہے تلوار
لکھوں ہندوستاں کی گر میں توصیف تو دفتر ایک علحدہ ہوئے تصنیف

نہایت طول یہ مذکور ہو جائے ہزاروں کوس مطلب دور ہو جائے
غرض آتش ہے اس کی آتش دل ہوا اوس کی ہے روحِ مرغِ بسمل
بتاؤں اس کا پانی آہ کیا ہے گر طوفاں کا پانی رہ گیا ہے
جلی پروانہ کی ہے خاک وہاں کی کہ عشق افزا ہے وہ خاک ہندوستاں کی
جو کوئی عاشق و معشوق یہاں ہے دوئی ہرگز نہ اُن کے درمیاں ہے
برنگ شعلہ وہ کرتے ہیں ساتھ جو مرتے ہیں تو دونو مرتے ہیں ساتھ

اسی سلسلہ میں اپنے موضوع کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے :-

مجھے اس پر جو تائید سخن ہے جنوں سرمایۂ عشق رتن ہے
رتن کے عشق کا شعلہ تھا سرکش پدم کے بھی لگائی دل کو آتش
ہوا ان کا میں نے لکھ کر قصہ بدنام مثالِ شمع پروانہ رکھا نام

آخری مصرع میں مثنوی کے نام کی مناسبت کا اظہار کیا ہے۔ اصل قصہ کا آغاز اس بیت سے کیا ہے :-

سمندِ خامہ طوفانِ بلا خیز ہوا جوں اشک گلگوں گرم مہمیز

عبرت نے ان ابیات پر اس مثنوی کو نامکمل چھوڑ دیا تھا

رہا جو منتظر اوس کا سحر شام سفید آنکھیں ہوئیں جوں مغز بادام
گیا بیٹھا تھا اور گا ہے بگڑتا نصیب اور دل سے تھا دن رات جلتا

معلوم ہوتا ہے کہ موت نے مصنف کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ اس ذیلی عنوان کو مکمل کر سکتا۔ اور رتن کے جوگی بن کر آنے کی خبر پدم تک پہنچا سکتا۔

درمیان میں موقع و محل کے لحاظ سے شاعر نے اپنی غزلیں بھی لکھی ہیں مثلاً جب رتن دریا میں سیاح بن کر پدم کو ڈھونڈھنے نکلتا ہے تو وہ فراقِ یار میں عبرت کی یہ غزل پڑھتا ہے :-

پدم کے واسطے وہ جانِ پرغم غزل عبرت کی پڑھتا تھا وہ ہر دم

مطلع۔ بے تاب کوئی شے نہیں سیماب کے مانند پر وہ بھی نہ ہوگا دلِ بے تاب کے مانند
مقطع۔ عبرت تو عجب طور سے باندھے ہے مضامیں ہر بحرِ غزل میں دُرِ خوش آب کے مانند

میر ضیاء الدین عبرت کے حالات عیار الشعرا اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہیں۔ لیکن اس مثنوی میں خود انہوں نے اپنی نسبت کافی معلومات پیش کر دی ہیں جن سے ان کی ملازمت، شاگردی، مریدی وغیرہ کی تفصیل ظاہر ہوتی ہے افسوس ہے کہ ابتدائی حصہ میں کافی شرح و بسط کے باوجود عبرت نے سنہ تصنیف نہیں لکھا۔ اتنا ضرور ہے کہ یہ ان کی آخری تصنیف ہے۔ انہوں نے غالباً اپنے استاد محبت کی زندگی ہی میں ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

مثنوی کا بقیہ اور بڑا حصہ میر غلام علی عشرت نے لکھا ہے۔ لیکن ان کی ابیات میں وہ زور اور جوش نظر نہیں آتا جو عبرت کے لکھے ہوئے حصے میں ہے انہوں نے اسی اندازِ بیان کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے اور عنوان بھی اسی ردیف و قافیہ میں منظوم لکھے ہیں۔ عشرت نے اپنا حصہ یوں شروع کیا ہے :-

کہا یہاں تک یہ قصہ بس ضیاء الدین عبرت نے
اور اب یہاں شوق ہر دم مجھ کو یوں رغبت دلاتا ہے

کہ عشرت پی کے تو الفت کا ایک جام مری خاطر سے کر دے اس کو اتمام
کہ اس میں روح بھی عبرت کی ہو شاد دعائے خیر سے تجھ کو کرے یاد
غرض قصہ ادھورا رہ نہ جاوے جو ہیں مشتاق اون کے کام آوے
سو میں نے شوق کی خاطر یہاں سے کہ ہیں مشفق مرے عالی جہاں سے
اوٹھا کر اپنے کلکِ زر فشاں کو کیا تحریر یوں اس داستاں کو
کہ سن کے سب بیانِ وحشت انگیز ہوئی الفت کی آتش دل میں بس تیز
جو دو ایک دن میں دن پوجا کا آیا پدم نے یہ بہانا خوب پایا (۵۴ و)

اسی طرح داستان کے اختتام پر بھی عشرت نے مولوی قدرت اللہ شوق کی فرمائش کا ذکر کیا ہے اور شوق کے علم و فضل، شریعت و طریقت آشنائی اور کسب کمالات کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور سنہ تصنیف بھی لکھ دیا ہے۔

عشرت غالباً بریلی کے رہنے والے مرزا علی لطف کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے عیار الشعرا، عمدہ منتخبہ اور طبقات سخن میں ان کا ذکر درج ہے۔ اسپرنگر نے فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ

میں بھی ان کا مختصر حال لکھا ہے۔

آغاز:۔

ہر اک صورت میں آ کر وہ نیا جلوہ دکھاتا ہے
کہیں یوسف کہیں لیلیٰ کہیں عذرا بناتا ہے

بتاؤں عشق کی کیا اب میں نیرنگ — جو دیکھوں میں اوسی نیرنگ کے ڈھنگ
ز دریا موج گوناگوں بر آمد — زبے چونی برنگ چوں بر آمد

اختتام:۔

لکھی یہ داستانِ عشق ساری — کہ ہے دنیا میں یہ (ایک) ایا دگاری
یہ کہہ کر مثنوی کی میں نے پھر غور — کوئی تاریخ کہیئے اس کی خوش طور
کیا دل نے اسے دیکھے جو شاعر — بلاشک جانے تصنیف دو شاعر
اور اوس کو بھیر کر دیکھے جو طالب — تو بے شک جانے تحریر دو کاتب

ترقیمہ:۔

لکھی مثنوی یہ بجلدی تمام — کریں تا مطالعہ سبھی خاص عام

---

(۱۵۶) اُتا ولی [۴۰۷]

اوراق ۸ ۔ سطور ۲۰ ۔
تقطیع ۶" × ½۴" ۔ خط نستعلیق شکستہ۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف سید حسینی بادشاہ (؟)۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۰ھ۔
کاتب۔ سید حسینی بادشاہ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴ھ۔

یہ تقریباً چار سو پچاس (۴۵۰) ابیات کی ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں عورتوں کے مکر و فن کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے مصنف غالباً سید حسینی بادشاہ ابن سید شاہ نور اللہ قادری ہیں جو دکن کے مشائخین سے تھے اور فقیر اللہ شاہ حیدر کے مرید۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مرشد کے رسالے تناولی کو بھی نقل کیا تھا۔ اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۲۵ میں گذر چکا ہے۔ غالباً تناولی نقل کرنے کے بعد ہی حسینی بادشاہ کو اس مثنوی اُتا ولی کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ وہ اپنے مرشد کی طرح دنگل ہی میں سید لاڑ لے حسینی کے مکان میں قیام پذیر تھے

یہ مثنوی ناقص الآخر ہے۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ اور چونکہ اس جلد میں کئی اردو و فارسی رسالے خود حسینی بادشاہ کی تصنیف ہیں اس لئے غالباً یہ مثنوی بھی انہی کی ہوگی۔ حسینی بادشاہ نے ۱۲۷۹ھ سے قبل وفات پائی۔ ان کے فرزند اور مرید سید سلطان محی الدین بادشاہ نے اپنی کتاب نکات الواصلین (مصنفہ ۱۲۷۹ھ) میں ان کو مرحوم لکھا ہے۔ (دیکھو مخطوطہ نمبر ١٦٠/۴۴۴)۔

اس کا آغاز حمد، نعت اور گردش افلاک کی سختیوں سے کیا گیا ہے۔ جس کے بعد عورتوں کے مکر و فن کا بیان لکھ کر اصل داستان کا آغاز کیا ہے۔ اس داستان میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک عرب عورت نے مکر و فن کر کے ایک خوشرو مرد کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کیا۔ اس میں شادی کے بے جا رسوم اور آخر کار میاں بیوی کی لڑائی کا بھی پُر لطف حال بیان کیا ہے۔ بھانڈوں اور میراثیوں کے گانے کے سلسلہ میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے بعض شعر بے حد فحش ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حسینی بادشاہ بھی اپنے مرشد فقیر اللہ شاہ حیدر کی طرح تلخ گوئی اور معایب کی عریاں پیش کشی کی طرف مائل تھے جو عہد حاضر کے ترقی پسند ادیبوں کی جدت سمجھی جاتی ہے۔

آغاز:۔

لکھوں وصف توحید رب العلا — کیا کُن سے وہ جس نے ارض و سما
ہوئی کل تعشق سے مخلوق سب — تناسل تو اصل کا پایا سبب

آغاز داستان:۔

عرب میں تھا کوئی ایک عالی فہم — رکھا اوس نے بیٹی بہت بے ترم
غریبی سے لاچار تھا او جواں — یک بیک وقت تھے یک سال او سا یہ دوال

اختتام :—

لئے نام جب اوس کا کر خیال | پھڑکتا ہے ہر وقت کر منہ کو لال
سنبھے کیوں ہو مانع رکھا ہے تنگ | ہر یک بات سے مجھ سے کرتا ہے جنگ

اس کے بعد ایک فارسی مثنوی نصاب العارفین لکھی ہے جس کے آخری حصہ میں حسینی بادشاہ نے اپنے قیام دہلی اور فقیر اللہ شاہ کے خاک پا ہونے کا اظہار کیا ہے۔ یہ ابیات فہرست مخطوطات فارسی میں ملاحظہ ہوں۔ اس کتاب کے نیچے یہ ترقیمہ درج ہے :—

"المرقوم پنجم ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۲ہجری روز چہارشنبہ بوقت دوپہر تمام شد۔ کاتب الحروف حسینی بادشاہ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

(۱۵۷) لاڑ و کپور اور قاضی [۴۰۹]

اوراق ۸۔ سطور ۱۳ فی صفحہ۔
تقطیع ۶ × ۸½۔ خط نستعلیق شکستہ۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف سید حسینی بادشاہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۶۲ھ۔
کاتب " " سنہ کتابت ۱۲۶۲ھ۔

یہ اردو نثر میں ایک قصہ ہے جو غالباً کسی فارسی رسالے کا ترجمہ ہے۔ اس کو حسینی بادشاہ (مصنف تنا ولی ۱۵۶/۴۰۸) نے ایک فارسی رسالہ کے ساتھ ہی نقل کر دیا ہے۔

اس میں شہنشاہ اکبر کے زمانے کے ایک ایسے قاضی کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو باوجود زہد و تقویٰ کے ایک ہمسایہ طوائف پر عاشق ہوگیا تھا اور دو شاہی قوالوں کپور اور لاڑ کی شرارت سے طوائف کے گھر میں قید ہو کر بادشاہ کے روبرو پیش ہوا تھا۔

اس قصے اور اس سے قبل کی مثنوی تنا ولی (۱۵۶/۴۰۸) کے موضوع اور اسلوب بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسینی بادشاہ اُن عورت بیزار لوگوں میں سے تھے۔ جو دنیا کی ہر خرابی کا باعث عورت کو قرار دیتے ہیں۔ قصے کے درمیان میں جگہ جگہ اشعار، غزلیں اور نظمیں بھی درج کی گئی ہیں۔

آغاز :—

" راویان ماسلف سے اس طرح سماعت میں آیا ہے حضرت ظل اللہ بادشاہ اکبر کے وقت میں دو قوال مصاحب حضور پُرنور کے تھے۔ ایک کا نام کپور اور دوسرے برادر کا نام لاڑ"

اختتام :—

اگر آئندہ پھر حضرت آمد و رفت رکھوگے تو یقین ہے کہ بے ادبی جناب مقدس میں ہوگی۔ قاضی نے اوسی وقت بنگلہ ڈھا دیا اور توبۃ النصوح کر کے یہ مطلع کہا

خوبرویوں سے حق پناہ رکھے | نہ کوئی دل میں اون کی چاہ رکھے
سبز رنگوں کے ساتھ اب الفت | کون کم بخت روسیاہ رکھے
لوٹ لے مال گھر کو دلوے ڈوبا | ہووے احمق جو اُن سے راہ رکھے
اوہی دانا ہے اوہی فرزانہ | جو کہ اللہ سے اپنے راہ رکھے

ترقیمہ :—

" تمت تمام شد کار من نظام شد۔ المرقوم نہم ماہ ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ روز شنبہ بوقت یک و نیم پاس روز برآمدہ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

رسالہ شاہ ظہور الدین حمیدی - جس میں مسائل تصوف

کنز الدقائق - جس پر کئی بزرگوں کے حواشی ہیں -

(۱۵۸) چار کرسی طریقت [۸۰ ب]

اوراق ۴ - ۱۵ اشعار فی صفحہ۔

تقطیع ۶ × ۴½ - خط نستعلیق شکستہ۔

عنوان سرخی میں۔

مصنف فقیر اللہ شاہ حیدر۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔

کاتب حسینی بادشاہ۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴ھ۔

یہ نظم تقریباً ۲۰۰ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں فقیر اللہ شاہ مصنف عمادلی دیکھو نمبر ۱۲۵۔ د نظم اور دیکھو نمبر (۱۱) نے طریقت اسلام کے ضروری ارکان کی وضاحت کی ہے۔ ٹھیک سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا چونکہ مصنف کی دوسری کتابیں جو ادارے میں محفوظ ہیں ۱۲۴۴ھ و ۱۲۵۰ھ کی تصنیف ہیں اس لئے یہ کتاب بھی اسی زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔ مصنف کا تخلص آخری بیت میں درج ہے۔

حسینی بادشاہ فقیر اللہ شاہ کے مرید تھے اور یہ نظم انہوں نے دوسرے رسائل کے ساتھ ۱۲۶۴ھ میں نقل کی ہے۔

نظم کے آخری حصے میں مصنف نے واضح کردیا ہے کہ اس رسالے میں ۲۰ مسائل درج ہیں۔ اس کی بڑی سرخیاں یہ ہیں۔

۱۔ مذہب طریقت ۲۔ وضو ۳۔ غسل ۴۔ معانی طریقت ۵۔ اسلام و ارکان طریقت۔ ۶۔ ایمان طریقت۔ ۷۔ نماز پنجوقت ۸۔ عقدہ رکعت ۹۔ عارفان۔

آغاز:—

چار کرسی کان دھر ہوئے طریقت میں خبر
کرنا پچھانت تن منے ایسا جوں شیر و شکر

یو چار کرسی یاد رکھ بولیا ہوں تم سے پند سب
مشکل کٹھن او بات ہے چلنا طریقت کے اوپر

اختتام:—

یارب تو اپنا فضل کر اس عاجز کی زبان پر ہمہ
[illegible]ی اے نور آہیں آسان کرو روز حشر
[illegible] واقف [illegible] ہم بولا ہے فقیر
[illegible] سب کوں راہبر

اس کے ساتھ ہی ایک فارسی نظم شروع کردی گئی ہے جس کے اختتام پر لکھا ہے:—

"تمت تمام شد المرقوم ہفتم ذیقعدہ ۱۲۶۴ھ"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

---

(۱۵۹) دہ مجلس نثر [۱۶۱]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۳۔

تقطیع ۵ × ۸ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔

یہ دکنی اردو نثر کی کتاب ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ زبان و اسلوب کے لحاظ سے اوائل بارھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ کاغذ اور نہج کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اواخر بارھویں صدی میں نقل کی گئی ہے۔ فضلی نے بھی اردو نثر میں ایک ایسی ہی کتاب تقریباً اسی زمانے میں لکھی تھی لیکن یہ کسی ٹھیٹ دکنی مصنف کی دہ مجلس ہے جیسا کہ زبان و اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر مجلس ایک نئے صفحے اور عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ ان جملہ مجالس کے موضوع یہ ہیں:—

۱۔ شہادت رسالت پناہ (۱-۹) ۲۔ شہادت خاتون جنت (۱۰-۱۵)
۳۔ شہادت حضرت علیؓ (۱۶-۲۲) ۴۔ " امام حسن (۲۳-۲۹)
۵۔ " حضرت مسلم (۳۰-۴۱) ۶۔ " فرزنداں مسلم (۴۲-۵۱)
۷۔ " ابن حسن مجتبیٰ (۵۲-۵۹) ۸۔ " حضرت عباس (۶۰-۶۳)
۹۔ " حضرت علی اکبر (۶۴-۶۷) ۱۰۔ " امام حسین (۶۸-۷۳)

پہلی مجلس کا آغاز اور آخری مجلس کا اختتام یہ ہے :-

آغاز :-

"راوی روایت کیا ہے کہ سال دہم ہجرت کے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر حج سے مراجعت فرما کر ایک منزل میں آن کر اوترے کہ اوس منزل کا نام غدیر خم ہے تب ہیں۔ ایسی جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیتہ کریمہ جناب کو پہنچانے لے آئے"

اختتام :-

"اہل بیت طاہرین تمام شب روتے تھے و بیٹھے رہتے تھے اور وقت صبح وہاں سے کوچ کر طرف شام کے راہی ہوئے یعنی چلے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

(۱۶۰) نکات الواصلین [۲۰۶]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ۴/۳ ۶ × ۱/۲ ۴۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔
مصنف۔ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری غوث نما۔
سنہ تصنیف ۱۲۷۹ھ۔ بمقام مدراس۔
کاتب۔ مصنف۔ سنہ کتابت ۱۲۷۹ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کے مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری غوث نما انہی سید حسینی بادشاہ قادری کے فرزند اور مرید تھے جن کی دو اردو کتابوں (دیکھو مخطوطات ۱۵۶ و ۱۵۷) کا ذکر اس فہرست میں گذر چکا ہے۔ یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ اس سلسلے کے صوفیائے کرام کی اکثر قلمی کتابیں ادارے میں محفوظ ہیں۔ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

سلطان محی الدین بادشاہ غوث نما فرزند و مرید سید حسینی بادشاہ مرید فقیر اللہ شاہ حیدر مرید شاہ رفیع الدین قندہاری مرید شاہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ۔

ان بزرگوں کی حسب ذیل اردو کتابیں ادارے میں محفوظ ہیں۔ (فارسی کتب کی فہرست فارسی مخطوطات کے تذکرے میں درج رہے گی)۔

۱۔ شاہ رحمت اللہ تنبیہ النسا (۵ نسخے)
۲۔ فقیر اللہ شاہ حیدر۔ تناولی۔ نظم النور۔ چار کرسی۔
۳۔ حسینی بادشاہ۔ اناولی۔ لاٹ و کپور اور قاضی۔
۴۔ سلطان محی الدین بادشاہ۔ نکات الواصلین۔ توحید مطلق۔
۵۔ حافظ شجاع الدین خلیفہ شاہ رفیع الدین۔ کشف الخلاصہ۔

موخر الذکر بزرگ بھی اسی خاندان کے متوسل تھے اور ان کے مریدین نے بھی سلسلۂ تصنیف و تالیف کو جاری رکھا۔

زیر نظر مخطوطے کے مصنف سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری چشتی کے بھی مرید تھے۔ آخری حصۂ کتاب میں اپنے مرشد سید حسینی بادشاہ کے ساتھ ان کا بھی نام لکھا ہے۔ یہ شاہ میر غالباً وہی ہیں جن کی ایک نظم مدح میراں قادری کا تذکرہ اسی فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۱۵ میں لکھا گیا ہے۔

سلطان محی الدین بادشاہ کی اور تین کتابیں ادارے میں موجود ہیں جن میں سے ایک مثنوی وجدان الحق توحید مطلق کا ذکر اس کے بعد ہی کیا جائے گا۔ اور بقیہ دو (مستزاد عطار وغیرہ)

انتخاب رسالۂ رفیع الدین) فارسی ہیں اس لئے فہرست فارسی مخطوطات میں ان کا بیان درج رہے گا۔

اس کتاب میں حمد و نعت کے مضامین خاص صوفیانہ انداز میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے بعد سبب تالیف کے طور پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کا تخلص، لقب، سلسلۂ نسب اور مرشدوں کا حال نیز کتاب کا نام معلوم ہوتا ہے اس لئے اس حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"فقیر حقیر خاکپائے صوفیہ رحمہم اللہ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری المتخلص بہ سالک مشہور بہ غوث نما فرزند حضرت سید حسینی بادشاہ قادری بن حضرت سید شاہ نور اللہ واقف اسرار اللہ قادری ابن حضرت سید جمال الحق والملۃ والدین قدس اسرارہم کے کہتا ہے کہ یہ رسالہ ایک مسمی بہ نکات الواصلین واسطے طالبان حق اور ارادت مندان صادق کے، مدد سے مرشد کامل، ہادی مکمل عارف باللہ واقف اسرار اللہ ...... حضرت سید حسینی بادشاہ و مرشد روشن ضمیر پیر دستگیر حضرت سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قدس سرہما کے" (ورق ۴)

غرض محی الدین بادشاہ نے یہ رسالہ اپنے مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھا ہے اور اس میں کلمۂ شریف کا مطلب شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے مطابق بیان کرکے مسائل سنۃ تلقین کئے گئے ہیں۔ جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث وغیرہ سے کام لیا گیا ہے۔ مصنف ایک جیّد عالم اور علم تصوف کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

اس کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنی دیگر تصانیف کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس حصے کا اقتباس یہ ہے:۔

"یہ فقیر اس رسالۂ مختصر میں حقیقت معرفت (من عرف) کی نہیں لکھا کیونکہ حقیقت اس کی ارشاد الطالبین فارسی، اور رموز اعظم فارسی اور بستانِ طریقت ہندی اور وصل نامۂ ہندی وغیرہ میں صاف بیان کیا اگر خواہش اس کی ہو تو مطالعہ کریں۔ اور بیان سلوک و اذکار اور اشغال وغیرہ کا بھی اس رسالۂ مختصر میں درج نہیں کئے گئے۔ کس واسطے کہ وہ سب بیان مفصل مرات المعرفت، کشف الاسما وغیرہ جو اس فقیر سے ہے اس میں صاف لکھا ہوں۔ ہندی اور فارسی زبان میں" (ورق ۱۸)۔

اس کے بعد اس رسالے کی اتنی تعریف کی ہے کہ خود ستائی کی بو آتی ہے۔

آغاز:۔

"الحمد للہ شروع اس کتاب کا نام سے اُسی کے ہے جو وہ ہر جائے موجود ہے اور جملہ مخلوقات کا معبود ہے سوائے اس کے کوئی وجود نہیں رکھتا۔ سب اس سے موجود ہیں"

اختتام:۔

تمام ہوا رسالۂ نکات الواصلین مدد سے مرشد کامل کی۔ جب اس جائے قلم پہنچا لکھنے سے بند ہوا۔ معلوم ہوا کہ ارادہ حق تعالیٰ کا یہاں تک ہی تھا۔ اگر آگے ہوتا تو اور کچھ لکھا جاتا۔ اللہم اغفرلی ولوالدیہ ولمرشدنا ومشایخنا ومولٰنا ..... حضرت سید حسینی بادشاہ قادری و حضرت روشن ضمیر سید شاہ میر المعروف شاہ میاں صاحب قادری الچشتی قدس سرہما۔ آمین"

ترقیمہ:۔

"تمام شد کتاب ہذا در سنہ ۱۲۶۹ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم در شہر خجستہ اساس مدراس"

یہ نسخہ خود مصنف کا مکتوبہ ہے سرورق پر ان کے دستخط "سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری" اور آخری ورق پر ایک مستطیل مہر "سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری ۱۲۷۷ھ" اور ایک مدور مہر "غوث نما ۱۲۸۰ھ" ثبت ہے۔

(۱۶۱) وجدان الحق [۲۰۸]

(توحید مطلق)

اوراق ۷ ۔ سطور ۱۱ ۔

تقطیع ۳/۴ ۴″ × ۱/۴ ۶″ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری سالکؔ

زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۸۱ھ ۔

کاتب مصنف ۔ سنہ کتابت ۱۲۸۱ھ ۔

یہ ۱۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں وحدۃ الوجود کے مسائل بیان کئے گئے ہیں ۔ اس کے مصنف سید سلطان محی الدین بادشاہ سالکؔ ہیں جن کے حالات ان کی ایک اور کتاب نکات الواصلین (۱۶۰) کے تذکرے میں درج کئے گئے ہیں ۔

مصنف نے اپنا تخلص آخری حصۂ مثنوی میں اپنے مرشد شہیرؔ کے تخلص کے ساتھ اس طرح لکھا ہے : ۔

میں وہی سالکؔ وہی شہیر وہ — مصطفےٰ زادہ غوث زادہ اور پیر وہ

اس کے بعد ایک اور بیت میں اپنا نام بھی لکھا ہے کہ : ۔

محی الدین اب اک پنے پر رکھ قلم — جان لے تو پیر ہم اللہ ہم !

کتاب کا موضوع اس بیت سے واضح کیا ہے : ۔

ہے یہی توحید کا سارا بیان — اک سمجھ اور ایک کہہ اور ایک جان

آغاز : ۔

اے خدا تو وحدہٗ ہے لاشریک — دونوں عالم میں نہیں تیرا شریک

ذات سے تو ایک ہے اے ذوالجلال — اور صفاتوں میں بھی اک تیرا جلال

اختتام : ۔

میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں — ہے وہی موجود بے چوں میں نہیں

تھا وہی ہوگا وہی ہے اب وہی — سب وہی ہے سب وہی ہے سب وہی

ترقیمہ : ۔

" تمام شد رسالۂ وجدان الحق توحید مطلق در سنہ یک ہزار دو صد و ہشتاد و یک بوقت چاشت "

اس کے بعد وہی مہریں (مستطیل سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری ۱۲۷۷ و مدور غوث نما ۱۲۸۰ھ) ثبت ہیں جو رسالۂ نکات الواصلین کے آغاز و اختتام پر بھی ہیں ۔

سرورق پر مصنف نے کتاب کا نام " رسالۂ توحید مطلق مسمّٰی بہ وجدان الحق " لکھا ہے ۔ یہ کتاب خود مصنف نے نقل کی ہے کیونکہ اس کا خط وہی ہے جو نکات الواصلین کے نسخہ کا ہے اور جس کے آغاز میں مصنف نے اپنے دستخط بھی کئے ہیں ۔

اس مثنوی کے بعد نئے صفحے سے مصنف نے اپنی فارسی مستزادیں لکھی ہیں جن کا ذکر فہرست فارسی مخطوطات میں درج رہے گا ۔

---

(۱۶۲) رسالۂ بے نماز [۶۴]

اوراق ۷ ۔ سطور ۱۳ ۔

تقطیع ۱/۲ ۵″ × ۱/۴ ۸″ ۔ خط نستعلیق ۔

تصنیف ۔ اوائل تیرھویں صدی ۔

کاتب ۔ غلام احمد الدین حسین عرف حاجی میاں محتسب بعینہ ۔

سنہ کتابت ۱۲۸۳ھ ۔

یہ تقریباً ۱۵۰ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں نماز کے فوائد اور نماز باجماعت کے ثواب بیان کئے گئے ہیں ۔ مصنف کے نام یا تخلص کا پتہ نہ چل سکا ۔ اس میں جگہ جگہ بے نمازوں کو مخاطب کیا گیا ہے مثلاً : ۔

اب تو سر اپنا جھکا اے بے نماز — روبرو مالک کے با عجز و نیاز
سر جھکا مت کر غروری بے نماز — اب تو آ اس ..... اپنے سے باز

مثنوی کے درمیان جگہ جگہ قرآنی آیتیں بھی درج کی گئی ہیں۔

مصنف کوئی مذہبی شاعر معلوم ہوتے ہیں۔

اختتام کتاب پر کاتب نے خود بھی اسی بحر میں بعنوان "چند ابیات تصنیف کثیف" گیارہ ابیات بطور ترقیمہ لکھی ہیں۔

آغاز:—

بعد حمد پاک رب العالمین — اور درود رحمۃ للعالمین
حال اپنا اب سنوا اے بے نماز — کیوں رہے مالک کے فرمانے سے باز

اختتام:—

اے خدائے دو جہاں پروردگار — ہم گنہ گاروں کا بیڑا کردے پار
از طفیل حضرت خیر البشر — خاتمہ بالخیر جاویں سب بشر

ترقیمہ:—

یہ رسالہ ہے نصیحت بے نماز — تم عبادت کو کرو، ہو سرفراز
نام قادر بی بی ہے جس کا خدا — رکھو عبادت پر اوسے شام و صبا
عمر کی ہووے ترقی سب فزوں — رہوے خوش خورم ہمیشہ شاد ہوں
احمدی عمدہ رہیں دونوں مدام — ہو ترقی مرتبہ نیکی کے کام
واسطے ان کے نقل میں نے کیا — اجر اس کا ہووے ہر دو کو صدا
یعنے پڑھنے اور لکھنے والے کو — بخشش سارے دے گنہ اور عفو
روز سہ شنبہ کا تھا، جو بیسویں — ماہ شعبان تھا لکھا میں سکتیں
سنہ تھا بارہ صد اپر اسی پو تین — جب کئے ہجرت شفیع المذنبین
عاجز و کمتر نہایت ہوں کثیف — ناتوان امت محمد میں نحیف
ہوں سراپا غرق دریا جرم میں — اور حیراں ہوں ہر اک آں شرم میں
مجھ کو لطف و فضل سے تو اے رحیم — عاقبت بالخیر کر تو ہے کریم

"کاتب الحروف ہذا نسخہ غلام احمد الدین حسین عرف حاجی میاں محتسب قصبۂ بھینسہ۔ تمت تمام شد"۔

اس ترقیمے میں حضرت قادر بی بی اور ان کی دختروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قادر بی بی کے مزید تذکرے کے لئے دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲ وغیرہ۔ اور اس نسخے کے کاتب سے متعلق دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۰ اور ۱۴۰۔

ترقیمے کی مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قادر بی بی نے اپنی دو دختروں احمدی بیگم اور عمدہ بیگم کے لئے یہ رسالہ ۲۴ شعبان ۱۲۸۳ھ کو نقل کرایا تھا۔ عمدہ بیگم نے عالم دوشیزگی میں ناکتخدا انتقال کیا۔ اور پہلی دختر جو راقم کی حقیقی نانی تھیں مولوی وقار الدین خطیب بودھن و تعلقہ، علاقہ نیا لگاؤ آسمان جاہی سے بیاہی گئی تھیں۔

یہ نسخہ انہی کے کتب خانہ کا ہے اور اس کو راقم الحروف نے ۱۳۵۵ھ میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل کیا ہے۔

---

(۱۶۳) اربع عناصر الوجود [۱۷۵]

اوراق ۴۔ سطور ۱۵ فی صفحہ۔

تقطیع ۵½" × ۸"۔ خط نستعلیق معمولی۔

زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس مختصر سے رسالے میں وجود آدم کے چار عنصر (یعنے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت) کا بیان کیا گیا ہے۔ اور ان سے متعلق وجودوں یعنے واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور عارف الوجود کی منزلیں اور خصوصیات پر بحث ہے۔

مصنف کوئی دکنی صوفی ہیں جن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ پورے رسالے میں سوال و جواب کے طور پر تصوف کے اسرار سمجھائے گئے ہیں۔

آغاز:—

واضح ہو کہ یہ رسالہ اربع عناصر الوجود آدم صفی اللہ علیہ السلام و برزخ حضرت محمدی روح الانسان بنیاد و ماز و نیاز ہے۔ جان اے عارف وجود حضرت آدم علیہ السلام کا اول شریعت خاک واجب الوجود، منزل ناسوت، عبادت ذکر جلی، پیر جبرئیل علیہ السلام گھر دل مقام مولی علی دروازہ منہ ہے۔

اختتام:—

واجب الوجود کہنا۔ ممکن الوجود پھرنا (پڑھنا) ممتنع الوجود دیکھنا، عارف الوجود پہنچنا، واجب الوجود بے خود رہنا، ناسوت کا مقام عقل، ملکوت کا مقام وجود، جبروت کا مقام دل، لاہوت کا مقام نظر، ہاہوت کا مقام ذات۔ تمت بالخیر واللہ علم بالصواب۔

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی رسالہ "رمز محل" شروع کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۶۴) رمز محل [۱۷۶]

اوراق ۲۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ½۵" × ۸"۔ خط نستعلیق معمولی۔

زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس چھوٹے رسالے میں تصوف کے نو مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔ زبان اور اسلوب کے لحاظ سے اس کے مصنف بھی وہی ہوں گے جو "اربع عناصر الوجود" کے ہیں۔

آغاز:—

"بعد حمد خدا و نعت رسولؐ کے سمجھ اے عارف کہ نو مقام ہیں سو یہ ہیں۔ اول مقام ناسوت، دوم مقام ملکوت، سیوم مقام جبروت، چہارم مقام لاہوت" وغیرہ

اختتام:—

"جان اے عارف سدرۃ المنتہا گنج مخفی بیت المعمور و بیت المقدس نظر روح علوی روز میثاق، آواز روح سفلی دم قبلہ چڑھتا اترتا ہے۔ دم مونہہ سے بولتا ہے۔ پیالۂ محبت شراب عشق اور الست ہو کر دم بدم کہا کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی "رسالۂ معرفت حق" شروع کر دیا گیا ہے۔

---

(۱۶۵) معرفتِ حق [۱۷۷]

اوراق ۲۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ½۵" × ۸"۔ خط نستعلیق معمولی۔

زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی۔

اس مختصر رسالے میں خدا کی پہچانت کے بھید بتائے گئے ہیں۔ زبان و طرز بیان وہی ہے جو رسالہ جات اربع عناصر و رمز محل کا ہے۔

آغاز:—

"بعد حمد خدا و نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھ اے عارف عین پہچانت خدا کی ہے سو کیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ۔ ترجمہ۔ جس نے پہچانا اپنی روح کو یعنے اپنے نفس کو پس اوس نے پہچانا خدا کو"

اختتام:—

غیر چیز کا خطرہ دل میں آنے نہ دینا اپنی موت کو یاد کرنا اسی کو حضور دل بولتے ہیں۔ اے طالب یہ باتیں تجھے

بغیر مرشد کامل حصول نہ ہوں گے ۔ وما توفیقی الا باللہ

توکلنۃ والیہ اینب ۔ تمام ہوا یہ رسالہ "

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ ساتھ ہی رسالہ وجودیہ شروع کردیا گیا ہے۔

(۱۶۶) رسالۂ وجودیہ [۱۷۸]

اوراق ۳ ۔ سطور ۔ ۱۵ فی صفحہ ۔

تقطیع ½۵" × ۸" ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانۂ تصنیف اواخر تیرھویں صدی ہجری ۔

اردو نثر کا یہ رسالہ بھی اسی مصنف کا لکھا ہوا ہے جس کے تین رسالوں (رابع عناصر، رمز محل، معرفت حق) کا تذکرہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے ۔ اس رسالہ میں انسانی جسم کی بناوٹ اور اس کی خصوصیات صوفیانہ نقطۂ نظر سے بیان کی گئی ہیں ۔ دو اور رسالے وجودیہ میراں جی حسینی خدانما اور نور دریا سے مشہور ہیں ۔ لیکن زیرِ نظر رسالہ کی زبان اتنی قدیم نہیں ہے کہ اس کو خدانما یا نور دریا قادری کا رسالہ قرار دیا جاسکے ۔

آغاز :—

" بعد حمد خدا و نعت رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ہو کہ یہ رسالہ وجودیہ بھید تن من کا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ کل شیئ من نوری ۔ اے عارف جان تو کہ تحقیق چہار تن ہیں "

اختتام :—

اللہ تعالیٰ یہ تن میں نبوت اور ولایت بنایا ہے ۔ منہ مسجد ناک ممبر آنکھ نبوت، سر محراب اور اللہ صاحب نے یہ تن میں چار پیر بنایا ہے ۔ سر غوث خواجہ ۔ منہ طبقات چھاتی سرور قدم رسول ۔ یعنے مثل غوث کھڑا رہے ۔ مثل خواجہ بیٹھے ۔ مثل طبقات لیٹے ۔ اور مثل سرور قدم رسول چلے ۔ محمد درخت شاخ حضرت ابوبکر صدیق، برگ حضرت عمر اور گل حضرت عثمان اور میوہ حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین "

کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ اس کے بعد رسالہ چہل تن نقل کیا گیا ۔

(۱۶۷) رسالۂ چہل تن [۱۷۹]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۵ ۔

تقطیع ½۵" × ۸" ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانہ تصنیف اواخر تیرھویں صدی ۔

اس رسالہ کی زبان و طرز بیان بھی اس سے قبل کے چار رسالوں کی طرح ہے ۔ افسوس ہے کہ ان میں سے کسی رسالہ میں بھی مصنف کا نام یا سنہ تصنیف درج نہیں ہے اور نہ کاتب ہی نے کوئی ترقیمہ لکھا ہے ۔

اس رسالہ میں تصوف کی ایک اصطلاح چہل تن کی تشریح اور تفصیل بیان کی گئی ہے ۔

آغاز :—

" بعد حمد و نعت کے روشن ہو کہ والد چہل تنوں کے دحیہ کلبی تھے ۔ اور والدہ کے اسم میں اختلاف ہے ۔ بعض واحد النساء لکھتے ہیں اور بعض نے سارہ لکھا ہے "

اختتام :—

" حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ العزیز کتاب حلیۃ الابدال میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز پنج گانہ کے بعد ان کو یاد کریگا اس نے نماز مکہ معظمہ اور کعبۃ اللہ میں گزارا ۔ اسی طرح ان راویوں نے روایت کیا ہے یعنے ابوہریرہ وابو داؤد و

وعبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل وابوسعید خدری و
عبداللہ بن عمر وانس بن مالک وابو ذر غفاری وعبدالرحمٰن
بن ابوبکر صدیق وعبداللہ بن مسعود وابوسفیان ثوری
و تمیم انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین ۔"

ترقیمہ: ۔

"تمام ہوا یہ رسالہ چہل تن کا ۔"

---

(۱۶۸) قصہ بادشاہ روم [۲۰۲]

اوراق ۷ ۔ ۲۶ ابیات فی صفحہ ۔
تقطیع ½ ۸ × ½ ۴ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف ۔ آدم ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۹ھ ۔

یہ تقریباً ۳۲۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں حمد و نعت کی سرخیوں کے بعد شاہ روم کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ۔

شاہ روم تلاوت قرآن کرتے وقت جب تعز من تشاء وتذل من تشاء کی آیت پر پہنچا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اتنا بڑا بادشاہ ہوں اور دوسرے تمام بادشاہ مجھ سے اتنا ڈرتے ہیں جس کو چاہتا ہوں میں عزت دیتا ہوں بھلا مجھے کون ذلت دے سکتا ہے ۔ اتفاق سے ایک روز وہ ہرن کے شکار کو بارہ سو سوار جلو میں لے کر نکلا تھا کہ راستہ بھٹک کر ملک چین میں پہنچ گیا ۔ وہاں ایک قزاق کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے ۔ وہ ذکر و شغل میں اپنا وقت گزار رہا تھا کہ شاہ چین کی بیٹی کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے ایک معلم کی ضرورت پڑی ۔
اور امرا نے اسی قزاق کو اس کام کے لئے موزوں سمجھا ۔ جب شاہ روم شہزادی چین کو قرآن پڑھا رہا تھا تو ایک روز وہی آیت پڑھانی پڑی اور اس سلسلہ میں اس نے اپنا واقعہ شہزادی کو بھی مجبوراً بیان کر دیا ۔ شہزادی نے یہ راز بادشاہ اور اس کی بیگم سے بیان کیا اور شاہ روم کے ساتھ شادی کرنے پر مصر ہوئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ روم پہچان لیا گیا اور جب وہ اپنی دلہن کو لے کر اپنے ملک کو روانہ ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس کی فوج جوں کی توں اس کے انتظار میں کھڑی ہے اور یہ سب "اتفاق چشم زدن میں پیش آیا" ۔

آخر میں مصنف نے تکبر و غرور کے متعلق ایک خاص سرخی قائم کر کے ۱۳ ابیات لکھی ہیں ۔ اس قصے کے مصنف کا نام غالباً آدم تھا جیسا کہ آخری بیت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ البتہ ابتدا کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ۱۲۶۹ھ میں بمقام بمبئی چھپ چکا تھا یہ عبارت بطور ترقیمہ نیچے درج ہے ۔

آغاز: ۔

ہو کس سے حمد یارو اس خدا کی ۔۔۔ کہ جس نے عرش اور کرسی بنا کی
کیا بیٹھے تو یوں قدرت سو قائم ۔۔۔ رکھا ہے بے ستوں افلاک دائم

اختتام: ۔

چلا مرضی میں جو بندہ میاں کی ۔۔۔ اوسے نعمت ملی دونوں جہاں کی
کہاں رہزن کہاں اس شاہ کی ذات ۔۔۔ دیکھایا حق نے قدرت کا طلسمات
کسی سے عال آدم اپنا مت کہہ ۔۔۔ خدا کی یاد میں مشغول ہو رہ

ترقیمہ: ۔

"عاصی علی بھائی بن لقمان جی کی کمپنی نے اپنے مطبع حیدری میں چھپایا ۱۲۶۹ھ ۔"

یہ عبارت اس نسخے کے عنوان پر درج ہے ۔ کاتب نے غالباً

جو مد نسخے سے اس کو نقل کیا ہے لیکن نہ اپنا نام لکھا
ور نہ سنہ کتابت ۔ اس کے بعد رمضان شاہ کا ایک قطعہ
درج ہے۔ دیکھو مخطوطہ (۱۶۹) اس قطعے کے آخر میں جو عبارت شامل ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بمقام نرساپور تعلقہ نرمل
نقل کی گئی ہے ۔

۱۶۹) قطعۂ رمضان شاہ [۲۰۲ ب]

اوراق ۲ ۔ سطور ۲۰
تقطیع ½ ۴ × ½ ۹ ۔ خط نستعلیق ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۹ھ ۔

یہ ۲۰ اشعار کا ایک قطعہ ہے جس میں ایک مذہبی
بزرگ رمضان شاہ نے مذہب و طریقت کے امور بیان کئے ہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بڑی کتاب کا ایک حصہ ہے ۔

آغاز : —

بہ صدق دل سے مومنو اللہ کی باتیں تم سنو
اللہ کو حاضر تم گنو مت بھولو اس کو ایک دم
اے مومنو پیدا کیا تم کو خدا نے از کرم
تم کیوں نمازیں چھوڑ کر کرتے ہو اپنے پر ستم

اختتام : —

تو نانہ کام آوے وہاں غیر از عمل رمضان شاہ
یا مصطفےٰ ہووے شفیع یا بخشے مولےٰ از کرم
بھائی کو بھائی چھوڑ دے بیٹی کو مائی چھوڑ دے
خاوند گنگائی چھوڑ دے ایسی پڑے کھل بل بہم
اس کے بعد "ولہ" کی سرخی قائم کر کے دو فارسی شعر لکھے ہیں
جن سے پہلا یہ ہے : —

نو بہار است جنوں چاک گریباں مددے
آتش افتادہ بجاں جنبش داماں مددے

اس کے محاذی "در زبان ہندوستانی" کے عنوان سے ایک
نسخہ لکھا ہے ۔ جس کے آخر میں درج ہے ۔
" نرساپور نرمل تعلقہ "
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ نرساپور میں لکھا گیا ہے ۔
کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں ہے ۔

۱۷۰) دُرر اسرار [۹۵]

اوراق ۶ ۔ سطور ۱۶ ۔
تقطیع ۶ × ۱۰ ۔ خط نستعلیق شکستہ معمولی ۔
مصنف خواجہ بندہ نواز (؟) ۔ سنہ تصنیف قبل ۸۲۵ھ (؟)
خواجہ بندہ نواز سے منسوب ایک رسالہ معراج العاشقین
شایع ہو چکا ہے ۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے
دکنی نثر میں متعدد رسالے لکھے تھے ۔ ان کے بعض اقوال
و مواعظ کو ان کے معتقدین و مریدین نے بھی کتابی
شکل میں لکھ کر ان کے نام معنون کر دیا ہے ۔
زیر نظر کتاب بھی اردو نثر میں ہے لیکن ٹھیک طور پر
نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خواجہ بندہ نواز ہی کی زبان ہے۔
ممکن ہے کہ ان کے کسی معتقد نے ان کے مقولوں یا ان کے
فارسی کے کسی رسالہ کو اردو کا جامہ پہنایا ہو ۔ اس کے
عنوان پر لکھا ہے : —

" یہ رسالہ دُرر اسرار ہے ۔ لُو دُر ہیں ۔ تصنیف خواجہ
بندہ نواز صاحب کی ہے "

زبان کے لحاظ سے یہ اوائل گیارھویں صدی کی کتاب

معلوم ہوتی ہے۔ اور کتابت اواخر تیرھویں صدی کی ہوگی۔ کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ تصنیف۔

جیسا کہ عنوان کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اس کتاب کو نو عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر عنوان ایک آیت قرآنی سے شروع ہوتا ہے جو اصل میں اس مجموعے کا ایک جز ہے جس کی صوفیانہ تشریح دکنی نثر میں تفصیل سے کی گئی ہے۔

آغاز :-

"پہلا دُر۔ کُنتُ کَنزاً مَخفیاً فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ فَخَلَقتُ الخَلق۔ یعنے آں سلطان اپنی ذات کی دریا میں چار راس گنج رکھا تھا بقا کے موتیوں سوں بھر کر۔ اور اس حال میں ایکایک۔ اوس گنج کی طرف نظر کیا۔ اوس موتیوں کا اوجالا دیکھ کر عاشق ہوا۔ مصلحت تجویز میں لایا۔ جو لاج کے موتیاں چھپا کر رکھنا خوب نہیں۔ بلکہ عاشقاں کے بازار میں ظاہر کرنا بھلا ہے"

اختتام :-

"واجب الوجود کی بات شریعت کا مقام نفس امارہ ہے ذکر جلی زبان سے بولنا۔ اللہ تعالیٰ منع کیا سو نہیں کرنا۔ اور پیر منع کیا سو نہیں کرنا۔ سب سے بہتر ذکر قلبی ہے اور اللہ ...... محبت زیادہ رکھنا۔ اور اسے مدام مشغول رہنا اور سوائے اس کی یاد کے کوئی کام نہیں کرنا ...... اوسی کے کام میں سمجھنا اور وہ صاحب کو سب سے بڑا و بہتر سمجھنا اور اس کے دیدار کا عشق دل میں مدام رکھنا۔ آمین ثم آمین"۔

اس کے بعد دوسرے صفحے سے بعنوان "ایضاً" چند احادیث اور آیات قرآنی اردو ترجمے کے ساتھ درج ہیں۔ اس حصہ کا آغاز یوں کیا گیا ہے :-

"ایضاً۔ کیفیت یہ حدیث دلیل کرنا عارف سے خلاصہ کرنا"

---

(۱۷۱) ہدایت المومنین (؟) [۶۷۳

اوراق ۸۱۔ سطور ۱۱ فی صفحہ۔

تقطیع ½۵ × ½۹۔ خط نستعلیق۔ عنوانات سرخی میں۔

زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ قدیم دکنی نثر میں ایک مذہبی رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ زبان ۱۲۰۰ھ سے قبل کی ہے۔ ابتدائی ایک ورق غائب ہے پہلے طویل تمہید لکھی ہے جس کے بعد ابواب شروع کئے گئے ہیں۔ چونکہ ناقص الآخر ہے اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ کل کتنے ابواب تھے۔ بحالت موجودہ ابواب کی تفصیل یہ ہے :-

ہر باب میں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ، ملفوظات صحابۂ کرامؓ

اور مشہور علما و صوفیا مثلاً عین القضات، غزالی، رومی ابوالحسن نوری، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید، شبلی وراق، معروف کرخی، ابوسعید ابوالخیر، منصور الحسین، بوعلی سینا کے اقوال بطور دلیل پیش کئے گئے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ ابتدا میں مکمل معلوم ہوتی ہے لیکن تین ورقوں کے بعد درمیان میں دو ورق معرّا چھوٹے ہوئے ہیں اس لئے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ابتدائی اوراق اور بعد کی کتاب ایک ہی ہے یا دو علحدہ کتابوں کے ورق ہیں۔

اس لئے ہم پہلے ابتدائی حصے کے آغازی و اختتامی جملے یہاں نقل کرتے ہیں: ۔

آغاز: ۔

"اے طالب حق سبحانہ تعالیٰ قدرت بالغہ سے اپنے زبدۂ خاک سے نباۃ کو نباۃ سے حیوان کو حیوان سے انسان کو انسان سے انسان کامل کو پیدا کرکے چہار روح مقرر کیا۔"

اختتام: ۔

"گوش جان سے سنا جیسا کہ بہار طفلی، دھو پکالا جوانی، حڑکالا ضعیفی، خزاں پیری و گورنشینی ہے۔ اے طالب آواز سو گرجنا اور آنک مانند بجلی کے ہے۔ اور رونا مانند بارش کے ہے اور ساتوں آسمان مانند سات تہہ کے ہے جیسا کہ اندر سر کے مغز کے اوپر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کھینچا ہے اور نیچے بھی مغز کے سات تہہ باہم کے آپس میں ملے ہوئے ہیں سو مانند سات طبق زمین کے ہیں گردانا۔"

اس عبارت کے بعد دو ورق بالکل معرا ہیں۔ پھر ابتدائے صفحہ سے یہ عبارت شروع ہوتی ہے۔

"نور برہنہ تصویر سے نظر آیا۔ پھر اس تصویر کو برہنہ رہنا مناسب نہ جانا تب عادت میں آکر کثرۃ وحدت سے عناصروں کی صورت سے آراستہ کیا اور نام انسان کر کر دکھایا۔"

پہلا باب اس طرح شروع کیا ہے: ۔

"باب اول مسلمان پر فرض ہے سو کہنا ہے حدیث قدسی جعلنا علی الانسان عن بعدون شیخ کلیل لا اجلالنا تحصلاً عنہ مکان فی العجم او فی الشام (ترجمہ) خدا کہا فرض ہے اے عزیز اوپر انسان کے طلب کر مرشد کامل کو اور حاصل کر ان سے نبی صاحب کی بوج اور اپنی معرفت۔"

اکیسواں باب اس طرح شروع ہوا ہے: ۔

"باب اکیسواں وجود جو ہر حقیقی کے بیان میں۔ قول من عرف نفسہ فہو کافر۔ فقد عرف ربہ فہو مشرک۔ یعنے پردۂ کفر میں نور محمدؐ کو دیکھنا کفر ہے اور پردۂ نور میں ذات کو دیکھنا شرک ہے۔"

یہ ناقص الآخر نسخہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے: ۔

"قولہٗ تعالیٰ خرسنا لبصو یک یا اللہ۔ اے بار خدایا وجود میرا منور ذاتی کر تا تجلی پاؤں۔ ان شغلوں سے ممکن الوجود کو خدا کے حوالے کرو تا کہ اس میں شیطان داخل نہ ہو۔"

اس کتاب کا نام ٹھیک طور پر معلوم نہ ہوسکا۔ عنوان پر جو نام درج ہے وہ مضامین کتاب کے مناسب راقم الحروف نے لکھ دیا ہے۔ یہ نسخہ کاتب نے نہایت غلط نقل کیا ہے۔

(۱۷۲) مراقبات سلوک [۷۵]

اوراق ۱۳ - سطور ۷ -
تقطیع ۶½ × ۴¼ ۸ - خط نستعلیق - عنوان سرخی میں -
مصنف محمد نعیم مسکین شاہ - سنہ تصنیف ۱۲۷۶ھ
کاتب - محمد علی شاہ صدیقی - سنہ کتابت ۱۳۱۰ھ -

اردو نثر کے اس رسالے میں حیدر آباد دکن کے ایک مشہور صوفی محمد نعیم عرف مسکین شاہ صاحب نے اپنے نقشبندیہ سلسلے کے مریدوں کے لئے مراقبات کے طریقے بیان کئے ہیں -

مسکین شاہ صاحب کی تاریخ ولادت سنہ ۱۲۰۸ھ ہے اردو نظم و نثر دونوں میں ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ان کی بڑی شہرت تھی - وہ نقشبندیہ سلسلہ کے مرشد تھے اور خود حضرت شاہ سعد اللہ (خلیفہ شاہ غلام علی، خلیفہ مرزا مظہر جانِ جاناں) کے خلیفہ اور فیض یافتہ تھے -

مسکین شاہ کی تمام عمر اذکار و اشغال میں بسر ہوئی ہزارہا لوگ ان کے مرید و معتقد تھے - خود غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس بھی کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور جب ۱۳۱۴ھ میں وفات پائی تو خلق کے کثیر ازدحام کے ساتھ شاہ وقت نے بھی دور تک ان کے جنازہ کو کاندھا دیا - اندرون دروازۂ علی آباد مسجد الماس کے صحن میں مدفون ہوئے - ان کے بعد ان کے خلیفہ احمد خیرالدین صاحب بہت مشہور ہوئے جو نبی خانہ واقع پتھر گٹی حیدرآباد میں مرجع خلایق تھے -

مسکین شاہ صاحب کی اولاد حیدرآباد میں موجود ہے ان کے فرزند تسکین شاہ ان کی جگہ قائم مقام ہوئے ان کی آل میں ڈاکٹر قاری قطب الدین صاحب نائب ناظم دفتر دیوانی و مال قابلِ ذکر ہیں - مسکین شاہ صاحب کے مختصر حالات تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم ص۱۱۹ و ص۱۲۰ میں بھی درج ہیں -

ان کے زیر نظر رسالے کے علاوہ ان کے کلام کے منتخبات کے قلمی نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں -

آغاز :-

" الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ وعلی آلہ واصحابہ الذین حصلوا القرب وسعدہٗ -
بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر محمد نعیم معروف سات مسکین شاہؒ کے مراقبات نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے تئیں سات زبان ہندی کے جس طور سے کہ طالبوں کو تعلیم دیتا ہے بیچ اس مختصر کے تحریر کرتا ہے "

اختتام :-

" مراقبہ لاتعین وہ ذات جو لاتعین ہے اوس ذات سے فیض آتا ہے مرشد کی ہیئت وجدانی پر - وہاں سے فیض آتا ہے میری ہیئت وجدانی پر -
مراقبات سلوک نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ تعالیٰ بتاریخ گیارھویں رجب المرجب ۱۲۷۶ھ نبوی تھے کہ اتمام کو پہونچی - اللہ تعالیٰ تصدیق سے نعلین مبارک حبیب کریم اپنے صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین مقبول قلوب پیران کبار رحمہم اللہ کرے -
آمین ثم آمین - تاریخ ایں رسالہ
"ارشاد شدہ است"
۱۲۷۶ھ

اس رسالے کے ساتھ مسکین شاہ صاحب کے دو تین شجرے ہیں جو انہوں نے اپنے مرید حاجی خان محمد کو لکھ دیئے تھے۔ ابتدائی ورق پر دو جگہ اس طرح تاریخ کتابت درج ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی وفات سے قبل یہ رسالہ نقل ہوا ہے۔

(۱) "المرقوم سلخ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ ہجری مقدسہ"

(۲) "۲۲ ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ روز یکشنبہ۔ محمد علی شاہ صدیقی کان اللہ لہ"

---

(۱۷۳) اگر گل [۱۷۳]

اوراق ۱۶۴۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۷ × ½۱۱۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ

کاتب۔ عبدالغفور۔ سنہ کتابت ۱۲۸۴ھ۔

یہ ضخیم قصہ دکنی نثر میں ہے۔ اس میں مصنف اور سنہ تصنیف کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اوائل تیرھویں صدی کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ عام کتابوں کی طرح اس میں حمد و نعت کے مضامین نہیں ہیں بلکہ ساتھ ہی قصہ شروع کر دیا ہے جو شہر ختن ختاش کے بادشاہ فیروز شاہ کے واقعہ سے آغاز ہوتا ہے یہ بادشاہ فرزند کی خواہش میں تخت چھوڑ کر جنگل کو روانہ ہوا تھا۔ یہ قصہ داستان کے طور پر مسلسل قلمبند کیا گیا ہے۔ پریوں اور دیووں سے بھی کام لیا گیا ہے۔ درمیان میں عنوانات قائم نہیں کئے گئے ہیں بلکہ رجال داستان کے نام ہر جگہ سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔

گل عاشق کا نام ہے اور اگر معشوق کا۔ لیکن اگر ہمیشہ مردانہ لباس میں رہتی اور اپنی نسوانیت کو چھپا رکھا تھا۔ اور شادی کے بعد بھی تعلق زناشوی سے دونوں باز رہے۔ اس موقعہ پر مصنف کہتا ہے کہ:-

"روایت کرنے والا اس قصۂ اگر گل کا ایسا بیان کرتا ہے کہ ان دونوں عاشق معشوق کی محبت تا روز قیامت پاک رہی"

آغاز:-

"بندہ سے ثنا حضرت استاد کی کیا ہو
مظہر ہے خداوند کی وہ شان اتم کا

راویان اخبار و ناقلان آثار خوشہ چینی والے اور سخن جاننے والے زمانۂ پیشین کے ایسا بیان لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا بہت بڑا بادشاہ عادل اور نام اس کا فیروز شاہ"

اختتام:-

خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ واللہ اعلم بالصواب گنہ بگردن راوی۔ اگر راست ہے تو اللہ کے (اپنے) فضل و کرم سے ایسا عشق پاک بندوں کو نصیب کرے برکت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ اصحابہ و سلم۔ جو صاحب کہ اس قصہ کو پڑھیں یا ملاحظہ میں لاویں تو سہو یا خطا ہوئے تو معاف رکھنا اور اصلاح سے دریغ نہ رکھنا۔

ترقیمہ:-

"ہذا قصۂ اگر گل بتاریخ ہفدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۸۴ھ ہجری نبوی بروز چہارشنبہ مابین الظہر والعصر بخط زشت عبدالغفور حلّہٗ اتمام پوشید"

یہ قلمی نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ آغاز و اختتام

کے اوراق پر ان کی بیضوی مہریں "مصدر الطاف و عنایت حسین ۱۳۳۶ھ" اور سرورق پر ان کے حسب ذیل دستخط ہیں :-

"ہدیہ عنایت جنگ بہ ادارۂ ادبیات اردو، رفعت منزل حیدرآباد دکن ۶ آبان ۱۳۵۰ف"

---

(۱۷۴) مخمس ولی [۶۸۱]

اوراق ۳۔ سطور ۱۴۔
تقطیع ۳½″ × ۵½″۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔
مصنف۔ ولی اورنگ آبادی۔
کاتب۔ فیاض۔ سنۂ کتابت ۱۲۱۱ھ۔

شاہ وجیہہ الدین گجراتی کی توصیف میں یہ ایک ترکیب بند ہے جس میں جملہ پانچ (۵) بند ہیں اور ہر بند میں دس شعر ہیں جن کے آخر میں ایک ہی شعر درج کیا گیا ہے۔ وہ شعر جس کی اس نظم میں تضمین کی گئی ہے یہ ہے :-

اے امام جمیع اہل یقین   قبلۂ راستاں وجیہہ الدین

یہ ترکیب بند تعبیر نامہ، فال نامہ اور دیگر ادعیہ فارسی و عربی کے ایک مجموعے میں شریک ہے جس کو فیاض نے بطور بیاض ماہ جمادی الاول ۱۲۱۱ھ ہجری میں نقل کیا ہے۔

یہ ترکیب بند مطبوعہ کلیات ولی میں بھی موجود ہے۔

ولی کے کلام کے کئی اور مجموعے ادارے میں محفوظ ہیں۔ ان کا ذکر اس فہرست میں مخطوطات ۳۶ و ۳۷ میں گزر چکا ہے۔

آغاز :-

اے توں فہرست دفتر عالم   اے توں مقبول سرور عالم
تجھ سوں روشن ہے پیکر عالم   جلوہ گر ہے توں آفتاب یقین

اختتام :-

جیوں کہ ہے آدمی میں نطق سخن   تو ہے انتخاب عالم میں
گرد تیری قدم کی کحل نین   خوش بصارت بدل کیا ہے ولی

اے امام جمیع اہل یقین
قبلۂ راستاں وجیہہ الدین

اس نظم کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس مجموعے میں اس سے قبل جو خواب نامہ نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے :-

"بتاریخ شہر جمادی الاول روز یکشنبہ ۱۲۱۱ھ ہجری بخط خام بندہ فیاض قلمی نمودہ"

---

(۱۷۵) دیوان عاجز [۱۲۸ ب]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۰ فی صفحہ۔
تقطیع ۳½″ × ۷″۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔
مصنف۔ عارف الدین خاں عاجز۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۷۸ھ

عارف الدین خاں عاجز اورنگ آباد کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد بلخ کے رہنے والے تھے۔ عہد عالمگیر میں ان کے والد ہندستان آئے اور غازی الدین خاں فیروز جنگ کے توسط سے شاہی منصب دار مقرر ہوئے۔

عاجز کم عمر تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی۔ اور وہ نواب لشکر خاں نصیر جنگ رکن الدولہ کی سرپرستی میں

پرورش پاتے رہے اور انہی کی سفارش سے نواب آصف جاہ اول اور بعد کو نواب ناصر جنگ شہید کے درباروں میں باریاب اور خطاب و منصب و جاگیر سے سرفراز ہوئے۔

فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی اردو مثنوی "لعل و گوہر" معروف ہے۔ ان کا اردو دیوان سنگلاخ زمینوں اور مشکل مضامین کی وجہ سے مشہور ہے۔ اور وہ اپنی زندگی ہی میں اپنی مشکل پسندی کی وجہ سے شہرت پا چکے تھے۔ ان کا حال اکثر کتابوں مثلاً چمنستان شعرا، گلشن گفتار، تذکرہ تمنا، محبوب الزمن، دکن میں اردو، اردوئے قدیم، تذکرہ شعرائے اورنگ آباد، گل رعنا، یورپ میں اردو مخطوطات وغیرہ میں درج ہے۔ لیکن محبوب الزمن جلد دوم میں ان کے حالات بہت تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

عاجز کا دیوان کمیاب ہے۔ البتہ مثنوی لعل و گوہر کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ وہ آخر عمر میں نانڈیڑ میں مقیم تھے کہ ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ انہوں نے خود ہی اپنے نام عارف الدین خاں عاجز سے اپنی تاریخ وفات نکالی تھی۔ وہ نہایت ظریف الطبع اور بذلہ گو تھے اور اتفاق سے اس عہد میں اورنگ آباد علما و فضلا کا مرکز تھا۔ ان میں سے اکثر عاجز کے دوست اور ساتھی تھے۔ عاجز نے دکن سے شمالی ہند کا بھی سفر کیا تھا۔ اپنی ایک غزل کے مقطع میں لکھا ہے: -

آکے دکھن سیں زباں کا خوب پھیرا ہے پٹا
یا علی عاجز کا تیرے ہند میں جس ہو چکا
(ورق ۴۰)

عاجز کا یہ دیوان قدیم اردو کلام کی ایک بیاض کے درمیان (صفحات ۴۳ تا ۷۷ میں) نقل کیا گیا ہے اور چونکہ اس بیاض کے اوراق جگہ جگہ سے غائب ہیں اس لئے افسوس ہے کہ یہ پورا دیوان نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ردیف ج تک مسلسل غزلیں درج ہیں۔ ابتدائی حصۂ دیوان بھی نہیں ہے۔

اس دیوان میں ردیف الف کی غزلیں بہت زیادہ ہیں جن میں تقریباً ۳۰۰ اشعار ہیں۔

یہ ردیف اس شعر پر ختم ہوتی ہے: -

گر اوس خورشید رو کی فکر جہانی کروں عاجز
ستاروں کے بدلے کوں توڑ لیوں چاند کا مانند (ورق ۶۲ ب)

ردیف ب کی پہلی اور آخری غزل کے مقطع یہ ہیں: -

جب سے کیا ہوں گلبدنوں کے عرق کے وصف
عاجز ہوا ہے چشمۂ عطر گلاب سب (ورق ۶۳)

ہماری آہ کو سن آہ دست سبب عاجز
گئے ہیں بھاگ کے فرہاد و قیس پا کے نہیب (۶۴)

دوسری ردیفوں کے ابتدائی اشعار یہ ہیں: -

ت - کر آرسی کی طرح تماشائے خوب رو نت
دل میں کسی بھی عکس نہ رکھ اے تو نا سرشت (ورق ۶۶)

ٹ - زبان اب آہ دل میں غم کی لگی ہے کھٹ پٹ
آنکھوں سے اشک پل پل گرتے ہیں لال پٹ پٹ (۶۷)

ث - نو بہار آئی نہیں آیا مرا لال الغیاث
آہ (کے) داغوں سے دل (گل) ہو وے گا اس سال الغیاث (۶۸)

ج - گلزار میں بہار ہے چل بیگی لال آج
گل توڑ رنگ سیتی ہوا یوں مرا مزاج (۶۹)

ج۔ چمن میں پیل کے سجن پے حباب ساغر کھینچ
بہار رنگ گلستاں کے سر سیں چادر کھینچ (۷۰)

د۔ عید ہے وصل ترا مجکوں حرب دل سو کند
آشنائی سیں تجھے بیری طلب کی سوگند (۷۱)

ر۔ آجاں دیکھ مجکوں قرباں ہوں کس کی خاطر
مانند چشم بسمل حیراں ہوں کس کی خاطر (۷۲)

ڑ۔ تجھ قد کوں دیکھ چمن گلشن میں گیا او کھڑ
تجھ قد کوں دیکھ سروچمن میں گیا او کھڑ (۷۷ ب)

اس ناکمل دیوان میں تقریباً ۰۰ دا اشعار ہیں۔ اور اس کی اکثر غزلوں کی زمینوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مشاعروں کے لئے کہی گئی تھیں۔ کیونکہ میر، سراج، مظہر جان جاناں وغیرہ کی غزلیں بھی انہی زمینوں میں ملتی ہیں۔ غالب کی مشہور غزل (جس کا ایک مصرع ہے:۔ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ) کی زمین میں بھی عاجز کے یہاں ایک غزل موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عاجز کی یہ غزل اتنی مشہور ہوئی تھی کہ اس کے سو سال بعد غالب کے زمانے تک یہ زمین رائج رہی۔

افسوس ہے کہ یہ دیوان ناقص ہے اور کاتب نے نہ اپنا نام لکھا اور نہ سنہ کتابت۔ اواخر تیرہویں صدی کی کتابت ہے۔ اور اس بیاض میں ولی، سراج، رحمن شاہ، مرتبہ، صاحب اور سودا کے منتخب اشعار بھی درج ہیں۔

آغاز:۔

دیکھ اس ذات نیرنگ کوں رنگوں سیں گل پڑا
......تمہاری ذات تنو جیوں گھانس کا بنڈا لڑا

مشرق ستیں سورج تری خوبی کو سُن آیا نکل
ہو برابر کانپ کے پیلا ہو مغرب کو مُڑا

اختتام:۔

غم نے لیا ہے جب سیں مجھے کھینچ میں......
ڈورا نشاط طبع کا من سیں گیا او کھڑا!
عاجز کمند غم میں جگر بند جب سیں ہوں
جیوں بال بند بند بدن سیں گیا او کھڑ

(۱۷۶) قصۂ سیہ پوش [۱۲۸ د]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ۴½ × ۷۔ خط نستعلیق معمولی۔
مصنف رحمن شاہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۲ھ۔

یہ ایک ناقص الاول دکنی مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ تقریباً ۱۵۰ ابیات ہیں۔ آخری بیت میں مصنف نے اپنا نام رحمان شاہ لکھا ہے۔ یہ غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ۱۲۵ میں گزر چکا ہے۔

رحمن شاہ، مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری (خلیفہ شاہ خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ) کے خلیفہ تھے اور ان کے ذریعہ سے خواجہ صاحب کا فیض دکن میں دور دور پہنچا تھا۔ چنانچہ فقیر اللہ شاہ حیدر انہی کے مرید تھے۔ اور ان کا ذکر اپنی کتاب نظم انور میں بہ عنوان "مرید و فقیر شدن بہ خاندان چہار طریق از حضرت رحمان شاہ و مولوی رفیع الدین" کیا ہے۔ دیکھو فہرست ہذا صفحہ ۱۶۱

رحمٰن شاہ کے مرشدوں اور مریدوں میں سب مصنفین اور شاعر گزرے ہیں۔ یعنے خواجہ رحمت اللہ اور شاہ رفیع الدین تو دادا پیر اور پیر تھے۔ اور حسینی بادشاہ اور سلطان محی الدین قادری ان کے خلیفہ اور خلیفہ کے مرید تھے۔ ان سب کی کتابوں کا تذکرہ اس فہرست میں درج ہے۔ (دیکھو مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸۔ ۱۲۵، ۱۲۶۔ ۱۵۶ تا ۱۶۱)

یہ مثنوی ادارے کی بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق ۹۵ تا ۱۰۵ میں درج ہے۔ اسی بیاض میں دیوان عاجزؔ اور ولیؔ، سراجؔ اور مدتیہ وغیرہ کا کلام بھی محفوظ ہے۔

اس مثنوی کی زبان قدیم ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب ۱۱۰۰ھ کے قریب زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آخری بیت میں مصنف کا نام رحمان شاہ صاف لکھا ہے جو ۱۲۴۰ھ کے قریب فوت ہوئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسرے رحمان شاہ ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اصل میں بہت طویل ہوگی کیونکہ ان ۱۵۰ ابیات میں قصہ کا آخری حصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"ایک نوجوان وزیرزادی پر عاشق تھا جو چوّدہ سال کی تھی۔ جس سے ملنے کے لئے سیہ پوش ہوکر وہ رات کو چوروں کی طرح چھپ کر جاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے چوری کے الزام میں اس کے قتل کا حکم دیا۔ وہ رات کو وزیرزادی سے مل کر بیان کرتا ہے کہ کل صبح مجھے بادشاہ قتل کر رہا ہے تو سیہ پوش بن کر ماتم کے لئے سربازار نکل آنا اور جب مجھے چوک میں قتل کرنے لگیں تو اپنے کو ظاہر کرنا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بادشاہ نے وزیر سے یہ راز پوچھا اور جب اس کو حقیقت معلوم ہوئی تو نوجوان کو اپنا بیٹا بنا کر وزیرزادی سے شادی کر دی۔

شاعر نے منظر نگاری بہت اچھی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کا مصنف اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ ذیل میں آغاز و اختتام کے سلسلہ میں زیادہ اشعار پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ کلام کا کافی نمونہ درج ہو۔

آغاز:۔

جواں تھا یہ رہ میں نہایت قدم　　لگا بولنے آہ کردم بہ دم

اگر خوبی اوس کی کہیں گر ہمن　　خدا ایک شاہد ہے مانو تمن!

کہ چوّدہ برس کی ہی وہ نار ہے　　زلیخا سوں خوبی میں طرار ہے

اگر وہ صحن بیچ جلوہ کرے　　فدائی میں سورج پگوں پر پڑے

اختتام:۔

مجھے جگ میں کیوں عشق بازی کہو　　حقیقی اگر یا مجازی کہو

جو کوئی عشق راکھے چھپا دل میں　　سرانجام رکھے اچھے خلق میں

جواں نے لیا عشق آدھی رات کوں　　کئے عشق نے فاش اس بات کوں

جواں چور نیں بلکہ عشاق ہے　　سیہ پوش دختر کا مشتاق ہے

دو نو یار کو بادشاہ نے شتاب　　بلائے طرف اپنے عالی جناب

جو کوئی خاص سلطاں کے ہم دم اتھے　　نہاں راز کے وقت محرم اتھے

وزیراں حریماں دگر بے حساب　　قدم بوس کرتے چلے در رکاب!

خوشی کرتے سلطان اپنے محل　　ہزار آفریں کیا کیا۔ ہے عمل!

برسم نکاح مہربانی کئے　　غرض شہر کی میہمانی کئے!

تماشے سنوارے کتے بے حساب　　سمادے نکو گر لکھوں جو کتاب

نکاح کر دے باشرط اسلام ہے　　کرم شاہ کا اور انعام ہے

حشم اور رقم لاؤ لشکر دیا　　اونہیں منصب خوب برتر دیا

سدا ہور ہمیشہ صبح شام کوں　　رہیں دونوں مل مل کے آرام سوں

گلے لاگ بیٹھے گلے لاگ ہو　　سدا دل کی شادی سوں سب غم کوں دھو

خدایا بحق نبی الکرام! ملا بچھڑے یاراں کو باشاد کام
کیا شاہ رحمان نے قصہ تمام بحق محمد علیہ السلام!

ترقیمہ:—

"و تمت تمام شد ایں قصۂ سیہ پوش"

کاتب نے اپنا نام درسنہ کتابت نہیں لکھا۔

---

(۱۷۷) بیاض اشعار [ج ۱۲۸]

اوراق ۹۴ - سطور ۱۶ - کہیں ۱۰ -
تقطیع ۸ × ۵ ۔ خط نستعلیق -
ولی، سراج، کھمن، داؤد، صاحب،
سودا، قاسم، اخلاص وغیرہ کا کلام۔
کتابت قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک نہایت اہم بیاض ہے جس میں ۱۲۰۰ھ سے قبل کے چند معروف اور اکثر غیر معروف شعرا کے کلام کے منتخبات درج ہیں۔ اس بیاض کا مرتب کوئی صاحبِ ذوق علم دوست تھا جس نے اپنی پسند کے اشعار اور غزلیں اور ترکیب بند نقل کئے ہیں۔ کچھ اشعار فارسی اور ہندی بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ اس لئے زیادہ اہم ہے کہ اس میں اکثر کلام غیر مطبوعہ ہے اور جو مطبوعہ بھی ہے اس کے اکثر اشعار میں کمی بیشی اور الفاظ میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔ بعض اوراق چونکہ درمیان میں غائب ہیں اس لئے چند نظموں اور غزلوں کے ابتدائی یا آخری حصص بھی محفوظ نہیں ہیں اس لئے اس مخطوطے کی جملہ نظموں اور غزلوں کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ تاریخ ادب کے محققین کے لئے سہولت کا باعث ہو۔

۱۔ **ترجیع بند**۔ کسی دکنی شاعر حیرت کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ علی عادل شاہ شاہی کے رنگ میں یہ ترجیع بند لکھا گیا ہے۔ چنانچہ ہندی الفاظ کی اسی طرح کثرت ہے اور بحر بھی وہی ہے۔ بحالت موجودہ جملہ پانچ بند ہیں لیکن یہ کسی طویل ترجیع بند کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

آغاز:—

(چونکہ یہ ترجیع بند ناقص الاول ہے اس لئے ابتدائی ناقص بند کے علاوہ اس کے بعد کا پورا ایک بند بھی نقل کیا جا رہا ہے۔)

کوئی پوچھے درد نہ میرا جی کیوں حال سو تیرا ایسا آتی
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے

میں پیم کبھارن ہوتی ہوں لے راکھ بھبوت مکھ دھوتی ہوں
اس کارن در در ہوتی ہوں دن رین نہیں میں سوتی ہوں
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے

اختتام:—

یو لوگ سبھی رنگ راتے ہیں یو سوگ مرا اُترا تے ہیں
یو جور وجفا سب جاتے ہیں اٹھ حیرت پیم آتے ہیں
جب پیم پیارے آویں گے
مجھ چین امن سب بھاویں گے (ورق ۳۴ الف)

چوتھے مصرعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا تخلص حیرت تھا۔ وہ انداز بیان سے اعلےٰ درجہ کا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کا اور کوئی کلام اب تک دستیاب نہ ہوا۔

۲۔ **ترجیع بند**۔ اس میں ۹ بند ہیں اور ہر بند میں ۵ مصرع۔ آخری دو مصرع ہر بند میں مشترک ہیں۔ آخری بند سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا تخلص غالباً کھن تھا۔ اس کا اسلوب بھی جرأت اور علی عادل شاہ شاہی سے ملتا جلتا ہے۔

آغاز:—

اوس باج سدا جیو ڈوب رہیں
تن جیو بنا کیوں خوب رہیں
کیا قالب کوں اسلوب رہیں
کیوں عاشق بن محبوب رہیں
کیوں طالب بن مطلوب رہیں
اے ہدہد جارے پیہہ کنے سُد تن کی لے جا جیہ کنے

اختتام:—

وو موہن مرا دلدار کہاں
وو لالن مرا عیار کہاں
وو دلبربا اقرار کہاں
وو راز دل اسرار کہاں
وو کھن جانی یار کہاں
اے ہدہد جارے پیہہ کنے سُد تن کی لے جا جیہ کنے
(ورق ۱۳۱ الف تا ۳۲ ب)

۳۔ **غزل**۔ اس کے صرف تین شعر ہیں غالباً آخری اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ زبان اور اسلوب کے لحاظ سے عہد ولی سے قبل کا کوئی شاعر معلوم ہوتا ہے۔

مطلع۔ تاریک کر چلے ہو سجن گھر ہمارے کوں
روشن کرے گا کون سجن اس اندھار کوں

مقطع۔ مدت سوں تیرے غم سوں تڑپتے پڑے ہیں ہم
خوش حال کب کرو گے سجن اپنے پیارے کوں (ورق ۳۱)

۴۔ **غزل**۔ صرف چار شعر ہیں۔ اس میں بھی غالباً آخری شعر حذف کردئے گئے ہیں۔

مطلع۔ پھرتا ہے یو سرجن دیکھو سکھی اگن میں
جیسا صبح سنو بر لہلہ کرے چمن میں

مقطع۔ کیوں کر نماز میری ہووے قبول یارب
سجدا کروں خدا کوں دل ہے بسے سجن میں (ورق ۳۰)

۵۔ **غزل**۔ یہ ۵ اشعار کی غزل ہے۔ ولی کی غزل ہے یا انہی کے کسی ہم عصر کی۔

مطلع۔ کیا کروں آج یار جاتا ہے ..... بات کا شکار جاتا ہے
مقطع۔ یا الٰہی اوسے اماں سوں لجا راہ میں بے ہتیار جاتا ہے (ورق ۳۰)

۶۔ **غزل**۔ یہ ولی کی مشہور غزل ہے۔ صرف ۵ شعر نقل کئے گئے ہیں۔

مطلع۔ صحبت غیر میں جایا نہ کرو درد مندوں کو کڑھایا نہ کرو
مقطع۔ پاک بازاں میں ہے مشہور ولی اوسے چہرے کوں چھپایا نہ کرو (ورق ۳۰)

۷۔ **غزل سراج**۔ ۶ اشعار۔

مطلع۔ دن بدن اب لطف تیرا ہم پہ کم ہونے لگا
یا تو تھا دیبا کرم یا یہ ستم ہونے لگا

مقطع۔ اے سجن ہر رات یہ مصرع ہوا ورد سراج
دن بدن اب لطف تیرا ہم پہ کم ہونے لگا (ورق ۲۹ ب)

۸۔ **غزل ولی**۔ ۵ اشعار۔

مطلع۔ شراب شوق سوں سرشار ہیں ہم
کبھو بے خود کبھو ہوشیار ہیں ہم

مقطع۔ ولی وصل جدائی سوں صنم کے
کبھو صحرا کبھو گلزار ہیں ہم

(ورق ۲۹)

۹۔ غزل سراج ۔ ۹ شعر

مطلع۔ ہے دل میں خیال گل رخسار کسی کا داغوں سوں محبت کے ہے گلزار کسی کا

مقطع۔ ہر رات سراج آتش غم میں نہ جلے کیوں پروانہ تن جاں سوں ہے بلہار کسی کا

(ورق ۲۸ ب)

۱۰۔ غزل عاجز۔ ۵ شعر۔ ان کا منتخب دیوان بھی اسی مخطوطے میں شامل ہے جس کا ذکر علحدہ اس کے بعد درج ہے۔

مطلع۔ عاشقی کی رہ میں آ سر رکھہ قدم کوں بھول جا

راہ جانبازوں کی ہے یہاں مت کہیں پر بھول جا

(پر دم کوں)

مقطع۔ اے پری عاجز کی باتوں پر نظر کر با طرح

ریجھ رنگین فکر گلزار ارم کوں بھول جا (ورق ۲۸ ا)

۱۱۔ ترجیع بند۔ ۱۰ بند ہیں۔

آغاز:—

ارے ظالم تجھ انکھیاں کا لجانا کیا قیامت ہے

لٹک کر سامنے آ مکھہ دکھانا کیا قیامت ہے

لجا کر مکھہ کو گھونگھٹ میانے چھپانا کیا قیامت ہے

دھڑی لب پر جما کر یان کھانا کیا قیامت ہے

شفق اور شام ہو تو مکھہ دکھانا کیا قیامت ہے

اختتام:—

کہو میری طرف سے جا کے اس رس کی رسیلی سوں

کناری اوڑنے والی سوں اس سج کی سجیلی سوں

لگا ہے دل مرا تجھ ہٹ بھری چنچل چھبیلی سوں

...... بہوت تجھ سات لیکن تجھ اکیلی سوں

سمجھ سب راز تجھ مطلب نہ پانا کیا قیامت ہے (ورق ۲۵ ب)

۱۲۔ دوہرے ۔ چھ دوہرے ہیں جن میں سے پہلا اور آخری یہ ہے:—

سونا لاؤں پی گئے اور سونا کر گئے دیس

سونا بھیا نا پی بھئے سو روپا ہو گئے کیس

آہ دیئے کیسے بنے ان چاہت سے سنگ

دیپک کے بھاویں نہیں سو جر جر رو پتنگ (ورق ۲۵)

۱۳۔ غزل حسامی۔ ۸ شعر۔ یہ کوئی غیر معروف شاعر ہیں۔ غالباً ولی کے بعد گزرے ہیں۔

مطلع۔ اس زمانے میں کوئی مونس و غمخوار نہیں

آشنا بہوت ولے یار وفادار نہیں

مقطع۔ تم تو صاحب ہو مروت سوں تمیں کیا کہیے

اور حسامی کوں بجز مطلب دیدار نہیں (ورق ۲۴)

۱۴۔ غزل حیات۔ ۵ شعر۔ یہ بھی غیر معروف شاعر ہیں جو غالباً ولی سے قبل گزرے۔

مطلع۔ خدا کی سوں رے خدا کے لوگو خدا کا ملنا کٹھن بھیا ہے

کس آنکھیں جا کر کہوں حقیقت جگر یہ غم کا وطن بھیا ہے

مقطع۔ حیات غم سوں ہوا دیوانہ رو رو رکت میں سورج کہانہ

خدا گواہ ہے نگہہ کر دیکھو نین کے خوں سیں کہن بھیا ہے

(۲۳ ب)

۱۵۔ مخمس قاسم ۔ ۱۰ بند ۔ ولی کا ہم عصر شاعر معلوم ہوتا ہے۔

آغاز:۔

تم نے مرے مزاج کوں جانا ہے یا نہیں مجکوں ہنوز تم نے پچھانا ہے یا نہیں

اس دشمنوں سوں مجکو لہو چھوڑانا ہے یا نہیں میرے جگر کے داغ لٹانا ہے یا نہیں

اخلاص تمکوں مجھ سیں نبھانا ہے یا نہیں

اختتام:۔

ہے ہے اجل نہ آئی یں کیا کیا بلا کیا مر مر ترے فراق میں اب لگ سخن جیا

اور بار ہا میں زہر کوں کھایا بہت پیا میرے جگر کوں دیکھ پھٹے شیر کا ھیا

قاسم کہو یو تیرا دیوانہ ہے یا نہیں (۳۱ ب)

۱۶۔غزل اخلاص۔ ۶ اشعار۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہیں جو غالباً ولی کے ہم عصر تھے ان کی اور بھی غزلیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔

مطلع۔ اوس روز قیامت ہوا ہے یار کا چلنا
مجھ دل پہ دیا داغ جدائی کا وو ہلنا
مقطع۔ ہے فضل خدا کا وو مجھے دیکھنا تجکوں
امید قوی ہے کہ مجھے یار سیں ملنا (۲۱)

اس سے اوپر ایک شعر میں تخلص اس طرح لکھا ہے:۔

اخلاص محبت میں رہو پیو کی سدا تم
دو دن کی اپس زندگی میں سب ستی ملنا

۱۷۔غزل اخلاص۔ ۱۰ شعر۔

مطلع۔ تجھ عشق بجاں سوز کا حافظ بھی خدا ہے
تجھ ماہ دل افروز کا حافظ بھی خدا ہے
مقطع۔ ہے وعدۂ اخلاص اگر راست توں ل آج
تجھ قول کے اقرار کا حافظ بھی خدا ہے (۲۰)

۱۸۔غزل اخلاص۔ ۶ شعر۔

مطلع۔ دلبر گیا دل چھوڑ ہمارا بھی خدا ہے   ہے ظلم و ستم روز ہمارا بھی خدا ہے
مقطع۔ نہیں شرط ہے اخلاص یہ ہر یک سیتی ملنا   گئے ہم ستیں مکھ موڑ ہمارا بھی خدا ہے

۱۹۔غزل داؤد۔ ۵ شعر۔ یہ اورنگ آباد کے ایک مشہور شاعر ہیں ان کے دیوان کا ایک نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔ جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۴۶ میں اس فہرست کے صفحہ ۳۰۷ پر گزر چکا ہے۔

مطلع۔ انتظاری میں ترے نامہ کے خواب آتا نہیں
بھیجتا ہوں آہ کا قاصد جواب آتا نہیں
مقطع۔ مجکو اے داؤد ایک شب اس کے ہم آغوش ....
گرچہ ہو بستر مخمل تو خواب آتا نہیں (۱۹)

۲۰۔غزل سراج۔

مطلع۔ ہے گلی پیو کی بہشت اوس کوں چمن کیا کہئے
نقش پا پھول سوں بہتر ہے سمن کیا کہئے
مقطع۔ مجلس یار میں جیوں آئینہ حیراں ہے سراج
تاب والی کے مکاں بیچ سخن کیا کہئے (۱۸ اب)

۲۱۔ مستزاد۔ ۵ شعر۔

آغاز:۔

سینہ میں مرے کاری لگا عشق کا بھالا   اے قاتل خونخوار
جانے جو کہاں اب تو بہا خون کا نالا   میں ہوں لگا گلے ہار

اختتام:۔

کیا گلشن دکیا مطرب دکیا آب رہوا ہے   اور ابر ہوا ہے
فرحت کا یہی وقت ہے عشرت میں دے پیالا   اے ساقی دلدار (۱۸)

۲۲۔ دوہرے۔ ۱۳ عدد۔

پہلا۔ اس پیم نگر کے ذکر میں دیکھی الٹی چال
گھایل پین چن مارے سو خونی ہیں خوش حال
آخری بیت جو کرنا ہوں وں ذات سوا تم ہو
جینے جو کو سہرا ہوئے سکانے ہو (؟) (۱۶ اب)

۲۳۔غزل۔ ۱۳ شعر۔

مطلع۔ وہ نو سجن کا جس نے دیا وہ چاند چندر س کا حق نے کیا
وو سورج ہے آپ پیا پر نور ہو مشہور ہوا
مقطع۔ اس خاکی تن کوں چار کروں تیرے صدقے وار کروں
تجھ بن نہ دوجا یار کروں سب ناظر تیں منظور ہوا
(ورق ۱۵ تا ۱۶ اب)

اس غزل میں بعض شعر نہایت اچھے ہیں انداز بیان اور زبان کے لحاظ سے وجہی یا علی عادل شاہ شاہی کے کلام سے مشابہہ ہے۔ ایک شعر یہ ہے:۔

دن رات بیابن سوتی ہوں دو نین انجو بھر روتی ہوں

کمھ لال رکت سوں دھوتی ہوں نت رونا مجھ دستور کروں

۲۴- ترکیب بند- اس میں ۲۹ بند ہیں۔ ہر بند میں تین تین شعر ہیں۔ بعض بندوں کا آخری شعر فارسی ہے۔ بطور واسوخت کے لکھا ہے۔ شاعر نے جملہ اشعار میں معشوق کی بے وفائی کا گلہ شکوہ کیا ہے۔

کیا کرے، دل بھی ان آنکھوں نے ادسے خوار کیا

آپ اوس شوخ نے دل اوس کوں گرفتار کیا

خوار و سودائی بہر کوچہ و بازار کیا

مفت میں مجلوں اس اندوہ ستی بیمار کیا

کچھ نہ میں نے ہی کیا جرم نہ کچھ یار کیا

خوب دیکھا تو ان انکھیوں نے گرفتار کیا

اختتام:-

صحبت بد میں تمہیں آٹھ پہر صحبت ہے

غیر کے ساتھ شب و روز تمہیں خلوت ہے

دیکھ کر طور تمہارے مجھے یہ حیرت ہے

.... تم آدمی زادے ہو یہ کیا غیرت ہے

واہ واچاہئے..... مرد کو یہ رحمت ہے

ایسی برداشت کی اب کس کو میاں طاقت ہے (۷۴ الف تا ۷۵ ب)

۲۵- ترکیب بند- جملہ ۵ بند ہیں۔ اکثر بندوں میں چار شعر اردو اور ایک شعر فارسی شامل ہے۔

آغاز:-

.........کہوں کس ستی اپنا احوال

زلف خوباں کے مرے دل کو ہوے ہیں جنجال

...... پنجہ ستی دل وحشی کوں نکال

کاشکے موت ہو یا دور ہوے سر سوں خیال

تجھ سوا غیر سوں میں اپنا نہ کھولا احوال

تیری ہی ذات سے ہر دم ہے مرا یہی سوال

ساز آباد خدایا دل ویرانہ را........ مسلمانہ را

اختتام:-

تم نے اپنے کوں کئے ہم سے کٹھن ہائے رے ہائے

...... سے مفت لیا یہ من ہائے رے ہائے

نہ سنا تم نے مرا ایک سخن ہائے رے ہائے

دیکھ توں اب بھی سمجھ عہد شکن ہائے رے ہائے (۷۵ ب تا ۷۶ ب)

۲۶- مخمس- صرف تین بند ہیں۔ کسی بڑے مخمس کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

آغاز-

کس ستم کا مرض وو پیدا ہو کر کیتا نڈھال

کیا کروں اس کا بیاں میں جو ہوا ایسا حوال

لوگ سب عاجز ہوئے کہنے لگے ربِّ جلال

یا الہٰی تو شفا دے دور کر یہ مرض کال

سب کہیں دیکھیں رل باقی نہیں کوئی شہ گدا

اختتام:-

میں جہاں جاتا ہوں وہاں غم چھوڑتا نیں ایک تل

اب فکر کیا کیجئے مجکوں بتا دانائے دل

سن کہا دل نے اگر ثابت ہو تم عاشق اصل

غمزدوں کے حق میں آیا ہے احد سے یہ مثل

زندگی اپنی کے تئیں برباد کیوں کرتا نہیں (۷۸)

اس مخمس کے بعد بیاض میں مختلف فارسی اور اردو اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ (دیکھو ۷۸ ب تا ۷۹ ب)۔

۲۷۔ غزل سودا۔ ۹ شعر۔

مطلع۔ باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں
دل لے کے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں

مقطع۔ سودا کے دل سے صاف نہ ہوتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑکے گرہ اس کی کھولیاں (۸۴ ب و ۸۵)

۲۸۔ غزلیات سودا۔ ہر غزل کا پہلا مصرع درج ذیل ہے۔

۱۔ تجھ قید سے جو ہو کر آزاد بہت رویا۔ ۷ شعر۔
۲۔ جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔ ۳ شعر
۳۔ راتوں کو نہیں نیند نہ آرام سحر بھی۔ ۸ ،،

۲۹۔ غزل۔ غالباً عاجز کی ہوگی۔ مقطع نہیں ہے۔ جملہ ۸ شعر ہیں۔

مطلع۔ یہ یاد کیا ہی کہ ترے لٹ پلٹ گئے
ناگن کے بھانت ڈس کے مرا دل الٹ گئے (۸۲ ب)

۳۰۔ غزل سراج۔ ۷ شعر ہیں۔

مطلع۔ تجھ پر ہوا ہوں دل سوں فدا جان کی قسم
ثابت ہوں تیرے دین پر ایمان کی قسم

مقطع۔ سر دے کہ پیم باٹ میں مثل سراج آج
غازی ہوا ہوں عشق کے میدان کی قسم (۸۱ ب)

۳۱۔ مخمس ذوقی۔ ۵ بند۔ احمد کی غزل کی ذوقی نے تخمیس کی ہے جس میں مضامین تصوف نہایت شاعرانہ کمال سے بیان کئے ہیں۔ بحر العرفان سید شاہ حسین ذوقی ایک صوفی منش دکنی شاعر تھے جنھوں نے کئی مثنویاں مثلاً وصال العاشقین، غوث نامہ، وفات نامہ، منصور نامہ وغیرہ لکھی تھیں۔
(دیکھو دکن میں اردو ص ۲۱۱)

آغاز:—

عشق کا پینڈا ہے دور وہ سے سیدھی باٹ جا
راہ کا توشہ ہے یو، دل کو نکو بانٹ جا
حرص و خودی میل ہے پہلے اوسے چھانٹ جا
عشق کبل ہے کبل اس کی نکو باٹ جا
پہنے تو سینی منے دل کا لہو آنٹ جا

اختتام۔

کاتب شکلیں قلم کن سنی ماریا رقم
نکتۂ قالو بلیٰ یاد رکھو دم بدم
ذوقی نصیبا ہے یو بیش نہ ہووے نہ کم
عشق منے احمدا جو رکھے ثابت قدم
جیب ستے جیو کے ان کے چرن چاٹ جا

۳۲۔ غزلیات نامعلوم۔ دونوں کے مطلع درج ذیل ہیں۔

۱۔ اے سجن برہ کا کھلونا ہوں عاشق بیچ مرکے جونا ہوں (۵ شعر)
۲۔ ہم سات راہ عشق میں مت کر تو گفتگو رسوا ہیں راہ عشق میں ہم پر جو ہو سو ہو (۳ شعر)
(ورق ۸۰ ب)

۳۳۔ غزل صاحب۔ ۵ شعر۔ رائے لچھمی نارائن شفیق و صاحب، فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے مشہور اورنگ آبادی شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا تذکرہ "چمنستان شعرا" چھپ چکا ہے۔

مطلع۔ بہار آئی جنوں نے سر اوٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

مقطع۔ ہزار افسوس اے صاحب کہ اوس کے طاق ابرو پر
یہ دل کا شیشہ تونے یوں رکھایا ہے خدا حافظ (۸۰)

۳۴۔ غزلیات یقین۔ ۳ شعر۔ انعام اللہ خاں یقین کے دیوان کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں (دیکھو فہرست ہذا صفحات ۹۷ و ۱۰۰)۔

مطلع۔ عمر آخر ہے جنوں کرلے بہاراں پھر کہاں
ہات مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں

مقطع۔ ہے بہشتوں میں یقینؔ سب کچھ ولیکن درد نیں
بھر کے جی رو لیجئے یہ چشم گریاں پھر کہاں (۷۹ ب)

دوسری غزل کے اشعار کرم خوردہ ہیں۔ اس کا ایک شعر ہے :۔

باغباں در نہ بند کر کے دگر — ہم کہاں تو کہاں بہار کہاں

اس کے بعد متفرق فارسی اشعار نقل کئے گئے ہیں۔

اس مخطوطے میں شمالی ہند کے صرف دو مشہور شعرا یعنے سوداؔ اور یقینؔ کا کلام منتخب کیا گیا ہے۔ اور زیادہ تر کلام سنہ ۱۱۰۰ھ کے قریب کے ایسے دکنی شاعروں کا ہے جن میں سے بعض پہلی بار اُردو دنیا میں روشناس ہو رہے ہیں۔

(۱۷۸) منتخب دیوان مدینہ [۱۲۸/د]

اوراق ۸۔ سطور ۱۶۔
تقطیع ۴½ × ۷ خط نستعلیق۔
مصنف مدینہ۔ قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ ایک دکنی شاعر کا منتخب کلام ہے جس کا تخلص مدینہ ہے۔ چونکہ اس تخلص کے کسی شاعر کا اب تک حال معلوم نہ تھا اور خود یہ تخلص بھی عجیب وغریب ہے اس لئے اس کے کلام کا کافی نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ شاعر کے دکنی ہونے کا ثبوت اس کی زبان کے علاوہ حسب ذیل شعر سے بھی ملتا ہے۔

کیوں نہ مسند پہ زیب دیوے گا — دو جو شہ عشق کے دکھن کا ہے (۹۴)

اس شاعر کے چند مقطع یہ ہیں :۔

اے مدینہ تو یار کن بکو، — سخن دام با وزن کا ہے (۹۴)
دل جلوں کا بیاں کہوا دس سیں — اب مدینہ کی یہ صدا ہے یار (۹۳ ب)
داد خواہ آیا مدینہ تجھ کنے — داد دے اوس خستہ دل خوار کوں (۹۳ ب)
ترا دیکھنا مجکوں بس ہے پیا — مدینہ سا عاشق تو معشوق میرا (۹۳)
یہ تو شعر مدینہ عاشق سیں — ترس پیارے کی کیا ادا ہے جی (۹۲ ب)
اب مدینہ کے سخن دنیا منے ظاہر ہویں
دو جو عاصی ہے ترا توں ہے ربا سانچا غفور (۹۲)
آتش غم سوں دل ہوا ہے کباب — اب مدینہ کو مت جلا جانی (۹۱ ب)
یک پل نہیں تغافل تجھ یاد سے مدینہ — تجھ نام کی سمرن سے ہمیشہ کیا کروں (۹۱)
کیا ہوں درد دل کا میں سنوا رے سنگ دل ظالم
سخن عاشق مدینہ کا پسند پیاری کوں آجاوے (۹۱)
یہ مدعا ہے دل میں جی کوں نثاروں تم پر
جاوے مدینہ مر کر پیارا رہے سلامت (۹۰ ب)

اس مجموعہ میں تقریباً دو سو اشعار ہیں۔ اور یہ دراصل بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق نمبر ۸۶ تا ۹۴ پر مشتمل ہے۔

آغاز :۔

یار میرا سرد چمن کا ہے — شمع مجھ دل کے انجمن کا ہے
وو نزاکت میں مثل قد الف — وو نازاں یار سمن کا ہے

اختتام :۔

جا بجا چکی ہے چولی جھوک جاتی ہیں نین
پھر میری آنکھوں سے آنکھیں کیوں ملا کر آئے ہو
یک بیک اغیار ہو گئے ہم ستی پیارے تمن
سچ کہو اب نینہ کس سے تم لگا کر آئے ہو

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

(۱۷۹) قصۂ رسیا [۱۲۸/۵]

اوراق ۴ - سطور ۱۲ -
تقطیع ۴½ × ۶ - خط نستعلیق -
زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۰۰ھ ہجری -

یہ تقریباً ۴۰ ابیات کی ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جو بیاض نمبر ۱۲۸ کے اوراق ۱۰۶ تا ۱۰۹ میں نقل کی گئی ہے۔ مصنف اور زمانۂ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ اس مثنوی میں عمدہ نگر یا عمدالملک نگر کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"ایک شہر عمدہ نگر تھا جس کے بادشاہ کا نام عمدۃ الملک تھا وہاں بہت سی سپاہی زادیاں بھی رہتی تھیں۔ ایک رسیا سوداگر حسن کی جنس کے بیوپار کے لئے وہاں جایا کرتا تھا۔ وہ بہت ہوشیار اور حسن کو پرکھنے والا تھا۔ ایک روز اس شہر میں کسی کی شادی ہو رہی تھی اور ہر طرف رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں اس رسیا سوداگر نے بھی ستار ہاتھ میں لے کر گانا اور بجانا شروع کیا۔ اس شہر میں فہم نام ایک لڑکی تھی جو خوش حال اور صاحب ذوق تھی۔ اس نے رسیا کے نغمے سن لئے اور اس پر عاشق ہو گئی۔ رسیا بھی سمجھ گیا کہ میرا تیر نشانہ پر لگا۔ فہم نے اپنی ایک سہیلی کو رسیا کے یہاں روانہ کیا اور اپنا پیام محبت کہلا بھیجا۔ سہیلی نے تفصیل سے فہم دختر کا حال بیان کیا اور اس کی بے تابی اور اشتیاق کو ظاہر کیا۔ اس کے جواب میں رسیا نے کہنا شروع کیا کہ اے سرو نزاکت تو چنچل ہے اور دو جگ کے لئے آفت کا باعث"

اس کے بعد کاتب نے نقل کرنا ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا پچھلا صفحہ خالی ہے اور یہ مخطوطہ اسی ورق پر ختم ہو جاتا ہے۔ ابتدا میں شاعر نے عشق کی کیفیات پر چند ابیات لکھی ہیں اور پھر اصل قصہ شروع کر دیا ہے۔ حمد و نعت اور سبب تالیف کچھ بھی نہیں لکھا۔

آغاز:-

عشق کے زور سے قصہ بناؤں ..... زناں کوں رہ پہ لاؤں
عشق نیں تو نماز اُن پر دا نہیں عشق نیں تو درود واں بی روا نیں

اختتام:-

محبت کے سخن خوشیوں سے بولا دو موتی عشق کے دریا سے رولا
کہو چنچل تو ہے سرو نزاکت قیامت ہے بلا دو جگ کی آفت

کوئی ترقیمہ نہیں ہے -

---

(۱۸۰) چہار کرسی [۷۴]

اوراق ۵ - سطور ۱۴ -
تقطیع ۶ × ۸½ - خط نستعلیق شکستہ -
مصنف محمد اشرف الدین - زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ بمقام بودھن -

پنج وقتہ نماز اور اس کے لوازمات سے متعلق اردو نثر کا یہ چھوٹا رسالہ محمد اشرف الدین عرف داماد میاں خطیب بودھن نے غالباً اپنی دختر یا عجادج "بیگم جانی" کے لئے قلمبند کیا تھا۔ یہ مصنف راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقار الدین خطیب بودھن کے بڑے بھائی تھے اور چونکہ موخر الذکر اُن سے عمر میں بہت چھوٹے تھے اس لئے بودھن کی موروثی خطابت اپنی اولاد کی جگہ انہی کے تفویض کر دی تھی۔

آغاز:۔

"فرض وضو کے چہار۔ اول دونوں ہات دھونا۔ دوسرا مو' دھونا۔ اس کان کی لوکی سے اوس کان کی لوکی تک۔ تیسرا پاؤ سر کا مسح کرنا۔ چوتھا پاؤں دھونا ٹخنو تک۔"

اختتام:۔

"نیت روزہ بانہ کے چہار گھڑی رات باقی رہے پر باندنا سو۔ تہی فرض نیت ہے سبحان کا میں کل روزہ رکھتا ہوں رمضان کا"

اس کے بعد عربی ادعیہ (التحیات اور دعائے قنوت) درج ہیں۔

ترقیمہ:۔

"ایں کتاب برخورداری بیگم جانی طال اللہ عمرہا و قدرہا بقلم محمد اشرف الدین عرف دامومیاں خطیب پرگنہ بودھن"

یہ کتاب راقم الحروف نے ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کی ہے اور اس کے آخر میں یہ دستخط ثبت ہیں:۔

"از کتب خانہ حضرتہ قادر بی بی صاحبہ۔ تحفہ بہ کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو۔ سید محی الدین قادری زور ۱۳۵۸ھ"

(۱۸۱) مجذوب السالکین [۶۸۰]

اوراق ۶۵۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ۳/۴ ۵" × ۳/۴ ۸"۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔

مصنف سید امین۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔

سنہ کتابت قریب ۱۲۴۳ھ۔

یہ دکنی نثر میں ایک ضخیم رسالہ ہے جس میں جگہ جگہ فارسی، ہندی، مرہٹی اور دکھنی اشعار و اقوال اور عربی آیات و احادیث درج ہیں۔ مصنف نے اپنا اور اپنے مرشد کا نام اور مشرب "سبب تالیف" میں اس طرح لکھا ہے:۔

"سید امین فقیر بندہ شاہ خواجہ عارف گنج بخش کا۔ ہور اسرار ہمارا امینیہ، ہور سلسلہ ہمارا خواجۂ خواجگان چشت، ہور فقیر ہم چشتیہ، ہور خانوادہ ہمارا ادہمیہ، ہور گروہ ہمارا عبدالواحد بن زید سے، ہور مذہب ہمارا صوفیہ، ہور مشرب ہمارا ابجھے تو میں چاہتا ہوں کہ ذکر کروں۔"

اثنائے کتاب میں بھی ایک جگہ مصنف نے اپنے سلسلۂ بیعت کو ظاہر کردیا ہے۔ مشاہیر صوفیہ کے بیان میں وہ کہتے ہیں:۔

"ہور ہیچ زمانے دوسرے سانگڑے سلطان، ہور شاہ راجو قتال، ہور خواجہ بندہ نواز ہور مانند ان کے کتے درویش صاحب سلوک، ہور خواجہ بندہ نواز سے جمال مغربی، ہور ان سے کمال بیابانی، ہور اون سے میرانجی شمس العشاق، ہور اُن سے حضرت شاہ برہان صاحب ہور اون سے امین الدین اعلیٰ صاحب ہور اونسے باباشاہ حسینی صاحب ہور اُن سے خواجہ من عرف گنج بخش صاحب ہور اُن سے خواجہ عارف گنج بخش صاحب ہور وہاں سے تا صد امین فقیر تک" (ورق ۱۸ ب)

مصنف علاقہ مرہٹواڑی کے باشندے تھے۔ چنانچہ حسب ذیل مرہٹی اقوال کتاب میں جگہ جگہ درج کئے ہیں۔

ہور مرہٹی سن "جسے میلا ایکلا تے مسلمان زہالا"

ہور مرہٹی سن "کھان پینے جیسے مولا سرا شری للا سنے اسنتولا"

ہور مرہٹی سن "جا مندی نا ناہیں گیان ناہندو نہ مسلمان" (ورق ۲۴ ب)

" " " "آپ میلا جگ بوڑالا" (ورق ۴۵)

اس کے علاوہ حضرت سانگڑے سلطان مشکل آسان کا بھی ذکر کیا ہے جو مرہٹواڑی کے مشاہیر اولیا سے ہیں اور جن کی درگاہ پر ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز خواجہ بندہ نواز نے حاضری دیکر فیضان حاصل کیا تھا۔ سانگڑے سلطان کا نام سید علی تھا اور یہ راقم الحروف کے جدامجد ہیں ۔ ان کی درگاہ قندہار شریف ضلع ناندیڑ میں زیارت گاہ خلایق ہے۔ اور ان کا ایک چلّہ قلعہ دولت آباد میں بھی موجود ہے۔

مصنف نے اپنی زبان کو دکھنی کہا ہے۔ وہ سبب تالیف میں لکھتے ہیں :-

"میں چاہتا ہوں کہ مذکور کروں صوفیائے ہردو قوم کا
بیچ دکھنی زبان کے" (ورق ۳)

اس کتاب کا موضوع جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہوا ہندو اور مسلمانوں کے مشاہیر صوفیا کے اقوال اور ان کے متفقہ و مشترکہ ایقانات کی تشریح ہے ۔ ایک اور جگہ اس کتاب کے موضوع کے متعلق لکھتے ہیں :-

"یوں ہر یک قوم اپنی اپنی زبان میں علحدہ علحدہ ناؤں
رکھے ہیں تو میرے جیو میں آیا کہ مسلمانی ہور ہندوی
مذہبی لفظاں جمع کر کر واسطے صوفیانِ ہر دو قوم
کے ایک رسالہ بناؤں تا کہ صاحب منصفوں کے
کام آئے" (۱۳ ب)

اس سلسلہ میں دو تین صفحات کے بعد کتاب کا نام اس طرح ظاہر کیا ہے :-

"اب مذکور کتاب کا سن کہ جس کا ناؤں
"مجذوب السالکین" رکھیا ہوں" (ورق ۱۴ب)

یہ کتاب حمد و نعت کی طویل عبارتوں سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد سبب تالیف کے بیان کے لئے بھی مصنف نے کئی صفحات وقف کئے ہیں۔ اس کے بعد پانچ عناصر کا حال شروع کیا ہے۔ کتاب کو باضابطہ ابواب اور عنوانات میں تقسیم نہیں کیا ہے بلکہ مسلسل لکھتا جاتا ہے۔

چونکہ اس میں مشاہیر دکھنی شعرا کے اعلیٰ پایہ کے اشعار درج ہیں جو دوسری جگہ اس کثرت سے نہیں ملتے اس لئے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

شعر۔ جگ کی بنایا آرسی دیکھو تو اپنا مکھ دسے
عزت سے کیتا نگڑے ہور ہر نگڑے میں بھی تو بسے

رباعی۔ کل رات تیرے غم ستے دل پائمال تھا
تو تھا دمیں اتھا و تمہارا خیال تھا
آئے ہیں دل میں یاد تمہارا دکا کیا
وہ بہانچہ کہیں چھپا ہے وگرنہ اتال تھا

(۱۹ ب)

نظم۔ جس دل سوں پیو کی صورت مورت ہو من بسی ہے
سب صورتاں چھپا کر سب میں اپی دسی ہے
جیو آرسی ہے پیو کی پیو آرسی ہے جیو کی
پیو جیو میں جیو پیو میں کیا بات رس مسی ہے (۲۲ب)

شعر۔ صورت پہ اعتبار نہ رکھو جیسے ہیں جیواں
وہ تو باندر دم دھریں یہ لانڈے باندر خاں

کتاب کا سنہ تصنیف کہیں درج نہیں ہے لیکن زبان اور مصنف کے حالات کے لحاظ سے [illegible] سے قبل کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے لیکن حاشیہ پر کاتب نے حسب ذیل عبارت

لکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۳۴ھ کے قریبی زمانے میں نقل کی گئی ہے ۔

"دوہرہ زبانی محمد علی شاہ درویش بتاریخ ۱۴ شوال ۱۲۳۳ہجری نظم آمدہ

پارس تیں پاگین بھیا سو پارس کچا

پارس تیں پارس بھیا سو پارس سچا" (ورق ۱۶)

یہ محمد علی شاہ غالباً وہی ہیں جن کی دو کتابیں "دین دیپک" اور "ایمان درپن" ادارے میں محفوظ ہیں اور ان کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطات نمبر ۱۲۱ و ۱۲۲ میں صفحات ۱۵۵ تا ۱۵۸ پر درج ہے ۔ وہ اسی زمانہ میں موجود تھے اور ۱۲۴۲ہجری سے قبل کتاب "دین دیپک" لکھی تھی ۔

اس کتاب کے صفحہ ۷۴ کے حاشیہ پر سوامی پرشاد کالیستھ اصغر کا فارسی کلام بھی بعنوان "کبت در فارسی ترجمۂ ہندی تصنیف سوامی پرشاد کالیستھ کہ اصغر مخلص است" درج کیا ہے ۔

آغاز :۔

"شروع کرتا ہوں میں ناؤں سے اوس کے کہ اویک ناؤں نہیں رکھتا ہے جس ناؤں سے بولاے تو سر اوپر لیتا ہے ۔ فاما عارفوں نے ہر دو قوم کے دس ناؤں نکالے ہیں ۔"

اختتام :۔

"لیکن اگر مسلمانی ہور ہندوی کتاباں کا ہور بیدوں کا مذکور کرتا تو عبارت دراز ہوتی ۔ اس واسطے اب مختصر بھلا ہے کہ ہر ایک کے فہم میں بیگی آوسے گا ۔"

(۱۸۴) حقیقت الصلواۃ [۶۷۰]

اوراق ۱۹ ۔ سطور ۱۱ ۔
تقطیع ۶" × ۹" ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف سید احمد و عبدالحی ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۳۰ھ
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ ۔

اردو نثر کے اس رسالے میں نماز کی خوبیوں اور اس کے التزام کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے ۔ آخر کتاب میں جو ترقیمہ ہے اس میں اس کتاب کی تصنیف کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

"الحمد کی تفسیر زبان ہندی میں جو حضرت امیر المومنین امام العارفین سید المسلمین قدوۃ السالکین پیر و مرشد حضرت سید احمد صاحب نے نفع پہنچائی ۔ اللہ ہم کو اور سب مسلمان بھائیوں کو اون کی بقا سے اور زائد کرے وفیض اور ارشاد اون کا ۔ آپ اپنی زبان فیض و ہدایت ترجمان سے فرما کے جامع علوم ظاہری اور باطنی جناب مولنا عبدالحی صاحب دام فیوضہ سے تحریر کروائے اور حقیقت صلواۃ کی خوبیاں ۔"

کتاب کے موضوع کے بارے میں اثنائے کتاب میں لکھا ہے کہ :۔

"حضوری بغیر تاثیر دل کے میسر نہیں ۔ اور تاثیر دل کی بدوں دانستن معانی الفاظ کے حاصل نہیں ۔ اسی واسطے جو کچھ نماز میں ہے معنی اوس کے ہندی زبان میں محاورے کے موافق کہے ہیں کہ اکثر غریب لوگ جو اون معنوں سے مطلق بے خبر ہیں سمجھ کے حضور دل سے نماز گزاریں"

یہ کتاب اردو نثر کے ان متعدد رسائل میں سے ایک ہے جو سید احمد شہید بریلوی کی تحریک اصلاح مسلمانان کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں۔ سید احمد صاحب نے بعض کتابیں اس طرح لکھیں کہ وہ کہتے جاتے تھے اور ان کے معتقدین مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسمعیل شہید لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ کتاب "صراط مستقیم" کی تالیف کے سلسلہ میں وقائع احمدی کے حوالے سے مصنف "سیرت سید احمد شہید" نے لکھا ہے :-

"سید صاحب اپنی زبان سے فرماتے اور مولٰنا عبدالحی صاحب مولٰنا اسمٰعیل صاحب اس کو تختی پر لکھ لیتے۔ پھر آپ کے سامنے پیش کرتے۔ آپ اس میں اصلاح و ترمیم کرتے، کبھی دوبارہ لکھواتے، ایسا بھی ہوا ہے کہ پانچ بار تختی پر لکھ کر سید صاحب کو سنایا اور آپ کو پسند نہ آیا۔ اور پانچ بار وہ عبارت دھوئی گئی۔ اس کے بعد آپ کے حسب دلخواہ ہوئی اور کتاب میں درج کرنے کا حکم دیا۔" (ص۹۰)

معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح یہ کتاب بھی مولوی عبدالحی صاحب سے لکھوائی گئی ہے جیسا کہ زیر نظر نسخے کے ترقیمے کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب کا تعلق شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان سے تھا۔ وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے داماد اور سید احمد شہید کے خلیفہ اور سب سے بڑے معتقد تھے۔ انہی کی وجہ سے محمد اسمعیل شہید بھی سید صاحب کے معتقد اور رفیق ہو گئے تھے۔ انہوں نے جہاد میں سید صاحب کا ساتھ دیا اور بمقام خیر ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات "سیرت سید احمد شہید" کے صفحات ۲۶۵ تا ۲۷۳ پر درج ہیں۔ لیکن اس کتاب "حقیقت الصلوٰۃ" کا ذکر تعجب ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے معتقدین کی تصنیفات میں کہیں نہیں ملتا۔

آغاز :-

"چاہیئے حمد خدا اور نعت رسول کے ارباب دانش پر ظاہر ہو جیو کہ مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانے اور اوس کی صفات جانے اور اوس کے حکم معلوم کرے اور مرضی نامرضی اوس کی تحقیق کرے کہ بغیر اس کے بندگی نہیں اور جو بندہ کہ بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں۔ اور بڑی بندگی نماز ہے۔"

اختتام :-

"ولا الضالین اور نہ گمراہ یعنے کافر ہرچند اون سے بھی کبھی کوئی کام اللہ کی رضامندی کا ہو جائے۔ پر اون کی راہ بھی ہرگز نہیں مانگتا۔ اون کے نصیب وہ رضامندی نہیں کہ جو آخرت میں فائدہ دے۔"

اس کے بعد ترقیمے کے طور پر جو عبارت تھی وہ پہلے درج کردی گئی ہے۔ ایک صفحہ چھوڑ کر پھر اسی کاتب نے رسالۂ جہاد نقل کیا ہے۔ لیکن اس کے آخر میں بھی نہ اپنا نام لکھا ہے اور نہ سنہ کتابت۔ البتہ اسی کاتب نے رسالۂ "تقویۃ الایمان" ۱۲۴۵ھ میں نقل کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی ساتھ حیدرآباد میں اس وقت نقل کی گئیں جب سید محمد علی صاحب رام پوری اور ولایت علی صاحب عظیم آبادی اپنے مرشد سید احمد صاحب کے حکم سے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے حیدرآباد آئے ہوئے تھے اور نواب مبارز الدولہ برادر نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع نے ان کے ہاتھ پر

بیعت کی اور حیدر آباد میں ہزاروں آدمی ان دونوں کے گرویدہ ہوگئے تھے۔

---

(۱۸۳) رسالۂ جہاد [۶۷۱]

اوراق ۳۰ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق - عنوان سرخی میں -
زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۴۳ھ -
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ -

یہ رسالہ مولوی سید احمد صاحب کی ایک خاص تحریک جہاد کے متعلق نہایت مدلل اور بسیط لکھا گیا ہے - حمد و نعت کے مضامین بھی تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں - پھر سبب تالیف کے طور پر لکھا ہے کہ :-

آگے یوں عرض کرتا ہے کہ یوں تو کتابیں ہر طرح کیں لوگوں میں رائج ہیں اور مضامین رنگارنگ سے ایک عالم اطلاع رکھتا ہے لیکن اس زمانے کے مناسب باتیں اور ہیں - کچھ اوس میں سے فقیر بیان کرتا ہے جیوں جیوں زمانہ گزرے گا ہمارے کلام کا مزہ لوگوں کو زیادہ ہووےگا - آخر سب اسی راہ پر آویں گے ہمارے حق میں دعائے خیر کریں گے۔

اس رسالے میں جملہ ۸ فصلیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱ - دنیا کی ناپائداری اور موت (۲ب) ۲ - ترغیب جہاد (۵ ب)
۳ - مولوی اور شرک و بدعت (۱۵ا) ۴ - ہجرت (۱۹ ب)
۵ - امام کے تابعدار (۲۱ ب) ۶ - جہاد جانی (۲۴ ا)
۷ - جہاد مالی (۲۵ ب) ۸ - زکواۃ (۲۷ ا)

اس رسالہ کے مصنف کا نام بھی معلوم نہ ہوسکا. لیکن یہ بھی سید احمد شہید کی لکھی یا لکھوائی ہوئی ہوگی۔

خود مولانا اسمٰعیل شہید نے جہاد پر کئی طویل خطوط لکھے تھے جو بجائے خود کتابیں ہیں -

آغاز:-

”کہاں تک اوس مہربان رحم والے کا شکر بیان کیجیے اور کس مونہہ سے اوس کی بڑائی کیجیے کہ بعد ایک مدت مدید کے پھر آئین جہاد کی تازہ کی اور خوش خبری دعوت اسلام کی عالم میں بلند فرمائی“

اختتام:-

جو مال تھوڑا ہو اور بھیجنے کے لائق امام وقت کے پاس نہو تو لاکر ایک جگہ خلفائے معتبرین کے پاس جمع کروادیں۔ پھر جب زیادہ جمع ہووے تو بھجوانے کی تدبیر کریں تا وہاں مجاہدین کے خرچ میں آوے - اللہ تعالیٰ اون کے ذمہ سے یہ فرض ساقط کرےگا اور مشارکت جہاد میں نصیب کرےگا - تمام شد“

کوئی ترقیمہ نہیں ہے - لیکن اسی کاتب نے ۱۲۴۸ھ میں ”تقویۃ الایمان“ نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب بھی اسی زمانہ میں نقل کی گئی تھی۔

---

(۱۸۴) تقویۃ الایمان [۶۷۲]

اوراق - ۲۸ - سطور ۱۱ -
تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق -
عنوان اور آیتیں سرخی میں -
مصنف محمد اسمٰعیل شہید - سنہ تصنیف ۱۲۳۵ھ -
سنہ کتابت ۱۲۴۸ھ -

اردو نثر کی یہ کتاب مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی کا مشہور رسالہ ہے جس میں انہوں نے مولوی سید احمد صاحب کی تحریک کے مطابق مسلمانوں کو دین اسلام سے واقف کرایا ہے۔ اور اپنے بیانات کی تائید میں آیات قرانی، احادیث، اور مختلف کتب دینی سے استفادہ کیا ہے۔ مولوی اسمٰعیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے۔
سبب تالیف میں رسالۂ "حقیقت الصلواۃ" کی طرح لکھا ہے کہ :-

"اما بعد اوس کے سننا چاہئے کہ آدمی سارے
اللہ کے بندے ہیں اور بندہ کا کام بندگی ہے۔
جو بندہ کہ بندگی نہ کرے وہ بندہ نہیں اور اصلی
بندگی ایمان کا درست کرنا ہے"

اس موقع پر "حقیقت الصلواۃ" میں لکھا ہے کہ :-

"جو بندہ کہ بندگی بجا نہ لاوے بندہ نہیں۔ اور بڑی
بندگی نماز ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے جملہ مشاہیر ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔
مصنف نے پہلے سبب تالیف کے سلسلہ میں ایک طویل تمہید لکھی ہے جس میں اپنے عقاید کو واضح کیا ہے جو دراصل اس کتاب کا موضوع ہیں۔ اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کے دو ابواب کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

"اس رسالہ کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا اور
اس میں دو باب ٹھرائے - پہلے باب میں بیان
توحید کا اور برائی شرک کی - دوسرے باب میں
اتباع سنت کا اور برائی بدعت کی"

یہ کتاب چھپ چکی ہے - چنانچہ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر ہے جو ۱۳۰۳ھ میں مطبع صدیقی لاہور میں تذکیر الاخوان اور تہذیب الاخوان کے ساتھ چھپا تھا۔
مولوی اسمٰعیل صاحب نے "تقویۃ الایمان" میں صرف پہلا ہی باب لکھا تھا اس لئے ان کے دوسرے باب کی تکمیل محمد سلطان نے ۱۲۵۸ھ میں کی اور اس کا نام "تذکیر الاخوان" رکھا۔ اس کے سبب تالیف میں لکھا ہے :-

"محمد سلطان کے دل میں ارادہ اس کے ترجمہ کا ڈالا
سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی بولی میں
شروع کیا اور تذکیر الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان
اس کا نام رکھا"

"تقویۃ الایمان" کے باب اول (یعنی زیر نظر نسخے) میں حسب ذیل پانچ فصلیں درج ہیں :-

۱ - شرک سے بچنے کا بیان ۲ - اشراک فی العلم
۳ - اشراک فی التصرف ۴ - اشراک فی العبادت
۵ - اشراک فی العادت

مولوی اسمٰعیل شہید نے یہ کتاب لکھنؤ کے سفر کے زمانہ میں لکھی جب کہ وہ اپنے مرشد سید احمد شہید کے ساتھ معتمد الدولہ کی دعوت پر رائے بریلی سے

گئے تھے اور اپنے مواعظ و مباحث کی وجہ سے پورے لکھنو میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ اس کتاب نے تمام ہندستان کے علما میں مخالفت اور موافقت کا ہنگامہ گرم کر دیا۔ اس کی تالیف کی نسبت مولف "سیرت سید احمد شہید" نے حسب ذیل معلومات قلمبند کی ہیں:۔

"آپ نے پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی اس کے بعد اردو میں لکھی۔ لکھنے کے بعد خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب، مولنا عبدالحی صاحب، شاہ اسحٰق صاحب، مولنا یعقوب صاحب، مولوی خیرالدین صاحب مراد آبادی، مومن خاں صاحب شاعر، عبداللہ خاں صاحب علوی (استاد امام بخش صہبائی، و مولنا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے "تقویتہ الایمان" پیش کی اور فرمایا کہ یہ کتاب میں نے لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے .... ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے ضرور شورش ہوگی اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لئے میں اس کام سے معذور ہو گیا .... اگر آپ حضرات کی رائے اس کی اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہئے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہئے اس پر مولنا عبدالحی صاحب..... مومن خاں صاحب نے مخالفت کی....... یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے...... چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی۔ اشاعت کے بعد مولنا شہید حج کو تشریف لے گئے۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اس کے خلاف میں کتابیں بھی لکھی گئیں اور مولنا اسمٰعیل شہید پر ہر جگہ سے کفر کے فتوے دئے جانے لگے۔ چنانچہ اب تک بعض علما ان کو کافر ہی سمجھتے ہیں۔ ادارے کے کتب خانہ میں بھی اس کتاب کا ایک جواب "رد وہابیہ" موجود ہے جس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۱۸۵ میں درج ہے۔

آغاز:۔

"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اور سچا دین اپنا بتایا اور سیدھی راہ پر چلایا اور اصل توحید سکھایا اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا۔"

اختتام:۔

اسی طرح اپنے فضل سے بدعت اور سنت کے معنے خوب سمجھا اور مجھے رسول اللہ کا مضمون خوب تعلیم کر اور بدعت کے بد رسموں میں سے نکال سنی پاک مطیع سنت کر۔ آمین یا رب العالمین۔

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد رسالۂ "تقویتہ الایمان" بتاریخ ہشتم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ"

کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔

(۱۸۵) ردِ وہابیہ [۴۶۷]

اوراق ۴۴ ۔ سطور ۱۷ ۔
تقطیع ½۵ × ½۹ ۔ خط نستعلیق پاکیزہ
عنوانات سرخی میں ۔ قدرے کرم خوردہ
مصنف محمد ظہور علی ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ
سنہ کتابت ۱۲۷۲ھ ۔ بمقام کرنول ۔

اردو نثر کا یہ رسالہ مولٰنا اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" کے جواب میں لکھا گیا ہے اور اس میں مولوی سید احمدؒ مولوی عبدالحی (دیکھو فہرست ہٰذا مخطوطہ ۱۸۲ تا ۱۸۴) اور دیگر مشاہیر علمائے اہل حدیث کی غلطیاں بیان کی گئی ہیں ۔

سبب تالیف میں مصنف لکھتا ہے کہ آج کل مذہبی معاملات میں جو اختلاف پھیلا ہوا ہے اس کی تحقیق کے سلسلہ میں : ۔

"اس عاجز نے ایک شخص سے پوچھا کہ حقیقت
اس قصے وجھگڑے کی کیا ہے ۔"

اس عبارت میں لفظ شخص کی وضاحت حاشیہ میں اس طرح درج ہے : ۔

"از لفظ شخص را ذات بابرکات جامع معقول و
منقول حاوی فروع واصول مولٰنا فضل الرسول صاحب
مدظلہ الواہب باید فہمید ۔"

اس کے آگے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مولف محمد ظہور علی، مولٰنا فضل الرسول بدایونی کے مرید تھے ۔ اور انہوں نے اپنے شکوک رفع کرنے کی خاطر اپنے مرشد سے دریافت کیا ۔ اس کے بعد مولٰنا فضل الرسول کا طویل جواب درج کیا ہے جس کا ضروری اقتباس یہ ہے : ۔

"مولوی اسمٰعیل صاحب نے جب سے "تقویۃ الایمان"
تصنیف کی یہ فساد ہندوستان میں پھیل پڑا کہ اوس
میں باتیں خلافِ عقاید اور مخالف مذہب اہل سنۃ
کے ہیں .... اوس مذہب (وہابی) کا ایک
رسالہ "کتاب التوحید" نام ہندوستان میں آگیا تھا ۔
"تقویۃ الایمان" گویا اوسی کی شرح ہے ۔"

اس سلسلہ میں ان دونوں کتابوں کی پانچ اہم غلطیاں واضح کی گئی ہیں ۔

یہ طویل بیان سن کر مصنف نے مولٰنا فضل الرسول سے اور سوالات کئے اور ان کے جواب تفصیل سے درج کئے ہیں ۔
ہندستان کے مشاہیر علماء وصوفیا سے مصنف نے جو مراسلت کی تھی وہ اس کے بعد شامل کردی گئی ہے ۔

آغاز : ۔

بعد حمد وصلواۃ کے جاننا چاہئے کہ اس زمانے میں
عقائد ومسائل دینیہ کا اختلاف بہت پھیلا ہے ۔
حق بات کا تحقیق کرنا ضرور ہوا ۔ اور جو نہیں جانتے
اون کو حکم ہے کہ جاننے والوں سے پوچھیں"

اختتام : ۔

"آپ کے موافقین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے
جواب سے سکوت بہتر تھا کیونکہ احتمال تھا کہ شاید
کچھ جواب ہو ۔ اس جواب سے لاجواب ہونا اعتراض
کا ظاہر ہوگیا اتنا تو مجھ کو اور ہر دیکھنے والے ۔"

یہ نسخہ ناقص الآخر ہے ۔ آخر میں صرف ایک ورق غائب ہے ۔
لیکن اس نسخے کے پہلے ورق پر جو عبارت درج ہے وہ ترقیمہ کا کام دیتی ہے اس لئے اس کو یہاں

نقل کیا جاتا ہے :-

ہٰذا ردو ہابیہ برائے نقل جہتقائے کرنول دادہ شدہ بود چنانچہ بتاریخ سیزدہم جمادی الاول ۱۲۶۳ ہجری قدسی یوم چہارشنبہ از کتاب مشفقی عضدۃ الدولۃ و دین والملت محمد سرفراز خان صاحب سلم اللہ تعالیٰ نقل شدہ در آمد۔ و مزد کتابت مبلغ یک روپیہ چلنی حیدرآبادی باآشنائے صادق مذکور دادہ شد۔ و کاغذ کتابت از نزد خود داده شده بود۔

"ملک سید امین الدین قادری۔ خمسۃ و عشرون اوراق"

اس عبارت سے دو باتیں اہم ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس زمانے میں (۵۰) صفحات کی کتاب کی پیسی یا اجزاء نقل صرف ایک روپیہ چلنی میں کی جاتی تھی۔ عہد حاضر میں اتنی کتابت کے لئے کم از کم پندرہ روپے صرف ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ کرنول اس عہد میں وہابیوں کا مرکز تھا اور وہاں کا نواب اپنی عقاید کی بنا پر انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گرفتاری کے بعد کرنول میں "رد وہابیہ" جیسے رسالے بہت مقبول ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس کتاب کی نقل وہیں کرائی گئی تھی۔

اس کتاب میں مختلف مشاہیر مذہب کے (تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف اسمٰعیل شہید کے متعلق) جو بیانات اور فتاوی شامل ہیں وہ تاریخی اور مذہبی دونوں لحاظ سے نہایت اہم اور ساتھ ہی دلچسپ ہیں۔

(۱۸۶) حبیب المریدین [۶۸۲]

اوراق ۸۸ - سطور ۱۱-

تقطیع ۵ ۱/۲" × ۴ ۱/۲" - خط نستعلیق

مصنف محمد حبیب علی رضوی۔

اردو نثر کے اس رسالے میں محمد حبیب علی خلیفہ حافظ محمد علی شاہ خیرآبادی نے پیری و مریدی کے فوائد بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب مصنف نے غالباً اپنے حقیقی بھائی سید رضا علی رضوی کی فرمائش پر لکھی تھی۔ کتاب کے آخر میں حافظ محمد علی شاہ خیرآبادی کے سلسلہ ہائے بیعت کے متعدد شجرہائے خلافت بھی بخط نسخ درج کئے گئے ہیں۔

اپنے موضوع کی مناسبت سے مصنف نے کئی قدیم کتابوں سے بزرگوں کے حالات اور مریدوں کے استفادات جمع کئے ہیں۔ اس قسم کی بعض کتابوں اور رسائل کے نام یہ ہیں:-

جامع العلوم از مخدوم جہانیاں جہاں گشت
فوایدالفوائد از نظام الدین محبوب الٰہی
کشکول از شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی
ہدایت المنجیہ از شیخ محمد چشتی
رسالۂ عشق از شیخ جمال الدین ہانسوی
بحر الاسرار حسینہ از شیخ محمد چشتی
حجۃ السالکین از خواجہ مودود چشتی
حسرت نامہ از ضیاء الدین برنی
جوامع الکلم از خواجہ بندہ نواز
مجمع الاولیاء از خواجہ معین الدین چشتی
رسالۂ رویت از خواجہ بندہ نواز

وسیلۃ التائبین

سیر الاولیاء

مرآۃ المجواۃ

بقیۃ الغرایب

اسرار التوحید

لطائف اشرفی

ورق ۱۲ تک اولیاء و مرشدین پیشیں کے کمالات اور فیوض بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد مصنف نے خود اپنے مرشد یعنے حافظ محمد علی شاہ خیر آبادی کے روحانی کمالات و خرق عادات (ورق ۲۹ تک) درج کئے ہیں اور پھر ان کے شجرہائے طریقت آخر کتاب تک نقل کئے ہیں۔

کتاب کے آخری ورق کی حسب ذیل عبارت

"ماشاء اللہ۔ حبیب الفواد۔ ۱۳۰۳ھ ہجری۔ در حیدرآباد طبع شد"

سے اندازہ لگتا ہے کہ شاید یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

آغاز:۔

"اما بعد کہتا ہے بندۂ گنہگار شرمسار بے مقدار خاک خدام درویشاں اور خاکپائے ان کا محمد حبیب علی غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ کہ یک حلقہ بگوشوں سے شیخ المشائخ سید السادات شمس الاولیا سلطان الاصفیا المرشد الہادی حضرت مولنا و استادنا خواجہ حافظ محمد علی شاہ چشتی الخیر آبادی قدس سرہ العزیز المبارک کا ہے"

اختتام:۔

"نزد حضرت ما اس قدر سلسلے ہیں کہ تفصیل اوس کی ایسی ہے"

اس کے بعد حسب تفصیل ذیل طریقتی شجرے درج کئے ہیں:۔

(۱) چشتیہ نظامیہ (ص ۵۰) (۲ و ۳) چشتیہ مشائخ (ص ۶۴) (۴) چشتیہ بندہ نوازیہ (ص ۸۰ و ص ۸۵) (۶) گیسو (ص ۹۲) (۷) اویسیہ (ص ۱۰۰) (۸) چشتیہ ابوبکر صدیق (ص ۱۰۱) (۹) چشتیہ عمر فاروق (ص ۱۱۶) (۱۰) شیخ عزیز اللہ (ص ۱۲۴) (۱۱ و ۱۲) قادریہ (ص ۱۲۸ و ص ۱۳۵) (۱۳) نقشبندیہ (ص ۱۴۱) (۱۴) سہروردیہ (ص ۱۴۶) (۱۵ و ۱۶) مغربیہ (ص ۱۵۳ و ص ۱۵۸) (۱۷) ہمدانیہ (ص ۱۶۴) (۱۸) نوربخشیہ (ص ۱۶۹)۔

(۱۸۷) کشف الحاجۃ [۶۸۳]

اوراق ۴۳ - سطور ۱۳

تقطیع ½۵" × ۹" خط نستعلیق

عنوانات - سرخی میں۔

مصنف محمد نورالدین چاٹگامی - سنہ تصنیف ۱۲۶۲ھ

زمانہ کتابت اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

اردو نثر کی یہ کتاب ترجمہ ہے "مالا بدمنہ" مولفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا۔ اس کا مصنف محمد نورالدین ولد محمد انتزنہ اسلام آباد عرف چاٹگام کا رہنے والا تھا اوائل عمر میں تحصیل علم کے لئے ہندستان کا سفر کیا اور وطن واپس ہوتے وقت جب کلکتہ میں پہونچا تو وہاں اس کے ہم وطن دوستوں نے "مالا بدمنہ" کے ترجمہ کی فرمایش کی اور مصنف نے اس کام کو وسیلۂ نجات سمجھ کر مکمل کیا۔ اور کشف الحاجۃ اس کا نام رکھا۔ یہ سب واقعات مولف ہی نے سبب تالیف کے طور پر بیان کئے ہیں۔

یہ کتاب نو حصوں اور مختلف فصلوں میں تقسیم ہے جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) کتاب الایمان ۔ نماز کے بیان میں ایک ہی فصل ہے ۔

(۲) کتاب الطہارۃ ۔ فصلیں ۱ ۔ وضو ۲ ۔ وضو توڑنے والی چیزیں
۳ ۔ غسل ۴ ۔ واجبات غسل ۵ ۔ نجاست
۶ ۔ نجاسات حکمی سے طہارت ۷ ۔ نجاست
حقیقی سے طہارت ۸ ۔ پانی جاری اور ٹھہرا
۱۰ ۔ کنواں

(۳) کتاب الصلوٰۃ ۔ فصلیں ۱ ۔ نماز کے اوقات ۲ ۔ نماز کی شرائط
۳ ۔ نماز کے ارکان ۴ ۔ واجبات نماز ۔
۵ ۔ سجدۂ سہو اور جماعت و امامت ۔
۶ ۔ نماز کا طریقہ و سنت ۷ ۔ نماز میں حدث ہونا ۔
۸ ۔ قضائے نماز ۹ ۔ نماز کے مفسدات و مکروہات ۔
۱۰ ۔ بیمار کی نماز ۱۱ ۔ مسافر کی نماز ۔ ۱۲ ۔ نماز جمعہ
۱۳ ۔ واجب نمازیں ۔ ۱۴ ۔ نفلیں ۔
۱۵ ۔ سجدۂ تلاوت ۔

(۴) کتاب الجنائز ۔ فصلیں ۱ ۔ شہید ۲ ۔ ماتم ۳ ۔ زیارت قبور ۔

(۵) کتاب الزکوٰۃ ۔ فصلیں ۱ ۔ مصرف ۲ ۔ صدقۂ فطر ۳ ۔ صدقۂ نفل

(۶) کتاب الصوم ۔ فصلیں ۱ ۔ قضا اور کفارہ ۔ ۲ ۔ نفل روزے ۳ ۔ اعتکاف

(۷) کتاب الحج ۔ ایک ہی فصل میں ۔

(۸) کتاب التقویٰ ۔ فصلیں ۱ ۔ کھانے کی چیزیں ۲ ۔ لباس ۔ ۳ ۔ وطی ۔
۴ ۔ کسب اور تجارت ۔ ۵ ۔ متفرقات اور
آداب معاشرت اور حقوق الناس ۔

(۹) کتاب الاحسان والتقریب و خاتمہ ۔ کلمات کفر اور بدعت کے
بیان میں ۔

لیکن اس ناقص الآخر مخطوطے میں صرف تیسرے حصہ (یعنے کتاب الصلوٰۃ) کی ساتویں فصل تک ترجمہ شامل ہے ۔ اس کے بعد کاتب نے لکھتے لکھتے نامکمل چھوڑ دیا ہے ۔ اور کوئی اوراق غائب نہیں ہیں ۔ ابتدا عربی حمد و نعت سے کی گئی ہے ۔

آغاز :—

" بعد حمد اور صلوٰۃ کے فقیر عصیاں آگیں محمد نور الدین ولد محمد اشرف غفر اللہ لہٗ و لوالدیہ متوطن اسلام آباد عرف چاٹگام کا حضرات اہل دین کی خدمتوں میں عرض کرتا ہے کہ عاصی پُر معاصی علوم تحصیل کرنے کے قصد سے اول عمر میں حسب تقدیر ملک ہندستان میں گیا تھا ۔"

اختتام :—

" اگر مقتدی ایک عورت ہے تو نماز دونوں کی فاسد ہوگی اور اگر مقتدی ایک لڑکا تو اوس صورت میں بھی یہی حکم ہے ۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ نماز امام کی فاسد نہ ہوگی اگر عورت یا لڑکے کو خلیفہ نہ کیا ہو ۔"

یہ کتاب اُس علمی ذوق اور ترجموں کے شوق کو ظاہر کرتی ہے جو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے ترجموں کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا ۔ اور جس کے نتیجے کے طور پر دکن میں بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا تھا جن کا ذکر اس فہرست کے صفحات ۱۶۰ تا ۱۶۷ پر درج ہے ۔

۱۸۸) مثنوی محرمات شرعی [۶۸۵]
و مثنوی تعزیہ

اوراق ۲ - سطور ۱۴ -

تقطیع ۴¾ × ۷½ - خط نستعلیق شکستہ -

مصنف محمدی مرید امین الدین و تجرؔ - زمانہ تصنیف قریب ۱۲۷۵ھ

کتابت ۱۲۷۸ھ

یہ دو چھوٹی اردو مثنویاں ہیں جو دو فارسی رسائل، نثر (مفصل المذاہب اور تحفۃ الشائق) کے درمیان نقل کی گئی ہیں -

پہلی مثنوی کل ۲۶ ابیات پر مشتمل ہے اس میں حضرت امین الدین کے مرید محمدی نے محمد اکبر کی خاطر سے اُن عورتوں کی تفصیل بیان کی ہے جن سے نکاح حرام ہے -

آغاز :-

پیشتر حمد تو خدا کی کر — نعت بعد اوس کے مصطفیٰ کی کر
کیونکہ تو ہے محمدی مشہور — چاہئے تجھ کو حمد و نعت ضرور

اختتام :-

حمد پر یہ تمام کرتا ہوں — قطع اپنا کلام کرتا ہوں
جو کوئی اس کو پڑھ کے ہو دلشاد — کرے مجھ کو دعائے خیر سے یاد

اس کے ساتھ ہی دوسری مثنوی شروع کر دی ہے جس میں ۱۳ ابیات ہیں - اس کے مصنف تجرؔ ہیں جو لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر تھے - اس میں تعزیہ داری کا مضحکہ فحش طریقے پر اڑایا گیا ہے -

آغاز :-

لکھنؤ کا میں سناؤں ماجرا — رافضی یک تعزیہ داروں میں تھا
تھا مکلف رافضی کا ایک مکاں — تھے وہاں موجود سب پیر و جواں

اختتام :-

کھل گیا سارا تجلی کا گماں — منفعل تھا رافضی ہر اک وہاں
تجرؔ بس اب تو بھی کر قطع کلام — لیجئے کر اب اس حکایت کو تمام

ترقیمہ - ان دونوں مثنویوں کے آخر میں تو کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن ان سے قبل اسی کاتب نے مفصل المذاہب کا جو فارسی رسالہ لکھا ہے اس کے آخر میں تاریخ کتابت اس طرح درج کی ہے :-

"تمت الرسالۃ المسمی بہ مفصل المذاہب بروز دویم صفر ۱۲۷۸ ہجری"

اس جلد کی فارسی کتابوں کا تذکرہ فہرست فارسی مخطوطات میں درج ہوگا -

---

۱۸۹) کہانی و قصہ [۶۸۷]

اوراق ۵ - سطور ۱۳ -

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق -

مصنف - موتب ؟ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۳۶ھ -

سنہ کتابت ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء - بمقام بنارس -

یہ تقریباً ۱۰۵ ابیات کی ایک اُردو مثنوی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - اس کو دولت رام نے ۲۴ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ م ۲۸ فروری ۱۸۲۱ء کو بمقام بنارس اپنے ایک دوست لالہ کندن لعل کی فرمائش پر ایک فارسی کتاب "قصہ عجائب و غرائب" کے ساتھ نقل کیا ہے - موخر الذکر کا حال فہرست فارسی مخطوطات میں ملاحظہ ہو -

اس مثنوی کا نام ہی "کہانی و قصہ" معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابتدائی و آخری ابیات سے ظاہر ہوگا -

اس مثنوی میں موسیقی اور شاعری کا اثر دکھایا گیا ہے - یعنے

ایک بادشاہ کی محفل میں ایک گلفام رقاص نے صرف تین مصرع گاکر ایک نوجوان شہزادے کو اپنے حکمران باپ کے قتل سے اور ایک نوجوان شہزادی کو عصمت فروشی سے بچالیا۔ وہ تین مصرع یہ ہیں :۔

بہت کٹ جو گئی تھوڑی باقی رہی

گزرجاتی ہے یہ بھی اک آن میں

نہ غافل ہوا اے جان اماں میں

قصہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ مصنف باکمال شاعر معلوم ہوتا ہے۔ آخری مصرع میں ممکن ہے تخلص مودب درج ہو لیکن کاتب نے ادب لکھا ہے۔ لیکن یہ لفظ اس مثنوی کی بحر میں بھی نہیں آتا۔

آغاز :۔

نہ ہو خواب غفلت سے اے دل فگار کہ بیدار ہے پاک پروردگار

کہانی و قصہ بھی ہے دروغ مگر حرف شیریں بیاں کچھ ہے فروغ

اختتام :۔

یہ سن کر کہ سلطان والا جناب تبسم کیا اور ہوا لاجواب

ادب کیا چاہئے اختصار کہانی و قصہ کا کیا اعتبار

ترقیمہ :۔

"تمام شد کار من نظام شد۔ بست چہارم جمادی الاول ۱۲۳۶ھ ہجری روز چہارشنبہ برائے خاطر داشت لالکنہیا لعل تحریر یافت۔ ہر کہ دعویٰ کند باطل گردد ہر کہ بدیں نسخہ نظر بد کند کور شود چشم شکم درد کند۔ بخط خام دولت رام۔"

---

(۱۹۰) مناقب عادل [۲۰۳]

اوراق ۱۳ ۔ سطور ۱۰

تقطیع ۷ × ۴ – خط نستعلیق۔ حاشیہ سرخی میں۔

مصنف عادل

زمانہ کتابت اوائل تیرھویں صدی ہجری۔

یہ ایک بیاض ہے جس میں کسی اچھے شاعر عادل کی چھ نظمیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں دو مسدس ہیں اور چار مخمس۔ شاعر غیر معروف ہے لیکن کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاق اور اعلیٰ پایہ کا شاعر ہوگا۔ زبان کے لحاظ سے اوائل تیرھویں صدی کی نظمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ مسدس۔ ۷ بند ہیں ہر ایک بند کا تیسرا شعر فارسی ہے۔

آغاز :۔

سرو گلزار نبوت ملک دیں کے شہسوار وازوار کنزت کنز؟ حضرت دلدل سوار

اے امام ہر دو عالم شافع روز شمار جانشین مصطفےٰ تم راہ حق پہ ہو نثار

مظہر حق و علا اے مجتمع ہشت و چہار

خاطرم بس شاد کن اے نائب پروردگار

اختتام :۔

کوکب برج رسالت مہر چرخ اتما قوت دین محمد ہادی راہ ہدا

دو جہاں کے تم ہو بے شک یا علی حاجت روا عادل کہتہ تمہارے نام اوپر ہے فدا

نقد جاں کردم فدا بر اسم تو لیل و نہار

جام کوثر کن عطا در روز محشر بار بار

۲۔ مخمس۔ ۷ بند ہیں۔

آغاز :۔

ہے علی خیر فدا مظہر سبحان بے شک گوہر بحر کرم کوکب ایمان فلک

تیغ کی اس کے اگر دیکھے کوئی بارڈ جھلک الحذر مانگے سبھی جن و بشر حور و ملک

جاوے خورشید کی بھی دیکھ کے سب آنکھ جھپک

اختتام :-

دست ہو وہ کس کا کہاں بجز تو قسم آ عادل ‌ ہے وہ خورشید عطا مہر کرم آ عادل

لطف نورِ خدا مہر کرم اے عادل ! ‌ سرمۂ چشم بہشت خاک قدم آ عادل

منقبت شاہ ولایت کا پڑھا کر تو کڑک

۳۔ مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

جز یادِ حق نہ ضایع کوئی اپنا دم کرے ‌ محرم رہے تو دم سے نہ تیا وہم کرے

سر پیچ عاشقی میں مثال قلم کرے ‌ بعد از خیال دعوئے جہاں خم کرے

راضی رہے رضا پہ اگر کوئی ستم کرے

اختتام :-

جو فدوی نبی و علی ہے گا عادل اب ‌ محرم وہی بہ راز ربی ہے گا عادل آب

برہان کے لطف میں بھی ہے گا عادل آب ‌ فارغ ز رمز و مکر سبھی ہے گا عادل آب

نت سجدۂ خدا میں وہ گردن کو خم کرے

۴۔ مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

مظہر نور خدا معنی قرآں حیدر ‌ زور بازوے نبی دیں کے نگہباں حیدر

شافع روز جزا معدن احساں حیدر ‌ ہے وہ خورشید تھا سب کا نگہباں حیدر

محرم سر خفی مشکل آساں حیدر

اختتام :-

سب میں جو آپ کے ہیں دل سے ہمیشہ مسرور ‌ اوس سے راضی ہیں نبی اور وہ اللہ غفور

یا علی ہر غدار کھئے نہ مجکوں رنجور ! ‌ آپ کے گھر کا یہ عادل ہے جہاں میں مشہور

اوس کے بر لاؤ تمام دل کے نم ارماں حیدر (ر)

۵۔ مسدس - ۷ بند ہیں۔ ہر بند کا تیسرا شعر ایک ہی ہے۔

خدا کے سجدے میں سر کو اپنے مجھو ہر دم رکھا کروں گا

وہ نعت احمد کو لوح دل پر بہ کلک ایما لکھا کروں گا

میں نام حیدر مثال بسم بصدق دل سے جپا کروں گا

فدائے خیر النساء و حسنین ہمیشہ دل کو کیا کروں گا

بہ حب آل نبی میں دل کو سبھی اپنے ضیا کروں گا !

باسم مہدی امام آخر یہ نقد جاں کو فدا کروں گا

اختتام :-

بفضل مولا یہ مدح رنگیں کیا جو ہم نے نگار عادل

امام مہدی ہیں تیرے اب تو وہ جملہ حاجت برار عادل

تجھے مدد ہیں امام بارہ ہمیشہ میل و نہار عادل

عدو میں خستہ و دوست خرم بلطف و لول سوار عادل

بہ حب آل نبی میں اپنے سبھی دل کو ضیا کروں گا !

باسم مہدی امام آخر یہ نقد جاں کو فدا کروں گا

۶۔ مخمس - ۷ بند ہیں۔

آغاز :-

جلوۂ دین نبی تا بہ حشر باقی ہے ‌ معجزہ اوس کا عیاں شق قمر باقی ہے

شام گر ہو چکے تجھ پہ تو سحر باقی ہے ‌ عالم لطف ہوا آنگے قہر باقی ہے

کن تو وہ کہہ چکا پر حرف دگر باقی ہے

اختتام :-

لطف فرما ہیں ترے حال پہ مولا عادل ‌ خوف محشر کا نہیں تجھ کو ہے اصلا عادل

ہے گا میدان میں جو ہر دید کا اعلا عادل ‌ نفس سرکش کو زمیں مار کے ڈالا عادل

ملک اشجع میں ترا نام نشر بانی ہے

ترقیمہ :-

" تمام شد۔ عنایت جنگ ۱۲۴۰ھ۔ حیدر آباد "

یہ نسخہ نواب صاحب ہی کا عطیہ ہے۔ تمام شد کاتب نے لکھا ہے اور اس کے آگے نواب عنایت جنگ بہادر نے اپنے دستخط ثبت کیے ہیں۔

(۱۹۱) دیوان اوّل ناسخ [۱۴۲/ب]

اوراق ۴۶ - سطور ۱۴۔

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف - شیخ امام بخش ناسخ - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ

کتابت - اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

شیخ امام بخش ناسخ (۱۱۸۵ھ تا ۱۲۵۴ھ) لکھنو کے مشاہیر شعرا سے ہیں۔ اور دراصل انہی کی کوششوں اور استادانہ شہرت نے لکھنو کے ایک علاحدہ دبستاں کی بنا ڈالی۔ انہوں نے معانی و مطالب سے زیادہ زبان اور محاورے پر زور دیا۔

اس زیر نظر مخطوطے میں تقریباً سات سو پچاس اشعار ہیں۔ اور یہ ناسخ کے دیوان دوم (دیکھو مخطوطہ ۱۹۲) کے بعد ایک ہی جلد میں (ورق ۸۲ سے) درج ہے۔ دیوان دوم خاص اہتمام کے ساتھ خوش خط نقل ہوا ہے۔ لیکن یہ دیوان کسی معمولی اور کم سواد کاتب نے نقل کیا ہے جس کا خط خراب اور املا غلط ہے۔

ساتھ ہی مسلسل اور مکمل دیوان اول کی نقل بھی نہیں معلوم ہوتی بلکہ غالباً انتخاب ہے جس میں کاتب نے ترتیب ردیف کا بھی خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ ابتدا میں ۱۰ صفحات مسلسل الف کی غزلیں لکھ کر ردیف ر شروع کردی گئی ہے۔ ردیف الف اس شعر پر ختم کی ہے :-

بن گیا خمیازہ ناسخ خندۂ جام شراب جب خیال آیا کسی کی نرگس مخمور کا

اس کے بعد ر کی ردیف کی ایک غزل لکھ کر مختلف ردیفوں میں بے ترتیب غزلیں لکھنی شروع کر دی ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں رباعیاں بھی درج ہیں۔ یہ سلسلہ ورق ۱۰۹ ب پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد مختلف شعرا مثلاً مومن، درد، سودا ناسخ وغیرہ کے فارسی، اردو اور ہندی کلام کے انتخابات لکھے ہیں۔ یہ سلسلہ ورق ۱۱۵ پر ختم ہوجاتا ہے۔

آغاز:-

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
کسی خورشید رو کو جذب دل نے آج کھینچا ہے
کہ نور صبح صادق ہے غبار اپنے بیاباں کا (ورق ۸۲)

اختتام:-

سیر گلشن مت سمجھ گلگشت اے نازک مزاج
باغ و بستاں اور ہے گنج شہیداں اور ہے
فرق ہے شاہ و گدا میں قول ناسخ ہے یہی
شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ اس کے بعد جو متفرق ابیات فارسی و اردو درج ہیں وہ اس فارسی شعر پر ختم ہوتی ہیں۔

ہیچو ہند وزن کسے در عاشقی مردانہ نیست
سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست

یہ نسخہ محبوب علی خاں صاحب کا عطیہ ہے جو ۲۰ دے ۱۳۱۵ف کو ادارے میں داخل ہوا۔

---

(۱۹۲) دیوان دوم ناسخ [۱۴۲/ا]

اوراق ۸۲ - سطور ۱۴۔

تقطیع ۶ × ۹ - خط نستعلیق - حاشیہ سرخی میں۔

مصنف - شیخ امام بخش ناسخ - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۹ھ

کتابت اواخر تیرھویں صدی ہجری۔

یہ ناسخ (متوفی ۱۲۵۴ھ) کا دوسرا دیوان ہے۔ ان کا پہلا دیوان بھی اسی جلد میں محفوظ ہے۔ (دیکھو مخطوطہ ۱۹۱)۔

اس میں تقریباً دو ہزار دو سو پچاس (۲۲۵۰) اشعار ہیں۔ خوش خط اور مسلسل لکھا گیا ہے۔ دیوان اول کی طرح بے ترتیب نہیں ہے۔ لیکن یہ دیوان بھی مکمل نہیں ہے بلکہ ردیف ن پر ختم ہو جاتا ہے۔

آغاز:—

خوب موزوں ہم سے وصف قد بالا ہوگیا

سالم بالا تک اپنا بول بالا ہوگیا

باعث گریہ ہوئی فرقت میں مجھ کو بے کشتی

ساقیا اشکوں سے مے کا استغنا ہوگیا

اختتام:—

دل دوڑتا ہے کوچۂ دلدار کی طرف! جیسے نہیں ہے طاقت رفتار پاؤں میں

دیا دن کتنے جو ہاتھ میں رکھتے ہیں پھول ہم ناسخ چبھے اب اسکے عوض خار پاؤں میں

اس کے بعد ہی دیوان اوّل شروع کردیا گیا ہے۔

یہ نسخہ محبوب علی خاں صاحب کا عطیہ ہے جو ۲۰ دے ۱۳۵۱ف کو ادارے میں داخل ہوا۔

---

(۱۹۳) چشمۂ فیض [۱۱۴]

اوراق ۸۵ ۔ سطور ۱۶ ۔

تقطیع ۴½" × ۷½" ۔ خط نستعلیق پاکیزہ ۔

عنوانات اور تخلص سرخی ہیں۔ قدرے کرم خوردہ ۔

مصنف ۔ میر شمس الدین محمد فیض ۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۸ھ ۔

کاتب " " " ۔ سنہ کتابت ۱۲۲۸ تا ۱۲۸۳ھ ۔

حافظ میر شمس الدین محمد فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۳ھ) آج سے ٹھیک سو سال قبل حیدرآباد کے ملک الشعرا اور استاد کل سمجھے جاتے تھے۔ یہ ایک اعلیٰ پایہ شاعر اور استاد سخن ہونے کے علاوہ بڑے مصنف عالم و فاضل اور صوفی بزرگ بھی تھے۔ ان کے بعد سے آج تک دکن میں کوئی ایسی منبع الصفات ہستی نہیں پیدا ہوئی جس میں شعر و سخن، تصنیف و تالیف، علم و فضل، تصوف و تقویٰ اور اثر و اقتدار ایک ساتھ جمع ہوگئے ہوں۔

فیض نے کئی دیوان لکھے اور ان میں سے بعض شایع بھی ہوچکے ہیں لیکن زیر نظر نسخہ ان کے اوائل عمر کے کلام کا مجموعہ ہے جو شایع نہیں ہوا۔ البتہ اس میں کی بعض غزلیں خود شاعر نے اپنے بعد کے دیوانوں میں شامل کرلی تھیں۔ ردیف ب کی ایک غزل میں ایک جگہ شاعر لکھتا ہے ؎

ہے شمار سال عمر اپنا برس بائیس میں

ہو سکا اب تک نہ ہم سے کچھ سرانجام شباب

اس مجموعے کی تکمیل کی تاریخ خود فیض نے سرورق پر اس طرح لکھی ہے۔

ع چشمۂ فیض اس کی ہے تاریخ
۱۲۳۸ھ

یہ نسخہ اس لئے بے حد اہم ہے کہ خود فیض کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس میں جگہ جگہ حاشیہ پر شاعر نے بعض اشعار اور الفاظ میں تبدیلی اور اصلاح کی ہے۔ اس نسخے میں دو ہزار سات سو سے زیادہ اشعار شامل ہیں۔

فیض کے تفصیلی حالات مرقع سخن جلد اول صفحات ۱۳۳ تا ۱۴۶ پر شایع ہوچکے ہیں۔ اور راقم الحروف نے ان کے کلام کا جو انتخاب "فیض سخن" ۱۹۳۷ء/۱۳۵۶ھ میں مرتب کرکے شایع کیا ہے اس کے مقدمہ میں بھی ان کے حالات مزید تحقیق اور جستجو سے شامل کئے ہیں۔ اور زیر نظر دیوان سے بھی اس مجموعہ "فیض سخن" کے لئے اشعار منتخب کئے ہیں۔

فیض کی دوسری فارسی و اردو کتابوں کے قلمی نسخے بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر درج ہوگا۔

آغاز:-

کیوں نہ ہر مصرع ہو اپنا ماہ نو کی شان کا
بیت ابروئے بتاں مطلع ہے اس دیوان کا
شکوہ کس منہ سے کروں اس تیر کے پیکان کا
ہے دہانِ زخم میں کیا خوب بیڑہ پان کا

اختتام:-

یاد کیا ہے خاک قصہ کوہکن کو عشق کا
یار شیریں کا فسانہ کوئی ہم سے سیکھ جائے
سر پہ سو سو زخم تیغ ابروے سفاک جیل
خون میں ہردم نہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ یہ غزل ناکمل رہ گئی ہے ممکن ہے فیض اس کو بعد میں مکمل کرنا چاہتے ہوں اس لئے جگہ چھوڑ دی ہے البتہ سرورق پر جہاں کتاب کا تاریخی نام درج کیا ہے اس کے برابر مصنف کی ایک مستطیل خوش نما مہر ثبت ہے جس میں شاعر نے اپنا نام اس مصرعہ سے واضح کیا ہے۔

"ہست حافظ میر شمس الدین محمد فیض ۱۲۴۵ھ"

اس کے نیچے خود فیض نے اپنے قلم سے اپنے فرزند عماد الدین محمد کی صحت یابی کا ایک قطعۂ تاریخ فارسی اور ایک قطعۂ تاریخ اردو لکھا ہے۔ یہ ان کے آخری کلام میں سے ہے کیونکہ اسی سال انہوں نے وفات پائی۔ اردو قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

وہ عماد الدین محمد جو کہ ہیں بابامیاں
دُملوں کے رنج و ایذا سے انہیں صحت ہوئی
سال صحت فیض صاحب ہم سے فرماتے تھے کل
میرے نور العین نے پائی ہے صحت آج ہی
۱۲۸۳ھ

یہ نسخہ نواب عزیز یار جنگ بہادر کا عطیہ ہے جو جنوری ۱۹۳۵ء میں ادارے کے کتب خانہ میں داخل ہوا۔ نواب صاحب موصوف فیض کے ایک جانشین مشرف جنگ فیاض کے فرزند اور دوسرے جانشین میر احمد علی عصر کے شاگرد ہیں۔

---

(۱۹۴) فیض جاری [۱۳۵]

اوراق ۲۶۔ سطور ۱۴۔
تقطیع ۶"×۴"۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔
مصنف حافظ میر شمس الدین محمد فیض۔ سنہ تصنیف ۱۲۵۶ھ
کاتب۔ محمد تقی۔ سنہ کتابت ۱۲۶۷ھ

یہ سات سو چوراسی ابیات کی ایک مثنوی ہے جو واحد باری اور اشرف باری کے طرز پر بطور عربی، فارسی، اردو لغت ۱۲۵۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ اور یہ نسخہ مصنف کی زندگی ہی میں نقل کیا گیا ہے اس لئے اہمیت رکھتا ہے۔ فیض کے ایک دیوان (چشمۂ فیض) کا مخطوطہ بھی ادارے میں محفوظ ہے اور اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۹۳ میں ابھی گزر چکا ہے۔

یہ رسالہ فیض جاری غالباً نواب شمس الامرا کے مدرسہ کے طلبہ کے لئے قلمبند کیا گیا تھا چنانچہ نواب صاحب موصوف کے سنگی چھاپہ خانے میں ۱۲۵۶ھ میں ۸×۵ کی تقطیع پر شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس میں ۷۰ صفحات ہیں اور اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ۔

رسالہ فیض جاری عہد میں نواب فلک جناب بندگان عالی حضرت آصفجاہ نظام الملک نظام الدولہ فتح جنگ میر فرخندہ علی خاں بہادر ظلہ العالی کے شہر فرخندہ بنیاد حیدر آباد میں واسطے تعلیم طلبا کے سرکار شمس الامرا بہادر امیر کبیر کے سنگی چھاپہ خانے کے دھیان ۱۲۵۶ھ ہجری میں چھپا۔

راقم الحروف نے اپنے انتخاب "فیض سخن" میں اس کتاب "فیض جاری" سے ۷۰ ابیات بطور نمونہ شامل کی تھیں۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنا نام بڑی خوبی سے ظاہر کیا ہے

ملاحظہ ہو۔

ہے وہ حافظ جیسے ہو قرآں یاد | شورِ ہنگامہ ہے فغاں فریاد
کہہ بنی فاطمہ کو سید میر | ہے مربّت کا ترجمہ تعبیر
شمس ہے آفتاب دین اسلام | ایک معنی رکھیں درود سلام
فیض الہام ہے ضیا ہے نور | ہے جو تنویر جان اس کو تنویر

کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے :—

فیض جاری رکھا ہے اس کا نام | تا ہوں سیراب اس سے تشنہ انام

تاریخ تصنیف مثنوی کی آخری بیت سے ظاہر ہوگی جو اختتامی ابیات کے سلسلہ میں نیچے درج ہے ۔

آغاز :—

ہے جو اللہ جان اس کو فدا | ہے ملک تیرے ساتھ الگ ہے جدا
نیستی ہے بخود ہستی بود ! | عبد بندہ اللہ ہے معبود

اختتام :—

فیض جاری ہوا مرتب جب ! | تب کہا سب نے ہے نصاب عجب
اوس کی تاریخ مجھ کو یوں بھائی | فیض کا یہ رسالہ ہے بھائی
۱۲۵۶

ترقیمہ :—

"رسالہ فیض جاری تصنیف کیا ہوا مولوی حافظ میر شمس الدین محمد المتخلص فیض کا پڑھنے والوں کی تربیت کے واسطے موافق عدد نام مولوی شمس الدین محمد کے چھ سو انیاسی بیت پر سوائے دو بیتیں تاریخ سنہ بارہ سو چھپن ہجری میں مرتب ہوا۔

تمام شد ایں رسالہ در سن یک ہزار و دو صد و شصت و ہفت ہجری بید محمد نقی غفر اللہ لہ و لوالدیہ۔"

ترقیمے کے برابر دو مستطیل مہریں "سید جعفر حسینی بادشاہ قادری" اور "جعفر علی شاہ فاروقی" ثبت ہیں ۔

(۱۹۵) دیوان عصر [۱۰۰]

اوراق ۱۴۴ ۔ سطور ۸ ۔

تقطیع ۴½ × ۷½ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔

مصنف میر احمد علی عصر قادری ۔ سنہ تصنیف قبل ۱۳۱۳ھ۔

کاتب " " ۔ سنہ کتابت ۱۳۱۳ھ

یہ دکن کے ایک مشہور شاعر اور فیض کے شاگرد میر احمد علی عصر قادری (۱۲۴۵ھ تا ۱۳۲۲ھ) کی صرف رباعیات کا دیوان ہے جو خود انہی کا مسودہ ہے ۔ اس لئے بے حد اہم ہے ۔ اس میں غزلوں کے دیوان کی طرح رباعیوں کو ردیف وار مرتب کیا گیا ہے اور ہر ردیف کے بعد کئی کئی صفحات بعد کے اضافے کے لئے خالی چھوڑ دئے گئے ہیں ۔ جن صفحات پر لکھا گیا ہے صرف ان کی تعداد ۲۸۸ ہے ۔

عصر کے تفصیلی حالات مرقع سخن جلد اول (صفحات ۷۰ تا ۹۲) پر شایع ہو چکے ہیں ۔ ان کا ضخیم قلمی دیوان غزلیات کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اور وہ بھی ادارے کے اس دیوان رباعیات کی طرح خود انہی کا لکھا ہوا ہے اور اس میں بھی درمیان میں سادہ اوراق چھوڑ دئے گئے ہیں ۔ البتہ اس کے آغاز میں عصر کی ایک مہر بھی ثبت ہے جس پر "میر احمد علی عصر ۱۲۸۳ھ" کندہ ہے ۔

مولوی سید محمد صاحب ایم اے عصر کے عزیزوں میں ہیں اور ان کے یہاں بھی عصر کی مملوکہ بعض کتابیں محفوظ ہیں ۔ ادارے کے کتب خانہ میں انتشار کا جو دیوان ہے وہ بھی عصر کا مکتوبہ ہے (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۸۵) ۔

عصر ایک باکمال استاد سخن تھے ان کے تلامذہ میں نواب آصف یار الملک وزیر، نواب عزیز یار جنگ عزیز، مہاراجہ کشن پرشاد شاد

اسدؔ، سیفؔ، نظامؔ، ساجدؔ، تحملؔ، قیسؔ، کریمؔ، شرفؔ وغیرہ مشہور ہیں۔

ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ان کے موخر الذکر شاگرد حاجی سید شاہ روشن علی شرفؔ قادری شطاری نے اپنے مطبع صبغتہ اللہی رائچور میں چھپوایا تھا۔ اور یہ دیوان رباعیات بھی انہی کی فرمائش پر عصرؔ مرتب کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک رباعی میں لکھتے ہیں:۔

ہے پاس خاطر شرفؔ ہم کو میاں لکھا ہم نے رباعیوں کا دیوان
تھا ورنہ کسے نزانہ چار بیتی کا خیال آزادوں کو کہئے اتنی فرصت ہے کہاں (صفحہ ۱۹۷)

ایک اور رباعی میں اپنے اس شاگرد کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

روشن علی شرفؔ تخلص اے عصرؔ آباد رہے مراد کا اوس کی قصر
دیوان کی ترتیب میں مصروف ہے بس اب ہم بھی رباعیات کو کرتے ہیں حصر (صفحہ ۱۵۸)

اس مجموعہ میں جملہ ۱۲۸۶ رباعیات ہیں جن کی ردیف وار تفصیل یہ ہے:۔

ا - ۱۲۷	ب - ۲۶	ج - ۵	ت - ۵۴
ٹ - ۱۱	ث - ۳	ج - ۱۰	چ - ۱
ح - ۳	خ - ۶	د - ۴۶	ڈ - ۲
ذ - ۱	ر - ۱۴۳	ڑ - ۷	ز - ۱۴
س - ۱۳	ش - ۶	ص - ۲	ض - ۵
ط - ۲	ظ - ۴	ع - ۱	غ - ۶
ف - ۶	ق - ۱۰	ک - ۴	گ - ۱۶
ل - ۵۶	م - ۷۰	ن - ۳۱۲	و - ۴۴
ہ - ۲۰	ی - ۲۶۰		

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعیوں کی سب سے زیادہ تعداد ن، ی، و اور ر کی ردیفوں میں ہے۔

ان رباعیوں کے موضوع زیادہ تر اخلاقی ہیں۔ بزرگان دین اور شاہ وقت (میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس) کی مدحیہ رباعیوں کے علاوہ اپنے اکثر ہم عصروں اور تلامذہ مثلاً آصف یاور الملک وزیر علی پاشا وزیرؔ، حکیم مظفر الدین خاں مزاجؔ، سید محمد حسینی بادشاہ، مشرف جنگ فیاضؔ، نواب خانخاناں صارم جنگ، ڈاکٹر عبداللہ خاں اور حکیم غلام احمد وغیرہ کی تعریف و توصیف لکھی ہے۔ خاص کر اپنے استاد حافظ میر شمس الدین محمد فیضؔ (دیکھو فہرست ہذا نسخہ نمبر ۱۹۳ و ۱۹۴) کی تعریف و توصیف میں بیسیوں رباعیاں لکھی ہیں۔

اس دیوان میں چند رباعیات فارسی بھی شامل ہیں۔

رباعیات کے اختتام پر حسب ذیل معاصرین و تلامذۂ عصرؔ کے اردو و فارسی قطعات و رباعیات تاریخی بھی درج ہیں۔

آصفؔ یاور الملک وزیرؔ۔ مشرف جنگ فیاضؔ۔ عزیز (عزیز یار جنگ) کریمؔ، شورؔ، سیفؔ، عزیزؔ (مرزا عزیز بیگ) نظام الدین احمد نظامؔ۔ ساجدؔ (عبدالرحمٰن خاں) تحملؔ (شاہ فیض اللہ سبزواری) اسدؔ (میر مصطفےٰ علی) نامؔ (خواجہ سمیع اللہ) کرمؔ (مرزا رسول بیگ)۔ نیشؔ (خواجہ بدیع اللہ)۔

ان سب قطعات وغیرہ سے ۱۳۱۳ھ برآمد ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان عصرؔ کی وفات سے ۹ سال قبل طباعت کے لئے تیار کیا جارہا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے شاگردوں شرفؔ اور فیاضؔ کے ارادہ کے باوجود نہ چھپ سکا۔

آغاز:۔

اے عصرؔ بھلا رقم ہو کیا وصف خدا کوزے میں سمائے کس طرح سے دریا
دم مار سکے کوئی یہاں کیا مقدور فرمائے رسول جب کہ لا احصی ثنا

اختتام:۔

شبر کا غم نجات کی ہے چٹھی ہمہ بخشش ہر عصات کی ہے چٹھی (دم)
واللہ باللہ حب اولاد رسول اے عصرؔ مری برات کی ہے چٹھی (صفحہ ۲۰۹)

چونکہ اس کتاب کے آخر کا حصۂ قطعات تاریخی بجائے خود ایک رسالہ ہے اور معاصرین عصرؔ کا یہ کلام بھی غیر مطبوعہ ہے اس لئے اس کے بھی ابتدائی و آخری اشعار درج ذیل ہیں:۔

آغاز:۔

عالی جاہ نواب میر وزیر علی خاں آصف یار الملک بہادر تخلص وزیر داماد رئیس دکن دام اقبالہٗ۔

نظم کردہ رباعیاتِ عجیب عصر علامہ شہرۂ آفاق
سال ترتیب آں نوشت وزیر دل کش گلستانِ بحر و خاق
۱۳۱۳

اختتام:۔

کرم نزار سول بیگ صاحب منشی دفتر خزانہ حضور پرُنور دام اقبالہٗ

کرد دیوانِ ترانہ موزوں حضرت عصر یہ ہر فن ممتاز
سال تاریخ کرم عرض نمود دفتر دانش و دانائیٔ راز
۱۳۱۳

اس رباعی پر یہ دیوان ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس کے ابتدائی ورق پر عصر کے شاگرد شرف نے جو خط نواب مشرف جنگ فیاض کو لکھا تھا اس کی نقل درج ذیل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرف نے یہ دیوان عصر کی زندگی ہی میں برائے طبع ان سے حاصل کر لیا تھا لیکن جب چھپوا نہ سکے تو ان کی وفات کے بعد مشرف جنگ فیاض نے اس کو اپنے یہاں منگوا لیا تھا اور اس کے بعد یہ انہی کے کتب خانہ میں محفوظ رہ گیا۔ چنانچہ ان کے فرزند نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز نے اس کو ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کیا۔ شرف کا خط یہ ہے:۔

"بعالی خدمت جناب معلے القاب محمد فیاض الدین خاں صاحب المخاطب نواب مشرف جنگ دام فیضہٗ۔

بعد آداب تسلیمات کے عرض خدمت شریف ہے کہ کارڈ مرسلہ گرامی شرف صدور پا کر سرفراز کیا۔ مجموعۂ رباعیات حضرت اوستادنا عصر صاحب مرحوم و مغفور بمعیت مکرمی سید عباس صاحب قادری مرسل خدمت ہے۔

سابق رباعیات موصوفہ کو کمترین نے طبع کروانا آغاز کیا تھا چنانچہ چند اوراق مطبوعہ ملاحظہ کے لئے گزرانتا ہوں۔ مگر کاتب کے عدم دستیابی کے سبب سے ملتوی رہا۔

مدیہ بھی عرض کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ نا کامل ہے۔ ایک دوسرا مجموعہ مکمل جس میں کامل رباعیات حضرت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں کتابوں کی الماریوں میں ہے۔ مجھ کو خوب معلوم ہے۔ بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔

اخیر عرض یہ ہے کہ اگر یہ مجموعہ وہاں طبع ہو جاوے تو ایک جلد مرحمت فرمانا۔ مرقوم ۱۵ شوال ۱۳۲۳ھ مقام رائچور

کمترین روشن علی شرف"

اس دیوان کے ابتدائی ورق پر عصر نے ایک غزل (۱۰ شعر) بھی لکھی ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے:۔

مطلع۔ وصل میں دوستوں کے پہرے ہیں چاہ والوں کو دیکھ گھیرے ہیں
مقطع۔ مے اگر ہے حرام ہو، اے عصر کس کی سنتے ہیں یار بہرے ہیں

---

(۱۹۶) دیوان اوّل مزاج [۱۷۱/و]

اوراق ۱۳۶۔ سطور ۱۴۔

تقطیع ½۷″ × ۱۲″۔ خط نستعلیق شکستہ۔

مصنف۔ حکیم مظفر الدین خاں مزاج۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۶۱ھ۔

کاتب۔ غالباً مصنف۔ سنہ کتابت قبل ۱۲۹۱ھ۔

حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج (۱۲۳۱ھ۔ ۱۳۱۸ھ) استاد کل میر شمس الدین محمد فیض (دیکھو فہرست ہذا مخطوطات ۱۹۳ تا ۱۹۵) کے نہایت پُرگو اور مرفہ الحال شاگرد تھے۔ پائیگاہ رشید الدین خاں شمس الامرا کے خاندانی طبیب تھے۔ چنانچہ ان کے فرزند

نواب سرخورشید جاہ ان کے بڑے قدردان تھے اور اسی پائیگاہ سے مزاؔج کو منصب ملتا تھا۔

مزاؔج طبیب حاذق کی حیثیت سے بہت مشہور تھے اور ان کے علاج اکثر بیشتر کامیاب رہتے تھے۔ انہوں نے شاعری میں بھی طب کے برابر شہرت حاصل کی تھی۔ اور چار دیوان مرتب کئے تھے جن میں سے ابتدائی تین دیوان ادارے میں محفوظ ہیں۔

ان کا ایک دیوان تین سو صفحات پر چھپ بھی چکا تھا مگر افسوس ہے کہ شایع نہ ہوسکا۔ اس کے مطبوعہ اوراق ان کے ایک عزیز نواب عزیز یار جنگ بہادر کے یہاں راقم الحروف کی نظر سے گزرے تھے۔

مزاؔج کے صرف ایک فرزند حکیم محمد منورالدین خاں علاؔج تھے جنھوں نے اپنے والد ہی کی زندگی میں عنفوان شباب میں (مزاؔج کی وفات سے صرف ایک سال قبل) وفات پائی اور اپنے بوڑھے باپ کی بقیہ ایک سالہ زندگی کو مایۂ رنج والم بن گئے۔ علاؔج سے صرف ایک دختر یادگار تھیں جن کی اولاد موجود ہے۔ گر مزاؔج نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ

پڑھ کے اشعار مرے یاد کرے گی دنیا
بس رہے گا یہ مرا نام و نشاں میرے بعد

مزاؔج کے حالات اور نمونۂ کلام (مرتبہ اکبرالدین صدیقی صاحب ایم اے) تذکرۂ مرقع سخن جلد دوم کے صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر ادارۂ ادبیات اُردو نے شایع کر دیئے ہیں۔ اس لئے ذیل میں ان کے صرف اس دیوان اول کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

اس دیوان میں تقریباً ساڑھے تین (۳۵) ہزار اشعار ہیں۔ یہ غالباً مصنف ہی کا مبیضہ ہے اور اس میں جگہ جگہ مصنف نے اپنے قلم سے الفاظ اور مصرعوں میں اصلاح کی ہے۔ جس ورق سے ردیف الف شروع ہوتی ہے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

"ردیف الف از دیوان اول"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مزاؔج کا پہلا دیوان ہے۔ اس میں ردیفوں کے آخر میں اضافہ کے لئے متعدد سادہ اوراق بھی چھوڑ دیئے گئے جن میں سے بعض پر اضافہ کیا گیا ہے اور بعض سادہ ہی رہ گئے۔ اسی جلد میں مزاؔج کے اور دو دیوان بھی ہیں۔ جن میں سے تیسرے دیوان کی تاریخ کتابت ۲ رجب ۱۲۹۱ھ درج ہے جس کے لحاظ سے یہ دیوان تو بہت پہلے ہی نقل کیا گیا ہوگا۔ اس وقت مزاؔج کی عمر ۶۰ سال کی تھی اور اگر (جیسا کہ مرقع سخن میں بتایا گیا ہے) انہوں نے پندرہ بیس سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا تھا تو یہ دیوان اول ۱۲۶۱ھ سے قبل کا کلام قرار پاتا ہے۔

آغاز:—

جو کچھ کہا ہے لوح و قلم نے بجا کہا — معبود لا شریک لہٗ ربنا کہا
صد شکر تو نے دیں ہیں آنکھیں جہاں نما — تیری خدائی دیکھ کے تجھ کو خدا کہا

اختتام:—

تا تری تیغ سے ہو جاؤں شہید — کی تیاری شہدا کی میں نے
دل کسی جا نہ لگا اپنا مزاؔج — دل میں جب یار کے جا کی میں نے

یہ نسخہ نواب عزیز یار جنگ بہادر کا عطیہ ہے

(۱۹۷) دیوان دوم مزاج [۱۷۱/ج]

اوراق ۶۹ - سطور ۱۸ -

تقطیع ۸" × ½ ۱۲" - خط نستعلیق پاکیزہ -

مصنف حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج - سنہ تصنیف قبل ۱۲۹۱ھ

کاتب غالباً مصنف - سنہ کتابت قبل ۱۲۹۱ھ -

مصنف کے لئے دیکھو دیوان اول مزاج مخطوطہ نمبر ۱۹۶ -

یہ مزاج کا دوسرا دیوان ہے جس میں تقریباً ڈھائی ہزار اشعار موجود ہیں - یہ دیوان ادارے کی جلد نمبر ۱۷۱ کے صفحات ۱۵ تا ۵۵۳ پر درج ہے - لیکن اس کے ابتدائی اور آخری اوراق غائب ہیں اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ اصل دیوان کتنا بڑا تھا اور کب نقل کیا گیا ہے - چونکہ تیسرا دیوان رجب ۱۲۹۱ھ میں نقل کیا گیا تھا اس لئے ظاہر ہے کہ یہ اس سے قبل مرتب اور نقل کیا گیا ہے - اس کا کاغذ اور خط دیوانِ اول کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ ہے اور یہ زیادہ اہتمام سے نقل کیا گیا ہے - شاعر کا تخلص ہر جگہ سرخ روشنائی میں درج ہے - اور اس میں اضافہ کے لئے صفحات سادہ نہیں چھوڑے گئے ہیں - البتہ بعض جگہ حاشیہ پر اشعار اور غزلوں کا اضافہ کیا گیا ہے -

آغاز:-

پھر راہ پہ لادے بتِ اعجاز منش کو
گر آہ میں اعجاز ہو موسیٰ کے عصا کا
بھر آئے جو آنکھ اور بلند آہ رسا ہو
سامان عیاں خلق میں ہو ابر و ہوا کا

اختتام:-

جب سے خط ان کے لب پر آیا ہے
خط کسی کو لکھا نہیں کرتے
مزۂ عشق سے جو واقف ہیں
درد کی وہ دوا نہیں کرتے

یہ دیوان نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کا عطیہ ہے -

---

(۱۹۸) دیوان سوم مزاج [۱۷۱/ب]

اوراق - ۸۰ - سطور - ۱۸ -

تقطیع - ۸" × ½ ۱۲" - خط نستعلیق پاکیزہ -

مصنف - حکیم محمد مظفر الدین خاں مزاج - سنہ تصنیف قبل ۱۲۹۱ھ

کاتب - غالباً مصنف - سنہ کتابت ۱۲۹۱ھ -

یہ مزاج (۱۲۳۰ھ تا ۱۳۱۸ھ) کا تیسرا دیوان ہے - ان کے پہلے دو دیوانوں کا ذکر مخطوطات ۱۹۶ و ۱۹۷ میں گزر چکا ہے - یہ دیوان مکمل ہے - اور اس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں - مزاج کے کل چار دیوان تھے (دیکھو مرقع سخن جلد دوم صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۲) - لیکن چوتھا دیوان ادارے میں موجود نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اب وہ کہیں محفوظ بھی ہے یا نہیں - یہ ۱۲۹۱ھ سے قبل کا کلام ہے اور اس کے بعد مزاج ۲۷ سال اور زندہ رہے - اس عرصہ میں ایک اور دیوان ضرور مرتب کیا ہوگا - اور غالباً وہی دیوان چھاپا بھی گیا تھا جو شائع نہ ہو سکا - بلکہ اس کے مطبوعہ اوراق نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کے یہاں موجود ہیں اور راقم کی نظر سے گزرے ہیں -

ادارے میں ان کے جو تین دیوان ہیں ان میں صرف

غزلیں درج ہیں جن کے جملہ اشعار کی تعداد دس ہزار ہے۔ لیکن غزلوں کے علاوہ مزآج نے رباعیاں اور قطعات وغیرہ بھی لکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ہم عصر شاعروں کے مجموعوں میں ان کے قطعات تاریخی بھی نظر سے گزرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کا کلام منتشر ہی رہا۔ اگر ان کے شاعر فرزند حکیم منورالدین کا صلاؔح ان کے بعد زندہ رہتے تو شاید ان کا پورا کلیات مرتب ہونے پاتا۔ یہ تینوں دیوان بھی اتفاقاً نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کی عنایت سے ادارے میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ چونکہ مزآج ایک اچھے شاعر تھے اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے جملہ کلام کا ایک عمدہ انتخاب تلاش وجستجو کے بعد مرتب کیا جائے۔ ایک ایسے انتخاب کے بعد یقیناً واضح ہو جائے گا کہ مزآج اردو کے بلند پایہ شعرا میں سے تھے۔

اس دیوان کے حاشیہ پر بیسیوں غزلوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اور یہ دیوان پختگی کلام اور اعلیٰ مضامین کی وجہ سے پہلے دو دیوانوں میں ممتاز ہے۔

آغاز:—

مصرعۂ دیوان ہے قد اس بت دلخواہ کا
جس کی ابرو میں ہے خم محراب بیت اللہ کا
ہے مجھے مطلوب جس خورشید صورت کا وصال
یہاں سے اوس کے شہر تک ہے راستہ یک ماہ کا

اختتام:—

تکمہ اگر ستارہ ہے اوس جامہ زیب کا
رشک ہلال عید گریباں تمام ہے
سطریں ہیں سرو برگ گل تر ورق ورق
دیوان یہ کتاب گلستاں تمام ہے
(ایک مصرع کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے)

بس اس غزل پہ تیسرا دیوان تمام ہے

ترقیمہ:—

"بعونہ باتمام رسید بتاریخ دوئم شہر رجب ۱۲۹۱ ہجری"

یہ دیوان نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیزؔ کا عطیہ ہے۔

---

(۱۹۹) قصۂ ابوشحمہ [۶۱۱]

اوراق ۸۔ سطور ۱۰۔
تقطیع ۶½ × ۱۰۔ خط نستعلیق معمولی۔
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ
کاتب۔ سید عبدالغفار۔ زمانہ کتابت قبل ۱۳۰۰ھ۔

یہ قصہ ۱۰۹۰ھ میں مثنوی کی شکل میں گولکنڈے کے ایک شاعر امینؔ نے قلمبند کیا تھا۔ اور اس کا ایک قلمی نسخہ جو سرینگ پٹن میں نقل کیا گیا تھا انڈیا آفس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ (فہرست بلوم ہارٹ نمبر ۱۷)

مثنوی ابوشحمہ میں ۶۰۷ ابیات تھیں جن کا کچھ انتخاب اور قصہ کا خلاصہ مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی نے کتاب "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۶ پر شائع کیا ہے۔

زیر نظر مخطوطہ قصیدے کی شکل میں ہے اور اس میں جملہ ۱۵۵ اشعار ہیں۔ مصنف نے اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کیا اور نہ سنہ تصنیف ہی لکھا۔ زبان و اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیرھویں صدی کا کوئی شاعر تھا جس نے امینؔ کی طویل مثنوی کا خلاصہ لکھا ہے۔ مضامین بالکل اسی ترتیب سے لکھے ہیں جو مثنوی ابوشحمہ کی ہے۔ اس قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک حسین وجمیل اور

خوش لحن فرزند ابو شحمہ کو شراب پینے اور زنا کے جرم میں کوڑوں کی سزا دی جس کے اثنا میں وہ انتقال کر گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ٹیپو سلطان کے زمانہ میں میسور اور سرینگ پٹن میں بہت مقبول تھا۔ چنانچہ انڈیا آفس کا نسخہ وہیں نقل کیا گیا تھا۔

اور بعد کو اس قصہ کی اتنی مانگ ہوئی کہ زیر نظر مخطوط بنگلور میں شایع بھی کیا گیا جس کا حال اس نسخہ کے سرورق پر اس طرح درج ہے۔

"مطبع احمد قلندر معسکر بنگلور میں طبع ہوا باہتمام بندۂ درگاہ کریم ابراہیم بن نائب شیخ احمد قلندر عفی عنہ"

آغاز:۔

وصف رب الحمد للہ بولتا ہوں ابتدا
شوق سوں اپنے دیکھو روشن کیا ہر دوسرا
نور سوں اپنے نبی نور نبی سوں دو جہاں
تاج شاہی دے کیا ہے جن کو ختم الانبیاء

اختتام:۔

حور و غلماں سب کھڑے ہیں صف بصف خدمت متے
دیکھو شحمہ کے مراتب کیوں ہے از فضل خدا
سن انا کر ختم ضم (م) فاتحہ پڑ دل ستے !
لاویں گے شحمہ نے بی سب دل کی نیرے مدعا

اس کے بعد ایک نعتیہ غزل بھی اس مخطوطے میں درج ہے جس کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

مطلع۔ چمکا جہاں میں جب مہ اقبال مصطفےٰ
اہ سپہر ہو گیا پامال مصطفےٰ

مقطع۔ کافی ہے اپنے واسطے گر منکر و نکیر
دکھلائیں لا کے قبر میں تمثال مصطفےٰ

ترقیمہ:۔ "کتبہٗ عاصی بندۂ جبار سید عبدالغفار"

یہ کتاب حضرت قادری بی صاحبہ کے کتب خانے کی ہے اور انہی کی فرمائش پر ان کے حقیقی بھانجے سید عبدالغفار نے ۱۳۰۰ھ کے قریبی زمانہ میں نقل کی ہے اور اس کو راقم الحروف نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا ہے۔

---

(۲۰۰) روپ سنگار [۱۰۷]

اوراق ۱۹ سطور ۱۱۔

تقطیع ۵ × ۷۔ خط نستعلیق پاکیزہ۔

عنوانات سرخی میں۔

مصنف۔ محمد باقر آگاہ ویلوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۵ھ۔

زمانہ کتابت۔ قبل ۱۲۹۹ھ۔

محمد باقر آگاہ ویلوری (۱۱۵۸ھ۔ ۱۲۲۰ھ) کی کئی کتابیں (مثلاً عقائد نامہ، تحفۃ النساء، ہشت بہشت کے آٹھوں رسائل، محبوب القلوب، ریاض الجنان، مراثی آگاہ) ادارے میں محفوظ ہیں اور ان کا ذکر اس فہرست کے مخطوطات نمبر ۴۹ تا ۶۳ اور ۸۹ و ۹۰ میں گزر چکا ہے۔ اور آگاہ کے تفصیلی حالات بھی انہی کے سلسلہ میں درج ہوچکے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف "روپ سنگار" کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

یہ ۲۷۰ ابیات کی ایک اردو مثنوی ہے جو مختلف فارسی رسائل مثلاً "محبت نامہ" "عروض سیفی" وغیرہ کے درمیان ایک ہی جلد میں اوراق ۸۱ تا ۹۹ پر نقل کی گئی ہے۔

آگاہ نے کتاب کا نام اس بیت میں لکھا ہے۔

بنا جب حسن کا آئینہ دار رکھا میں نام اوس کا روپ سنگار
(ورق ۹۷ ب)

اس کے علاوہ آخر میں جو قطعۂ تاریخ کتاب لکھا ہے اس کے پہلے شعر میں بھی یہی نام لکھا ہے۔ اس قطعے کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:۔

مطلع۔ ہے یہ روپ سنگار وہ فارسی کہ جو ہے اپنا دیکھے وہاں حسن و عشق

مقطع۔ یہ جب سال تاریخ چاہا سروشا کہا میں عجب گل فشاں حسن و عشق
۱۲۱۵

مثنوی کے ابتدائی حصہ میں بھی مصنف نے حسب ذیل بیت میں سنہ تصنیف واضح کر دیا ہے:۔

ہے اب ہجرت سے باراسو پہ پند ۱۲۱۵ کہ اعجاز اوس کا ہے جیسے کالویا

آگاہ نے سبب تالیف میں اپنی ایک اور کتاب "من درپن" مصنفہ ۱۲۰۲ھ کا ذکر اس بیت میں کیا ہے ؎

وجوہ اعجاز قراں کے ہیں بسیار میں کچھ بولا ہوں من درپن میں آیار

(۸۲ ب)

"من درپن" کا قلمی نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے (دیکھو فہرست ہٰذا نسخہ نمبر ۵۸)

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا باقر آگاہ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ سنسکرت اور برج بھاشا کے بھی ماہر تھے۔ چنانچہ درمیان کتاب میں خود اپنے بعض دوہے اور کبت درج کئے ہیں۔

یہ کتاب نائکہ بھید کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ سنسکرت شاعری میں عورتوں کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور ان کے جو مختلف جذبات واضح کئے گئے ہیں ان سے مصنف نے اس کتاب میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

اس مثنوی کے آغاز میں عربی زبان اور ادب کے کمالات بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد سنسکرت کی تعریف کی ہے۔ سنسکرت کے لئے مصنف نے ہندی کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس موضوع پر اس کی چند ابیات یہ ہیں:۔

تعریف زبان سنسکرت

زبانیں جو مروج ہیں بہ عالم کہ شہرت سے ہوئے ہیں وہ کرم
سنے ہم بعض اور بعضوں کو دیکھے نگاہ غور سے سب کو پرکھے
نہیں کوئی ان میں ہی ہندی کے مانند ہے جس کا نام سنسکرت اے خردمند
ہے وسعت اوس کی بے حد اے گرامی فصاحت اور تفرد سے ہے نامی

اس کے بعد عربی و سنسکرت کی مشابہتیں دکھائی ہیں کہ دونوں میں جنسیں تین ہیں (یعنے مذکر، مونث، مخنث) اور واحد تثنیہ و جمع کے صیغے بھی دونوں میں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ میں امیر خسرو کی وہ ابیات نقل کی گئی ہیں جو انہوں نے سنسکرت کی تعریف میں لکھی تھیں۔ یہ ابیات ان کی مثنوی "نہ فلک" سے منقول ہیں۔

ہندوستان اور سنسکرت کی تعریف کے بعد مصنف نے ان خصوصیات کو تفصیل سے ظاہر کیا ہے جو سنسکرت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ہر خصوصیت ایک نئے عنوان سے شروع کی ہے جس پر بجائے موضوع کا عنوان لکھنے کے صرف "فائدہ" لکھا ہے۔ ایسے فائدوں کے موضوعوں کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ رس کی تعریف اور اس کی اقسام (۸۵) ۲۔ اسباب عشق (۸۶) ۳۔ مقولات عشق (۸۶ ب) ۴۔ نایکا بھید (۸۷ ب) آخری سرخی کے تحت عورتوں کی تمام قسمیں بیان کی ہیں۔ اور ہر عورت کے جذبات کی خصوصیات سنسکرت شاعروں نے جس طرح قلمبند کی ہیں ان کی وضاحت کے لئے آگاہ نے خود ہی دُہرے اور کبت تصنیف کئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کبت درج ذیل ہے جو دھیرا نایکا کا ترجمان ہے۔

کبت از زبان دھیرا نایکا

نہیں یہ کاجل زحل طرح کا ہلال لب پر ترے پیارے
کیا ہے بل مہر تجھ دہن پر سیاہ بختی نے میری آ رے

نہیں ہوئی ہے گی شب کی جگجگی سے لال ایسی نین نہاری
وہ آرسی سے نگہہ کے جو ہر ہوئے ہیں رنگیں حزہ بارنے (۹۲)

کتاب کے آخر میں آگاہ نے اپنے ایک معاصر میر غلام علی آزاد بلگرامی سے اختلاف کیا ہے اور ان کی غلطی بتائی ہے آزاد نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا تھا کہ اگرچہ عربوں نے بھی عورتوں کی قسمیں بیان کی ہیں لیکن وہ ہندیوں جیسی کثیر قسمیں نہ بنا سکے۔ اس کے بعد آزاد کی پیش کی ہوئی تفصیل لکھی ہے۔ اور آخر میں اس کے جواب کے طور پر کہتے ہیں: ۔

لکھا ہے اس قدر ہی میر آزاد   یہ تحریر اوس کی ہے گی حیرت ایجاد
غلط ہے یہ بیاں بے شبہ واللہ   تو صادق جان بے شک حرف آگاہ
یہ اتنا فرق ہے ہند و عرب میں   ہے تخصیص اون کے مضمونوں کے ڈھب میں

اس کے بعد اس موضوع کی اپنی طرف سے کچھ وضاحت کی ہے۔

یہ کتاب آگاہ نے بڑی محنت اور تحقیق سے لکھی ہے۔ اور جگہ جگہ بعض کتابوں کے حوالے دیئے ہیں مثلاً

نہہ فلک و رسالۂ عشقیہ و شمامۃ الکافوریہ فی وصف المعاہد الایلوریہ از امیر خسرو و غایۃ الاحسان از جلال الدین سیوطی وغیرہ۔

آغاز:۔

بس از حمد خدا و نعت مختار   سو اس مضموں کو گوش دل سوں ایک بار
کہ ہے تازی زباں کی طرز تازی   کرے ہے نت فلک پر تر کتازی

اختتام:۔

درود بھیج ہر دم اوس پہ یا رب   اور اوس کے آل اور اصحاب پر سب
اور اوس کے تابعانِ خاص اوپر   خصوص اوس پر جو ہے محبوب اکبر

آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن خط اسی کاتب کا ہے جس نے آگاہ کی ایک اور کتاب ریاض الجنان لکھی تھی (دیکھو مخطوطہ نمبر ۶۲)

یہ نسخہ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے راقم الحروف کو عطیہ دیا تھا اور اس کے سرورق پہ ان کے یہ دستخط ثبت ہیں: ۔۔

"محبی ڈاکٹر زور کی خدمت میں تحفہ۔ ہاشمی"۔ میں نے اس کو ادارے میں بطور عطیہ داخل کر دیا ہے۔

---

(۲۰۱) مثنوی علی [۴۵۱]

اوراق ۲۔ سطور ۱۷۔
تقطیع ۵"×۹"۔ خط ثلث۔
مصنف علی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔
کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ۔

علی تخلص کے تین اور شاعروں کی کتابوں، مناجات [مخطوطہ نمبر ۷] پند دلبند [مخطوطہ نمبر ۲۲] اور نامۂ علی [مخطوطہ نمبر ۲۳] کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گزر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ مخطوطات نمبر ۷ و ۲۲ کا مصنف زیر نظر مثنوی کا بھی مصنف ہو۔

یہ ایک ناقص الاول مثنوی ہے جس میں بحالت موجودہ صرف (۳۱) ابیات ہیں۔ اس کا موضوع تصوف ہے اور اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عشق مجازی انسان کو عشق حقیقی تک پہنچا دیتا ہے۔ کاتب کم سواد معلوم ہوتا ہے۔ اکثر الفاظ کا املا غلط لکھا ہے۔ چنانچہ مجازی کو ہر جگہ "مزازی" لکھا ہے۔

یہ مثنوی دراصل کسی طویل قصہ کا آخری حصہ ہے اس میں ایک درویش کی ایک شاہزادی کے ساتھ عاشقی بیان کی گئی ہے جو دراصل عشق حقیقی کا بہانہ تھی۔ آخری اشعار میں شاعر خود بھی ویسی ہی محبت کے لئے خدا سے دعا مانگتا ہے۔

آغاز:۔

دوتیاں شاہ ترکاں دیا آ کر مار   گیا خاص لشکر کیرا جنگ بار
ہوا جب جہاں روشن از افتاب   سو اوس وقت وو شاہ عالی جناب

اختتام :-

خدایا علی کوں تو دے صدق سوز عطا کرتوں اس وقت اوٹیک روز

ترے صدقے میں جو نکہ اور دیگر دیا جو اپس کا ترا خلوا دیکہ !

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد کار من نظام شد - الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"

یہ مثنوی ایک ضخیم بیاض کے ابتدائی اوراق میں درج ہے - اس بیاض میں کئی رسالے اور نظمیں شامل ہیں جن کا مذکرہ آئندہ صفحات میں شریک ہے - یہ بیاض عبداللہ حسینی صاحب کا عطیہ ہے -

(۲۰۲) قصہ ہرنی کا [۳۵۲]

اوراق ۲ - سطور ۱۶ -

تقطیع ۵ً × ۹ً - خط ثلث -

زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانۂ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ -

یہ ۱۹ اشعار کی ایک نظم ہے جو بطور قصیدہ لکھی گئی ہے - لیکن اس میں شاعر نے (جس کا نام معلوم نہ ہو سکا) صرف ردیف کا خیال رکھا ہے قافیہ کی پروا نہیں کی -

اس نظم میں آنحضرت نبی کریم کا مشہور معجزہ قلمبند کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک ہرن جس کے آنحضرتؐ ضامن ہوئے تھے، وعدہ کے مطابق واپس آئی - مصنف کوئی صوفی شاعر ہیں - اسی لئے شاعری کے معمولی لوازم کا بھی خیال نہیں رکھا ہے - کاتب نے ہر مصرع کو دو ٹکڑے کرکے اس طرح لکھا ہے کہ گویا بجائے ۱۹ کے ۳۸ شعر ہیں -

آغاز :-

پیدا کیا حق نے نبی دیا نہ کوئی نبیوں منے

دیتا بڑائی ان کے تیئں نبیاں ستی محشر منے

سب انبیاں ہور اولیاں کر گئے ہیں دل میں آرزو

پاویں دو جگ میں ہم شرف ہوویں جو اس امت منے

اختتام :-

جنگی جناور ہیں جتے لاگے نبیؐ کے آچرن

توڑیا کفر دل کا سبھی لا صدق سب کے دل منے

نیکی عبادت تم کرو غافل نہ ہو ہشیار ہو

پینا پیا لا موت کا دنیا جو ہے فانی منے

(۲۰۳) مناجات غفار [۳۵۳]

اوراق ۲ - سطور ۱۷ -

تقطیع ۵ً × ۹ً - خط ثلث -

مصنف - غفار - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانۂ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ -

قصیدے کے طور پر یہ ایک مرصع نظم ہے جس کے تقریباً ہر شعر میں چار مقفیٰ ٹکڑے لائے گئے ہیں اور ہر شعر کا آخری حصہ وہی ہے جو پہلے شعر کے آخر میں آیا ہے - اس طرح ۲۰ شعر لکھے ہیں جن میں حضرت رسول اکرم سے ہدایت نیک کی التجا کی ہے - شاعر کا تخلص غفار ہے جس کا کوئی اور کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے -

آغاز :-

ہمیشہ منجہ عاصی کوں نبی جی آسرا تیرا

جہنم کے خلاصی کوں نبی جی آسرا تیرا

قیامت کا کٹھن رہ ہے سوا اودن سب پتشکل ہو

گنہ منجہ سر پو سنگیں ہے نبی جی آسرا تیرا

اختتام :—

ہمیں امت تمارے ہیں غریب عاجز بچارے ہیں
تمیں صاحب ہمارے ہیں نبی جی آسرا تیرا
رکھیا اعتقاد سریا کر محمدؐ کے قدم اوپر
گنہ میرے سو بخشو کر نبی جی آسرا تیرا

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ نظم اسی بیاض (نمبر ۶۸) کے اوراق ۳ و ۴ پر درج ہے۔ جس کا کاتب شیخ عبدالقادر ہے۔

(۲۰۴) کشف المعراج [۳۵۴]

اوراق ۴ - سطور ۱۷ -

تقطیع ۵ x ۹ - خط ثلث -

مصنف - مواہب - زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانۂ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ

یہ ۴۱ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں کسی صوفی شاعر مواہب نے اپنے عقیدتمندوں کے لئے تصوف و اخلاق کی مفید نصیحتیں قلمبند کی ہیں۔ یہ ایک غیر معروف شاعر ہے لیکن کلام سے پختہ مشقی ظاہر ہوتی ہے۔

آغاز :—

الحمد للہ قادر سبحان عز و جل ہے
احمد سوں لے احد لگ یک نکتہ میں جل ہے
باطن میں تھا سو قدرت ظاہر کیا محمدؐ
ان کا طفیل معراج مومن پو پل میں پل ہے

اختتام :—

یک دم ہے زندگی تجہ لیکن ہے نیم دم سب
اس نیم دم میں کرلے پھر کر نہ آج کل ہے۔
جد ہوئے فانی فی اللہ تب ہوئے باقی باللہ
کر ختم توں مواہب ہر نکتہ شہ غزل ہے

ترقیمہ :— "تمت تمام شد کار من نظام شد الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"

(۲۰۵) کلام شغلی [۳۵۵]

اوراق ۴ - سطور ۱۷ -

تقطیع - ۵ x ۹ - خط ثلث

مصنف - شغلی بیجاپوری - زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۹۷ھ۔

کاتب - شیخ عبدالقادر - زمانۂ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ۔

شغلی بیجاپور کے صوفی شعرا میں سے تھے۔ محمد باقر آگاہ ویلوری نے جو بیجاپوری الاصل تھے ان کا ذکر کیا ہے۔ زیر نظر بیاض میں ان کا جو کلام درج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ "دکن میں اردو" ص۱۶۹ میں ان کی ایک کتاب "پندنامہ" کا ذکر درج ہے۔

چونکہ شغلی کے کسی کلام کا کوئی نمونہ اب تک منظر عام پر نہیں آیا ہے اس لئے اس بیاض میں ان کی جو نظمیں ہیں ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ کاتب نے بہت غلط نقل کیا ہے اس لئے بعض شعر یقیناً مسخ ہوگئے ہیں۔

۱- غزل - ۵ شعر ہیں - (ورق ۷ و)

مطلع - بے چوں کر بولیا جگت کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے
سبحانہ کوئی اب تلک کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے

مقطع - شغلی (ترا) اپنا درم انی انا اللہ کا مرم !
ناکوں اتنا رکھ مجرم کاڑی کے اوجل پہاڑ ہے

۲- غزل - نہایت مرصع اور اعلیٰ پایہ کی غزل ہے جس میں ۵ شعر ہیں۔ (ورق ۷ ب)

مطلع ۔ تجہ حسن کا دیپک جنے دیکھیا سو پروانا ہوا
تیرے ادھر کا مئے جنے چاکھیا سو دیوانا ہوا

مقطع ۔ انگشت نما ہو دو جگت پھرتا ہوں ہو تیرا بھگت
پن توں کدہیں یوں نیں کہت شغلی کدہر آنا ہوا

۳۔ غزل ۔ اس میں ۷ اشعار کی غزل ہے (ورق ۸ ب و ۹ ا)

مطلع ۔ منجے لحظ جنے پیالا دیا ساقی جو وحدت کا
چڑھی منجہ کیف قرب حق نقش چاکھیا ہدایت کا

مقطع ۔ جلا کر گیان کی پونی اندھارا اٹھ گیا جوتی
صفت نکتہ کیا ذاتی نے شغلی شغل حالت کا

۴۔ غزل بعنوان پر لکھا ہے کہ شغلی کی غزل ہے۔ لیکن اس میں مقطع نہیں ہے۔ اس غزل میں ۸ اشعار ہیں۔ غالباً یہ شغلی ہی کی ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس کا لقب باقی باللہ ہو۔

مطلع ۔ نظر کی گو دیں دیدہ دیدے میں نظر دستا
سو اوس دیدے کے ہوئے میں سو جل باہر بھیتر دستا

مقطع ۔ بقی باللہ پیمبر پیر و مرشد کی شفاعت سوں
کریما کی نظر میں سب رحیما کا ہنر دستا !

۵۔ نظم وحدت ۔ ۲۰ اشعار کی ایک نظم ہے جس میں دو غزل نما بند ہیں۔ ان میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ مثالوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ ہر بند کے ابتدائی اور آخری شعر یہ ہیں۔ (ورق ۱۱ ا و ب)

پہلا بند۔ لئے ذات اصل نور عشق جمالی جلال صفت
نزول و عروج ہوا اس نقل میں نقل میں ہوں

مقطع ۔ چور میں چور، چور میں ٹھگ میں ٹھگ میں متیاں
فن میں فریب، فریب میں بگل میں جھگل میں ہوں

دوسرا بند۔

مطلع ۔ مصحف میں جز ہے، جز میں صورت میں صورت میں ہوں
ترس میں حرف حرف میں ارت میں ارت میں ہوں

مقطع ۔ سچ شغلی میں صنم ہے صنم میں محو ہے غم۔ غم میں
شغل میں شغل میں، پرت میں پرت میں ہوں

۶۔ نظم ۔ یہ ۴۷ اشعار کی ایک طویل مرصع نظم ہے جو بجائے خود ایک رسالہ ہے اور جس میں امام حسین علیہ السلام کا فلسفۂ شہادت بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک بڑی نظم ہے اس لئے ابتدا اور آخر کے دو دو شعر درج ذیل ہیں۔

آغاز:۔

جب گنج مخفی توں انھا تب تخم تھارے یا حسین
اب او تخم سوں توں شجر ظاہر دیسا رے یا حسین
جگ میں طریقہ تج نوا بولن مجے لازم ہوا
روشن ہوا منجہ دل دیوا تیری عطا رے یا حسین

اختتام:۔

توں ذات سلطانی منیر درماندگاں کوں دستگیر
جیوں منجہ کیا روشن ضمیر توں میں پکارے یا حسین
یا کوئی منجہ کا فر کہو یا تج پو کوئی شاکر رہو
تجہ غم شغل میں ہو محو شغلی ہوا رے یا حسین (ورق ۱۶ و ۱۷ ا)

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد۔ کار من نظام شد۔ الحقیر الفقیر شیخ عبد القادر
این خط است سم"

۷۔ قصیدہ ۔ یہ ۱۳ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں صوفیانہ مضمون لکھے گئے ہیں اور کسی کے مرید ہونے کی طرف رغبت دلائی گئی۔

مطلع ۔ شہ رگ تے رب تیرے ہیے توں بھاگتا ہے کیوں بعید
گر نے سنیا توں سن اونحن اقرب الیہ حبل الورید

مقطع ۔ شغلی خدا کوں کھوے کر، خود میں خدا کوں جوے کر
یوں مل رہا یک ہوے کر، جوں قطرہ فی البحر العقید

شغلی کا یہ تمام کلام ادارے کی بیاض نمبر ۱۵۳ میں مختلف مقامات پہ درج ہے یہاں سب کا تذکرہ ایک ہی جگہ کیا گیا ہے۔

---

۲۰۶) کلام سلطان [۳۵۶]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۶ × ۹۔ خط ثلث۔

مصنف۔ سلطان۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانۂ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ

یہ ایک بڑے صوفی شاعر تھے۔ ان کا ایک مکمل دیوان راقم الحروف کی نظر سے گزرا تھا جو غالباً ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی ملک ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کرنول یا اس کے قرب وجوار کے رہنے والے ہوں۔

سلطان، میراں شاہ معروف کے خلیفہ تھے چنانچہ افضل نے نجی الدین نامہ میں لکھا ہے کہ:۔ (دیکھو مخطوطہ ۲۱۲)

میراں شاہ معروف او دستگیر کہ دل میرا کر پاک روشن ضمیر
دیئے دست پنجہ بھوے سات میں دئے منجکو سلطان کے ہاتھ میں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معروف نے اپنے خلیفہ سلطان کے سپرد افضل کو کیا تھا۔ مرتضیٰ بھی سلطان کا مرید تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

کہ سلطان مرشد ہے روشن منیر کیا عاشقاں میں سو منجکوں امیر
(دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۰)

ادارے کی اس بیاض میں سلطان کی ۹ غزلیں محفوظ ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہ ہے:۔

۱۔ یہ ۵ شعر کی مرصع غزل ہے جس میں مسلسل تصوف کا مضمون باندھا گیا ہے۔ (ورق ۷ ب)

مقطع۔ تس ذات کی (رے) بحر تے قابل ہو جب تے گل ہوا
تب صفت سوں موجاں آپل تس بحر میں یک گل ہوا

مطلع۔ دیکھے سکل جب یو ہنر تب جا ہوئی سب جا خبر
سلطان جگ آیا لگر پھر دو جہاں میں غل ہوا

۲۔ یہ بھی ۵ شعر کی غزل ہے جس میں تصوف کے مضامین باندھے گئے ہیں۔

مطلع۔ دل میں تے دور کرنوں دنیا کی آس مطلق
حق کا پکڑ طلب توں ہو کر نراس مطلق

مقطع۔ بن وصل حق اجوا کوئی ہیں غیبت میں عمر کھوتے
سلطان کا ادن کوں ہے نت وصاس مطلق (ورق ۸ الف)

۳۔ تصوف کے مضامین میں ۶ اشعار کی غزل ہے۔ (ورق ۸ ب)

مطلع۔ جب لگ نہ تھا اس کو اسم تب (الگ) اتھا نابود ہو
جب جا نے پایا اسم تب آ گیا محمود ہو

مقطع۔ نجہ عشق کے سلطان سوں ملنے ہنر کس کوں نہیں
دن رین پھر اس شغل میں ہر عشق میں موجود ہو

۴۔ اس غزل میں ۶ شعر ہیں۔

مطلع۔ جدھاں تے منج لگیا ہے چرصنم تے عشق بازی کا
نداں تے میں سخن بھاتا منجے قصہ درازی کا

مقطع۔ جہاں میں جہاں ہو تب تے ہوا سلطان لاابالی
بدھاں نے قرب دھرتا ہو گر بندہ نوازی کا (ورق ۹)

۵۔ ۵ شعر کی اس غزل میں عارفانہ مضامین باندھے ہیں۔

مطلع۔ عاقل سنو حیوان سوں انسان نے پایا شرف
انسان کے مظہر ستی سبحان نے پایا شرف

مقطع۔ بد کیا برا ہے عاشقاں ہر بد پو ہر دم شکر ہے
ابلیس بینتے دین کے سلطان نے پایا شرف

۶۔ ۵ شعر۔ معرفت حق کے مسائل بیان کئے ہیں۔

مطلع ۔ بھر پایا ہے او تو سب جاگا ہوا کیوں تانو خالی کا
سمجھ کر دیکھ عارف یو معماریں کالی کا

مقطع ۔ قدیش داتا اکبر توں الاعلی و لا یذکر
کرے سلطان تازہ تر سخن توں بول حالی کا

۷ ۔ صرف ۴ شعر ہیں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں

مطلع ۔ من عرف کے اسپیں میں لئے ہیں بیاں سچ
دیتا ہوں تج خبر دلے اس کے نشاں سچ

مقطع ۔ سلطان جاں لگ رہنا سو بھید پائے کر
گنج خفی کا عمل و خصوص میں نہاں سچ (ورق ۱۸)

۸ ۔ عارفانہ مضامین ۔ ۴ شعر کی غزل ہے ۔

مطلع ۔ سماوے بجز مٹانا خطرہ سورہ خطر کا
تب لگ نہ دور ہووے پردہ نظر اُپر کا

مقطع ۔ جن گنج کے تخت کا سلطان ہو رہیا ہے
امید اوس کوں کیا ہے بھی ملک و سیم و زر کا
(ورق ۴۲)

۹ ۔ پند و موعظت میں ایک غزل نما نظم ہے جس میں ۱۱ شعر ہیں ۔

مطلع ۔ دنیا کی سوں پرت بند گرفتار نکو ہو
کھو دین کی نعمت اس اپیں خار نکو ہو

مقطع ۔ تج مغز کے اسرار کے سلطان ستی مل
توں ہو غنی عاجز دلے ناچار نکو ہو (۴۲ ب)

یہ تمام غزلیات ادارے کی بیاض نمبر ۱۵/۳۶ میں مختلف شعرا کے کلام کے درمیان درج ہیں ۔ یہاں ان کا تذکرہ ایک جگہ لکھ دیا گیا ہے ۔ اس بیاض کا کاتب شیخ عبدالقادر ہے جس نے اپنا نام اکثر نظموں اور غزلوں کے آخر میں لکھا ہے ۔

(۲۰۷) مناظرۂ عقل و عشق [۲۵۷]

اوراق ۲ ۔ سطور ۱۰

تقطیع ۵ × ۹ ۔ خط ثلث ۔

زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ۔

کاتب شیخ عبدالقادر ۔ کتابت قریب ۱۱۲۰ھ ۔

یہ ۲۹ ابیات کی ایک مکمل مثنوی ہے جس میں کسی دکنی شاعر نے عقل و عشق کا نہایت پر لطف اور عارفانہ مناظرہ پیش کیا ہے ۔ اس قسم کی نظمیں بعد کو بھی اردو میں لکھی گئی ہیں لیکن یہ نظم اپنی قدامت کی وجہ سے خاص کر قابل قدر ہے ۔

آغاز ۔

عقل بولی نا دیوانے شان لے   عشق بولیا سر کفن توں باندھے
عقل بولی کر اندیشہ ہور فکر   عشق بولیا کر فنا اپنا سر پر

اختتام : ۔

عقل بولی چل مذہب کی بندگی   عشق بولیا کر مذہب سوں رندگی
عقل بولی کرتوں روزہ ہور نماز   عشق بولیا کر پرستی کا اواز
عقل بولی عشق کوں کر بندگی

اس کے بعد بغیر کسی ترقیمے کے شعتی کا ایک ترکیب بند شروع کر دیا گیا ہے ۔ جس کا موضوع بھی عقل و عشق سے متعلق ہے ۔ شغلی کے لئے دیکھو مخطوطہ نمبر (۲۰۵) ۔

۲۰۸) کلام اسمٰعیل [۳۵۸]

اوراق ۔ ۱۰ ۔ سطور ۔ ۱۷ ۔

تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث ۔

مصنف شیخ اسمٰعیل زمانہ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ ۔

شیخ اسمٰعیل کوئی دکنی صوفی شاعر تھے جو شاعری سے زیادہ تصوف میں محو تھے اسی لئے ان کا کلام شاعرانہ لوازم سے معریٰ ہے ۔ اس نام کے دو بزرگ دکن میں گزرے ہیں

(۱) شیخ اسمٰعیل بن شمس الدین متوفی ۹۸۵ھ جن کی قبر پھری میں واقع ہے ۔ عماد شاہ والی برار ان کا معتقد تھا ۔ صاحب کرامت تھے (محبوب ذی المنن جلد اول، ص ۱۲۱)

(۲) شاہ اسمٰعیل بن سید حسن تیلوری متوفی ۸۱۱ھ جن کی قبر بیلور میں ہے ۔ محمود شاہ بہمنی اول کا معتقد تھا ۔ ان کی بھی کرامتیں مشہور ہیں ۔ (محبوب ذی المنن جلد اول ص ۸۹)

لیکن زیر نظر کلام بعد کے زمانے کا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کے مصنف ان دونوں کے بعد کے کوئی صوفی ہوں گے جن کے حالات معلوم نہ ہوسکے ۔ ان کی حسب ذیل نظمیں ہیں ۔

۱ ۔ تشریح کلمہ توحید ۔ یہ ۴۴ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں قافیوں کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے ۔ مصنف نے کلمہ پڑھنے والوں کو کلمہ کے مفہوم سے بہ تفصیل آگاہ کیا ہے ۔

آغاز :۔ کلمہ جو بولتے ہیں کلمہ کو سمجھتے نیں
کلمہ زباں سوں پڑتے دل میں سو کفر ہوتے

اختتام :۔
کلمے سوں روشنی پایا دل میں کا کفر دھایا
روشن ہوا سو منج دل بولیا سو شیخ سماعیل

۲ ۔ معرفت وجود باری ۔ یہ اصل میں ۱۹ ابیات کی ایک مثنوی ہے لیکن اس کو شاعر نے ترکیب بند کے طور پر لکھا ہے یعنے ہر دو دو ابیات کے بعد پہلی بیت دہرائی گئی ہے ۔ قافیہ ردیف اور وزن سے شاعر بالکل بے پروا ہے ۔

آغاز :۔
کیتا سووے گا ہوشیار ہو تو
تیرے دل میں موجود ہے او
اول کامل مرشد پانا آخر تجے نجات ہونا
یو بوج ہر کیں نوں بوج ہیا تیرے دل کوں ثابت کرنا
کیتا سوویگا ہوشیار ہو تو تیرے دل میں موجود ہے او

اختتام :۔
بولے سو شیخ اسماعیل نے آیا دل میں شاہد ہونے
پایا ہوں میں محرم ہوکر بھریا آکر موجود ہوکر
کیتا سووے گا ہوشیار ہو تو تیرے دل میں موجود ہے او

۳ ۔ مثنوی مقامات ۔ ۱۴ ابیات کی اس مثنوی میں شاعر نے عشق حقیقی کی منزلیں اور مقامات بیان کئے ہیں ۔

آغاز :۔
اول شریعت میں ڈھونڈیا میں اندھارا سو دیکھیا منجہ میں

اختتام :۔
منزل سوں ہور مقامات سوں بولیا ہوں شیخ اسماعیل یوں
اسے ہر کوئی سمجھے گا سو ملے گا آن ولیاں سو او

۴ ۔ مثنوی ۔ تصوف کے مضامین میں ۱۲ ابیات کی مثنوی ہے جس کی بعض بیتیں زمانۂ حال کی بے قافیہ نظموں کی جھلک دکھاتی ہیں ۔

آغاز :۔
سدا معشوق سوں لگنا ہے چشم میں رکھ جھلانا ہے

اختتام :- بڑے سو شیخ اسمٰعیل ہیں ہوا قایم صفائی میں

۵۔ مثنوی۔ ۱۶ ابیات ہیں۔

آغاز:- مخفی ہیں کن کھیا ہے کن میں سو سب عیاں ہے

اختتام :- بہتا ہوں وجہ سو سال پایا سو شیخ اسماعیل

۶۔ تفسیر سورۂ اخلاص۔ ۲۹ ابیات کی مثنوی ہے۔

آغاز: ۔قل ہو بو لو کیا ہے اللہ احد اد ہے

اختتام :-

دنیا ہوں جو مے وصدار بولیا سو شیخ اسمٰعیل (ورق ۳۹)

(۲۰۹) رسالۂ وجودیہ [۲۵۹]

اوراق ۱۱۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵" × ۵"۔ خط ثلث۔

مصنف شاہ میراں جی حسینی خدا نما۔ سنہ تصنیف قبل ۱۰۵۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

اسی نام کا ایک اور اُردو رسالہ ادارے میں محفوظ ہے جس کا تذکرہ اس فہرست میں پہلے گزر چکا ہے (دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۶۶) لیکن وہ رسالہ بالکل مختصر ہے اور اس کی زبان بھی بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ قاضی نور دریا کے ایک رسالۂ وجودیہ کا قلمی نسخہ بھی کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے نور دریا کا تذکرہ اس فہرست میں مخطوطات ۱۱۹ و ۱۲۰ میں درج ہے۔

زیر نظر رسالہ طویل ہے۔ زبان اور مطالب دونوں کے لحاظ سے یہ کسی بڑے مصنف کی کتاب ہے۔ شاہ امین الدین اعلیٰ نے بھی ایک مختصر مثنوی اسی موضوع پر لکھی تھی اور اس کا نام بھی رسالۂ وجودیہ مشہور ہے۔ لیکن یہ نثر کی کتاب ہے اور اگرچہ اس میں مصنف کا کہیں نام درج نہیں مگر یہ وہی رسالۂ وجودیہ ہوگا جو میراں جی حسینی خدا نما کی تصانیف میں مشہور ہے۔ اور چونکہ اس کا کوئی اور نسخہ اب تک کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوا اس لئے اس کو خدا نما کی تصنیف سمجھنا ناگزیر ہے۔

میراں جی خدا نما کے حالات اس فہرست میں (صفحہ ۶۴ پر) درج ہو چکے ہیں۔ ان کا منظوم "چکی نامہ" (مخطوطہ نمبر ۳۸) ادارے میں محفوظ ہے۔ ان کی دو اور نثر کی کتابیں بھی مشہور ہیں۔

۱۔ شرح تمہیدات عین القضات

۲۔ شرح مرغوب القلوب

پہلی کتاب کتب خانہ آصفیہ میں اور دوسری کتب خانہ حکیم محمد قاسم میں دستیاب ہو چکی ہے۔ خدا نما کے لئے دیکھو دکن میں اردو ص ۹۹-۱۰۰۔ اور اُردو دے قدیم صفحات ۱۱۷ – ملحقات ۵۹ ۔تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ص ۹۵۵

چونکہ یہ کتاب اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کے آغاز اور اختتام سے ایک ایک پورا صفحہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے کتاب کے حجم کا اندازہ ہوگا۔ پوری کتاب میں اسی طرح کے ۲۱ صفحات ہیں۔

آغاز:- "بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ایں رسالۂ وجودیہ اللہ محمد کے راز رمز کے باتاں کسی نامحرم کے انگے نا بولنا۔ بولیں گے سو کافر ہویں گے۔ وسنینگے سو دیوانے ہویں گے۔ اون کوں دیوانے بھی نہ کرنا۔ اپے کافر بھی نہ ہونا۔ زبان سوں ذکر کرنا اللہ اللہ۔ جوں زبان سیں کہتے ہیں تو دم آوتے جاتے اللہ اللہ کہنا۔ سارا دن ساری رات کیا کام کرتے ہیں سو اللہ کی یاد سوں کرنا۔ یوں سنبال کر برتے تو ذکر جلی اللہ کی یاد سوں کیا۔ تس کا فائدہ کیا۔ اور

اللہ کی یاد سوں نہ کیا ضایاں گیا۔ جوں شرع بیچ
میں کیا سو حرام ہے ۔ اور درست رکھے سو حلال ہے۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی یاد سوں
فعل کیا سو حلال ہے۔ اور اللہ کی یاد سوں نہ کیا
حرام جیا وہ حرام تے ۔ ایسے حرام ہے ابلیس کی طرف
نیچے یاد کی طرف ثابت کیا سو شاہد ہ ہے۔ یعنے اللہ
ہمارے نزدیک ہے تن کے ۔فعل کرتے ہیں سو دیکتا ہے
بولتے ہیں سو سنتا ہے۔ برا خطرات لاونا بری بات
نہ بولنا ۔برے فعل نا کرنا۔ یو اللہ حاضر ناظر ہے۔
ایسے تن واجب الوجود اس کا مقام شیطان تے
راہ شریعت ذکر جلی نفس۔" (ورق ۱۰ اب)

اختتام :-

"شغل پانچواں ۔حروف ت کوں تمامت میں رکھا ہے۔
دعوت اس کا تمتمل فی کہتر نعمتک یا اللہ۔ یعنے بار
خدایا تمام نعمت تیری بار کر منجے۔ شغل چھٹا حروف
ب کوں بسم اللہ میں رکھا ہے۔ دعوات اوس کا
بدرنا فی بختک یا اللہ۔ یا بار خدایا برکت دے منجے
اپنی برکتوں سیں تا اون برکتوں سیں برکت پاؤں۔
شغل ساتواں ۔حروف الف کوں ذات اللہ
کی میں رکھا ہے۔دعوت اس کا احد نا فی احدک
یا اللہ۔ یعنے یا بار خدایا احد کر منج کوں تا کہ تیری
احد ذات میں احد ہوں۔ واحد الوجود کا سگن نرگن
مرنا سو سگن اور مر کے جیونا سو نرگن۔ چہار روح
نامیہ روح متحرکہ روح ناطقہ روح قدسی ۔چہار دل۔
واجب الوجود ممکن ممتنع عارف قلب مضغہ قلب منعم قلب
سلیم قلب شہدا۔ نفس دل روح نور ایک سب یعنی شاہد

فعلوں خارج دیکھو۔ حدیث قدسی انّ جد آدم مضغۃٌ
وفی المضغۃ قلبٌ وفی القلب فؤادٌ وفی الفؤادِ روحٌ
وفی الروح سِرٌّ وفی السر نورٌ وفی النور أنا۔ یعنے اس تن
میں چھ چیز یعنے ایک نفس۔ ایک دل۔ ایک روح ایک سر
ایک نور۔ ایک ذات ان چھ چیز سو جد کا سارا حساب ہے" (ورق ۱۸ ب)

ترقیمہ :- "تمت تمام شد ہ رسم نظام شد"

یہاں کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ لیکن اس بیاض کے دوسرے
رسائل کے آخر میں اسی عبارت کے بعد "الحقیر الفقیر شیخ عبدالقادر"
درج کیا ہے۔ یہ مخطوطہ اور اس جلد کے دیگر مخطوطے مولوی حمید اللہ حسینی صاحب کا عطیہ ہیں۔

---

(۲۱۰) وصل نامہ [۳۶۰]

اوراق ۱۰ سطور ۱۷۔
تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث ۔
مصنف۔ مرتضیٰ ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ۔
کاتب ۔شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت ۱۲۰۰ھ۔

یہ ۳۱۹ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں وحدۃ الوجود
کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ اگر انسان خدا میں
گم ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے ضروری ہے کہ کسی کا مرید ہو کر
اپنے مرشد میں گم ہونا سیکھے۔

کتاب کا نام شاعر نے آخری ابیات کے علاوہ درمیان میں بھی
ظاہر کیا ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ: -

ہوا ختم خطبہ وصل کا تمام کہ آزادگی کا سو پایا مقام

اس کے بعد کی ابیات میں مصنف نے اپنا نام اور اپنی
مثنوی کی خصوصیات یوں واضح کی ہیں: -

سنو مرتضیٰ تے نیں اپ سخن بچن کے سو دھک تے کاڑیا رتن

امی جب رتن کا پرویا ہوں مال — رکھیں گے سو عاشق گلے اپنے گھال
دیا فہم کے بل کوں میں یہ تمیز — ہندیا ہوں یو بیتاں سو میں آ عزیز

اسی حصۂ کتاب میں کچھ اوپر مصنف اپنے مرشد سلطاںؔ کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

کتا ہوں سو صفت مرشید کی — کہ دو نو جہاں کے سو خورشید کی
کہ سلطاںؔ مرشد ہے روشن منیر — کیا عاشقاں میں سو مجکوں امیر
اول سید تحفہ دیا میں تجے — دیا تخت سب معرفت کا منجے
ہدایت کیا ملک مخزن تمام — محمد کے فلک کا کیا منجہ امام (ورق ۳۲)

ان مذکورۂ بالا ابیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا نام مرتضیٰ تھا اور وہ ایک بزرگ سلطان کے مرید اور خلیفہ تھے۔

مرتضیٰ نام کے دو بزرگ قدیم دکن میں مشہور ہیں اور دونوں بیجاپور کے مشاہیر صوفیا سے ہیں۔ ان کے متعلق مختصر معلومات درج ذیل ہیں:-

۱۔ شاہ مرتضیٰ حسینی علوی خلف شاہ ہاشم حسینی (برادر زادہ شاہ وجیہہ الدین گجراتی) اپنے والد کے خلیفہ اور صوفی تھے اور انہی کی زندگی میں ۱۰۴۵ھ میں کسی مخالف کے تیر سے شہید ہوئے۔ بیرون حصار زہرہ پور کے دروازہ میں مدفون ہوئے۔

۲۔ شاہ مرتضیٰ قادری خلف سید شرف الدین قادری گجراتی جو شاہ عبد اللہ بن شاہ وجیہہ الدین گجراتی کے فیض یافتہ تھے۔ بیجاپور میں قیام پذیر ہوئے اور ۱۰۳۲ھ میں فوت اور بیرون دروازہ ابراہیم پورہ مدفون ہوئے۔

دونوں کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو تذکرہ شعرائے اولیائے دکن جلد دوم ص ۷۶ تا ص ۷۹) لیکن زیر نظر مخطوطے کے مصنف ان دونوں کے بعد کے کوئی صوفی شاعر تھے۔ ان کے مرشد سلطاںؔ بھی ایک بڑے صوفی اور اعلیٰ شاعر تھے۔ اور ادارے میں ان کا منتخب کلام موجود ہے جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۲۰۶ میں گزر چکا ہے۔

آغاز:-

اول توں، تھا گنج مخفی کے بیچ — دیا صفت سانوں اپس ہنچ کھینچ
کبر یوں رہا بے خودی کے اندر — سمندر کی سیپیاں میں ہے جوں گہر

اختتام:-

ہوئے بیت پوری یہ تین سو انیس [۳۱۹] — ہو نسخے کی سو پانی کا گنج (بیس)
ہوا وصل نامہ مرتب تمام — بحق محمدؐ علیہ السلام

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد کار من نظام شد۔ من الحقیر الفقیر شیخ عبد القادر خط"

یہ مثنوی بیاض کے اوراق ۲۹ ب تا ۳۸ ب پر درج ہے۔

---

(۲۱۱) مراثی مرزاؔ [۳۶۱]

اوراق - ۶ - سطور ۱۷

تقطیع - ۵" × ۹" - خط نلث۔

مصنف - مرزا بیجاپوری - زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۸۲ھ۔

کاتب - شیخ عبد القادر - زمانۂ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

مرزاؔ، عہد علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کا مشہور مرثیہ گو شاعر ہے جس نے سوائے مرثیے کے کسی اور صنف سخن میں کلام نہیں لکھا بلکہ جب بادشاہ نے مدحیہ قصیدے کی فرمائش کی تو ایک مرثیہ لکھ کر اس میں بادشاہ کا تخلص شاہیؔ داخل کر کے پیش کیا۔ اُردو شہ پارے ص ۱۳ میں اس کا تذکرہ لکھا جا چکا ہے۔ خافی خاں نے منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۵۹ میں بھی مرزاؔ کا ذکر لکھا ہے۔ مرثیہ خوانی میں اس کی بڑی شہرت تھی اور اس کے مرثیے اس کے بعد بھی عرصے تک دکن میں رائج رہے اور دور دور تک پہنچے۔ شب عاشورہ سے مجلس میں مرثیہ پڑھ کر باہر نکلا تھا کہ

کسی دشمن نے شہید کر دیا اور اس کا جنازہ بھی شہر کے علموں اور تعزیوں کے پیچھے نکلا۔ شاہ مرتضیٰ قادری (دیکھو تذکرہ مخطوطہ نمبر ٢١) کے مقبرے میں مدفون ہوا۔ ادارے کی بیاض میں مرزا کے حسب ذیل مرثیے موجود ہیں :۔

١۔ سلام۔ ہر بند کے آخر میں ایک ہی مصرع "آل نبی صلو علیہ" دہرایا ہے۔ جملہ ١٣ بند ہیں۔ ہر بند چار مصرعوں پر مشتمل ہے۔

آغاز۔ یاراں دیکھو یو تاج ہے — آل نبی صلو علیہ
ہر دو جہاں کی ساج ہے — آل نبی صلو علیہ
یاراں دیکھو ان کا قدر — بعد از محمدؐ نامور
امت کے ہیں خیر البشر — آل نبی صلو علیہ

اختتام۔ یاراں دیکھو شہ کا یو غم — مرزا کے دل میں سب ستم
تا حشر لگ ہوئے نہ کم — آل نبی صلو علیہ (ورق ٤٢ ب)

٢۔ مذکورۂ بالا سلام دوبارہ ورق ٤٥ پر نقل کیا گیا ہے لیکن اس میں ١٣ بند ہیں۔

٣۔ یہ ٨ بند کا ایک مرثیہ ہے جس میں ہر بند کا آخری مصرع ہے "شاہ سلامٌ علیک"

آغاز۔ مومن کامل تمام! — شاہ پہ بھیجو سلام
صدق سوں ہر دم مدام — شاہ سلامٌ علیک

اختتام۔ اے شہ دیں شیر نر — کر توں کرم کی نظر
لطف سوں مرزاں اوپر — شاہ سلامٌ علیک (ورق ٦٠)

کاتب چونکہ کم سواد ہے اس لئے اس عہد کے تلفظ کے مطابق ہر جگہ مرزا کو مرزاں لکھا ہے۔

عطیہ مولوی حمید اللہ حسین صاحب بی۔اے

(٢١٢) محی الدین نامہ [٣٦٣]

اوراق ٥۔ سطور ١٧۔

تقطیع۔ ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔

مصنف۔ افضل۔ تقریب سنہ ١١٠٠ھ۔

کاتب۔ شیخ عبد القادر۔ زمانہ کتابت قریب سنہ ١٢١١ھ۔

یہ محمدؐ افضل قادری کی ایک مشہور مثنوی ہے جو کسی زمانہ میں بہت مقبول تھی۔ اس کے نسخے صرف یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ برٹش میوزیم کا نسخہ (اورینٹل نمبر ٦٥٠٥) ٤، محرم ١٢٧٤ھ کا مکتوبہ ہے۔ انڈیا آفس میں جو نسخہ ہے اس کا ذکر بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست کے نمبر ٦٥ پر کیا ہے۔

اس وقت تک افضل کا نام قدیم اردو ادب میں تین مواقع پر لیا جاتا ہے۔

١۔ مصنف بکٹ کہانی ٢۔ مصنف محی الدین نامہ
اور ٣۔ بہ حیثیت مرثیہ نگار

اول الذکر غالباً نارنول کے باشندے تھے اور بکٹ کہانی (یا بارہ ماسہ) ١٠٣٥ھ سے قبل لکھی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ جو سنہ ١١٠٣ھ کا لکھا ہوا ہے ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (دیکھو اردو شہ پارے ص ١٢٦) اس کا ذکر اردوئے قدیم میں بھی ص ٤٢ پر درج ہے۔

ایڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانے میں افضل کے جو مرثیے ہیں ان کے متعلق معلومات "اردو شہ پارے" میں شایع ہو چکے ہیں۔ وہ دکھنی شاعر تھا اور غالباً محی الدین نامہ کا مصنف بھی وہی ہے۔

محی الدین نامہ کا تذکرہ اردو شہ پارے (صفحات ١٢٦۔ ١٢٧) اور یورپ میں دکنی مخطوطات (صفحات ١٧٥۔ ١٧٧)

میں درج ہے۔ خود اس کی کتاب سے یہ امر واضح ہے کہ افضل ایک دکنی شاعر تھا۔ اس نے خواجہ بندہ نواز کی مدح لکھی ہے۔ اور اپنے مرشد میراں شاہ معروف کی صفات بھی تفصیل سے پیش کی ہیں۔ خواجہ بندہ نوازؒ نے حضرت محبوب سبحانی کو خواب میں جس طرح دیکھا تھا اس کی تفصیل کتاب کے ابتدائی حصہ میں بیان کی ہے۔

میراں شاہ معروف کی مدح اور ان کے خلیفہ سلطانؔ کا ذکر آخری ابیات میں اس طرح کرتا ہے :۔

مدح میراں شاہ معروف

میراں شاہ معروف اود ستگیر — کہ دل میرا کریا یک روشن ضمیر
دیئے دست پنجہ مجھے سات میں — دیئے منجکو سلطانؔ کے ہات میں
کہ افضلؔ خلیفاں میں معروف شاہ — لیوے ناؤں اس کا تو جاوے گناہ
میراں شاہ معروف اکمل ولی — سو جیو داں دے عبد قادر ولی
میراں شاہ معروف مقبول ہے — محی الدین کے باغ کا پھول ہے
محی الدین دریا او موتی ہے جان — سچے شاہ معروف میراں سو جان
محی الدین کا لاڈلا جانیا — او ثانی محی الدین ہو آئیا
میراں شاہ کامل محی الدین صمد — یو دو نیں ظاہر ہے باطن احد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضلؔ میراں شاہ معروف کو محی الدین ثانی سمجھتا تھا اور ان دونوں میں اس کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا۔ میراں شاہ کے خلیفہ سلطانؔ تھے جن کو افضل کی روحانی تربیت سپرد کی گئی تھی۔ سلطانؔ اور ان کے مرید مرتضیٰؔ کا کلام ادارے میں محفوظ ہے اور ان دونوں کا ذکر مخطوطات نمبر ۲۰۶ و ۲۱۰ میں گزر چکا ہے۔ البتہ میراں شاہ معروف کی نسبت ٹھیک طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون بزرگ تھے۔ اور ان کا زمانہ کیا تھا۔ دکن کے صوفیائے کرام میں سید شاہ معروف نام کے ایک بزرگ شہر رائچور میں مدفون ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کا سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے کچھ حالات تذکرۂ اولیائے رائچور میں درج ہیں کہ وہ سید شاہ قیس بن ابی الحیاتؒ سادھوری کے فرزند اور حضرت محبوب سبحانی کی اولاد سے تھے۔ رائچور سے دس میل کے فاصلے پر موضع کاڈلور میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ ہر سال ۲۲ محرم کو عرس ہوتا ہے۔ ان کے فرزند سید شاہ میراں قادری تھے جن کے پوترے کا نام بھی سید شاہ معروف تھا جنھوں نے ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی تھی۔ (ص ۲۶۶) اس لحاظ سے ان کے دادا میراں شاہ معروف نے غالباً ۱۱۰۰ھ سے قبل وفات پائی ہوگی۔

لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ افضلؔ نے جن شاہ معروف کا ذکر کیا ہے وہ یہی رائچور کے بزرگ تھے یا ان سے قبل کے کوئی اور صوفی۔ کیونکہ افضلؔ نے ہر جگہ اپنے مرشد کا نام میراں شاہ معروف لکھا ہے اور رائچور کے مذکورہ بالا بزرگ صرف سید شاہ معروف تھے البتہ ان کے فرزند کا نام سید شاہ میراں تھا۔

افضلؔ نے اپنی اس مثنوی میں حضرت محبوب سبحانی کی کرامتیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ شیخ صنعا کا قصہ اور اس بڑھیا کا واقعہ جس کا مردہ بیٹا زندہ ہو گیا تھا اس مثنوی میں بھی درج ہے۔

آغاز :۔

تمہیں قطب عالم محی الدین قدیر — دو جگ ہے ترے ہات توں دستگیر
توں ہے چاند مجھ نور دو جگ منے — توں سلطان روشن ہے ربی کنے (۵۹ و)

اختتام :۔ اگر اس بیاں میں جو کوئی خلل پائے — گنہگار عاصی ہو دوزخ میں جائے
تصدق کیا جیو او سر دو پر — کیا ختم افضلؔ ثنا سر بسر (۲۹ ب)

یورپ میں دکھنی مخطوطات میں لکھا ہے کہ

"اس مثنوی کے کسی اور نسخے کا پتہ نہیں چلا"

یہ ادارے کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اس نادر کتاب کا مخطوطہ بھی حاصل ہوگیا۔

---

(۲۱۳) بیاض مراثی [۳۶۳]

اوراق ۱۰۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۔ ۵" × ۹" ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ یتیم احمد، شفیع، مشہور، اشرف، قلندر، حیرت، برہان، شرف، کمتر، شاہی وغیرہ ۔

زمانہ تصنیف ۔ قریب ۱۱۰۰ھ ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت ۔ قبل ۱۲۰۰ھ ۔

اس بیاض میں ۵ مشہور و غیر معروف اور ۲ نامعلوم شعرا کے مرثیے شامل ہیں ۔ مشہور شعرا میں علی عادل شاہ ثانی شاہی اور شرف جیسے شعرا ہیں ۔ اور غیر معروف شعرا کا کلام پہلی دفعہ اردو دنیا میں روشناس ہو رہا ہے ۔ ان بارہ مرثیوں کی تفصیل یہ ہے ۔

۱۔ یتیم احمد ۔ ۱۴ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ اس برہان پوری شاعر کے سات مرثیے (جن میں ۱۶۰ شعر ہیں) ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی میں موجود ہیں ۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے میں تفصیل سے کیا گیا ہے (دیکھو ص ۱۴۲ ۔ ۱۴۳)

آغاز ۔ کیوں ظالماں شہ کو مارتے ہے   یوں ظلم کر بے شمار رہے ہے
ویران کئے سب دیار ہے ہے   رو رو بیتیاں پکار ہے ہے

اختتام ۔ پوچھو اپنا شہاں پووارے   یتیم احمد دو کھوں پکارے
کیوں ظالماں ظلم کر کو مارے   او دین کے تاجدار ہے ہے

۲۔ شفیع یا شفیق ۔ غزل کی شکل میں ۸ شعر ہیں ۔ شاعر کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ شفیع ہے یا شفیق کیونکہ کاتب کم سواد ہے اور اس نے عام تلفظ کے مطابق صرف شفی لکھا ہے ۔ اگر شفیق ہے تو ممکن ہے کہ لچھمی نارائن شفیق ہو ۔

مطلع ۔ سب جانتے امام ہمارے حسینؓ کوں   کیوں نہ تمام خلق پکارے حسینؓ کوں
مقطع ۔ مشکل گھڑی پو کیوں نہ علی کام آئیں گے   جس دن شفیع نے دل سے پکارے حسینؓ کوں (۵۲)

۳۔ نامعلوم ۔ چار چار مصرعوں کے چار بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ چونکہ کوئی تخلص نہیں ہے اس لیے مصنف کا پتہ نہ چل سکا ۔

آغاز ۔ آج آل نبی پو دکھ بھاری   آج خنجر ہوا گلے کاری
ہے ہے ایسے گلے پو خنجر چلایا   کیا ظلم کیا جفا ستم گاری

اختتام ۔ آج نوک تیراں گلے میں دیکھو   آج بھر میں ہوئے نین میں دیکھو (بھرمے)
سب شہید ال گلے مل رن میں دیکھو   کیا سپہ کیا سردار کیے تلواری (۵۲)

۴۔ مشہور ۔ جملہ ۱۰ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے ۔ آخری مصرع ہر ایک بند میں مشترک ہے ۔ شاعر غیر معروف ہے اب تک اس کا کوئی اور کلام دستیاب نہیں ہوا ہے ۔

آغاز ۔ اے شاہ دلدل سوار توں   کیوں جا بسایا کربلا
اے قاتل کفار توں   کیوں جا بسایا کربلا

اختتام ۔ مشہور کوں اپنا کر حسینؓ   توں پیار منجہ پر دھر حسینؓ
کھول عشق کا توں در حسینؓ   کیوں جا بسایا کربلا

۵۔ نامعلوم ۔ جملہ ۵ شعر ہیں ۔

مطلع ۔ لڑے جب شہاں ہو میں بکتر ہوا تر   اے زخماں کے حرفاں سوں دفتر ہوا تر
مقطع ۔ سونا تھا سو تریں سو غم بادشاہ کا   جگر پھوٹ سرخی میں ماتم ہوا تر (۱۴۵ ب)

۶۔ اشرف ۔ یہ مرثیہ مربع کی شکل میں ہے جس میں ۷ بند ہیں ۔ ہر بند میں چار مصرعے اور ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔ اشرف کے متعلق تفصیلی معلومات اردو شہ پارے

صفحات ۱۴۷ و ۱۴۸ میں درج ہیں۔ اس کے ۱۳ مرثیے (۲۰۱ شعر) ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں محفوظ ہیں۔ برٹش میوزیم میں اس کی ایک مثنوی "جنگ نامہ" موجود ہے۔ (دیکھو ایڈیشنل نمبر ۱۵۹)

آغاز۔ شاہ دیں جگ پہ غم تمارا ہے — جاند اں بر الم تمارا ہے
لہو میں دستار نم تمارا ہے — درد منجہ سب جنم تمارا ہے

اختتام۔ سچ نواسا ہے توں پیمبر کا — ہے تو والی یقین کوثر کا
خوف اشرف نہیں ہے محشر کا — اس پہ فضل و کرم تمارا ہے
(۵۷)

۷۔ قلندر۔ یہ مرثیہ بھی مرثیہ نمبر ۶ کی شکل میں ہے۔ جملہ ۱۱ بند ہیں۔ یہ ایک غیر معروف شاعر ہے جس کا کوئی اور کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

آغاز۔ آج قاسم کی من موہن روتی — لہو بھریا شاہ دیکھ تن روتی
رن میں قاسم کو گر گگن روتی — توڑ سہرا کنگن دولن روتی

اختتام۔ اے قلندر توں کربلا کوں جا — درد غم سوں گلے میں کفنی بھا
شاہ کے دوکھ سوں خاک لے موںہ لا — خلق جوگی ہو جو کدن روتی
(۱۷۸ ب)

۸۔ حیرت۔ یہ ایک طویل مرثیہ ہے جس میں ۱۷ بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے اس طرح کل ۳۴ شعر ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ شاعر غیر معروف ہے۔ لیکن کلام میں قوت اور پختگی پائی جاتی ہے۔

آغاز۔ کیوں باغ مصطفیٰ کے دیکھو یاسمن کے تئیں
کاٹیا علیؑ کے دل کے نول پھول بن کے تئیں
ظالم دکھوں کے زور سوں خاتوں کے من کے تئیں
تب سوں ہوا ہے غم یو ہر اک مرد و زن کے تئیں

اختتام۔ پتلیوں کی کر سیاہی ملکوں کی کر قلم
قصہ لکھیا یو سوز کا باندیا تمام غم
حیرت غلام کمتر یو شاہ ذی کرم
روشن کرو دو جگ میں تم اس کے بچن کے تئیں (۵۹ ب)

۹۔ برہان۔ غزل کی شکل کا مرثیہ ہے جس میں ۱۱ شعر ہیں۔ یہ غالباً سیدی برہان کا مرثیہ ہے۔ شاہ برہان الدین جانم (دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ ۲) اس سے بہت پہلے کے شاعر ہیں۔ ان کا تخلص بھی برہان تھا۔ سیدی برہان کے لئے دیکھو فہرست ہذا مخطوطہ ۲۴۴

مطلع۔ شاہ جب تیغ زیاں پہ چڑ کر ڈہایا اللہ اللہ کر
لہوا کفار پر یاداں بجایا اللہ اللہ کر

مقطع۔ نہ طوفاں کیوں ہوا برہان کہ دبتا خلق اس غم سوں
کہ جس وقت گور میں شہ کوں چھپایا اللہ اللہ کر (۶۱)

۱۰۔ شرف۔ اس مرثیہ میں ۲۵ شعر ہیں۔ شرف ایک مشہور مرثیہ گو شاعر ہے۔ ایڈنبرا کی بیاض میں بھی اس کے مرثیے موجود ہیں۔ اردو شہ پارے میں اس مرثیہ کا انتخاب شائع ہو چکا ہے (دیکھو ص ۱۰۳)

مطلع۔ سیج پھولوں کی میں بناتی تھی — پیارے اصغر کوں تب سلاتی تھی
مقطع۔ شہربانو کی شور کی آواز — اے شرف لامکاں کوں جاتی تھی

کاتب نے بجائے شرف کے حضرت لکھا ہے جو غلط ہے۔

۱۱۔ کمتر۔ آٹھ بندوں کا ایک مرثیہ ہے۔ جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہیں۔ آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ کمتر کا ایک مرثیہ کیمبرج کی بیاض میں بھی موجود ہے (دیکھو یورپ میں دکنی مخطوطات ص ۱۶۴) یہ فقیر کمتر شاہ دکنی کے نام سے مشہور تھے۔ صوفی شاعر تھے۔ اکثر مراثی اور مثنویاں ان کو زبانی یاد تھیں۔ حیدرآباد کے امرا اور فقرا میں بہت ہردلعزیز تھے۔ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ (محبوب الزمن جلد دوم ص ۹۲۵)

آغاز۔ کہے فاطمہؓ آج نیارا حسینؓ — پڑیا جگ میں غم کا اندارا حسینؓ
زمیں سوں گگن لگ دھلارا حسینؓ — تجے ظلم سوں مل کے مارا حسینؓ

اختتام۔ کمیناں میں کمتر کمینہ غلام — ہے طالب تمارا میں حضرت امام
علیک الصلوٰۃ وعلیک السلام — کرم جگ پو سارا تمارا حسینؓ (۶۱

۱۲- شاہیؔ - یعنی عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۵ھ تا ۱۰۸۳ھ)
کا مرثیہ ہے۔ اس کا دیوان دفتر دیوانی و مال ملکی میں محفوظ ہے۔
اور اس کا تذکرہ اُردو شہ پارے (صفحات ۵۱، ۵۲) میں درج
ہو چکا ہے۔ ۱۳ اشعار کا مرثیہ ہے جس کے سب شعر مرصع ہیں۔

مطلع۔ دنس دن کروں زاری یو میں یک دم سوں رو رویا امام
اب کن ہوے انجواں مرے تجھ غم سوں رو رویا امام

مقطع۔ عادل علی شاہ راجناں ملکِ ملک تم ساجناں
تجھ دیکھ غم جیوں بھاگناں تجھ غم سو رو رویا امام (۵۳)

نوٹ۔ اس مرثیہ کا ہر شعر چار مصرعوں کا ایسا بند بھی بن سکتا ہے
جس کا آخری مصرع ہر بند میں مشترک ہے۔ مثلاً

تو لوک (؟) یو غم کئے سب حشر کوں برہم کئے
شاہیؔ کے تیئں پرنم کئے تجھ غم سوں رو رویا امام

---

(۲۱۴) مراثی قادر [۳۶۴]

اوراق ۴۔ سطور ۱۷
تقطیع ۵ × ۹۔ خط ثلث۔

مصنف۔ قادرؔ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۱۴۰ھ۔
کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ۔

یہ دکن کا ایک مشہور مرثیہ گو ہے جو مرزا بیجاپوری کے بعد
سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں
اس کے ۱۷ مرثیے (۳۰۰ اشعار) موجود ہیں۔ اس کا تفصیلی
تذکرہ اُردو شہ پارے (ص ۱۶۱) میں درج ہے۔ اس نے اوائل
بارھویں صدی میں وفات پائی۔ ہاشم علی نے اپنے مرثیوں
میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے اور وہ قادر کو دکن کا استاد
مرثیہ گو سمجھتا تھا (دیکھو اُردو شہ پارے ص ۱۵۵ تا ۱۶۱)۔

ادارے کے اس مخطوطے میں قادرؔ کے تین مرثیے (۴۰ اشعار)
محفوظ ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) مربع۔ سات بند ہیں۔ ہر بند میں چار مصرعے۔ ہر بند کا آخری
مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز۔ حیف چیرا حسینؓ دِل تیرا لہو میں مظلوم تن نچل تیرا
سر گیا تن سوں شام چل تیرا تن رہیا خاک خوں میں مل تیرا

اختتام۔ ہے حضوری خواہاں تجھ قادرؔ جی سوں دربار میں سدا حاضر
سبز باناں ہی جس کوں اوس خاطر جس کوں خدمت ہے مور چھل تیرا (۵۱)

(۲) غزل نما مرثیہ ہے جس میں ۱۵ اشعار ہیں۔

مطلع۔ ہیں خدا کے برگزیدے شہ سوداں لہو میں لال
فاطمہؓ کے نور دیدے تتفیاں داراں لہو میں لال

مقطع۔ ہے زخم ہر تار غم کا سبز باناں قادرا
دل پو کاری کمر گ ہے یو جس کی دھاراں لہو میں لال (؟)

(۳) غزل نما مرثیہ ہے جس میں ۱۱ شعر ہیں۔

مطلع۔ فاطمہؓ کے جیو کا توں گوشوارا یا حسینؓ
احمد مختار کا توں ہے پیارا یا حسینؓ

مقطع۔ پھر سینے میں قادرا کے سوز کے شعلے اٹھے
تو زباں یوں بولتی ہے غم شرارا یا حسینؓ (۵۶ ب)

یہ تمام مرثیے بیاض ۳۶۱ میں دوسرے کلام کے درمیان درج ہیں
یہاں ان کا تذکرہ اوراق کی وضاحت کے ساتھ ایک سلسلے میں
درج کر دیا گیا ہے۔

(۲۱۵) دکنی منظومات [۳۶۵]

اوراق ۱۲ - سطور ۱۷ -

تقطیع - ۵ × ۹ خط ثلث .

مصنف - عبداللہ قطب شاہ - معجز - محی الدین وغیرہ -

زمانۂ تصنیف - قبل ۱۱۵۰ھ -

کاتب - شیخ عبد القادر - سنہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ -

اس بیاض میں تین دکنی شعرا عبداللہ قطب شاہ معجز، اور محی الدین کے کلام کے علاوہ ۴ ایسی نظمیں بھی موجود ہیں جن کے مصنفوں کا پتہ نہ چل سکا - ان سب نظموں کی تفصیل یہ ہے -

۱- **ترکیب بند** - ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کا آخری مصرع ایک ہی ہے - اس نظم میں حروف تہجی کی تشریح کی گئی ہے جو زیادہ تر اسمائے باری پر منطبق ہوتی ہے - مصنف کا پتہ نہ چل سکا کوئی صوفی بزرگ ہیں -

آغاز - الف اللہ ظاہر نور دسے   بے باطن ہو کر آپ لسے
تے تج بن نہیں کوئی کسے   دیک وہی وہی دیک ہی دوہی

اختتام - لا رب سوں لٹ پٹ رہے   (دیکھو) تو سب میں ساکن رہے
ی یقین جانو سب بر رہے   دیک وہی وہی دیک وہی وہی
(ورق ۴۴)

۲- **ترکیب بند** - اکثر بندوں میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کا آخری مصرع "شاہد اللہ واحد اللہ" ہے - اس نظم میں صفات الٰہیہ بیان کی گئی ہیں - ممکن ہے شاعر کا تخلص یا لقب "من عرف" ہو -

آغاز - اول اللہ کوں سرانا   وہی ہے پاک نورانا
جسد ہور جسم ناکہنا   اسے ہر دم سرانا
وہی دانا وہی بینا   وہی پروردگارا

اختتام - افلا تبصروں جب سوں   سیا من عرف ہو تب سوں
دوئی چھوڑیا ہوں سب سوں   شاہد اللہ واحد اللہ (ورق ۴۴)

۳- **غزل** - ۸ اشعر ہیں - شاعر مشاق اور نازک خیال معلوم ہوتا ہے - غالباً ناقص الآخر ہے - کوئی تخلص نہیں ہے -

آغاز - آج محبت کی رات سجی   گشت چھوتیاں ہیں دو ہلال انکھیاں
نیاز کا ناچ نا چنیا بھلیاں   تا پلکوں سے نور بھی (ڈال) انکھیں
جسے دیکھتیاں او ہیچ دیکھ رہنیاں   کیا کروں کیوں رکھوں سنبھال انکھیں

اختتام - دل چلیا ہے دیکھیلا ہر   بیکو چلیا ہر دل کی نال انکھیاں
پھر گیاں زرد روز جانے میں   سرخ رو منجہ کیا اپنا لال انکھیاں

۴- **غزل محی الدین** - پند و موعظت میں ایک غزل نما نظم ہے (۴۴ ب) - مقطع میں محی الدین تخلص درج ہے - اسی نام کے ایک شاعر کی مثنوی "قصۂ ابراہیم ادہم" انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے (دیکھو نمبر ۴۷) - اس مثنوی میں (۴۲) اوراق اور تقریباً پانچ سو بیس (۵۲۰) ابیات ہیں - مصنف نے اپنا تخلص ان ابیات میں استعمال کیا ہے : -

حکایت محی الدین کر مختصر   ادب سات یاراں سنو کان دھر (۶۸ ل)
کہ عرفاں کوں توں اپس سات کر   اپتا توں محی الدین مناجات کر (۷۰ ل)

یہ شاعر ظہیر الدین اولیا کا مرید تھا اور اس نے ان کی مدح شیخ عبد القادر جیلانی کے بعد ہی لکھی ہے - سید ظہیر الدین (۱۱۱۵ھ تا ۱۱۲۱ھ) بالاپور (برار) میں ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا تذکرہ عبدالجبار خاں نے محبوب ذی المنن جلد اول کے صفحات ۸۰۴ تا ۸۰۸ میں تفصیل سے لکھا ہے - لیکن یہ محی الدین جن بزرگ کے مرید تھے وہ غالباً اس عہد سے قبل کے کوئی صوفی ہوں گے -

اداے کی نظم کا مطلع و مقطع یہ ہے : -

مطلع - سب میں غلیظ میں ہوں منجہ سوں غلیظ کوئی نئیں
غفلت میں عمر کھویا اس سوں غلیظ کوئی نئیں

مقطع ۔ میم کی نشاں احد کی ہے گی نشاں اللہ کی
محی الدین کو کوئی نہ جانے اس سوں غلیظا کوئی نیں (۶۳)

۵ ۔ **معرفت باری** ۔ یہ ۷ شعر کی ایک غزل نما نظم ہے جس میں مطلع کا پہلا مصرع موجود نہیں ہے ۔ عارفانہ مضامین درج ہیں ۔ مصنف کا پتہ نہیں چل سکا ۔

ابتدا ۔ صورت بسایا من کی یو خواب کوں جاگا کہاں
شعلہ سجن کے نور کا دیکت کسی کوں تاب نہیں
افتاب جا بے تاب ہو مہتاب کوں جاگا کہاں

اختتام ۔ اس عشق کے بازار میں بیپار کوئی کیا کر سکے
لیکے بدل جو جائے کر پھر لاب کوں جاگا کہاں (۶۴ ب)

۶ ۔ **ریختی معجز** ۔ ان کا ایک مرثیہ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی میں شریک ہے ۔ اس بیاض کا تفصیلی ذکر اردو شہ پارے صفحہ ۱۵۱ اور یورپ میں دکنی مخطوطات صفحہ ۶۷ میں درج ہے ۔

محبوب الزمن میں معجز (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۹ھ) کا تذکرہ جلد دوم صفحہ ۹۸۹ میں شامل ہے ۔ ان کا نام غلام محی الدین تھا ۔ اور وہ مولوی باقر آگاہ (دیکھو فہرست ہذا مخطوطات ۱۵۔۶۳) کے شاگرد اور عظیم الدولہ نواب ارکاٹ کے استاد تھے ۔ نہایت سنجیدہ اور عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ تعجب ہے کہ انھوں نے ریختی میں بھی کلام لکھا تھا ۔

اس زیر نظر ریختی میں مقطع سے پہلے تین ابیات مثنوی کی بھی شامل ہیں جن کا نظم سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا اس لئے یہاں درج کی جاتی ہیں ۔

آغاز ۔ کیسا کر پیانے میرے سنگات کر گئے باتاں میٹھیاں لگا کر کئی دغا سوں کر گئے

انتظام ۔ معجز ریختی کا برہا لکھنے وقت سجن کو یہ بچھیا قلم کا جل راخ ہو تجھ گئے

مثنوی ۔
آخر ہوت یاراں کی سب گئے الٹ کر تربت میں جا رہنا ہے موبر کفن لپٹ کر
غفلت کی راہ میاں کانٹے بہوت بھرے ہیں رکھنا قدم سمجھ کر خطرے بہت بڑے ہیں
جب تک ترا رزق ہے ملکے ملک پھرے گا جب تک تیری حیات ہے تب لگ نہ او مرے گا

معجز کوں کوئی لہو جا یو درد دو کہ سمجھتا
دے داغ دل کے اوپر باتاں دو دل کی گئے (۶۴ ب)

۷ ۔ **غزل عبداللہ قطب شاہ** ۔ ۸ شعر ہیں ۔ اس بادشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کا دیوان مجلس دکنی مخطوطات کی طرف سے شائع ہو رہا ہے ۔ اور اس کی موسیقی کی نظمیں نواب نصیر الدین خاں ناظم دیوانی و مال کے کتب خانے میں محفوظ ہیں ۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے (صفحہ ۱۰۲) میں درج ہو چکا ہے ۔ اس بیاض میں عبداللہ کی غزل کی شرکت ظاہر کرتی ہے کہ اس کو بعد کے زمانے میں بھی ایک اچھا شاعر سمجھا جاتا تھا ۔

مطلع ۔ اغیار نا پاسے اوسے عاشق سوں اپنے یار کا جو جنت ہور دوزخ کوں تج طالب ہے دیدار کا
مقطع ۔ الحمد للہ شکر ہے بولا نہیں غافل ہو کر عبداللہ ذاکر سیں سنو حق ذکر کے اذکار کا (۶۵)
(آخری مصرع میں اذکار کی جگہ کاتب نے مذکور لکھا ہے)

(۲۱۶) وصایائے نبیؐ {۳۶۶}

اوراق ۴ ۔ سطور ۱۷ ۔
تقطیع ۵ × ۹ ۔ خط نسخ ۔
زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ ۔
کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانۂ کتابت قبل ۱۲۰۰ھ ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس میں حضرت رسالت پناہ کی وہ نصیحتیں درج ہیں جو موقع بموقع حضرت علیؓ کو کی گئی تھیں ۔ مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا ہے ۔ لیکن زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے قطب شاہی عہد اور اس کے قریبی زمانے کے کوئی صوفی معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ رسالہ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کی ضخامت کے اندازہ کے لئے اس کی ابتدا اور اختتام سے نصف نصف صفحہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

آغاز : ۔
”حضرت رسالت پناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بولے کہ یا علیؑ جکوئی فجر کا نماز کرکے بیٹھے خدائے تعالیٰ کے
ذکر میں آفتاب اوپر آونے تلک تو خدائے تعالیٰ اوس بندے
کی گند دوزخ کی آگ تھے خلاص کرے گا۔ یا علیؑ جکوئی
جمعہ کا غسل کرے گا تو دُسرے جمعہ لگ بخشائے جائے گا۔
ہور او غسل نور ہے سات طبق زمین آسمان میں۔ اپنے
ماں پر خوش حال نکو ہو کہ خدائے تعالیٰ کا دوست نہیں
جو کہ ماں پر خوش حال ہونے ہیں۔ یا علیؑ جکوئی مسواک
بہوت کرے (تو) بیست وچہار خصلت نیک بخت کے
زیادہ ہوتا ہے۔ یا علیؑ جکوئی سوتے وقت ہور اُٹھتے
وقت والسماء والطارق پڑے گا تو ......"

اختتام :۔

"یا علیؑ کھانا کھاویں گے تو اول نمک چاکھو دُسری علت
کوں فائدہ دیتا ہے۔ یا علیؑ نوے کپڑے پہنینگے تو جونی کپڑے
درویشاں کوں دیو۔ یا علیؑ راضی اپنے ماں باپ سوں خدائے
تعالیٰ کا راضی ہونا ہے۔ ہور غصہ ما باپ کا سو خدائے تعالیٰ
کا غصہ ہے۔ یا علیؑ عورت کی رائے (یا دائی) کوں گھر میں
نکو آن دیو برا ہے۔ یا علیؑ وستاد کوں ہور اوستاد کے
فرزنداں کوں بہوت پیار کرو کہ دوجہاں میں خوبی ہے۔
یا علیؑ ہور ساتھنے ہو کا پانی نکو سٹو۔ یہ نصیحت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین کوں فرمائے ہیں۔

برضو ہے (؟) ۔

ترقیمہ :۔ "تمت تمام شد کار من نظام شد"

اس کے ساتھ ہی ایک اور رسالۂ نثر "حکمت سلیمان پیغمبر"
شروع کردیا گیا ہے۔ اس کا ذکر مخطوطہ نمبر ۲۱۷ میں درج ہے
اس رسالہ کا نام "وصایائے نبیؐ" راقم الحروف نے اپنی طرف
سے لکھا ہے خود رسالہ میں کوئی نام درج نہیں۔

---

(۲۱۷) حکمت سلیمان پیغمبر [۳۶۷]

اوراق ۲۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵" × ۹"۔ خط ثلث۔

زمانہ تصنیف۔ قبل سنہ ۱۱۵۰ھ

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ زمانہ کتابت قریب سنہ ۱۲۰۰ھ

یہ تقریباً ۵۰ سطروں میں اُردو نثر کا ایک رسالہ ہے
جس کے مصنف کا پتہ نہ چل سکا۔ ممکن ہے کہ اس کا مصنف
بھی وہی ہو جو "وصایائے نبیؐ" کا ہے۔ اس رسالے میں بچہ
نہ ہونے والی عورتوں کی سات بیماریاں اور ان کے علاج بیان
کئے گئے ہیں۔ مصنف نے تشخیص کے بہت اچھے طریقے بیان
کئے ہیں۔ ماہرین طب کے لئے اس کی مندرجہ معلومات بہت
مفید ہیں۔

آغاز :۔

"یو حکمت سلیمان پیغمبر سوں ہے۔ یک روز پانچہ عورتاں
جمع ہو کر سلیمان کنے آکر فریاد کیاں کہ ہمارے مرداں ہمنا
فرزنداں نیں ہوتے کر کر دُسری عورتاں کرنے منگتے ہیں۔
ہماری مراد تمیں دیو۔"

اختتام :۔

"ہور اگر کوئی جاگا نیں دُکتا ہے تو سمجھنا کہ دیو ہور پری
کا دھکا ہے۔ اوسے اے تعویذ کے کردینا۔ ایک گلے
کوں بندنا ہور ایک بازو کوں بندنا۔ ہور ایک دھو کر پلانا۔
خدا کے حکم سوں فرزند ہووے گا۔"

اس کے بعد تین تعویذ درج کئے گئے ہیں۔

(۲۱۸) درالاسرار [۳۶۸]

اوراق ۶۔ سطور ۱۷۔

تقطیع ۵×۹۔ خط ثلث۔

مصنف۔ مرید سلطان۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۱۰۰ھ۔

کاتب۔ شیخ عبدالقادر۔ سنہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ۔

یہ اردو نثر کا ایک رسالہ ہے جس کا مصنف مشہور صوفی شاعر سلطان (دیکھو مخطوطہ ۳۰۶) کا مرید تھا۔ اس نے سبب تالیف میں اپنے مرشد کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"بعد ازاں اے بھائی حق کی توفیق سوں ہور اوس ہادی شاہ سلطان کی مدد سوں سالکان ہور طالبان کے واسطے اوس بقا کے موتیاں چن کر لیایا ہوں ہور راز کے معنی کے تاگے میں پرویا ہوں۔ تب اس رسالے کا ناؤں درالاسرار کر رکھیا ہوں۔ اس رسالے تے سالکاں کوں باٹ دسے گی۔ ہور طالباں کوں طلب زیادہ ہووے گا۔ ہور عاشقاں کوں عشق پیدا ہوئے گا۔ ہور کوئی پڑنے والے ہور سننے والے خدا کی طلب میں آویں گے۔ ہور جو کوئی درالاسرار کوں پڑنے منگے ......"

اس عبارت میں مصنف نے اپنی کتاب کا نام دو جگہ ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ خود اپنا نام کہیں نہیں لکھا۔

کتاب کا آغاز حمد و نعت کے مضامین سے کیا گیا ہے۔ اور پوری کتاب مسلسل بغیر کسی ذیلی سرخی کے لکھی گئی ہے۔ جگہ جگہ آیات قرآنی کے ذریعے سے وحدۃ الوجود اور تحقیق کائنات کے اسرار واضح کئے گئے ہیں۔ اور مصنف سالکوں سے ہر جگہ "اے بھائی" کے الفاظ سے مخاطب ہے۔ اسی رسالہ کا ایک اور نسخہ ادارے میں "در اسرار" کے نام سے موجود ہے اور اس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۷۰ میں گزر چکا ہے۔ اور اس کے کاتب نے اس کو خواجہ "بندہ نواز" سے منسوب کیا ہے۔ ان دونوں رسالوں میں عبارت اور زبان میں جو فرق ہے وہ ذیل کی عبارتوں سے بھی واضح ہو سکتا ہے۔

آغاز:۔

"کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرف فخلقت الخلق یعنے اوسلطان اپنی ذات کے دریا میں چھپیا راز گنج رکھیا تھا۔ بقا کے موتیاں سوں بھر کر ہو کر اوس حال میں پاک یک اوس گنج طرف نظر کیا ہور اوس موتیاں کا اوجالا دیکھ کر عاشق ہوا ہور مصلحت تجویز میں آیا جو ایسے راز کے موتی چھپا کر رکھنا خوب نیں بلکہ عشق کے بازار میں ظاہر کرنا بھلا ہے۔"

اختتام:۔

"یعنے اوس کا معنا اس آیت کا معارہیا۔ ایتال تو اگر منگتا ہے۔ توں پوچھے تو صاحب حال سوں پوچھ لے۔ ساتواں گز اے ہے۔ ذلہ تعالٰے۔ موتو قبل ان تموتو۔ یعنے خدا کہا مرنے کے دنگے مرنا۔ ہور بعضے محققاں کہتے۔"

عبارت ختم کئے بغیر کاتب نے یہ رسالہ ناتمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے آخر میں کوئی ترقیمہ بھی نہیں لکھا۔

یہ مخطوطہ اور اس کے علاوہ مخطوطات نمبر ۲۰۱ تا ۲۱۹ مولوی حمید اللہ حسینی بی اے کا عطیہ ہیں۔ یہ سب ایک ضخیم جلد میں شامل ہیں۔

(۲۱۹) مرات المصلی [۳۶۹]

اوراق ۷ ۔ سطور ۱۱ ۔

تقطیع ۵" × ۹" ۔ خط ثلث ۔

زمانہ تصنیف قریب ۱۱۷۵ھ ۔

کاتب ۔ شیخ عبدالقادر ۔ زمانہ کتابت قبل ۱۲۰۳ھ ۔

یہ ایک ناقص الآخر مثنوی ہے جس میں حسب ذیل سرخیاں ہیں : ۔

حمد، نعت، صفت اصحاب، اسباب کتاب، ایمان، ارکان ایمان، احکام ایمان، شرائط ایمان، بیان مفصل ایمان فرائض شریعت، واجبات شریعت، سنتہائے شریعت، حکمہائے شریعت، فرائض وضو، سنتہائے وضو، مستحبات وضو، شکنندۂ وضو، فرائض تیمم، فرائض غسل، واجب غسل، مستحب غسل، فریضۂ غسل، سنتہائے غسل، مسح موزہ، شکنندۂ مسح موزہ، احکام حیض و نفاس، حکمہائے نفاس حیض، فریضہ ہائے نماز، واجبات نماز، محرمات نماز، سنتہائے نماز، سنتہائے قیام ۔

آخری عنوان کے بعد اوراق غائب ہیں ۔ بحالت موجودہ اس مثنوی میں ۲۳۵ ابیات ہیں ۔ مصنف نے ابتدائے کتاب میں اپنی زبان اور وطن کی اس طرح وضاحت کی ہے : ۔

یو مسلیاں کو دکھنی کیا اس سبب فہم کر کے دل میں کریں یاد سب (۱۲ ل)

سکت نے بی گزریا تو اتنا سبھی کتا ہوں یو مسلیاں کوں دکھنی سبھی (۱۲ ل)

لیکن مصنف نے اپنا نام باوجود کتاب کی باضابطہ ترتیب کے کہیں نہیں لکھا ۔ زبان ۱۱۷۵ھ کے قریبی زمانے کی ہے ۔ کتاب کے اوپر اس کا نام اس طرح لکھا ہے : ۔

"ایں کتاب مرات المصلی است"

آغاز : ۔

الٰہی دے توفیق انسان کوں جو بندگی کرے تیری دل جان سوں

توں پیدا کیا محض بندگی کرنیں کہ او چھوڑ پڑے ہیں گندگی کے تیں

اختتام : ۔

اہیں سات سنت سو یو در قیام بھی ہیں سات دسرے رکوع میں تمام

سو تسرے ہیا سجدے منے سات یو چہارم ہے قعدے منے سات او

در بیان سنتہائے قیام گوید

اس کے بعد اس بیاض میں اوراق غائب ہیں ۔

---

(۲۲۰) بیاض قدیم [۳۷۰]

اوراق ۳۱ ۔ سطور ۱۴ کہیں ۱۰ ۔

تقطیع ½۴" × ۸" ۔ خط ثلث ۔

مصنف ۔ مرزا، شاہی، شاہ راجو، روحی، خوشنود، وغیرہ ۔

زمانہ تصنیف ۔ قبل ۱۱۰۰ھ ۔

زمانہ کتابت قبل ۱۱۱۶ھ ۔

اس بیاض میں متعدد معروف و غیر معروف شعرائے دکن کی ۳۰ سے زیادہ نظمیں ہیں ۔ جن میں سے بعض نہایت اہم ہیں کیونکہ پہلی دفعہ اردو دنیا ان سے واقف ہو رہی ہے ۔ مرزا بیجاپوری کے مراثی ایک اور بیاض میں بھی ادارے میں موجود ہیں (دیکھو مخطوطہ ۲۱۱) لیکن اس بیاض میں اس کے مزید دس مرثیے اور سلام ہیں ۔ اور ممکن ہے کہ بعض دیگر مرثیے جو ناقص الآخر ہیں اور جن کے مقطع محفوظ نہیں ہیں وہ بھی مرزا ہی کے ہوں ۔

سید شاہ راجو حسینی (مرشد ابوالحسن قطب شاہ) اور ملک خوشنود کے مرثیے اس سے قبل کہیں دستیاب نہیں ہوئے تھے اور نہ یہ معلوم تھا کہ وہ مرثیے بھی لکھتے تھے ۔ صرف اس بیاض کی

وجہ سے ان کے اس کلام کا علم حاصل ہوا۔

علی عادل شاہی کا بھی ایک مرثیہ اس میں محفوظ ہے جو بہت اہم ہے۔ بعض مرثیہ گو مثلاً محبت، مراد وغیرہ پہلی بار اردو دنیا میں اس بیاض کی وجہ سے روشناس ہو رہے ہیں۔

افسوس ہے کہ یہ بیاض نہایت ناقص حالت میں ادارے میں داخل ہوئی اور اس کا بہت سا کلام تلف ہو گیا۔

اب اس کی جملہ نظموں کی تفصیلی ترتیب بیاض کے مطابق درج کی جاتی ہے :۔۔

۱۔ مرثیہ مرزا ۔ چار شعر ہیں۔ آخری شعر پڑھا نہیں گیا ۔

مطلع ۔ اے عزیزاں سب جنم زاری کرو اس غم منیں
حیف او سرور ہوا مظلوم اس عالم منیں

کاغذ کی بوسیدگی کی وجہ سے مقطع تلف ہو گیا ہے بحالت موجودہ یہ شعر آخری ہے : ۔

مصطفےٰ کی آل گئی اس جگ سوں ہو مظلوم حیف
ہے یہی حسرت جنم بھر اہل قرانی منیں (۲)

۲۔ سلام مراد ۔ ۱۲ شعر ہیں یہ ایک غیر معروف شاعر ہے ۔

آغاز ۔ نبی کا کرم مرتضیٰ ..... انھالے تمن پر سلام علیک

اختتام ۔ خدا جیو ایس کا کیا ہی مراد تمارے چرن پر سلام علیک (۳ و)

۳۔ غزل سراج ۔ چار شعر ہیں جن میں سے ابتدائی پڑھے نہیں جاتے ۔ مقطع یہ ہے :۔

ہے شاد اپنے پھول سے اے بلبل سراج
وہ یار نو بہار ہمارا کب آوے گا (۳ ب)

۴۔ مرثیہ ۔ ۱۰ شعر ہیں۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ یہ مرزا کا مرثیہ ہو ۔

آغاز ۔ اے عزیزاں دسیا ہے چاند عاشور
سب دلاں میں ہوا ہے لو غم پور

اختتام ۔ ہے سدا غم پو دل میں ......
سرخرو ہے توں مصطفےٰ ......

۵۔ مرثیہ شاہ راجو ۔ ۴۲ شعر ہیں۔ سید شاہ راجو ابوالحسن قطب شاہ کے مرشد تھے ۔ اور انہی کی پیشین گوئی کے مطابق ابوالحسن کو بادشاہت ملی تھی ۔ اس دور کے بعض شاعروں مثلاً طبعی نے اپنے کلام میں ان کی مدح لکھی ہے ۔ لیکن اب تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ خود شاہ راجو بھی اردو میں شاعری کرتے تھے ۔ انہوں نے زوال گولکنڈہ سے قبل غالباً ۱۰۹۱ھ میں وفات پائی ۔ (اولیائے دکن جلد اول ۔ ص۳۲۱) ۔

آغاز ۔ سینا کے ماتم سوں آل حرم پر ہوا ہے قیامت سو یا رب سراسر
جنہر جیو دواں تھا علی کے برج کا نبی کے درج کا سو او لعل گوہر

اختتام ۔ شفاعت دے منج شاہ اپی بقا کا ہمیشہ لگا منج ترا عشق اکبر
یم شاہ راجو حسینی پہ اپنا تری چھاؤں میں رکھ شہنشاہ سرور (۵ ب)

۶۔ مرثیہ قربان علی ۔ ۲۰ شعر ۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض میں بھی ان کے مرثیے موجود ہیں ۔ یورپ میں کئی مخطوطات میں ان کے ایک مرثیہ کا انتخاب شائع ہو چکا ہے (دیکھو ص۶۷)

آغاز ۔ کہو محب علی ہور وہ رو شہہ عرب ہور عجم کہاں ہے
او نور اعظم حبیب عالم او صابر درد و غم کہاں ہے

اختتام ۔ ہمیشہ لیل و نہار دایم کھیا سو قرباں علی غز ایوں
کہو محب علی ہور وہ امیر ملک بقا کہاں ہے (۶ و)

۷۔ مرثیہ شاہی ۔ علی عادل شاہ ثانی ۔ ۸ شعر ۔ اس بادشاہ کا ایک اور مرثیہ ادارے کی ایک دوسری بیاض میں بھی موجود ہے (دیکھو مخطوطہ ۲۱۳)

آغاز ۔ دیکھو جیند رہی بھری ..... جگت کوں دس دن درد لگایا
جیداں نے بھیں پر ہوا کھترا تو تدہاں تے ماتم لے سر ہلایا

اختتام۔ نبی کے گھر کا انھا دیپک یو بدی کا بارا لگا بجھا یا

فراق دل میں لگا کے شاہی اسیچ غم سوں انجھو بہایا (۶ ب)

۸۔ مرثیہ خوشنود۔ ۱۱ شعر۔ ملک خوشنود گولکنڈہ کا شاعر تھا جو خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم کے جہیز میں بیجاپور روانہ کیا گیا تھا۔ وہاں اس نے شاعر کی حیثیت سے عروج حاصل کیا اور ۱۰۵۶ھ میں ایک مثنوی ہشت بہشت لکھی۔ اس کا تذکرہ اردو شہ پارے ص ۴۸-۴۹ میں درج ہے۔

آغاز۔ زاری کرو عزیزو غم کا ہنگامہ ہوا ہے اس درد کا۔۔۔ کا تب۔۔۔۔۔

جم درد کی اگن سوں جلتا ہے دل نبی کا جو تھا خوشی علی کا ملک عدم ہوا ہے

اختتام۔ سارا ہیارکت ہو سب تن جلیا ہے دکھ سوں ماتم حسینؓ کا جم طفل کو نغم ہوا ہے

اللہ مصطفٰےؐ کا خوشنود نے کیا ہے ماتم حسینؓ کا جم تس پر کرم ہوا ہے (۷ الف)

۹۔ مرثیہ روحی۔ ۱۰ شعر۔ یہ حیدر آباد کے پیرزادے اور مشہور مرثیہ گو ہیں۔ ایڈنبرا کی بیاض میں پانچ اور کیمبرج کی بیاض میں ایک مرثیہ موجود ہے۔ ان کا تذکرہ اردو شہ پارے ص ۱۵۳-۱۵۷ میں درج ہو چکا ہے۔

مقطع۔ محرم کا چندر پھر کھن ایسا۔۔۔۔۔ ہوا پیدا

محباں کے دلاں میں سب شہاں کا غم ہوا پیدا

مطلع۔ جلی قلبی میں غم بنتا سو روحی میں عیاں دستا

یو ہو میرے سوں دالبنہ خفی جانم ہوا پیدا (۸ ب)

۱۰۔ مرثیہ حسنی۔ مربع۔ یہ ایک غیر معروف مرثیہ گو ہے۔

آغاز۔ پھر چاند کھن پر خم ہوا۔۔۔۔۔ عالم پہ کیسا غم ہوا اے شہ تیرے دتیاگ سوں

تن گال کر اپنا چندر تارے انجو کے بوند کو رتا پھرے اسمان پر آشفتہ تیرے دتیاگ سوں

اختتام۔ نس دیس غم کا ہاٹ ہے دوکھ درد وا ٹاداٹ ہے

سب عیش بارا باٹ ہے اے شہ تیرے دتیاگ سوں

حسنی سو شہ کا داس ہے اے شہ تری منج آس ہے

غم اس کوں باراماس ہے اے شہ ترے دتیاگ سوں (۹ ب)

۱۱۔ مرثیہ۔ ۱۲ شعر۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

مطلع۔ اس جگ میں بنا جب تھے کہ عاشور ہوا ہے

ہر شے کا دیکھو تب سوں جگر چور ہوا ہے

مقطع۔ مقبول قیادت کوں نبیؐ پاس اچھے او

۔۔۔۔۔۔۔۔ سوں رنجور ہوا ہے (۱۰ الف)

۱۲۔ مرثیہ۔ ناقص الاول۔ ۶ شعر۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

ابتدا۔ فانی جہاں شہ چھوڑ کر دارالبقا کر گئے سفر

بنت غم ہوا عالم اوپر تابوت جب لے کر چلے

اختتام۔ تابوت اٹھائے جس وقت اندکار ہوا سارا جگت

رونے لگیا عالم سگٹ تابوت جب لے کر چلے (۱۰ ب)

۱۳۔ مرثیہ مرزا۔ ۱۱ شعر ہیں۔ مرزا کے متعلق دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۱۔

مطلع۔ حسینؓ کے غم سوں یاراں ہوا کلیجا لہو کا دھارا

کہ یو ظلمات ماتم کا کیا ہر جگ میں اندکارا

مقطع۔ کہ مرزا سوز سرور کوں رکھیا ہے جیو کے جوہر کوں

اچھے گا روز محشر کوں حسین سرور کنے پیارا (۱۱ ب)

۱۴۔ مرثیہ صادق۔ ۳۱ شعر۔ یہ کوئی غیر معروف شاعر ہیں اس سے قبل ان کا کوئی کلام دستیاب نہیں ہوا۔

مطلع۔ حسنؓ ہور حسینؓ دو گھر ہائے ہائے ستارے دو شمس و قمر ہائے ہائے

مقطع۔ یو صادق ترا ہے امام نا کھیا روے یو سر بسر ہائے ہائے (۱۲ ب)

۱۵۔ مرثیہ مرزا۔ ۱۱ شعر۔ دیکھو مخطوطہ نمبر ۲۱۱۔

مطلع۔ آیا عاشور جگ میں سب جگ ہرا ہوا ہے

زاری کرو محباں غم کا نوا ہوا ہے

مقطع۔ جل بجھ ہوا انگیٹھی سینہ اسی فراقوں

مرزاں کے دل میں شہ کا یو داغ گھر ہوا ہے (۱۳ ب)

۱۶۔ سلام فصیح الدین۔ ۳ بند۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہیں۔ پہلی بار یہ نام اردو ادب میں آیا ہے۔

آغاز۔ محباں جہاں کر کو آلِ رسول　کرن ذکر میں ہوئے خاطر ملول

محبت سوں کرنا سعادت حصول　سوا وآ چمن پر سلامٌ علیکم

اختتام۔ فصیح الدین تجہ پر شہ کا کرم　رکھیں گے تری دو جہاں بیں نرم

مدح میں اماموں کے ہو گرم　کیا پنجتن پر سلامٌ علیکم (١٥)

١٧۔ مرثیہ مرزاؔ ۔ ناقص الاول ہے۔ اس میں ٣٠ بند ہیں۔

آغاز۔ آوے جہاں میں جب عشور　ہووے جگر اس غم تے چور

ہر شئے رہے ہے سکھ سوں دور　زاری کرو اے موناں

غم سوں ملائک تلملے !　سب عرش کرسی کھیلے

سورج دو کھوں نس دن جلے　زاری کرو اے مومناں

اختتام۔ اس غم سوں مرزاؔ کا جگر　جلتا اچھے ساری عمر

کاری زخم ہے دل اوپر　زاری کرو اے مومناں

١٨۔ مرثیہ مرزاؔ ۔ ١٤ شعر۔

مطلع۔ محرم چاند ماتم کا جہاں میں جب یو آتا ہے

.... جگ کوں جلاتا ہے

مقطع۔ محباں غم یو کاری ہے کہ ہر ماہ محرم میں

سدا مرزاؔ در دفم پر ہزاراں داغ کھاتا ہے (١٨)

١٩۔ مثنوی ۔ مناظرۂ عقل و عشق۔ از معظم۔ ٨ شعر۔ یہ شاعر شاہ امین الدین اعلیٰ کا معتقد اور قادرؔ کا شاگرد تھا۔ اس کی ایک کتاب گنج مخفی ادارے میں محفوظ ہے اور اس کا تذکرہ اس فہرست کے مخطوطہ نمبر ١١٢ میں گزر چکا ہے۔ اس نظم کے آخری مصرع میں اپنے استاد قادرؔ کا ذکر کیا ہے۔ قادرؔ کے مراثی بھی ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو مخطوطہ نمبر ٢١٤۔

آغاز۔ عقل کہتی علم پڑنا لکھنا سیکھ

عشق کہتا درس کا توں مانگ بھیک

عقل کہتی علم سوں تو یار ہو

عشق کہتا علم سوں بے زار ہو

اختتام۔ عقل کہتی سیکھ کچھ کیمیا گری

عشق کہتا چھوڑ کر بازی گری

عقل کہتی اپنے معظم کام کر

عشق کہتا قادر سوں ٹل آرام کر (١٩)

٢٠۔ مرثیہ مرزاؔ ۔ ١٢ شعر۔

مطلع۔ یاراں یو غم کے چاک کر دل سینۂ غمناک میں

بھرتا ہے ہر شام و سحر بھر بھر نمک ہر چاک میں

مقطع۔ دن غم سوں مرزاؔ کا جلے جوں شمع رو روتے گلے

پلکاں سوں ڈھلاں یوں چلے جوں ہی بھرلی غاشک میں (٢٠)

٢١۔ رباعی گوہری۔ یہ بھی کوئی غیر معروف شاعر ہے لیکن تخلص قدیم اساتذۂ دکن کی طرح کا ہے۔

گر صاف تیرے دل کے توں آئینہ کا ہوں

تس موں نہیں تجھا دیک اپس پی کوں توں

بعد از تو اوس کوں پوچھ تیرا راز جو رنیاز

.... وو جس راز کا ہوں (٢١)

٢٢۔ سلام ۔ ٨ بند ہیں۔ ناقص الآخر ہے اس لئے شاعر کا تخلص معلوم نہ ہو سکا۔

آغاز۔ نبیؐ کے نین پر سلامٌ علیکم　علیؓ کے رتن پر سلامٌ علیکم

سو خاتونؓ کے من پر سلامٌ علیکم　شہِ پاک تن پر سلامٌ علیکم

اختتام۔ ہزاراں کوں یک تن محمدؐ کی آل　نہایت کو جد سوں کریں او خوشحال

شجاعت سوں کرتے انہے پائمال　ہر ایک سورن پر سلامٌ علیکم (٢٢)

٢٣۔ مرثیہ مرزاؔ ۔ ١٢ شعر۔

آغاز۔ اے عزیزاں جگ میں یو ماتم ہنوز　حشر لگ تازا ہے شہ کا غم ہنوز

شہ کے غم سوں جگ پریشاں ہے ہنوز　زخم یو ہر دل میں پنہاں ہے ہنوز

مقطع۔ غلی مرزاں کوں کہیں گے حشر میں　تو حسین سرور پہ قرباں ہے ہنوز

(٢٣)

۲۴- مرثیہ مرزا - ۱۵ شعر ہیں۔

آغاز- توں شہیدی تخت بیٹھا ہے جلوہ اے شاہ قاسم

(کاتب نے ہر جگہ غالباً ہے جلوہ کو ہجلو ہا لکھا ہے)

بن رسول کے رخت بیٹھا   ہے جلوہ اے شاہ قاسم

بی بی کوں سنگار سارے   جییاں مل تجے سنوارے

ہو مول آہ مارے   ہے جلوہ اے شاہ قاسم

اختتام- .... مظہر کا آیا یو جلوا مرزا کو دے ہوگا دے زہرا

طبن سجا چندر سورج کا، ہے جلوہ اے شاہ قاسم (۲۴)

۲۵- مرثیہ .. ۱۲ شعر، مقطع کا ابتدائی مصرع تلف ہو گیا ہے

اس لئے تخلص محفوظ نہیں رہا۔ غالباً مرزا کا مرثیہ ہے۔

مطلع- لایا ہے چاند جگ بیتے ماتم حسینؑ کا

ہر اک سینے میں آگ بھریا غم حسینؑ کا

مقطع- .... سوں اچھو شاہ اولیا

یک دم سوں مانتا ہے سدا دم حسینؑ کا (۲۵)

۲۶- مرثیہ شرف - ۱۲ بند، یہ ایک مشہور مرثیہ گو ہے۔ اس کا

اور کلام مخطوطہ نمبر ۱۱۳ میں بھی محفوظ ہے۔ اور شرف کے حالات بھی

اسی کے تذکرے میں درج ہیں۔

آغاز- السلام اے شاہ سرور   السلام اے شاہ سرور

ہردم اس روح صفا پر   السلام اے شاہ سرور

شاہ تخت کربلا توں   صابر درد و بلا توں

نور چشم مصطفےٰ توں   السلام اے شاہ سرور

اختتام .... صف بصف سوں   رو رو کربلا شرف سوں

.... رف سوں   السلام اے شاہ سرور (۲۶)

۲۷- سلام مرزا - ناقص الاول ۱۲ بند

آغاز- صدق سوں ہر دم مدام   شاہ سلامٌ علیک

ہے توں حسینؑ علی   شاہ سلامٌ علیک

کامل اکمل ولی،   شاہ سلامٌ علیک

اختتام- اے شہید شیر نر   دھرتوں کرم کی نظر

لطف سوں مرزا اوپر   شاہ سلامٌ علیک (۲۷)

۲۸- مرثیہ محبت - ۱۲ شعر- یہ بھی کوئی معروف شاعر ہے۔

مطلع- یہ .... غم نو کھن اوپر وھل عرش ہور منبر پڑیا

کیوں نا ہووے جگ تل اوپر او حیدر صفدر پڑیا

مقطع- محبت بند الیس دن روتا ہے کفنی بھاگلے

نگیں ہوا ہے دو جہاں غم کا ہر یک اچھر پڑیا (۲۷ ب)

۲۹- مرثیہ مرزا - ۱۲ شعر -

مطلع- شہید حسینؑ سرور کہے پایو غم عزیزاں

دھرونت یو داغ دل پر کرو غم جنم عزیزاں

مقطع- شہ کربلا پہ مرزا دل وجاں فدا کیا ہے

مگر اس شرف سوں بخشے منجے حشر کو او سجاں (۲۸ ب)

۳۰- مرثیہ - ۱۶ شعر- ناقص الآخر ہے اس لئے مصنف کا پتہ

نہ چل سکا۔

مطلع- یو محرم چاند ماتم کا تمارا یا علیؑ

ہے جیوں غم سوں ہوا باریک سارا یا علیؑ

مقطع- تو یو غم کرنا ہمن پر فرض ہے نت شاہ کا

ہے ہمارے دین کا روشن ستارا یا علیؑ (۳۰)

اس کے بعد چند اوراق نصف سے زیادہ پھٹے ہوئے ہیں

اور دو دو تین تین شعر مختلف مرثیوں کے ان میں پڑھے جاتے ہیں۔

لیکن نہ تو ابتدا ہے نہ انتہا اس لئے ان کا تذکرہ بے کار ہے۔

یہ بیاض ۱۱۱۶ھ سے قبل نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ ورق ۱۴

کی پیشانی پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس میں لکھا ہے:-

"اللہ محمد علی ۱۱۱۶ھ"

کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(۲۲۱) ابراہیم نامہ [۱۸۱]

اوراق - ۶۴ - سطور - ۱۲ -
تقطیع - ۴/۳ ۷" × ۱۳" - خط نستعلیق -
مصنف - عبدل بیجاپوری - سنہ تصنیف ۱۰۱۲ھ
کاتب - سید محی الدین قادری زور - سنہ کتابت ۱۳۵۵ھ -

یہ تقریباً سات سو پچاس ابیات کی قدیم دکنی مثنوی ہے جس میں بیجاپور کے ایک شاعر عبدل نے ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کے حالات قلمبند کئے ہیں - یہ ایک نادر مثنوی ہے اور اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ راجۂ اونڈہ میں محفوظ ہے اور ایک نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں اور موخر الذکر نسخے ہی سے راقم الحروف نے یہ مخطوطہ بغرض اشاعت نقل کیا تھا لیکن اب تک یہ کتاب شایع نہ ہو سکی اس لئے اس کی نسبت ذیل میں تفصیلی وضاحت درج ہے -

اس نسخے میں مشکل اور غیر معروف الفاظ کے نیچے ان کے معانی درج کئے گئے ہیں اور اس کو بغرض طباعت مرتب کیا گیا ہے، یہ نقل صفحہ بہ صفحہ بلکہ سطر بہ سطر کی گئی ہے تاکہ اصل مخطوطہ کی ترتیب اور اوراق کا حوالہ محفوظ رہے -

یہ مثنوی حمد، نعت، مدح یارانِ رسولؐ، تعریف مرشد سید محمد گیسو دراز، اور تعریف حضرت استاد شاہ عالم پناہ ابراہیم عادل شاہ کے عنوانات سے شروع کی گئی ہے - اس کے بعد سبب تالیف کے طور پر ابراہیم عادل شاہ کی نصیحت بہ عنوان

"پند فرمودن حضرت استاد درباب شعر"

لکھی ہے اور اس سے قبل کی ابیات میں لکھتا ہے کہ میرے استاد بادشاہ نے مجھ کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ نئے مضمون کی ایک ایسی کتاب لکھ کہ جس کا جواب کسی سے نہ بن پڑے - دنیا میں شعر کے سوا نیری کوئی اور یادگار باقی نہ رہے گی - چنانچہ اسی لئے خود بادشاہ نے بھی بطور یادگار - جو کلام (غالباً نورس نامہ کی طرف اشارہ ہے) قلمبند کیا ہے اسی کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا - یہ حکم سن کر شاعر نے "شاہ استاد" جگت گرو سے پوچھا کہ کس زبان میں کہوں کیونکہ میں سوائے زبان ہندوی اور دہلوی کے کوئی اور زبان مثلاً عرب یا عجم کی زبان نہیں جانتا - اس استفسار پر بادشاہ نے جواب دیا کہ جس زبان میں چاہے کہہ - فن شعر کی خوبیاں اور عشق کے اسرار ہر زبان میں یکساں طرحدار رہتے ہیں - اور پرکھنے والے جوہر کو خواہ وہ کسی رنگ یا روپ میں ہو پرکھ ہی لیتے ہیں - کمال خواہ کسی زبان میں ہو اپنی قدر ضرور کرا لیتا ہے - اس حصۂ کتاب سے چند منتخب شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں :—

اوہی شاہ استاد کر سو نظر   بلایا جو عبدل کوں سر ہاتھ دھر
نوی بات مضمون کر اک کتاب   نہ کو فکر گو ندیا ہے تس کا جواب
(کوئی / سی)
نہ باقی رہے کچھ تو عالم نشان   اگر کچھ رہے تو یکن شعر جان
سو یوں بچن سن شاہ استاد تاں   پوچھیا جگت گرؐ شعر کہہ کس زباں
زباں ہندوی مجھ سوں ہور دہلوی   نہ جانوں عرب ہور عجم مثنوی
کہیا شاہ استاد عبدل سو یوں   توں ہر اک زباں کر شعر بات کوں
فن شعر سب ملک میں ایک دھات   عشق ایک پرگٹ جیمیں روپ بات
وغیرہ (ورق ۹)

اسی طرح متعدد ابیات لکھ کر دو اور عنوانات (۱ - در تعریف سخن و الفاظ شعر گفتن - ۲ - در تعریف قلم کاغذ و حرفاں) قائم کئے گئے ہیں جن کے بعد اصل مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے :—

ابتدائے کتاب ابراہیم نامہ در مدح حضرت شاہ عالم پناہ

کروں ابتدا شہ براہیم نام   کہ جس صفت عالم بھریا ہے تمام
سرگ حرت پاتال ہر یک دھرا   رھیا روپ سرور ہو عالم بھرا (۱۴)

اسی طرح ۵۵ ابیات لکھی ہیں جن کے بعد دوسرا عنوان شروع ہوا ہے -

اس کتاب میں حسب ذیل عنوانات پر شاعر نے معلومات فراہم کئے ہیں۔

۱۔ تعریف سخاوت بادشاہ (۱۸) ۲۔ شہر بیجا پور (۲۰)

۳۔ عرابہ و حصار و محل (۲۰) ۴۔ صفت ماہیان رقص و موسیقی (۲۲)

۵۔ تعریف دربار بادشاہ (۲۶) ۶۔ نورس محل بادشاہ (۲۸)

۷۔ مجلس شاہ عالم پناہ (۳۱) اس کے تحت کئی ذیلی سرخیاں ہیں۔

۸۔ لشکر و ہیبت لشکر (۳۶) ۹۔ تعریف فیلان بادشاہ (۳۸)

۱۰۔ تعریف اسپان بادشاہ (۴۰) ۱۱۔ سلحداران بادشاہ (۴۲)

۱۲۔ مجلس باغ جہاں پناہ (۴۴) ۱۳۔ ہنگام بہار (۴۵) اس کے تحت بھی کئی سرخیاں ہیں۔ ۱۴۔ میزبانی سالگرہ (۵۲) اس کے تحت بھی کئی سرخیاں ہیں۔ ۱۵۔ تواریخ ختم کتاب۔

اس مثنوی کی تاریخی اہمیت اس کی ادبی اور لسانی اہمیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں شاعر نے دکن کے ایک جلیل القدر حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خانگی زندگی کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ وہ خدمت ہے جو مورخوں کے بس کی بات نہ تھی۔

اس کتاب کے مصنف کی نسبت زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ اس کا تخلص عبدل تھا جو کتاب میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور ایک جگہ اس نے اپنا پورا نام عبدالکیتی لکھا ہے جو شاید عبدالغنی ہو۔ یہ نام آخری عنوان کی پہلی ہی بیت میں اس طرح درج ہے:۔

عبدالکیتی صفت کرشہ بیاں رہے ہے سو بھر کر زمین آسماں

عبدل خواجہ بندہ نوازؒ کے خاندان میں مرید تھا۔ اور خلفائے راشدین کی مدح کے بعد خواجہ صاحب کی خاص طور پر تعریف لکھی ہے جس کے آخر میں دعا کرتا ہے کہ میرے اشعار میں خوبی پیدا کر اور ان کو شرف قبولیت عطا ہو۔

مرشد کی مدح کے بعد اپنے استاد یعنے جگت گرو لوہن شاہ کی مدح لکھی ہے اور خود کو کئی بار بادشاہ کا خاص شاگرد بیان کیا ہے۔ تاریخ تصنیف کتاب کی آخری ابیات میں درج ہے۔

آغاز۔ الہی زباں گنج توں کھول منجہ امولک بہا کر جکو یہ بول منجہ
کہوں باسم اول تو اللہ لائے گلے موکھ کھلے جیب پکڑے او لائے

اختتام۔ بچن پھول گوندیا براہیم نام کیا سہس پر پرنش بارہ تمام ۱۰۱۲
خدایا تو عبدل بچن پھول کر بحضور عارفاں چیت سو مقبول کر

ترقیمہ:۔

"۱۳۵۵ھ میں نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے مخطوطے سے یہ کتاب نقل کی گئی۔ سید محی الدین قادری زورؔ۔ رمضان ۱۳۵۵ھ"

راقم نے اس کو ادارے میں بطور عطیہ محفوظ کر دیا ہے۔

---

(۲۲۲) کلیات محمد قلی قطب شاہ [۱۸۲]

اوراق ۴۰۶۔ سطور کہیں ۳۵ اور کہیں ۱۷۔

تقطیع ۸"×۱۳"۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ محمد قلی قطب شاہ۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۰۲۰ھ

کاتب۔ سید محی الدین قادری زورؔ۔ سنہ کتابت ۱۳۵۳ھ۔

یہ سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) بانی حیدرآباد کا کلیات ہے جو نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے تین مختلف نسخوں کو ملا کر ایک جگہ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ تینوں نسخے خود محمد قلی قطب شاہ اور اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ کے عہد کے مکتوبہ ہیں۔ اس کلیات کے نسخے کسی اور کتب خانہ میں موجود نہیں ہیں۔ اور یہ مسودہ راقم الحروف نے بغرض اشاعت مرتب کیا تھا۔ چنانچہ یہ کلیات ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ اور اس بادشاہ

کے سوانح حیات بھی ایک علٰحدہ کتاب ("حیات محمد قلی قطب شاہ") میں راقم الحروف نے قلمبند کر کے شائع کر دئے ہیں اس لئے یہاں زیر نظر مخطوطے کی مختصر سی وضاحت درج ہے۔

اس نسخے میں ابتدائی ۱۸۵ اوراق میں بادشاہ کا دیوان غزلیات درج ہے۔ اور اس کے بعد اس کی حسب ذیل موضوعوں کی نظمیں شامل ہیں۔

۱۔ حمد (۱۸۶) ۲۔ نعت (۱۸۹) ۳۔ منقبت (۱۹۳)
۴۔ مدح حضرت فاطمہؓ (۱۹۰) ۵۔ شاعر کا مذہب (۱۹۸) ۶۔ میلاد نبیؐ (۱۹۹)
۷۔ بعثت نبیؐ (۲۰۴) ۸۔ شب معراج (۲۰۹) ۹۔ عید سویرا (۲۱۰)
۱۰۔ عید مولود علیؑ (۲۱۵) ۱۱۔ عید غدیر (۲۲۰) ۱۲۔ شب برات (۲۲۹)
۱۳۔ عید رمضان (۲۳۳) ۱۴۔ بقر عید (۲۳۱) ۱۵۔ عید نوروز (۲۴۹)
۱۶۔ بسنت (۲۵۱) ۱۷۔ دوسری عیدیں (۲۵۴) ۱۸۔ سالگرہ (۲۵۷)
۱۹۔ جلوہ اور دیگر رسوم (۲۶۵) ۲۰۔ لوازمات شاہی (۲۷۲) ۲۱۔ کھیل (۲۷۹)
۲۲۔ برسات اور دیگر بہاریں (۲۸۱) ۲۳۔ محلات شاہی (۲۹۱) ۲۴۔ بارہ پیاریاں (۲۹۶)
۲۵۔ دوسری پیاریاں (۳۳۰) ۲۶۔ مختلف نظمیں (۳۴۳) ۲۷۔ قصائد (۳۸۶)
۲۸۔ رباعیات (۳۹۵) ۲۹۔ یخنی (۴۰۵)

اس نسخے میں جملہ مشکل اور غیر مانوس الفاظ کے نیچے معنی لکھ دئے گئے ہیں اور ہر غزل یا نظم کے بعد اس نسخہ کا حوالہ درج ہے جس سے وہ نقل کی گئی ہے۔

آغاز:۔

دلا منگ خدا کن کہ خدا کام دیوے گا
تن من کے مراداں کے بھرے جام دیوے گا
خواج کی اگن قہر کے پانی سوں بوجھا گا
براہیم نمن تجکوں سکھ آرام دیوے گا

اختتام:۔

موسر بھرنا لگ سار دو دنی کا ہت کہ چوری پدری تم سوں بولی ہی چاری
نبی بوج سوں قطب پیاری ملی کرنم ہم کوں کیا بوجھتی او گنواری

ترقیمہ:۔

"۱۳۵۳ء میں نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے مختلف قلمی نسخوں سے نقل کیا۔ سید محی الدین قادری زور"

یہ کلیات راقم الحروف نے بعد نقل ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کر دیا ہے۔

---

(۲۲۳) پھولبن [۱۸۰]

اوراق۔ ۱۶۲۔ سطور کہیں ۱۲ اور کہیں ۱۴۔
تقطیع۔ ½۸ × ۱۳۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ ابن نشاطی۔ سنہ تصنیف۔ ۱۰۶۶ھ۔
کاتب۔ عبد القادر سروری۔ سنہ کتابت ۱۳۵۵ھ۔

ابن نشاطی کی اس مثنوی کا ایک اور نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔ اور اس کا تذکرہ اس فہرست کے صفحہ ۹۴ پر (نسخہ نمبر ۴۲) گزر چکا ہے۔ یہ نسخہ اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں کاتب نے جملہ مشکل اور نامانوس الفاظ کے معنی لکھ دئے ہیں اور اس کو حسب ذیل پانچ نسخوں کے مقابلہ کے بعد خاص طور پر بغرض اشاعت مرتب کیا ہے (۱) نسخہ کتب خانہ آصفیہ مورخہ ۱۱۹۳ھ (۲) نسخہ کتب خانہ آغا حیدر حسن صاحب (۳) نسخہ نواب سالار جنگ بہادر مورخہ ۱۱۶۶ھ (۴ و ۵) نسخہ دوم و سوم نواب سالار جنگ بہادر۔ پروفیسر سروری کا مرتبہ یہ نسخہ ۱۳۵۵ھ میں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے۔

اس نسخے کے ابتدائی ۹ اوراق سروری صاحب کے مقدمہ کے مسودے پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد ورق ۱۰ سے اصل مثنوی شروع ہوتی ہے۔ اصل مثنوی کا آغاز و اختتام یہ ہے۔

آغاز:۔

اول میں حمد رب العالمیں کا دل و جاں سوں کہوں جاں آفریں کا
خداوندا تجے ہے جم خدائی ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی!

اختتام :-

کریں گے جو راوی پو لبن سیر — کہو یکبار گی کر عاقبت خیر
کیا میں ختم خاتم کے کرم سوں — محمد مصطفےٰ مولی العجم سوں

ترقیمہ :-

"ختم مقابلہ از نسخہ ۵ (جدید نمبر) از کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر
بالقابہ مورخہ ۲۵ فرودی ۱۳۴۷ف"

پروفیسر سروری نے یہ نسخہ ادارے کے کتب خانہ میں بعد تکمیل بطور عطیہ داخل کیا ہے۔

(۲۲۴) تاریخ ہندستان [۶۵]

اوراق - ۱۸۰ - سطور - ۱۵ -
تقطیع ۵ ¾ × ۹ - خط - نستعلیق - عنوانات سرخی میں -
زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۶ھ -
زمانۂ کتابت " " -

یہ اردو نثر میں ایک ضخیم (۳۶۰ صفحات کی) تاریخ ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن کتاب کے مختلف اختتامی حصص سے سنہ تالیف کا اندازہ ہو سکتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مولف نے ۱۱۹۵ھ کے بعد ہی اس کی تالیف ختم کر دی۔ راقم نے پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی صدر شعبۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ کو یہ کتاب بغرض تحقیق حال دکھلائی اور انہوں نے اس کے متعلق جو رائے تحریر فرمائی ہے (اور جو اس کتاب میں چسپاں کر دی گئی ہے) اس کا اقتباس یہ ہے -

"یہ در اصل فارسی کتاب لمحص التواریخ سے ماخوذ ہے جسے فرزند علی الحسینی ساکن مونگیر نے ۱۱۵۵ھ میں تالیف کیا تھا۔ بعض حصے تو لمحص التواریخ کا ہو بہو ترجمہ ہیں اور اکثر عنوانات تقریباً وہی ہیں۔ زیر نظر تاریخ میں ۱۱۶۶ھ تک کے واقعات دیئے ہوئے ہیں اس لئے اس میں چند بیانات مستزاد ہیں۔ کتاب کے نام یا مولف کا پتہ نہیں چلا۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ کہاں لکھی گئی۔ لیکن زبان شمالی ہے دکھنی نہیں۔ بعض جگہ حاشیہ پر عیسوی سنہ بھی درج ہے جیسے خود محرر نے ہجری سنہ کی مطابقت میں لکھ دیا ہے۔"

اس مخطوطے کا آغاز اس عنوان سے ہوتا ہے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اوپر پہلے ورق کی پیشانی پر سرخ روشنائی میں درج ہے -

"ذکر امیر تیمور گورگان صاحبقران"

تیمور کے بعد اس کے فرزندوں اور اولاد کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے جو ورق ۱۰ کے ختم تک جاری ہے -

یہاں سے شیر شاہ افغان کا ذکر شروع کیا ہے جو نہایت تفصیل سے گیارہ صفحات میں لکھا ہے۔ ورق ۱۵ ب سے ہمایوں کی کامیاب واپسی اور رحلت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگ زیب اور بہادر شاہ کے حالات صفحہ ۷۴ تک لکھے ہیں -

شاہ عالم بہادر شاہ کے جانشینوں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کا تذکرہ ورق ۴۳ ب تک درج ہے جہاں سے سکھوں اور ان کے سرگروہ کا حال شروع کیا ہے جو ورق ۴۸ ب پر ختم ہوتا ہے۔ دکن اور عظیم آباد کے حالات لکھنے کے بعد مولف نے بادشاہ فرخ سیر اور سادات بارہہ کی کش مکش کا ذکر ورق ۵۲ سے شروع کیا ہے۔ اس کے بعد دہلی کی طوائف الملوکی اور مرہٹوں کے عروج اور پھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا تفصیلی بیان ہے۔

ورق ۹۳ سے احمد شاہ بادشاہ کا ذکر درج ہے جس کے سلسلہ میں بعض امرائے سلطنت مثلاً امیر خاں عمدۃ الملک، قمر الدین خاں اور نظام الملک آصف جاہ کے خاندانی و ابتدائی حالات (ورق ۹۷ تک) قلمبند کئے ہیں -

ورق ۱۰۵ تک آصف جاہ اور ان کے فرزند ناصر جنگ اور
نواسے مظفر جنگ کی خانہ جنگیاں بیان کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ
اس ورق کے بعد ہی اس نسخے میں کئی اوراق غائب ہیں۔ چنانچہ ورق
۱۰۶ الف پر بنگال اور سراج الدولہ کے واقعات درج ہیں۔ اور یہ سلسلہ
ورق ۱۱۰ ب تک جاری ہے۔

اس تاریخ کے آخری حصہ میں سکھوں، مرہٹوں، حیدرآباد،
میسور، لکھنؤ، بنگالہ، اور دہلی کے وہ حالات درج ہیں جو انگریزوں
کے اثر و اقتدار کو ہندوستان میں بڑھانے کا باعث ہوئے۔ مورخ
ہر ملک و قوم کے حالات نہایت بے تعصبی سے لکھتا ہے۔ لیکن افسوس
ہے کہ بعض اوراق درمیان سے غائب ہیں اور بعض جلد بندی کے
وقت بے ترتیب آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف نے اورنگ زیب کے جانشین
بہادر شاہ کے مذہب، سادات بارہہ کے واقعات اور محمد امین خاں
وزیر کا ذکر جس اسلوب سے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ
شیعی المذہب تھا۔

یہ کتاب ۱۱۹۶ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ اس کے ثبوت
اس طرح فراہم ہوتے ہیں کہ مختلف مقامات اور گروہوں کے جو
واقعات اس میں درج ہیں وہ ۱۱۹۵ھ تک بیان کر کے سلسلہ
کو ختم کر دیا گیا اور نیا بیان شروع کیا گیا ہے مثلاً

(۱) ورق ۶۱ ب سے بعنوان "ایک نئے مذہب کا پھیلنا" فرلودوں
اور نمودوں کی جس مذہبی تحریک کی تاریخ بیان کی ہے اس کو
(ورق ۶۳ ب پر) اس عبارت پر ختم کرتا ہے:-

"صرف ایک شخص نمانمودبار اپنی عورتوں سمیت ۱۱۹۴ھ
میں مرشد آباد میں موجود تھا اور وہاں کے امیروں کی مدد سے
اپنی اوقات بسر کرتا تھا"

(۲) ورق ۱۰۰ ا پر سراج الدولہ کے خاتمہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:-

"گورنر بہادر نے ۱۱۹۵ھ ہجری میں رجب کے مہینے کلکتے
سے کوچ کیا"

یہی عبارت اور چند سطروں تک جاری رکھ کر ۲۳ رجب تک کا حال
لکھ کر ختم کر دیا ہے اور نئی سرخی "نواب فخر الدولہ کا حال" قائم کی ہے۔

(۳) احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کے حالات بھی ۱۱۹۵ھ
تک ہی لکھے ہیں اور یہ بیان ورق ۱۲۹ ب پر اس طرح ختم کیا ہے:-

"۱۱۹۵ھ ہجری میں مرزا نجف خاں امیر الامرا کی فوج لاہور
کے قریب تک پہنچی اور بہت سی لڑائیاں ہو کر غالب ہوئی"

اس کے بعد ہی نئی سرخی مرہٹوں سے متعلق قائم کی ہے جو یہ ہے:-

"مرہٹے کا حال اور اون کی اصل بنیاد کا ذکر اور اون
کے اقتدار کے اسباب کا مجمل بیان"

(۴) انگریزوں اور حیدر علی والی میسور کی لڑائیوں کا حال بھی رمضان ۱۱۹۴ھ
تک لکھا ہے۔ چنانچہ ورق ۱۶۸ پر لکھا ہے:-

"جرنیل کوٹ تین چار ملیٹن لے کر رمضان کے مہینے
۱۱۹۴ھ ہجری میں جہاز پر سوار ہو کے مدراج کو
روانہ ہوا"

یہ بیان اس واقعہ پر ختم کیا ہے:-

"حیدر نائک ہی کی فوج غالب ہوئی۔ غرض کہ وہ
مدراج کے قلعے سے باہر سارے صوبہ ارکاٹ پر
غالب ہو گیا" (۱۶۸ ب)

آغاز:-

"تیمور بادشاہ جس کے خاندان کی سلطنت ہندوستان
میں چار سو برس کے قریب رہی اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں"

اختتام:-

"نادر شاہ کی طرف کے قزلباش صمصام الدولہ اور امیر الامرا
پر دوڑ کر لوٹ مار کرنے لگے۔ پانچ چھے گھڑی کے عرصے میں"

لیکن یہ انتہائی عبارت دراصل کسی درمیانی ورق کی
معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل کتاب میں خود نادر شاہ کی وفات اور
احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا ذکر آچکا ہے۔ میرے اصل میں ورق ۸۰
کی مکرر عبارت ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ اصل کتاب کس عبارت پر
ختم ہوتی ہے۔

کوئی ترقیمہ نہیں ہے اور نہ کاتب و مقام کتابت کا پتہ
چل سکا۔

---

(۲۲۵) ترجمہ شرح چغمنی [۱۵۴]

اوراق ۱۸۹۔ سطور ۱۰۔
تقطیع۔ ۹"×۵½"۔ خط نستعلیق —— عنوانات سرخی میں۔
متعدد رنگین نقشے بھی شامل ہیں۔
مولف۔ شاہ علی متوطن ادھونی۔ سنہ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔
کاتب۔ غالباً مصنف۔ سنہ کتابت " " (؟)

علم ہیئت کی مشہور فارسی کتاب شرح چغمنی کا یہ ایک آزاد
اردو ترجمہ ہے جس کو شاہ علی متوطن ادھونی نے نواب شمس الامرا
کی سرپرستی میں ۱۲۵۰ھ کے قریبی زمانہ میں مرتب کیا۔ مترجم نے
اپنا اور کتاب کا نام دیباچہ میں اس طرح لکھا ہے:۔

"اس ذرۂ بے مقدار شاہ علی متوطن ادھونی نے مشہور
شرح چغمنی کو کہ جس کی عبارت کی دقت اور معانی کی نزاکت
باریک بینانِ نازک خیال پر ظاہر و باہر ہے زبان ہندی
میں بہ عبارت سلیس و صاف ترجمہ کرکے اوس مہر منیر
(شمس الامرا) کی رائے روشن سے مسائل اصل میں تقدیم و
تاخیر کی اور مسئلہ ضعیف کی قوی سے تبدیل۔"

اس سے قبل مصنف نے مادری زبان میں تعلیم و تدریس
کے فوائد بیان کئے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں لکھتا ہے:۔

دانایانِ روزگار اور عاقلان تجربہ کار پر پوشیدہ نہیں
کہ جس قوم میں زبان مروج سے جو فن تحریر و ترقیم پاتا ہے
صاحب زبان نہایت آسانی کے ساتھ اوس فن کا فائدہ
اٹھاتا ہے بلکہ بہ نسبت دوسری زبان کے مدت قلیل میں
حاصل اور کمال ہوتا ہے۔ کیونکہ جو دقت وہاں معرفت الفاظ
میں جاتی ہے یہاں وہ تحصیل معانی میں کام آتی ہے۔"

اس کے بعد نواب شمس الامرا کے مساعی کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے
کس طرح ذاتی توجہ سے فنون ریاضی اور علوم طبیعی کو یوروپین
زبانوں سے اردو و فارسی میں منتقل کیا۔ اور اس سلسلہ میں
رغبت دلائی ہے کہ ہمیں بھی ان کے اس فیض کو عام کرنے کی
کوشش کرنی چاہئے۔ نواب شمس الامرا نے اس قسم کی جو کتابیں
چھپوائی ہیں ان میں سے حسب ذیل ادارے میں موجود ہیں۔

(۱) اصول علم حساب۔ مطبوعہ ۱۲۵۲ھ۔ صفحات ۷۸+۱۰

(۲) علم جرثقیل (ستہ شمسیہ جلد اول) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۸۴+۴
مترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۳ھ۔

(۳) منتخب البصر (دور نما) مطبوعہ ۱۲۵۷ھ۔ صفحات ۲۱۳+۱۳
مولفہ رتن لعل ولد چیناں لعل مولفہ ۱۲۵۳ھ۔

(۴) علم آب (ستہ شمسیہ جلد دوم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۳۱۲+۱۰
مترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۴ھ

(۵) علم ہوا (ستہ شمسیہ جلد چہارم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۳۳۵+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۴ھ۔

(۶) علم مناظر (ستہ شمسیہ جلد پنجم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۷۸+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۵ھ۔

(۷) علم برق (ستہ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ۔ صفحات ۲۳۴+۸
ترجمہ میراماں علی و غلام محی الدین مولفہ ۱۲۵۵ھ۔

نوٹ ۔ اس ایڈیشن کا ایک رسالہ علم ہیئت (ستہ شمسیہ جلد دوم)
ادارے میں موجود نہیں ہے ۔

(۸) رسالہ علم داعمال کرے کے بیان میں ۔ مطبوعہ ۱۲۵۷ھ ۔ صفحات ۳۶۸ ۔
مترجمہ رتن لال ۔ مستر جوزہ سنہ تالیف ۱۲۵۵ھ ۔

(۹) تعلیم الصبیان ۔ مطبوعہ ۱۲۷۲ھ ۔ صفحات ۲۲۹ ۔
مرتب کا نام درج نہیں ۔ سنہ تالیف قبل ۱۲۶۳ھ ۔

(۱۰) فوائد الصبیان ۔ مطبوعہ ۱۲۷۳ھ ۔ صفحات ۱۸۴ ۔
مرتب کا نام درج نہیں ۔ سنہ تالیف ۱۲۷۳ھ

نوٹ اوپر کے جملہ رسائل شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانے کے
مطبوعہ ہیں ۔ ذیل کے رسائل جو دراصل ستہ شمسیہ کی چھ جلدیں ہیں ذرا
بڑی تقطیع (رائل) پر مطبع اسلامیہ مدراس میں سنہ ۱۲۷۳ھ و سنہ ۱۲۷۴ھ
میں چھپے ہیں ۔

(۱۱) علم جر ثقیل ۹۸ صفحات (۱۲) علم ہیئت ۱۳۳ صفحات
(۱۳) علم آب ۱۱۲ " (۱۴) علم ہوا ۱۱۷ "
(۱۵) علم المناظر ۱۰۰ " (۱۶) علم برنگ ۱۲۴ "

شمس الامرا کے حسب ذیل فارسی مطبوعہ رسائل بھی ادارے
میں موجود ہیں ۔

(۱۷) شمس الہندسہ (مطبع شمس الامرا) مطبوعہ ۱۲۵۱ھ ۔ صفحات ۲۵۵
مولفہ نواب فخر الدین خاں سنہ تصنیف ۱۲۴۱ھ ۔

(۱۸) رفیع الصنعت (مطبع جامع الاخبار مدراس) مطبوعہ ۱۲۶۹ھ ۔ صفحات ۲۵۱+۱۳ ۔
مولفہ نواب رفیع الدین خاں سنہ تصنیف ۱۲۶۹ھ ۔

یہ سب مطبوعات اب نایاب ہیں اور ان کے علاوہ بھی متعدد کتابیں
مثلاً فیض جاری وغیرہ نواب شمس الامرا نے چھپوائی تھیں لیکن یہ معلوم
نہ ہو سکا کہ ادارے کا زیر نسخہ "شرح چغمینی" زیور طبع سے آراستہ
ہوا تھا یا نہیں ۔

یہ نسخہ غالباً خود مصنف کا مکتوبہ ہے کیونکہ اس میں جگہ جگہ
حاشیہ پر اصلاحیں، تشریحیں اور اضافے درج ہیں ۔ تعجب ہے کہ
آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔

یہ کتاب بالکل اسی تدریسی طرز پر لکھی گئی ہے جو شمس الامرا کی
دوسری مطبوعات کے لئے استعمال کیا گیا ہے ۔ یعنی شاگرد کے سوالات
اور استاد کے جوابات ۔ درمیان میں نہایت اچھے رنگین نقشے بھی
مضامین کی وضاحت کے لئے اتارے گئے ہیں ۔

آغاز :۔

"سبحان اللہ کہ جس کی قدرت کا ذرا سا نمونہ یہ ہے کہ اجرام علویہ
اور اجسام سفلیہ کو عدم سے وجود میں لایا اور ان کے فعل و انفعال
سے انواع و اقسام کے مصنوع ایک سے ایک بہتر سطح زمین پر بنایا"

اختتام :۔

"اون کے نزدیک سال قمریۂ اصطلاحیہ اور شمسیہ حقیقیہ میں تفاوت
دس یوم گیارہ ساعت بارہ دقیقے ہے اور موافق ثنائی دس یوم
گیارہ ساعت کسر سے کم یعنے ایک دقیقہ تین خمس دقایق ساعت
سے اور موافق بطلیموس دس یوم گیارہ ساعت تین خمس خمس ساعت ہے"

اس کے بعد حسب ذیل سرخیاں قائم کرکے فارسی عبارتیں لکھی گئی ہیں ۔

۱ ۔ "ترکیب برآوردن روز ماہ نو"
۲ ۔ "حساب دانستن قمر کہ در کدام برج است"
۳ ۔ "حساب قمر در عقرب"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے ۔ سرورق پر ان کے دستخط
"عنایت جنگ ۱۳۴۲ھ" ثبت ہیں ۔

(۲۲۶) تفسیر سورۂ اذا جاء [۳۷۱]

اوراق ۴۴ - سطور ۱۳ -

تقطیع - ۵ ½ × ۸ ۔ خط نستعلیق شکستہ ۔

عنوانات - سرخی میں - زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ ۔

کاتب - امین الدین - سنہ کتابت - ۱۲۰۶ھ ۔

یہ بظاہر سورۂ نصر (اذا جاء) کی قدیم اردو نثر میں ایک تفسیر ہے لیکن دراصل مصنف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور رسالت پناہ کے حالات وفات قلمبند کئے جائیں ۔ کتاب کے سرورق کی پیشانی پر سرخی میں لکھا ہے : ۔

" سورۃ النصر مدینۃ وھی تلث آیتہ "

اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ قرآن شریف کی کسی مکمل تفسیر کا حصہ ہے ۔ لیکن رسالہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بجائے خود ایک کتاب ہے ۔ اور اس کا مصنف کوئی دکھنی عالم ہے جس نے قرآن اور حدیث کا گہرا مطالعہ کیا ہے ۔ اور جس کو لکھنے کی بھی اچھی مہارت حاصل ہے ۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ لیکن یہ رسالہ دکھنی کتابوں میں خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دکھنی مفسروں نے قرآن شریف کی تفسیریں کس شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہیں ۔

۱۹۳۷ء میں سٹی کالج میں یوم ولی کی تقریب میں دکنی مخطوطات کی جو نمائش کی گئی تھی اس میں ضخیم دکنی تفسیریں بھی شامل تھیں ۔ کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں کامل شاہ دکنی کی ایک تفسیر ہندی کا قلمی نسخہ موجود ہے جو ۱۱۷۵ھ کا مکتوبہ ہے ۔

ادارے کا زیر نسخہ سنہ کتابت کے لحاظ سے قدیم ہے اور زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے اوائل بارھویں صدی ہجری کی تالیف معلوم ہوتا ہے ۔

اس کتاب میں ابتدائی ۳ صفحات میں سورۂ اذا جاء کی تفسیر لکھی ہے جو اس عبارت پر ختم ہوتی ہے : ۔

"ہے توبہ کرنے ہارا مغفرت چاہنے والوں سے "

اس کے ساتھ ہی اس آیت کا محل وقوع اور آنحضرتؐ کی وفات کے واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا ہے جس کے پہلے جملے یہ ہیں : ۔

"جس وقت کہ یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سن کر روئے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم پوچھے کہ اے عباس تم کس واسطے روتے ہو ۔ حضرت عباس عرض کئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وصحبہ وسلم اس کے نازل ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے تئیں دنیا سے سفر کرنے کا حکم ہوا ہے ۔"

اس کے بعد مختلف احادیث اور روایات کی شہادتوں سے آنحضرتؐ کے آخری زمانے کی مصروفیات اور وصیتیں تفصیل سے بیان کی ہیں ۔ یہ سلسلہ ۳۲ صفحات تک جاری رہتا ہے ۔ اور ورق ۱۶ ب کے آخر میں ایک نیا عنوان "احوال قرب وصال" قائم کر کے آنحضرتؐ کی وفات کے حالات بھی نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں ۔

آخر کتاب میں تفسیر دُرج الدُرر اور تفسیر بیضاوی سے سورۂ اذا جاء کے فوائد اور اس کے پڑھنے کے ثواب بیان کئے گئے ہیں ۔

آغاز : ۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کے بھیجنے میں خدا تعالےٰ کی یہ حکمت تھی کہ مکارم اخلاق کو تمام کرنا اور بناء کلمۂ توحید کی مضبوط کرنا ۔ اور دین اسلام کو ظاہر کرنا اور خلایق کو ہدایت کرنا جس وقت کہ یہ امور بوجہ احسن تمام ہوئے تو خدا تعالےٰ اپنے رسول صلعم پر یہ آیت نازل کیا ۔"

اختتام : ۔

" اور جو شخص کہ سورت کے تئیں خواب میں پڑھا تو خدا تعالےٰ اوس کو دشمنوں پر فتح دے گا اور تمام مشکلات اوس کے

حل ہوئیں گے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ خواب دلالت کرتا ہے موت کے نزدیک ہونے پر فقط"

ترقیمہ:—

تمام شد تفسیر سورۂ اذا جاء بخط بے ربط بندۂ سرافگندہ عاصی خاکسار کمترین امین الدین بتاریخ بست نہم ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ — بہ پاس خاطر حافظ منصب علی صاحب تحریر یافت"

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی رفیق ادارہ کا عطیہ ہے۔ اس جلد میں میر حسن کی مثنوی سحر البیان (مکتوبہ ۱۲۳۹ھ) شیخ سعدیؒ کی گلستان (مکتوبہ ۱۲۶۱ھ) انشائے تسکین (جس کو غلام علی تسکین نے متعلقہ اڈلور سرکار گلشن آباد میدک میں ۱۲۳۵ھ میں مرتب کیا) اور دعائے سریانی (عربی و فارسی) کے قلمی نسخے بھی محفوظ ہیں۔

(۲۲۷) سحر البیان [۳۷۳]

اوراق — ۸۶ — سطور ۱۳ —

تقطیع — ۵ ½ × ۸ — خط نستعلیق پاکیزہ — عنوانات سرخی میں۔

مصنف — میر حسن — سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ

سنہ کتابت — ۱۲۳۹ھ —

میر حسن کی مثنوی "بے نظیر و بدر منیر" کا یہ پاکیزہ نسخہ کتاب کی تصنیف سے صرف ۴۰ سال بعد نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے اور چار قلمی نسخے (دیکھو نمبر ۶۸ تا ۷۰ و ۹۹) ادارے میں محفوظ ہیں جن میں سے ایک نسخہ ۱۲۲۳ھ کا بھی مکتوبہ ہے۔ مصنف اور کتاب کی تفصیلات مذکورہ نسخوں کے بیان میں درج ہو چکی ہیں۔

زیر نظر نسخے میں تقریباً دو ہزار دو سو ابیات ہیں۔ (۲۲۰۰)

آغاز:—

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے میں اول قلم

سر لوح پہ رکھ بیاض جبیں
کہا دوسرا کوئی ایسا نہیں!

اختتام:—

سنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی
تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی

یہ مصرع پڑھا اور دیا ہو کر فرح
ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

ترقیمہ:—

"تمت تمام شد کتاب مثنوی میر حسن بتاریخ پانزدہم شہر ذی حجہ ۱۲۳۹ھ بوقت نماز پیشین بروز چہارشنبہ تحریر یافت"

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی کا عطیہ ہے۔ اور "تفسیر سورۂ اذا جاء" (دیکھو مخطوطہ ۲۲۶) کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے۔

(۲۲۸) کتاب ادویات [۳۴۹]

اوراق — ۴۴ — سطور ۱۵ —

تقطیع ۶ × ۹ — خط نستعلیق شکستہ —

زمانۂ تصنیف — قبل ۱۲۴۹ھ —

کاتب — الف خاں — سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء —

اردو نثر میں یہ رسالہ مغربی طب کی کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے اور اسی طرح کے حسب ذیل دو مطبوعہ ترجموں کے ساتھ ایک ہی جلد میں شریک ہے۔

(۱) تپ اور اسہال کا رسالہ از جیمس جینسن مطبوعہ اگسٹ ۱۸۳۱ء کلکتہ — ۳۲ صفحات —

(۲) بیان سانپ کے کچھ کا مترجم و مصنف نامعلوم مطبوعہ اگسٹ ۱۸۳۱ء کلکتہ — ۷۳ + ۸ صفحات —

یہ دونوں کتابیں نستعلیق لیتھو میں چھپی ہیں اور اُردو کی قدیم ترین پتھر پر چھپی ہوئی کتابوں میں سے ہیں۔ ان میں اعراب اور رسم الخط کے لئے جو اشارے استعمال کئے گئے ہیں وہ اُردو کے محققین کے لئے خاص کر قابل توجہ ہیں۔

زیر نظر قلمی نسخہ ان مطبوعات سے دو ایک سال قبل ہی تالیف اور نقل کیا گیا ہے۔ اور اُردو میں مغربی طب کی ایک نہایت قدیم کتاب ہونے کی حیثیت سے خاص طور پر اہم ہے۔ لیکن اس کتاب کا نام معلوم ہو سکا اور نہ مصنف ہی کا۔ پہلے ورق کی پیشانی پر لکھا ہے "کتاب ادویات است" اور اس کے بعد ہی پہلا باب شروع کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں جملہ ۷۵ باب ہیں۔ ہر باب کسی خاص مرض اور اس کے علاج کے لئے وقف ہے۔ نمونہ کے طور پر ابتدائی پانچ ابواب کی سرخیاں یہاں درج ہیں:-

(۱) تپ کے علاج میں جو کہ سردی سے ہوتی ہے (۷ صفحات)
(۲) ہیضہ کے علاج میں (ورق ۴)
(۳) اروغ ترش کے علاج میں (ورق ۵)
(۴) قے کے علاج میں (ورق ۶)
(۵) ذات الجم کے علاج میں (۶ ب)

ہر مرض اور دوا کے اُردو نام کے ساتھ انگریزی نام بھی اُردو رسم الخط ہی میں لکھے گئے ہیں۔ پچھتر ابواب کی تکمیل کے بعد "دوائی متفرقات" کے عنوان سے مختلف نسخے درج کئے گئے ہیں جو ۲۰ صفحات پر حاوی ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ آخری حصہ کوئی جداگانہ کتاب ہو اس لئے پہلے "کتاب ادویات" کی آغازی و اختتامی عبارتیں نقل کرکے پھر "دوائی متفرقات" کی عبارتیں درج کی جاتی ہیں۔

کتاب ادویات - آغاز:-

"باب پہلا تپ کے علاج میں جو کہ سردی سے ہوتی ہے۔ فیور ..... حمی یعنے تپ دو قسم کا مزاج رکھتی ہے۔ ایک سردی سے جسے انگریزی میں ایگوانڈفیور اور فارسی میں تپ لرزہ اور عربی میں حمیٰ ناقص کہتے ہیں۔"

اختتام:-

"پوڈر مدار کے درخت کا کہ اڑھائی ہاتھ سے زیادہ ہووے جڑ پیڑ سے سوکھا کے مکنی اس کی پانچ گرین سے پندرہ تک کھلانے سے بہت فائدہ کرتا۔ تمام شد"

دوائی متفرقات

آغاز:-

"نسخہ جاری شدن حیض۔ سلفیٹ او ایرن ایک اسکروپل اکسٹریکٹ سنکونا آدھ ڈرام مصری کے شیرے کے ساتھ بیس پل بناوے ایک صبح اور ایک شام کھلاوے"

اختتام:-

"پس پیچھے وہی چھلنے ہوئے پانی کو لے کے پکاوے کہ اسپرٹ کم کے مانند گاڑھا جاوے بعد اس کے پوڈر اور مکنی کوٹلے کے ایک ساتھ کے اسس (؟) چیز کے برابر ہووے ملا کے چلاوے۔ فقط تمام شد"

اس کے ختم پر کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اسی کاتب نے دوسری کتابیں "بیان الکٹرسٹی" و "بیان رحم" شروع کر دی ہیں۔
اور سب کے آخر میں یہ ترقیمہ ہے جس کے چند لفظ پڑھے نہیں جاتے۔

دو کتابہ نسخہ جات متفرقات ترکیب انگریزی. .....
برائے خاطر مشفق شفیق برادر ہم کیشی مونسی مخلصی محرم راز
خفی و جلی واقف اسرار لم یزلی برادرم شیخ محمد علی ڈاکٹر.....
قلعہ کالنجر روحی فداک: بخط خام ..... الہام فقیر حقیر پر تقصیر

بندہ الف خاں...... پچمنٹ تحریر یافت - تحریر بتاریخ
بست پنجم ماہ ذیقعدہ ۱۲۴۹ھ ہجری مطابق ماہ مئی ۱۸۳۴ء
بنہایت پہنچی جیسا کہ ''

(۲۲۹) مسائل طبیعی [۳۴۸]

اوراق ۱۹ - سطور ۱۵ -
تقطیع ۶" × ۹" - خط نستعلیق شکستہ -
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۹ھ -
کاتب - الف خاں - سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء -

اس رسالہ میں مختلف سائنسی موضوعات کو اردو نثر میں سمجھایا گیا ہے - اور یہ غالباً اس موضوع پر اردو کی قدیم ترین کتب میں سے ہے - اس رسالہ کی ذیلی سرخیاں یہ ہیں -
(۱) الکٹریسٹی (۲) ماتا (۳) ابر (۴) تشریح شجر (۵) ہضم غذا (۶) جریان ہوا (۷) بالائی ہوا کا دباؤ (۸) کا لیسم (۹) گیس -

مولف نے اردو میں بے دھڑک انگریزی اصطلاحیں استعمال کی ہیں - کتاب اور مصنف کے نام کا پتہ نہ چل سکا - اوپر جو نام لکھا گیا ہے وہ راقم الحروف نے موضوع کی مناسبت سے قرار دے لیا ہے -

آغاز :-

''علم الیکٹرسیٹی کا مانند اور علموں کے پہلے تھوڑا تھا مگر رفتہ رفتہ اب بہت ہوا ہے - چنانچہ آگے یہ جانا تھا کہ عنبر اور لاک کو جہاں ہاتھ سے یا اور کسی چیز سے مَل کر ہلکی چیزوں کے پاس لے گئے وہی ہلکی چیزیں اوس کی طرف کھنچ جاتی ہیں۔''

اختتام :-

''ہوا کے پھیلنے سے ریزہ ریزہ یعنے چور ہو گئی اور اگر گول شیشی ہوتی تو نہ ٹوٹتی - اس واسطے کہ اوس میں ہوا گھومتی رہتی ہے اور چوپہلی میں ہوا گھوم نہیں سکتی ہے۔''

ترقیمہ کے لئے دیکھو نسخہ نمبر ۲۲۸ -

(۲۳۰) بیان رحم کا [۳۴۷]

اوراق - ۴۴ - سطور ۱۵ -
تقطیع - ۶" × ۹" - خط نستعلیق شکستہ -
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۴۹ھ -
کاتب - الف خاں - سنہ کتابت ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۰ء -

اس رسالے کا مصنف بھی وہی ہوگا جو مخطوطات نمبر ۲۲۸ و ۲۲۹ کا ہے - اس میں رحم اس کی نشو و نما، ایام حیض، حمل، زچگی وغیرہ سے متعلق تفصیلی معلومات طبی نقطۂ نظر سے قلمبند کی گئی ہیں - اس موضوع پر اردو میں یہ ایک نہایت قدیم کتاب ہے اس لئے اہم ہے -

آغاز :-

''جاننا چاہئے کہ یوٹرس ایک لاٹن لفظ ہے کہ جس کو انگریزی زبان میں اوینہ اور عربی میں رحم اور فارسی میں زہدان اور ہندی میں دھرٹن اور کوکھ اور سنسکرت میں گربھ استھان کہتے ہیں۔''

اختتام :-

''مگر آرٹری یعنے شرایں کہیں زیادہ اور کہیں کم ہیں - اونہوں کے باندھنے کا خیال ہر ایک جگہ رکھنا ضرور ہے - اس واسطے ان سب کی تفصیل اور نام جدا جدا لکھا جاتا ہے بازو کے دو آرٹریز باندھے جاتے ہیں - (اس کے بعد انگریزی نام لکھے ہیں)۔''

ترقیمہ:- یہاں جو ترقیمہ درج ہے وہ مخطوطہ نمبر ۲۲۸ کے آخر میں لکھا جا چکا ہے - ترقیمے کے بعد امساک اور قوت باہ کے متعدد نسخے لکھے گئے ہیں -

(۲۳۱) مطبوع صبیاں [۷۰۱]

اوراق ۲۷ - سطور ۸ -
تقطیع - ۶ ۱/۲" × ۹" - خط نستعلیق -
عنوانات - سرخی ہیں -
مصنف - صفی - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک مثنوی ہے جس میں مشہور درسی کتاب "خالق باری" میں تضمین کے ذریعہ سے مفید اضافے کئے گئے - خالق باری امیر خسرو سے منسوب ہے اور فارسی و اُردو لغت کی ایک قدیم کتاب ہے جو کچھ عرصہ قبل تک ہندوستان کی مقبول و مستند درسی کتاب سمجھی جاتی تھی -

اس رسالہ کو ۲۸ ابیات کے ایک فارسی دیباچہ سے شروع کیا گیا ہے جس میں مصنف نے حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے -

میرے ایک شاگرد گوبند رام نے ترغیب دلائی کہ امیر خسرو کی خالق باری کو تنظیم و تردیف کے ذریعے سے زیادہ واضح اور مفید بناؤں - کیونکہ اس کی ابیات میں فن عروض و قوافی کے لحاظ سے وضاحت درج نہیں ہے - غرض میں نے دوستی کی خاطر یہ کام شروع کیا اور ہر بحر کی ابیات کو بحر کے نام اور ارکان کی وضاحت کے ساتھ الگ الگ مرتب کیا - امیر خسرو نے جملہ ایک سو ستر ابیات لکھی تھیں جن میں اضافہ کرکے اب اس کتاب کو تین سو پچپن (۳۵۵) ابیات پر مشتمل کر دیا گیا ہے -

اس فارسی دیباچہ کی چند ابیات یہ ہیں جن سے کتاب اور مصنف کا نام واضح ہوگا -

جو بیت کہنہ زنو راکنی گنج شوند سی صد د گر پنجاہ و ہم پنج
صفی را گرچہ این رغبت نہ بودہ برائے خاطر یاراں نمودہ
چو ہر کو دکاں گردید مبنیا د مسمی یافتہ "مطبوع صبیاں"

اس کے مصنف صفی کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور نہ سنہ تصنیف ہی کا پتہ چل سکا - یہ نسخہ ناقص الآخر ہے - اس لئے کاتب و سنہ کتابت کا بھی علم نہ ہو سکا - البتہ کاغذ اور نہج کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰۰ھ سے قبل کا نسخہ ہے -

خالق باری کو صفی نے جن حصوں میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ابتدائی دس عنوان اور ہر عنوان کی پہلی بیت درج ذیل ہے تاکہ زبان اور نہج ترتیب کا اندازہ ہو سکے -

۱- بحر متدارک - ۱۷ ابیات -
اول حمد خدا کا یار جس سوں ہے دو جگ اظہار

۲- بحر مسدس رمل مقصور ۳۸ ابیات -
ہے مرے سر پر وہی رب غفور مجھ گناہاں کوں کرے گا وو چہ دور

۳- بحر مقصوری رمل - ۳۰ ابیات -
جب سوں دیکھا ہوں ترے مکھ کا قراں ورد بسم اللہ کا پایا ابرواں

۴- بحر رمل المحذوف - (۱۲) ابیات
اے سجن تجھ بن جلا میرا جگر وصل کے پانی سنی کر سرد تر

۵- بحر رمل مثمن مقصوری - ۲۴ ابیات
اے سجن تجھ سا نہ دیکھا دائما اندر جہاں
یاد تیرے لطف کا مجکو ہوا ہے ورد جاں

۶- بحر مضارع اخرب مکفوف - ۱۹ ابیات
تن میں مرے فراق سوں تیرے رہا نہ پاس
دکھلا سجن اپس کا درس تا پھکے ہو لاسس

۷- بحر مضارع مثمن محذوف - ۷ ابیات
مشتاق تجھ وصال کا دن رات اے سجن
درسن دکھا کے مجھ سوں مٹھے بول دو بچن

۸۔ بحر تقارب مثمن ۔ ۴۳۔ ابیات ۔

سورج نوسکے نیئں سجن کے برابر چندر اوس کے مکھ کے اگے چوں کہ اختر

۹۔ بحر رمل سریع مخبون ۔ ۱۵ ابیات

حق نے کیا ہے تجکو مہ چاردہ شبہ

رخ سوں تیرے روشنی پایا ہے مہ

۱۰۔ بحر ہزج مسدس محذوف ۔ ۱۰ ابیات ۔

سجن تجہ ہجر میں بے تاب ہوں میں

ادہر کا دے پیالہ پی کے جیوں میں

اسی طرح ہر بحر کی جملہ ابیات یک جا لکھی گئی ہیں اور جب بیت سے نئی بحر شروع ہوتی ہے اسی کے ہم قافیہ مصنف نے دو دو شعر اور لکھ کر نیا عنوان شروع کیا ہے ۔ گویا ہر بحر کے آغاز میں تین تین شعر کے قطعہ کے بعد اصل مثنوی کی ابیات درج کی ہیں ۔

اس کتاب کے فارسی دیباچہ کا آغاز و اختتام یہ ہے ۔

آغاز ۔ بحمد اللہ کہ از فضل و عنایت ہدایت را رساند او نہایت

اختتام ۔ بحق خواجۂ عالم گناہم کنی عفو و نمائی نیک راہم

اصل کتاب کا آغاز و اختتام یہ ہے :۔

آغاز ۔ اول حمد خدا کا یار جس سوں ہے دو جگ اظہار

فعلن فعلن فعلن فاع ہے متقارب کا بستار

خالق باری سرجن ہار واحد ایک بڑا کرتار

اختتام ۔ راجا بادشاہ سلطاں ہے گنوار دہقانی جاں

فلک چرخ اسمان اکاس طالع گرہ برج ہے راس

چونکہ یہ مثنوی ناقص الآخر ہے اس لئے آخری عنوان کے ابتدائی اشعار بھی درج کر دئے جاتے ہیں :۔

بحر متقارب ۔

جب سو نیر ہو ساجن گیرا ہر دے مانہہ جو کیتا ڈیرا

فعلن فعلن فعلن فاع ہے متقارب کا یہ پھیر ا

یار سنے یو سرجن بیرا خصم منے توں دوجن بیرا

══════

(۲۳۲) ترجمۂ کریما [۲۰۷ / و ۱۹۱ ل]

اوراق ۲۰ ۔ سطور ۱۱ ۔

تقطیع ۵½ × ۹ ۔ خط نستعلیق معمولی ۔

زمانہ ترجمہ قبل ۱۲۶۵ھ ۔

زمانہ کتابت ۔ ۱۲۶۶ھ ۔

شیخ سعدیؒ کی 'کریما' خالق باری (نسخہ ۲۳۱) کی طرح یہ فارسی کی ایک قدیم درسی اور مشہور اخلاقی کتاب ہے جو اب تک مقبول عام ہے ۔ کسی غیر معروف مصنف نے اس کا اُردو میں ترجمہ کر دیا ہے جو اس نسخے میں شامل ہے ۔

زیر نظر نسخے میں ہر فارسی بیت کے نیچے ہی اردو بیت میں ترجمہ لکھا گیا ہے ۔ ترجمۂ کریما کا یہ نسخہ جلد بندی کے وقت غلطی سے دو جلدوں میں آدھا آدھا شریک ہو گیا ہے ۔ چنانچہ جلد نمبر ۲۰۷ میں اس کے ابتدائی ۱۰ اوراق ہیں اور جلد نمبر ۱۹۱ میں بقیہ ۱۰ ورق ۔ دونوں جلدوں کی جملہ ابیات کی تعداد ۲۱۰ اردو اور ۲۱۰ فارسی ہے ۔ پہلی جلد اس بیت پر ختم ہوتی ہے ۔

.... ہے بندگی سے پھرائے کہ طاعت سے دولت کو لاریب پائے

دوسری جلد اس بیت سے شروع ہوتی ہے :۔

سعادت ہو طاعت سے حاصل مدام ہو دل نور طاعت سے روشن تمام

مترجم نے سعدیؒ کے سہل ممتنع کلام کا بہت کامیاب ترجمہ کیا ہے اور کمال یہ ہے کہ ہر فارسی بیت کا ترجمہ ایک ہی اُردو بیت میں کر دیا ہے ۔ مثال کے طور پر یہاں چند اصل فارسی ابیات اور اُن کا اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے :۔

فارسی	اردو
بنی آدم از علم یابد کمال	شرف پاوے ہے علم سے آدمی
نہ از حشمت وجاہ و مال و منال	نہ مال وحشم جاہ سے ہو کبھی
چو شمع از پے علم باید گداخت	تو پڑھنے میں جوں شمع تن کو گلا
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت	کہ بے علم پہچانے کب تو خدا
خردمند باشد طلبگار علم	بیانا طلبگار ہے علم کا
کہ گرم است پیوستہ بازار علم	سدا گرم بازار ہے علم کا
کسے را کہ شد در ازل بخت یار	ازل میں جو کوئی ہوا بختور
طلب کردن علم کرد اختیار	وہ کوشش سے سیکھے ہے علم وہنر

اس کتاب کا آخری حصہ نسخہ تنبیہہ النسا (دیکھو تذکرہ ہذا سلسلہ نمبر ۲۴۱) ایک ہی جلد ہے اور یہ پوری کتاب بھی اسی کے ساتھ ۱۲۶۶ھ میں نقل کی گئی ہے۔

آغاز:—

کرم سے ہمیں اپنے بخش اے خدا — کہ ہیں ہم گرفتار حرص وہوا
نہیں ہے ہمیں دادرس تجھ سوا — تو ہی بخش دے عاصیوں کی خطا

اختتام:—

نہ ایسا درخت اس چمن میں اُگا — کہ ضرب تبردار سے وہ بچا
نہ رکھ انس دنیائے فانی سے یار — یہی بات رکھ یاد سعدی سے یار

ترقیمہ:— چونکہ یہ نسخہ تنبیہہ النسا، کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لئے کاتب نے موخر الذکر کتاب کے آخر میں ترقیمہ لکھا ہے جو اس کے بیان میں تذکرہ ہذا کے صفحہ ۲۷۱ پر درج ہو چکا ہے۔

(۲۴۳) ترجمہ چہل حدیث [۲۴۸]

اوراق ۴ ۔ سطور ۲۰ ۔
تقطیع ۶" × ۴½" ۔ خط نستعلیق و نسخ ۔
زمانہ ترجمہ قبل ۱۲۴۲ھ
کاتب ۔ میر فخر الدین ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۲ھ ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو چالیس حدیثیں راوی ثقاۃ کے تسلسل سے ایک جگہ جمع کی تھیں ان کا اردو ترجمہ اس نسخے میں اصل احادیث کے نیچے لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ غالباً مترجم کا قلمی ہے کیونکہ اس میں حاشیہ پر مترجم نے اپنے ترجمہ کی نہایت تفصیل کے ساتھ جگہ جگہ وضاحت کی ہے۔ ترجمہ چہل حدیث کے بعد اسی کاتب نے فارسی میں حفظ قرآن کا طریقہ (جو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو سمجھایا تھا) بیان کیا ہے۔ یہ ترجمہ اوائل تیرھویں صدی میں کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ مترجم نے اپنا نام نہیں لکھا۔ غالباً اس کے کاتب میر فخر الدین ہی اس کے مترجم ہیں۔

آغاز:—

"بعد تعریف خدا کے اور درود مصطفےٰ کے یہ چالیس حدیثیں مستند ہیں صحیح سند کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ ان کے بول تھوڑے ہیں اور مقصد بہت ہیں کہ پڑھے ان کو بھلی بات چاہنے والا واسطے امیدواری اس کے کہ بیٹھے عالموں کے جتھے میں۔ بموجب فرمانے نبیؐ کے (اوپر درود اور ثنا) جو یاد رکھے میری امت کے واسطے نفع کے چالیس حدیثیں دین کے مقدمے میں۔ اوٹھاوے گا قیامت میں اللہ تعالےٰ اوس کو فقیہہ اور میں ہوں گا اوس کا قیامت کو سفارشی۔ اور گواہ۔ کہتا ہے فقیر ولی اللہ معاف ہو بھول چوک اوس کی کہ"......

اختتام :-

گُت ہے کہ محتاجی کفر ہو جائے ! سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے
مجلسیں امانت داری کے ساتھ ہوتی ہیں سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے

(۲۳۴) تاریخ بدر [۱۴۵]

اوراق ۲۴ - سطور ۱۱ -

تقطیع - ½۷" × ۱۳" - خط نستعلیق پاکیزہ -

حاشیہ، عنوانات اور اسماء سرخی ہیں -

مصنف - واجد علی شاہ - سنہ تصنیف ۱۲۷۶ھ -

کاتب حبیب الدین احمد - سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ

واجد علی شاہ اختر آخری بادشاہ اودھ کی ایک بیگم نواب بدر عالم نے بادشاہ کی کلکتہ میں جلاوطنی کے بعد جو خط ان کے نام ۱۲۷۳ھ اور ۱۲۷۶ھ کے درمیانی زمانے میں لکھنو سے لکھے تھے ان کو خود واجد علی شاہ نے تاریخ وار مرتب کیا ہے - اور ابتدا میں (پانچ صفحات کا) اردو نثر میں ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں حمد و نعت کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے - وہ لکھتے ہیں :-

"اما بعد راقم الحروف ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زماں سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ اودھ حوالہ صفحہ (۲) بیان کرتا ہے کہ جب سپہر بوقلموں نے نیا رنگ دکھلایا اور سفر کلکتے کا اتفاق ہوا - بعض محلات سلطانی کہ جلباب دوری اور پردۂ مہجوری میں رہیں اکثر خطوط تو دو آمیز بھجواتی تھیں اور اشتیاق اور محبت کو یاد دلاتی تھیں - بپاس مراسم الفت کے ملمع نظر ہوا کہ وہ قراطیس حسن تالیف پا دیں تاکہ رائگاں نہ جاویں لہٰذا ماہ ذیحجہ ۱۲۸۰ ہجری میں خطوط نواب بدر عالم صاحبہ کو زیور ترتیب عطا کیا اور تحریرات ہر سال کو مقدمہ اور ہر ماہ کو فصل قرار دیا - اور "تاریخ بدر" نام رکھا -"

اس طرح خود بادشاہ نے مجموعہ کا نام اور تاریخ ترتیب بھی درج کر دی ہے - یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱ - باب اول - ۱۲۷۳ھ - ایک فصل (یعنے ایک خط)
۲ - باب دوم - ۱۲۷۵ھ آٹھ فصلیں (یعنے آٹھ خط)
۳ - باب سوم - ۱۲۷۶ھ دو فصلیں (یعنے دو خط)

اس طرح جملہ ۱۱ خط ہیں جن میں سے ہر ایک پر تاریخ کتابت درج ہے - یہ نسخہ خود واجد علی شاہ کا مبیضہ ہے اور اس کے سرورق پر بادشاہ کی مہر" سے نام واجد علی سلطان عالم بر کتاب ...... وپرتو بادا تا فروغ آفتاب ۱۲۸۰ھ" ثبت ہے - اس مستطیل مہر میں دو مچھلیاں اور ان کی دموں پر شاہی تاج بھی شامل ہے - شاہان اودھ کے کتب خانہ کی اور کتابیں بھی ادارے میں محفوظ ہیں جن پر شاہی مہریں ثبت ہیں - چونکہ وہ فارسی ہیں اس لئے فہرست فارسی مخطوطات میں ان کا ذکر درج ہوگا - یہ نسخہ خاص اہتمام سے لکھوایا گیا ہے - خط نہایت جلی، حاشیہ سرخ و سبز اور تمام نام سرخی میں ہیں -

ان خطوط میں نواب بدر عالم نے اپنے بادشاہ شوہر کے فراق کی مصیبتیں نہایت درد انگیز پیرائے میں بیان کی ہیں - زبان و اسلوب نہایت شاعرانہ اور پُر تکلف ہے - اور ان میں واجد علی شاہ کی خانگی زندگی، مختلف بیگمات کی خصوصیات، امرائے شاہی کے حالات، اور دیگر تاریخی امور بھی محفوظ ہو گئے ہیں -

واجد علی شاہ نے اپنی شاہی کے زمانے میں اور بعد کو میٹا برج کلکتہ کے قیام کے عرصہ میں بھی متعدد کتابیں لکھیں اور لکھوائی تھیں۔ انڈیا آفس (لندن) کے کتب خانہ میں ان میں سے اکثر محفوظ ہیں اور بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست اردو مخطوطات میں ان کی تفصیل درج کی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں شایع بھی ہو چکی ہیں۔

زیر نظر مجموعہ خطوط بھی غالباً چھپ چکا ہے لیکن یہ نسخہ چونکہ خود بادشاہ کا مبیضہ ہے اور ان کے کتب خانہ کا ہے اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس کتاب کے سرورق پر شاہی مہر کے نیچے یہ عبارت کسی صاحب نے لکھی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ مجموعہ چھپ بھی چکا ہے:۔

"یہ کتاب انجمن ترقی علوم قدیمہ نے ۱۳۲۳ھ میں طبع کرادی ہے۔ مطبع قاسم پریس محلہ چینچل گوڑہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے۔ اور انجمن کے دفتر واقع کوٹلہ اکبر جاہ سے بہ قیمت ۵ر دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ دفتر زمانہ کانپور سے بھی مل سکتی ہے۔ فقط ۷ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (دستخط پڑھے نہیں جاتے) معتمد انجمن ترقی علوم قدیمہ۔"

اس عبارت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حیدرآباد میں آج سے چالیس سال قبل ایک انجمن بنام "انجمن ترقی علوم قدیمہ" قایم تھی۔ لیکن یہ کب تک قائم رہی اور اس نے کیا کام انجام دئے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

کتاب "تاریخ بدر" میں جگہ جگہ اردو اشعار، قطعات، اور غزلیں بھی شامل ہیں جو نواب بدر عالم نے اپنے خطوط کے درمیان اپنی محبت اور اشتیاق کے اظہار کے لئے شامل کی ہیں اور بعض خط تو منظوم ہی ہیں۔ یہ سب خطوط ایک وقت زدہ بیوی اور مظلوم ہندوستانی عورت کی دل کی پکار ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں کہ واجد علی شاہ کی جلاوطنی کے بعد ان کے متعلقین پر کیا گزری۔ اور ان کے دلوں میں معزول بادشاہ کی کیسی گہری محبت اور عقیدت موجزن تھی اور خود بادشاہ اپنے وابستوں کے حالات اور پریشانیوں سے کتنے متاثر رہتے تھے۔

اس کتاب کو واجد علی شاہ نے اس طرح شروع کیا ہے:

آغاز:۔

"اللہ اکبر کیا شان کبریائی ہے۔ ہر شئے میں اعجاز نمائی ہے
کہیں گل ہے، کہیں خار اور کہیں جنگل ہے، کہیں گلزار
کبھی نشا ہے کبھی ضیف پُر اصرار، کہیں کفر ہے کہیں ایمان
کبھی وصل ہے کبھی ہجراں۔"

اس مجموعہ کا پہلا خط یوں شروع ہوتا ہے:۔

"مہر تمثال، یوسف جمال، داؤد الحاں، سلیمان زماں، جان عالم خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ۔ ستم دیدۂ مہاجرت، آفت رسیدۂ مفارقت بدر عالم بعد عالم عالم ارادت و نیاز و جہاں جہاں تمنائے دولتِ مواصلت مسرت آغاز، کی ملتمس یہ ہے کہ"

مجموعہ خطوط کی آخری عبارت یہ ہے:۔

"میں سنتی ہوں کہ جب یہاں سے محبت نامہ جاتا ہے تو اوس کا خلاصہ ہو کر تمہارے مشاہدے میں آتا ہے۔ کیفیت ہماری تم کو کیونکر معلوم ہو۔ حقیقت حال کس طرح مفہوم ہو۔ خدا کے لئے ایسی بے اعتنائی نہ کیا کرو۔ خط تو تمام وکمال پڑھ لیا کرو۔ زیادہ اشتیاق۔
محررہ غرۂ صفر ۱۲۷۵ ہجری قدسی۔"

خطوں کے اختتام پر کاتب نے عربی میں ایک خاتمہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ واجد علی شاہ اور بدر عالم کی

زندگی میں ترتیب و تالیف کے صرف چھ ماہ بعد خاص اہتمام سے نقل کرایا گیا ہے۔

خاتمہ:

"الحمد للہ الذی نور العالم بنور الشمس والبدر وجلی الدنیا وما فیہا بالضوء والبیضا والقمر۔ والصلوٰۃ علی رسولہ معدن الحب ومخزن الادب وعلی آلہ واہل بیتہ مجمع الشرف ومنبع النسب صلوٰۃ اللہ وسلام علیہم اجمعین علی اتمام مکاتیب مودت واسالیب نواب بدر عالم ابقاہا اللہ تعالیٰ تحت ظل عنایات حضرت سلطان عالم ادام اللہ بقاءہ وملکہ الی بقاء العالم۔ سید الکاتب الداعی ببقاء سلطنتہ ظل سبحانی حبیب الدین احمد بردھلی فقط۔ وقد وقع الفراغ ۲ جمادی الآخرۃ ۱۲۷۶ھ من الہجرۃ القدسیہ الباہرہ۔"

یہ نسخہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے چنانچہ ترقیمہ کے نیچے ان کی بیضوی مہر "مصور الطاف وعنایت حسین ۱۳۳۶ھ" اور پہلے ورق کے حاشیہ پر ان کے دستخط "عنایت حسین ۴ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ حیدرآباد" ثبت ہیں۔

(۲۳۵) حکمت بزرجمہر [۳۴۶]

اوراق ۵۔ سطور ۱۴۔

تقطیع۔ ۵½ × ۸۔ خط نستعلیق ثلث آمیز۔

زمانۂ تصنیف۔ قبل ۱۰۵۰ھ۔

یہ تقریباً ۹۰ ابیات کی ایک قدیم دکنی مثنوی ہے جس کے آگے مصنف نے فارسی نثر میں دیباچہ لکھ کر موضوع کی وضاحت کی ہے۔ اس دیباچہ میں حمد و نعت کے بعد مصنف لکھتا ہے کہ نوشیروان کے فرزند کے لئے خواجہ بزرجمہر نے یہ حکمات عجائب قلمبند کئے تھے تاکہ خوبرویان جوش مجلس آرائی کے وقت کوئی چیز ہاتھ میں چھپائیں تو اس چیز کی ماہیت بتا کر ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا جائے۔

یہ نسخہ بہت قدیم ہے۔ اس کا کاغذ اور سیاہی پانی اور نمی سے بدرنگ اور بوسیدہ ہوگیا ہے۔ اور اتفاق سے جلدبندی میں حاشیہ اتنا زیادہ کٹ گیا ہے کہ عبارتیں کم ہوگئی ہیں اس لئے مصنف کا پتہ نہ چل سکا اور نہ سنہ کتابت ہی معلوم ہوسکا لیکن جس زبان میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے وہ ۱۰۵۰ھ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ کیا تعجب کہ یہ کتاب محمد قلی قطب شاہ کی فرمائش پر مرتب کی گئی ہو کیونکہ اس بادشاہ کو ایسے امور کا خاص شوق تھا۔

فارسی دیباچہ کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے:—

"شکر و سپاس بے قیاس مر بادشاہ را کہ ذات النسائی را منبع معلوم موضوعات گردانید۔ وصلوات واکتاب بروح منظر صدر صفوۂ صفائی و بدرجۂ وفائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آل امان۔ بدانکہ این حکمات عجائب وافر"

آغاز:—

عجب کیا جو عاشق کوں ہوے گدگلی
دیکھت دھن کے رخ پر مدن کی کلی

ہے تجہ موں پہ شکی کے موتی کا آب
بدی کا کنکاہت تے ست دے شتاب

اختتام۔ روکھی کھچڑی کھانے سوں کھا نہ بھلا
لطف ہم تین رکہ چیکے کرتا گلا

ہریالب ہوا ہے یکندر جنگل
چھپاتا ہے سبزی تجے کیا ہے بیل

کوئی ترتیب نہیں۔ بلکہ ختم مثنوی کے بعد امیر خسرو کی ۹ فارسی ابیات لکھی گئی ہیں جن میں پہلی اور آخری یہ ہے :۔

گر کہ پرسداے خرد افسردز کہ چہ رفتہ و چہ ماندہ است شب و روز
یک بایدترا وقوف تمام تا گر چاشت را نگوئی شام

(۲۳۶) قصۂ دائی حلیمہ [۲۰۰]

اوراق - ۸ - سطور ۱۶ -
تقطیع - ½ ۵″ × ¼ ۸″ - خط نستعلیق -
زمانہ تصنیف وکتابت قبل ۱۲۵۰ھ -

یہ ناقص الطرفین مثنوی آنحضرت سرور کائنات کی ابتدائی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے اور اس میں دائی حلیمہ کی آنحضرتؐ سے غیر معمولی محبت، آنحضرتؐ کا اپنے رضاعی بھائی سے سلوک، اور آپ کی دو تین سال کی عمر کی زندگی خوبی سے بیان کی گئی ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مثنوی کتنی طویل تھی۔ بحالت موجودہ اس میں پہلا ایک ورق یعنے ابتدائی ۱۵ ابیات غائب ہیں۔ جس کے بعد ۹۷ ابیات محفوظ ہیں۔ اس آخری حصہ میں آنحضرتؐ کے معجزہ شق صدر تک حال بیان کیا گیا ہے۔

مصنف اور سنہ تصنیف کا علم نہ ہو سکا۔ کاغذ اور کتابت کے لحاظ سے سنہ ۱۲۵۰ھ سے قبل کا نسخہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت قادر بی بی کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا اور راقم الحروف نے ادارے میں بطور عطیہ داخل کیا۔

آغاز :۔

گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کر بیٹھتی بے ساختہ شور چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور

اختتام :۔

جان جائے مرا جانی بچ جائے وہ مرا یوسف ثانی بچ جائے
گھر اوسے لے کے سلامت جاؤں آمنہ کی میں امانت پاؤں

(۲۳۷) واحد باری [۱۲۹]

اوراق ۲۷ - سطور - ۱۵ -
تقطیع - ¾۴″ × ¾۱۰″ - خط نستعلیق پاکیزہ -
مصنف - اشرف - زمانہ تصنیف قریب ۹۰۹ھ -
سنہ کتابت - ۱۲۳۰ھ - بمقام حیدرآباد -

یہ مثنوی زبان و اسلوب کے لحاظ سے بھی اسی اشرف کی تصنیف ہے جس کی ایک اور مثنوی "نوسرہار" (۹۰۹ھ) ادارے کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور جس کا بیان اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ۱ (صفحہ ۱۷) میں گزر چکا ہے۔ اشرف کے حالات بھی اسی جگہ درج ہیں۔

نوسرہار اور "واحد باری" دونوں مثنویاں ایک ہی بحر میں لکھی گئی ہیں اور شاعر نے اپنا تخلص بھی دونوں میں ایک ہی طرح لکھا ہے۔ مثال کے طور پر دونوں کی متعلقہ ابیات درج ذیل ہیں :۔

نوسرہار	واحد باری
ہجرت نبی نو سو نو	واحد باری ہوئی تمام
کہیا اشرف نوسرہار (۱۰ب)	دنیا میں رہے اشرف کا نام (۲۷ب)
لکھیا اشرف یہ بکھان	اشرف دین سے یہ ہے جان
توحید حق کے موزوں آن (۲ب)	اوس سا نہیں کوئی... (کرم خوردہ) (۲۸الف)

دونوں کتابوں میں مصنف نے اپنے نام کے ساتھ ایک ہی بیت میں اپنی کتاب کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ لیکن

"واحد باری" میں سنہ تصنیف نہیں لکھا۔ البتہ اس کتاب سے مصنف کے پورے نام کا پتہ چلتا ہے جو اشرف الدین تھا۔ "نوسرہار" کے ترقیمہ میں "از گفتار شیخ اشرف" درج ہے۔ غالباً مصنف کا پورا نام شیخ اشرف الدین ہے۔

یہ مثنوی امیر خسرو کی "خالق باری" (دیکھو مخطوطہ ۲۳۱) کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ لیکن اس کی بحر برخلاف خالق باری کے شروع سے آخر تک ایک ہی ہے۔ یہ نہ صرف عربی، فارسی و اُردو کی ایک لغت ہے بلکہ اس میں عروض و قافیہ، موسیقی اور نجوم کی اصطلاحوں اور مطالب کو بھی سمجھایا گیا ہے۔

مثلاً عروض کی نسبت لکھا ہے :—

بحر ہے دریا آب فراخ　　کلام موزوں ہے ڈالی شاخ
حروف قافیہ نہہ جو آئے　　نوزدہ بحر ہیں تجھے بتائے
ردیف قید تاسیس روی　　دخیل نائرہ مصحف نوی
خروج مزید وصل پہچان　　حرکات قافیہ شش ہیں جان
وافر طویل بسیط مدید　　سریع قریب خفیف جدید
مجتث متدارک اور شاکل　　مقتضب مضارع اور کامل
منسرج ہزج ہے جان رجز　　متقارب رمل ناتواں عجز
نیم بیت کو مصرع بول　　دو مصرع کی بیت ہے کھول
رباعی کیا چو مصرع جان　　مخمس کیا پنج مصرع خواں
چند بیت کو قطعہ تو جان　　از شعر و غزل سے کاٹ کے آن
کم از پنج بیت نہ آوے غزل　　ہو ذکر فراق محبت مثل
قصیدہ غزل کا اول مطلع　　تخلص آخر بیت کا مقطع
ردیف بعد از قافیہ آر　　ایک گھوڑے پر دو سوار

الیٰ آخرہ (ورق ۹ ب و ۱۰ الف)

اس نسخہ کی آخری دو ابیات سے قبل ایک فارسی بیت (دوسری بحر میں) میں لکھی گئی ہے کہ :—

یکہزاراں بیت آمد در شمار　　در گنا ہم روز و شب اینست کار

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی میں ایک ہزار بیتیں ہیں لیکن زیر نظر نسخے میں تقریباً آٹھ سو ابیات ہی ہیں۔

اس فارسی بیت سے قبل کی ابیات میں مصنف نے موضوع کتاب کے اظہار کے طور پر لکھا ہے کہ علم لغت بہت وسیع ہے اس لئے اس بحر ذخار میں سے جتنے بھی قطرے ہاتھ لگیں غنیمت ہے۔ اس کی ابیات ہیں :—

علم لغت دریا ہے نگزشت　　تنا و رغلق نہ پایا انت
دانستن علم لغت اصوات　　جو لیوے سو قطرہ ہات

آغاز :—

واحد باری ایک خدائے　　فعلن فعلن فعلن فاع
نبی رسول پیغمبر جان　　صحب اصحاب یار دیں مان

اختتام :—

واحد باری ہوئی تمام　　دنیا میں رہے اشرف نام
چار حروف جو فرس کے آئے　　اون حرفوں کے رقعہ بنائے

ترقیمہ :—

"تمت تمام شد کار من نظام شد۔ بتاریخ دوازدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۳۰ہجری در بلدہ حیدر آباد ترقیم یافت"

(۲۳۸) گنج عرفاں [۷۰۳]

اوراق - ۴۴ - سطور - ۱۲ -
تقطیع - ۶ ½ × ۹ ¾ - خط نستعلیق -
مصنف - امام الدین حسینی عارف - زمانہ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ (م)

یہ مخمس کی شکل میں ایک طویل عارفانہ نظم ہے جس کا دیباچہ فارسی نثر میں لکھا گیا ہے - یہ دیباچہ سات صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے سبب تالیف نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے - پہلے حمد و نعت لکھی ہے پھر اصل مطلب یوں ظاہر کیا ہے :-

"این نقیر سراپا تقصیر خوشہ چین ارباب یقین وذلہ ربائے مایدۂ اصحاب دین امام الدین حسینی المتخلص بعارف
غفراللہ ذنوبہ وستراللہ عیوبہ اکثر بمطالعۂ قصیدۂ
کرامت وثیقہ تصنیف زبدۃ الموحدین وقدوۃ المحققین
عالم علوم لدن واقف رموز کان وکن کعبۂ صوفیان
صفوت نہاد قبلۂ موحدان وحدت نژاد شہید تیغ کفار
حضرت فریدالدین عطار نیشاپوری قدس سرہ العزیز
اشتغال می نمود"

اس سلسلہ میں آگے چل کر لکھا ہے کہ یہ قصیدہ اتنا پسند آیا کہ میں نے صاحبان عرفان کی خاطر اس کا ہندوی میں ترجمہ کرنا ضروری سمجھا - اس موقع پر وہ لکھتا ہے :-

"آں مجلہ نشینان محمل عربی وپردہ گزینان برقع فارسی
را بنانہ وکرشمۂ الفاظ ہندی آشنا گردانند"

مصنف نامی کا سمجھ اچھا ادب معلوم ہوتا ہے اور انشاپردازی کے تکلف وتزئین تکلفات سے اس نے اپنے دیباچہ کو کام لیا ہے - اصل اردو نظم نا قص الآخر ہے - اس لئے نہ سنہ تصنیف معلوم ہوسکا اور نہ سنہ کتابت - بحالت موجودہ اس میں ۱۹۲ بند ہیں - ہر بند میں ابتدائی تین مصرعے اردو ہیں جن کے آخر میں قصیدۂ عطار کا ایک ایک شعر درج ہے - اس طرح یہ نظم قصیدہ عطار کی ایک مکمل تضمین ہے - بعض بند پورے کے پورے فارسی ہیں - چونکہ مصنف خود ایک صوفی ہیں اس لئے عطار کے عارفانہ اشعار کی بہت کامیاب تضمین کی ہے اور تصوف و موعظت کے مضامین میں اچھے اچھے مصرعے فراہم کئے ہیں -

مصنف کے حالات معلوم نہ ہوسکے اسی نام کے ایک بزرگ سید امام الدین (۱۱۰۰ھ تا ۱۱۶۵ھ) بالاپور برار میں گزرے ہیں جن کے خوارق عادات مشہور ہیں اور عبدالجبار خاں ملکاپوری نے ان کے حالات تذکرہ اولیائے دکن جلد اول صفحہ ۶۵ پر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن نہ ان کا تخلص لکھا اور نہ تصنیفات کا ذکر کیا اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہی اس نظم کے مصنف ہیں -

اس نظم کی زبان اور طرز کتابت و کاغذ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۵۰ھ سے قبل نقل کی گئی ہے -

آغاز :-

ذات حق جلوہ گر ہے لیل ونہار　　اوس کو ہر سمت دیکھ لے اے یار
خواہ گھر میں وخواہ در بازار　　چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار
متجلی است از در و دیوار

جتنی خلقت ہے یہ بلند و پست　　یہ سبھی نیست ہیں وہی ہے ہست
اوس کو تو ڈھونڈ آپ میں ہو مست　　نحن اقرب الیہ آمدہ است
دور افتادۂ تو از پندار

اختتام :-

[illegible] کرکے گنج بیخ و بن　　گو بظاہر گیا تو چھوڑ وطن

زمن ہے یہ بھی ایک جان من　　حج چہ باشد زخود سفر کردن
بکجا جانب ہدایت کار

کر چکا جب کہ حج ... ے منت　　سب بجا لایا فرض اور سنت
ایک نا تے ... ... ناقص الآخر

اسی نام کی ایک فارسی کتاب قاضی محمود بحری کی بھی ادارے میں موجود ہے۔ جس کا تذکرہ فارسی مخطوطات کی فہرست میں درج رہے گا۔

---

(۲۳۹) بیاض غزلیات [۴۰۷]

اوراق ۱۰۔ سطور کہیں ۸ اور کہیں ۱۲۔
تقطیع ۴½ × ۳¾۔ خط نستعلیق معمولی۔
مصنف۔ آبرو، میر، سوز، یقین، کمتر، لطیف، رضا شاداں، حسن، مستان وغیرہ۔
زمانہ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔ زمانہ کتابت قبل ۱۲۵۰ھ۔

یہ ایک ناقص الطرفین مجموعۂ غزلیات ہے جس میں دکن اور شمالی ہند کے چند قدیم شعرائے اردو کی ۲۱ منتخب غزلیات درج ہیں جن کی تفصیل بلحاظ ترتیب بیاض یہ ہے۔

۱۔ غزل سوز۔ ۵ اشعار سید محمد میر سوز (متوفی ۱۲۱۳ھ) دہلی کے مشہور شاعر ہیں جنھوں نے لکھنو اور مرشد آباد کا سفر کیا تھا اور آخر کار لکھنو میں وفات پائی۔ جملہ تذکروں میں ان کا حال درج ہے۔

مطلع۔ محبت کو دام بلا جانتا تھا　　پھنسا میں تو اے دل یہ کیا جانتا تھا
مقطع۔ دلاسا تو دے سوز کو چلتے چلتے　　کہ تو جگر ہی جلا جاتا تھا

۲۔ غزل ملنگ شاہ سائیں۔ ۴ شعر۔ ملنگ شاہ غالباً کوئی دکنی صوفی تھے۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مطلع۔ مرا درد و غم تجھ پہ اظہار ہوگا　　ادہر منزل عشق بسیار ہوگا
مقطع۔ ملنگ شاہ سائیں تو روشن ہم ہے　　ادہر لعل و گوہر کا بازار ہوگا

۳۔ غزل کمتر۔ ۶ شعر۔ کمتر کا کلام ادارے کے مخطوطہ نمبر (۲۱۳۱) میں بھی درج ہے اور وہیں اس کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔

مطلع۔ خریدار سے کب نہاں بیچتا ہوں　　متاع دل اپنا عیاں بیچتا ہوں
مقطع۔ لکا نام پر اس کے وہاں میں کمتر　　اب آگے ہا کیا عیاں بیچتا ہوں

۴۔ غزل حیدر۔ ۴ شعر۔ میر حیدر شاہ دکنی سپاہی تھے ولی کے دیوان کی تخمیس کی اور حافظ کے کلام کی تضمین۔ بنگال میں نواب سرفراز خاں کے ملازم تھے۔ ہگلی میں تقریباً سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ (دیکھو گلزار ابراہیم)

مطلع۔ باغ تصفل میں تری گل تو عجب دھوم رہی　　راہ پائی نہ کہیں باد صبا گھوم رہی
مقطع۔ قافیہ ٹھیک نہ تھا کیا کرے پر حیدر کا　　قفل ملنے کی طرح اپنے تئیں توم رہی

۵۔ غزل ناکمل۔ ۵ شعر۔ کسی دکنی شاعر کی ناقص الآخر غزل ہے کیونکہ اس کے بعد کا ورق غائب ہے۔

مطلع۔ چپ چپا چپ کی باتیں تم نے دیکھی یار　　مجھے بھی چپ نہ بھی چپ سا غم بھی چپ خواہ چپ
آخری مصرع۔ سطر بھی چپ چاہ آہ چپ اور چپ اگے او صنم　جنگ ..... (ناقص الآخر)

۶۔ غزل حسین۔ اس غزل کا صرف مقطع موجود ہے۔ اس سے آگے ایک ورق غائب ہے۔ اس تخلص کے چار شعرا کا ذکر اسپرنگر نے کیا ہے (دیکھو یادگار شعرا ص ۴۲) لیکن میسور میں ایک شاعر حسین گزرے ہیں جن کی ایک اردو مثنوی کا قلمی نسخہ خود ٹیپو سلطان شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے (دیکھو میسور میں اردو ص ۹) ممکن ہے کہ یہ غزل انہی کی ہو۔

ملنے کا حسین اس کے نہ پیغام تجھے ہر　　عہد سے کے لئے بر سر اقرار کھڑا ہوں

غزل لطیف۔ ۵ شعر۔ غلام علی خاں لطیف سلطان عبداللہ قطب شاہ کے امرائے قزلباش سے تھا۔ اس کی مثنوی "ظفرنامہ"

محمد حنیف ۱۰۹۵ہجری کی تالیف ہے جس میں ۵۵۰۰ ابیات ہیں
مرثیے بھی لکھا کرتا تھا (دکن میں اُردو ص۰۶۵) لیکن یہ غزل
زبان کے لحاظ اس قطب شاہی شاعر کی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ
ایک میسوری شاعر سید سیف الدین عبداللطیف کی ہوگی جن کا
دیوان ۱۲۸۱ھ میں مرتب ہوا اور ۱۲۹۱ھ میں مطبع فردوسی
مدراس میں شائع ہوا تھا۔ دیکھو مدراس میں اردو ص۰۹ اور
میسور میں اُردو ص۲۳)

مطلع۔ نام ہی دلبر کا ہم ورد بنایا چاہتے ہیں اور اغیار دل سے اکاس اٹھایا چاہتے ہیں
مقطع۔ عاشق و معشوق میں پردہ نہ تھا ہرگز لطیف اب ستم گر ظلم سوں چلمن لگایا چاہتے ہیں

۸۔ غزل رضاؔ۔ ۵ شعر یہ غزل ورق ۱۰ ب پر شروع ہوتی ہے اور
۷ ب پر ختم ہوتی ہے۔ درمیانی دو اوراق جلد ساز کی غلطی سے
آگے پیچھے ہوگئے ہیں۔ رضاؔ دکن کا ایک مرثیہ گو تھا (دیکھو
اُردو شہ پارے صفحات ۱۵۳۔ ۱۷۱) اس تخلص کے ۱۴ شعرا کا
تذکرہ اسپرنگر نے کیا ہے (دیکھو یادگار شعرا ص۹۰) لیکن یہ غزل
غالباً محمد رضا خاں رضاؔ کی ہوگی جو چندا صاحب کی اولاد میں سے
تھے اور مرزا دبیر کے شاگرد (مدراس میں اردو ص۳۸)

مطلع۔ خواہ نزدیک رکھو خواہ رکھو دور ہمیں دیکھنا ایک نظر تم کو ہے منظور ہمیں
مقطع۔ اب تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی ہم کو رضاؔ اس قدر آہ کیا عشق نے مجبور ہمیں

۹۔ غزل حسنؔ۔ ۹ شعر۔ میر حسن کا تخلص بھی حسن تھا۔ مصنف
سحر البیان (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطات ۶۸ و ۲۲۷) اس تخلص
کے ایک شاعر محمد حسن خاں مدراس میں سرکار کمپنی کے مدرس تھے
جنھوں نے ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی (مدراس میں اردو ص۱۳۶)
غالباً یہ غزل انہی حسن کی ہے۔

مطلع۔ کروں شکوہ تو ہے وسواس یہ کہ کے نہ رنگ کا نہ ہو دھڑکا یہ میرے دل میں گر ایسے رو رو کے جانے کا
مقطع۔ حسن تو ہر کسی سے حال ال کہتا پھرتا ہے کیوں جب شہ مدام ہوگا انہیں کچھ اس میں پانے کا

۱۰۔ غزل [illegible]۔ ۸ شعر۔ [illegible] اردو شاعر تھے۔ (ان کا [illegible]

فارسی و اُردو ادارے میں موجود ہے (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطہ نمبر ۸۸)

مطلع۔ دم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا دم کے جانے کا نہایت غم رہا
مقطع۔ صبح گزری شام ہونے آئی میرؔ تو نہ چیتا دن نہایت کم رہا

۱۱۔ غزل میرؔ۔ ۳ شعر۔ یہ میر کی مشہور غزل ہے۔

مطلع۔ جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

۱۲۔ غزل شاداںؔ۔ ۶ شعر۔ یہ حیدر آبادی لال شاداں نہیں بلکہ
ان سے قبل کے کوئی شمالی ہند کے شاعر ہیں۔ میر رجب علی شاداں
کا ذکر تذکرہ جات قاسم و سرور میں درج ہے اور لالہ لبھاون لال
شاداںؔ عظیم آبادی کا ذکر تذکرہ شورش میں ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ
ان دونوں میں سے کسی کی غزل ہو۔

مطلع۔ معشوق کے آنے کی شتابی خبر آوے اللہ کرے دل کی یہ امید بر آوے
مقطع۔ شاداں تو خوشی اپنی ہی کہہ مطلع ثانی معشوق جو آغوش میں تیرے اگر آوے

۱۳۔ غزل ناکمل۔ پانچ شعروں کے بعد کا ورق غائب ہے اس لئے
مقطع محفوظ نہ رہا۔

مطلع۔ جبریل امیں جس کی صدا کا قدم لے کرتا تھا عجب کچھ بصر عرش پہ دم لے

۱۴۔ غزل رونقؔ۔ ۷ شعر۔ عارف الدین خاں رونق (متولد ۱۱۹۲ھ)
برہانپور کے ایک فارسی شاعر تھے وہاں سے مدراس گئے اور محمد باقر
آگاہ کے شاگرد ہوئے۔ مشاعرہ اعظم میں شرکت کی حیدر آباد میں
وفات پائی۔ (محبوب الزمن ص۴۶۱) میر غلام حیدر رونق عظیم آبادی
کا ذکر تذکرہ جات سرور و عشقی میں موجود ہے۔ معلوم نہ ہوسکا کہ
یہ غزل کس رونق کی ہے۔

مطلع۔ تا کجے ضبط فغاں آہ مجھے تاب نہیں ناصحا صبر کی واللہ مجھے تاب نہیں
مقطع۔ غم ہجراں سے ہوئی رونق بے دل کو بجا آگے غمخواری کی یا شاہ مجھے تاب نہیں

۱۵۔ غزل مستاںؔ۔ ۹ شعر۔ قبل کا ورق غائب ہونے کی
وجہ سے مطلع محفوظ نہ رہا۔ مستان علی صدیقی نے ۱۲۴۶ھ میں ایک
مثنوی [illegible]

میں محفوظ ہے ممکن ہے کہ یہ غزل انہی کی ہو۔

آغاز آفریں ہو تجھے قدیر چار دن کے واسطے عاشقوں کے دل پہ کیا کیا گل کھلایا آپنے

مقطع۔ بات کہنے میں دعوا نکلے ہے منہ سے بار بار اس قدر رشتاں کا دل ہی جلایا آپنے

۱۶۔ غزل رونق۔ ۵ شعر۔ اس شاعر کی ایک اور غزل اس مخطوطے میں موجود ہے۔ دیکھو غزل نمبر ۱۴۔

مطلع۔ وہ کہاں جیتے رہے جو بے وفائی کر گئے مر گئے آخر کسی سے آشنائی کر گئے

مقطع۔ رہ گیا اوصاف رونق آخرش دو نو گئے جو بھلائی کر گئے اور جو برائی کر گئے

۱۷۔ غزل آبرو۔ ۳ شعر ابتدائی حصہ غائب ہے۔ نجم الدین علی شاہ مبارک آبرو دہلی کے پہلے اردو شعرا میں سے تھے۔ آرزو کے شاگرد اور عزیز تھے۔ ان کا ذکر اردو کے جملہ تذکروں میں درج ہے۔ دیوان کم یاب ہے۔

مقطع۔ بہت بیدل کرو مت آبرو کو مسافر ہے شکستہ ہے گدا ہے

۱۸۔ غزل نامعلوم۔ ۲ شعر۔

مطلع۔ مرتا ہوں ترے عشق میں ترشانہ خبر لے ٹک میرے دل زار کی آ یار خبر لے

مقطع۔ ہے تاز نہیں جو ناز اٹھانے ترے دل پر پوچھیں گے سبھی کوچہ و بازار خبر لے

۱۹۔ غزل یقین۔ ۵ شعر۔ یقین کے دیوان بھی ادارے میں موجود ہیں۔ (دیکھو مخطوطات نمبر ۵۷ و ۸۳)۔

مطلع۔ کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے اس پیچ سے بتوں کے لگائے خدا مجھے

مقطع۔ میں گر رہا ہوں یار کے پاؤں اوپر یقین آئی ہے راست سایۂ گل کی ہوا مجھے

۲۰۔ غزل نامعلوم۔ ۵ شعر۔

مطلع۔ تجھے تو تم پردہ نشیں خانہ نشیں کیوں نہ ہوئے دل تمہارے کا مکاں دل کے مکیں کیوں نہ ہوئے

مقطع۔ جب سے دیکھا تمہارا نام نگیں کے اوپر خون ہوتا ہے یہ دل ہم وہ نگیں کیوں نہ ہوئے

۲۱۔ غزل نامعلوم۔ ۵ شعر۔ اس کے بعد کے اوراق غائب ہیں

مطلع۔ ہزار بار جو ہم عجز سے بلاتے تھے تو کس غرور سے تم ایک بار آتے تھے

یہ بیاض ناقص الآخر ہے اور اسی غزل کے اس مصرعوں پر ختم ہوتی ہے

لب شکر وہ عجب دن تھے بولتے ہی نہیں
تمہارے منہ سے جو ہم گالیاں بھی کھاتے تھے
اگرچہ روٹھ کے جاتے تھے پھر بھی ہم تم کو
گلے سے . . . .

---

(۲۴۰) اسرار غوثیہ [۷۳]

اوراق۔ ۳۲۔ سطور۔ ۱۶۔

تقطیع ½۶ × ½۸۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔

زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۰ھ

کاتب۔ سید شاہ بدیع الدین۔ سنہ کتابت ۱۲۶۴۔

بمقام۔ قندھار شریف۔

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم کے حالات زندگی اور مناقب میں یہ ایک دکنی رسالہ ہے جس کے دو تین ابتدائی اوراق غائب ہیں اس میں غوث اعظم کی کرامتوں اور خرق عادات سے متعلق نہایت تفصیلی معلومات درج ہیں۔ اس مخطوطے کی ابتدا چھٹے مناقب کی آخری ۱۳ سطروں سے ہوتی ہے۔ ہر عنوان سرخ روشنائی سے شروع کیا گیا ہے۔ اس طرح کل ۹۰ مناقب یا عنوانات ہیں۔ اختتام سے قبل کے ایک ورق کا کچھ حصہ غائب ہے۔

آغاز:—

"اقرار کئے اے پروردگار جب تک تو اپنے ہاتھ سے مجھے کھانا نہیں کھلائے گا جب تک میں نہیں کھانے کا۔ اس طور سے یک برس گزرا جب حکم ہوا حضرت سلطان ابوسعید مبارک مخزومی قدس اللہ سرہ العزیز کو کہ تم جاؤ میرے محبوب کو کھانا کھلاؤ اور کہو اے محبوب میرے یہ ہاتھ خدا کا ہے"۔

اختتام :-

سیوم ہفتہ ملکوت اعلیٰ کی جان   بھرآئے مقامات عالی عیاں
جب اس طور سے اربعین ہو تمام   عجائب غرائب نظر آئیں کام

ترقیمہ :-

" ایں کتاب اسرارِ غوثیہ بروز پنجشنبہ بوقت چہار گھڑی روز برآمدہ بتاریخ بیست دوئیم شہر شوال ۱۲۶۴ ہجری در قصبہ قندہار در مکان حضرت قبلہ پیر و مرشد سید شاہ برہان اللہ حسینی مدظلہ۔ کاتب الحروف فقیر حقیر نیاز آگیں سید شاہ بدیع الدین "

اس نسخہ کے کاتب سید شاہ بدیع الدین رفاعی (۱۲۲۹ھ۔ ۱۳۰۹ھ) مولف فہرست ہذا کے پردادا تھے وہ قندہار شریف کے مقدس بزرگ حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان (متوفی ۸۴۶ھ) کی اولاد میں مشہور صاحبِ علم گزرے ہیں۔ چنانچہ مولنا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ مرحوم استاد حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع و معین المہام امور مذہبی سرکارِ عالی انہی کے شاگرد تھے۔ سید شاہ بدیع الدین کا سلسلۂ نسب حضرت سید علی سانگڑے سلطان تک اس طرح پہنچتا ہے۔

شاہ بدیع الدین خلف سید شاہ محمد خلف سید شاہ جلال الدین رفاعی خاں خلف سید شاہ سالار ثانی' خلف سید شاہ احمد ثانی خلف سید شاہ سالار خلف سید شاہ میراں جی' خلف سید معین الدین خلف سید احمد منجھلے چلہ دار خلف سید علی سانگڑے سلطان۔

سید شاہ بدیع الدین کے حالات تاریخ قندہار دکن مولفہ امیر حمزہ (ص۱۵۲) اور مشاہیر قندہار دکن مولفہ اکبر صدیقی ایم اے (ص۵۲-۵۶) میں شایع ہو چکے ہیں۔ اور خود شاہ صاحب کے فرزند سید شاہ عنایت اللہ حسینی (۱۲۷۳ھ۔ ۱۳۲۶ھ) کی سوانح عمری "روضۂ شہید" مولفہ شمس الدین امیر حمزہ میں بھی تفصیل سے درج ہیں جو ۱۳۲۷ھ میں شایع ہوئی تھی۔ حاجی شاہ عنایت اللہ حسینی شہید راقم الحروف کے حقیقی دادا تھے۔

سید شاہ بدیع الدین اپنے خاندانی سلسلہ میں اپنے ہم جد سید شاہ برہان اللہ حسینی سر دری سجادۂ درگاہ سانگڑے سلطان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ چنانچہ یہ نسخہ اپنے مرشد ہی کے مکان میں ان کی وفات سے چھ سال قبل نقل کیا ہے۔ شاہ برہان اللہ حسینی (متوفی ۱۲۷۰ھ) قندہار کے ایک اور بزرگ مولانا شاہ رفیع الدین (دیکھو فہرست ہذا صفحہ ۱۶۰) کے داماد تھے۔ اور جب ان کے فرزند شاہ رحمت اللہ حسینی ۱۲۷۵ھ میں درگاہ حضرتِ سانگڑے سلطان کے سجادہ مقرر ہوئے تو اس نسخہ کے کاتب شاہ بدیع الدین ہی سے خرقۂ خلافت و اجازت حاصل کی۔ کیونکہ اس خاندان میں وہی سب سے زیادہ بزرگ اور مقدس سمجھے جاتے تھے۔ (دیکھو روضۂ شہید ص۲۲ اور مشاہیر قندہار دکن ص۵۲)۔

شاہ بدیع الدین نے اور کئی کتابیں نقل کی تھیں اور خود بھی تصنیف و تالیف کا ذوق رکھتے تھے لیکن ان کا سارا تحریری اثاثہ ۱۳۲۶ھ کی طغیانی رود موسیٰ میں ان کے فرزند شاہ سید عنایت اللہ حسینی کے مکان کے ساتھ بہہ گیا جو چار محل کے گڈے پر واقع تھا۔

اس نسخہ کے آخر میں شاہ بدیع الدین نے فارسی میں اُن پانچ ایام کے روزوں کی تفصیل بیان کی ہے جن کا ثواب معمولی روزوں سے ہزار گونا زیادہ ہے۔ اور آخری ورق پر اپنی جاگیر موپہ کی اس سالانہ آمدنی کا ذکر لکھا ہے جو ۱۲۵۶ف اور ۱۲۷۰ف کے درمیانی زمانہ میں ان کو وصول ہوئی تھی۔

یہ نسخہ راقم الحروف کے والد حافظ سید غلام محمد شاہ قادری واعظ کے کتب خانہ کا ہے جس کو موصوف کی دوسری قلمی کتابوں کے ساتھ ادارے میں بطور عطیہ داخل کر دیا گیا ہے۔

(۲۴۱) نظم شادی [۷]

اوراق ۵ ۔ سطور ۱۴ ۔
تقطیع ۔ ½۵ × ۸ ۔ خط نستعلیق ۔ حاشیہ سرخی میں ۔
مصنف ۔ عظیم الدین شاہ قادری ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۱۲ھ ۔
زمانۂ کتابت اوائل تیرھویں صدی ہجری ۔
عظیم الدین کوئی صوفی شاعر ہیں ۔ غالباً دکن یا گجرات کے رہنے والے تھے ان کا کچھ کلام کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کی ایک بیاض "گلدستہ گلشن معانی (ے ۲ م) مکتوبہ ۱۲۱۲ھ میں محفوظ ہے ۔ پروفیسر سروری نے فہرست اُردو مخطوطات ص۱۱ پر اس کا ذکر کیا ہے ۔ مزید حالات معلوم نہ ہوسکے ۔ زیر نظر نظم کے سرورق پر کاتب نے لکھا ہے :۔

"غزل من عظیم الدین شاہ صاحب قادری قدس سرہ"

حالانکہ یہ نظم ہے اور مسدس کی شکل میں جملہ ۱۴ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرعہ ایک ہی ہے ۔ اس میں معرفت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں ۔ اور دنیا بیزاری کی تلقین کی گئی ہے ۔ اس کا نام آخری بند میں خود مصنف نے ظاہر کردیا ہے ۔

آغاز :۔

جیا سن توں دل سا میرے سخن کوں   صریحا جو بھاوے تزے خوب من کوں
ہمیں سربسر چھوڑ اپنے وطن کوں   تماشے کوں نکلے ہیں سیر چمن کوں
ہمیں کیا کرہیں ے کہ اس مال دھن کوں
اوٹھو جی چلو جائیں اپنے وطن کوں

اختتام :۔

عظیما نے کیا خوب شادی گنایا   لے ناسوت کے شو کوں لاہوت لایا
لجا گنج مخفی کے مندرے ملایا   ملاملک وحدت کی شاہی دلایا
دلا خوش کیا سربسر اپنے من کوں
اٹھو جی چلو جائیں اپنے وطن کوں

اس نظم کے خاتمہ پر ایک غزل بعنوان "ریختہ" لکھی ہے جو غالباً عظیم ہی کی ہوگی ۔ اس کا مطلع و مقطع یہ ہے ۔

مطلع ۔ سفر ار میں جس مرد کوں سردم خدا کا دھیان ہے
تحقیق کرجانو سہی جگ میں وہی انسان ہے

مقطع ۔ مرشد سے سن یہ بات لیو نام محمد سات لیو
جو گان وحدت بات لیو یہ گو ہے یہ چوگان ہے

اس کے بعد آخری صفحہ پر ایک مختصر فارسی مثنوی ہے جس کا عنوان ہے ۔ "قاعدۂ شناختن وقت از حضرت امیرخسرو" یہ نظم شادی ایک فارسی رسالہ تصوف "در بیان روح" مؤلفہ عبدالرحمٰن کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے ۔ رسالہ بیان روح کا تذکرہ فارسی مخطوطات کے تذکرے میں درج رہے گا ۔

---

(۲۴۲) وفات نامۂ زہرا [۳۴۵]

اوراق ۔ ۱ اشعار فی صفحہ ۔
تقطیع ۔ ¾۴ × ½۸ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف ۔ کثیر ۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۲۷۵ھ ۔
یہ تقریباً ۱۱۵ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں آنحضرت پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کی زندگی جس رنج والم میں گزری اس کو بیان کیا گیا ہے آخر میں ان کی وفات کے وقت ان کی وصیتیں اور درثاء کی پریشانی اور رنج و ملال کا تذکرہ بھی درج ہے ۔
غالباً یہ نسخہ ناقص الآخر ہے ۔ ابتدائی صفحہ پر اس کا عنوان "قصیدہ کثیر" درج ہے ۔ کثیر تخلص کے کسی شاعر کا

حال معلوم نہ ہو سکا۔ زبان کے لحاظ سے یہ مثنوی ۱۲۵۰ھ و ۱۲۷۵ھ کے درمیانی زمانہ کی تصنیف ہے اس موضوع پر کئی اور کتابیں بھی لکھی گئی تھیں جن میں سے بعض ادارے میں بھی موجود ہیں۔ دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطات نمبر ۱۴۰ و ۱۴۱۔

آغاز:۔۔

آنکھوں سے کر خون جگر کا رواں   عاشق شیدا کی سنو داستاں
ہوگئی جب وقت وفات نبیؐ   فاطمہ زہراؓ کو ہوئی بے کلی

اختتام:۔

سوتے ہو کیا اس گھڑی ہو بےخبر   ہاں سے لو تیا کے ذرا جلد تر
ثانی سے اسرار جو یہ پائے ہم   چونک کے اب نیند سے یاں آئے ہم

نواب عنایت جنگ بہادر کا علیہ ہے۔ آخری بیت کے نیچے ان کے دستخط "عنایت حسین ۱۲۳۶ھ" درج ہیں۔

---

(۲۴۳) بیاض اشعار [۳۴۴]

اوراق ۷۔   ۸ شعر فی صفحہ۔

تقطیع ۳½ × ۸¼۔ خط نستعلیق

مصنف ادبؔ، شکوہؔ، امیرؔ، لطفؔ۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۷۵ھ۔

اس بیاض میں نعت و منقبت میں ۵ نظمیں درج ہیں۔ یہ ناقص الاول ہے۔ اور غالباً کسی بڑی بیاض کا حصہ ہے۔ اس کے آخر میں ایک مکمل نظم "وفات نامۂ زہرا" شامل ہے جس کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۲۴۲ میں علحدہ کیا جا چکا ہے۔ اس کی مختلف نظموں کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ نعت۔ ۴ شعر ہیں۔ شاعر کا تخلص ممکن ہے "بیکار" ہو جیسا کہ آخری شعر سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ نعت ناقص الاول ہے۔

ابتدا۔ یا فخر جہاں منزل اول سے وہاں تک
بدلے نہ کوئی قافلہ سالار ہمارا

اختتام:۔

ازبس یہ تمنا ہے (کہ) اے خواجۂ کونین
فرماؤ یہ ہے بندۂ بیکار ہمارا

۲۔ **نعت ادبؔ**۔ ۷ شعر۔ غلام محمد شریف ادبؔ بنگلور کے ایک شاعر تھے۔ (دیکھو مدراس میں اردو ص ۱۸۷) ممکن ہے کہ یہ غزل انہی کی ہو۔

مطلع۔ منہ دکھاؤ مجھے رسول اللہ   تم جلاؤ مجھے رسول اللہ
مقطع۔ آہ وزاری سے ہے ادبؔ عاجز   تم ہنساؤ مجھے رسول اللہ

۳۔ **منقبت غوث اعظم**۔ از شکوہؔ۔ یہ نظم ایک ترکیب بند ہے جس کے ہر بند میں چار چار مصرع ہیں۔ اس طرح جملہ ۱۳ بند ہیں۔ اس بند کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے۔ شکوہؔ تخلص کے دو شاعروں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) محمد رضا شکوہؔ لکھنوی جو مرزا قتیل کے دوست تھے (تذکرہ مصحفی و قاسم)

(۲) سید شکوہ علی شکوہؔ ساکن سراوہ جنہوں نے ۱۲۰۰ھ سے قبل وفات پائی (تذکرہ سرور)

لیکن اس منقبت کا مصنف کوئی دکنی شاعر ہے جیسا کہ زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔

آغاز:۔

یا غوث الاعظم مظہر سبحاں   دونوں جہاں کے تم ہو سلیماں
نور چراغ روضہ رضواں   رونق روئے ماہ درخشاں

اختتام:۔

اے شکوہؔ تم ہو غوث کے طالب   غوث تمہارے دیں گے مطالب
غوث کا طالب سب سے ہے غالب   غوث پہ ہر دم دل سے ہو قرباں

۱۔ **مرثیہ اصغر**۔ از امیر۔ ۱۱ شعر۔ کوئی دکنی شاعر ہیں۔ علام عبدالقادر امیر میسور کے ایک شاعر تھے جو نیکنڈہ میں پولیس کمشنر تھے۔ (میسور میں اردو ص۱۴۲)۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مرثیہ انہی کا ہے یا ان سے قبل کے کسی دکنی شاعر کا۔

آغاز:۔
بی بی تھی روکے بی بی سکینہ تم اٹھو جی بیرے بھائی اصغر
اے غم نے چھیدا ہے سینہ تم اٹھو جی بیرے بھائی اصغر

اختتام:۔
مختصر کر بھائی عزا کو یاد رکھ یہ امیر گواہ کو!
دم بدم بولتی تھی یہ بی بی سکینہ تم اٹھو جی میرے بھائی اصغر

۲۔ **غزل نعتیہ**۔ از لطف۔ ۷ شعر۔ مرزا علی لطف مولف تذکرہ گلشن ہند کے علاوہ ایک اور شاعر میر لطف علی خان لطف برار کے رہنے والے تھے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی (محبوب الزمن جلد دوم ص۹۷۳) ممکن ہے یہ انہی کی غزل ہو۔

مطلع۔ محبوب خدا عرش پہ پہنچا شب معراج کیا کھل گیا امت کا نصیبا شب معراج
مقطع۔ اے لطف جو معبود نے چاہا وہی پایا باقی نہ رہا ایک تمنا شب معراج

بیاض، نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔

---

(۲۴۴) کلام برہان [۷۰۵]

اوراق ۱۰۔ سطور مختلف تعداد میں۔
تقطیع ½۵" × ۴" خط نستعلیق۔
مصنف۔ سیدی برہان دکھنی۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ۔

سیدی برہان کوئی دکھنی شاعر ہے جس نے زیادہ تر حُب اہل بیت نبیؐ میں نظمیں لکھی ہیں۔ شاعر نے اپنے وطن دکھن کا کئی جگہ مقطعوں میں ذکر کیا ہے۔ اور خود ستائی بھی کی ہے کہ مجھ جیسا شاعر دکن میں اور کون ہے۔ لیکن اس خودستائی کے باوجود یہ شاعر اب تک غیر معروف ہے۔ پہلی بار اس مخطوطے کے ذریعہ سے وہ روشناس ہو رہا ہے۔

اس مخطوطے میں اس کی چار مستزاد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بعنوان "مثنوی" لکھی گیا ہے۔ گویا نعتیہ نگاروں نے اس صنف سخن کا نام "عشق" قرار دیا ہے۔ آخر میں ایک طویل مثنوی ہے جو ایک علمی رسالہ ہے۔ غالباً اسی شاعر کا ایک مرثیہ مخطوطہ نمبر ۲۱۴ میں بھی درج ہے جس کا ذکر ص۲۵۶ پر گزر چکا ہے۔

۱۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ معرکہ کربلا میں حضرت عباسؑ کے حملہ کا نقشہ

آغاز۔ جس وقت علمدار نے جھنڈا کھڑا کیا میدان میں آیا
نقارہ کیا فوج میں تب اور دوبارا واں تیغ چلایا

اختتام۔ کیا خوف ہے حشر میں تجھے سیدی برہان بس عشق ہے کافی

۲۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ شہادت اصغرؑ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

آغاز۔ اصغر کو آکے تیر لگا جب دہن کے بیچ چشموں سے آشکار
سرور تھا امتوں کی دعا سے سخن کے بیچ امت کا ہے گناہ گار

اختتام۔ صد مرثیہ ہے سیدی برہان آپ کو کیسا لکھے ہو عشق
شاعر کہاں ہے ایسا یہ ملک دکھن کے بیچ سادات نامدار (ورق ۴)

۳۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ حضرت اکبرؑ کی شہادت بیان کی گئی ہے۔

آغاز۔ فارغ ہوا جو حضرت اکبر نماز سے در دشت کربلا
کوئی کہے کہ اوٹھے پیمبر نماز سے در دشت کربلا

اختتام۔ ملک دکھن میں سیدی برہاں کے عشق کا مسنید اور جگ (؟)
فرماؤ کون سی شے ہے بہتر نماز سے اے میرے پیشوا (ورق ۵ ب)

۴۔ **مستزاد**۔ ۵ شعر۔ معرکہ کربلا کے واقعات بیان کئے ہیں۔

آغاز۔ فرمائے حکم جلدی سے ہاں کیجئے ڈنکا اوس شیر ببر کا
معلوم کئے ساروں نے اب ہو چکا.... شبیر کے گھر کا

اختتام - برہاں کو چرن آپ کی برداری ہیں بخشش کچھ کیجئے یا شہ
ہر وقت سناتا رہوں یہ دین کا ڈنکا عباس کے گھر کا

۵ - مثنوی - ۱۳۴ ابیات - یہ طویل مثنوی بجائے خود ایک علٰحدہ کتابچہ ہے۔
اس میں آنحضرت سرورِ کائنات کی وفات سے قبل کا ایک واقعہ بیان
کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک شخص نے مہرِ نبوت چومنے کی غرض سے ایک
ڈھونگ رچایا اور اس نے دعویٰ کیا کہ حضرت نے ایک وقت میری
پیٹھ پر کوڑے مارے تھے اب اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں ۔
بی بی فاطمہ اور حسنین کو اس خبر سے بڑی تشویش ہوئی اور موخر الذکر
دونوں نواسوں نے کہا کہ حضرت کی جگہ ہم سے بدلہ لے لے ۔ مگر
اس شخص نے نہ مانا۔ جب آخر کار حضرت نے اپنی پیٹھ پر سے کمبل
ہٹائی تو اس شخص نے جھپٹ کر مہرِ نبوت کا بوسہ لیا اور کہا کہ
میں نے اسی غرض سے یہ حرکت کی ہے ۔

اسی موضوع پر ادارے میں ایک اور مخطوطہ موجود ہے
لیکن اس میں اصحاب نبیؐ کے پیش کش کا بھی
ذکر ہے ۔ سیدی برہان نے یہ ذکر حذف کر دیا ہے ۔ لیکن وہ
اپنی نظم کے آخر میں اصحاب کا ذکر اس طرح کرتا ہے ۔

پہلے حضرت ابا بکر صدیقؓ ہیں خلیفہ رسولؐ کے تحقیق
بعد اُن کے عمرؓ ہیں پھر عثمانؓ چاروں خاص ہے شیر مرداں (بیت نمبر ۱۳۱)

یہ مثنوی حسب قاعدہ حمد و نعت سے نہیں بلکہ اصل واقعہ سے
شروع کر دی گئی ہے ۔

آغاز - سول کو اے مومنو کرتے کیجے طول یہ بیاں ہے گا از وفات رسول
یوں روایت کئے ہیں حضرت انس کئے خدمت نبیؐ کی دس وہ برس

اختتام - اونکا خادم ہے سیدی برہاں دو جہاں میں ہے امن اور آمان
ہے رسول خدا کا سب احساں گفت صلواۃ سیدی برہاں

سیدی برہان کا یہ سب کلام ایک ضخیم بیاض میں شامل ہے
جس میں اردو و فارسی نثر و نظم کے کئی رسالے شامل ہیں ۔ اور یہ
بیاض "فاضل بیگ" کے لئے لکھی گئی تھی ۔ کاتب نے نہ اپنا
نام لکھا اور نہ سنہ کتابت ۔ کاغذ اور نہج تحریر سے ۱۲۵۰ھ
سے قبل کی مکتوبہ بیاض معلوم ہوتی ہے ۔ اور نواب عنایت جنگ
کی عطیہ ہے ۔ اس بیاض کے متعلق دیکھو مخطوطات ۴۰ ، ۲ ، ۰ ، ۰ ، ۰

---

(۲۴۵) کلام میرنؔ [۷۰۶]

اوراق ۵ - سطور مختلف تعداد میں ۔
تقطیع ½۵" × ۴" - خط نستعلیق ۔
مصنف - میرن سبزواری ۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۹۰ھ

میاں میرنؔ سبزواری دلی کے شاعر ہیں ۔ وہاں کسی نے
زخمی کر دیا تھا ۔ آخر عمر میں لکھنؤ چلے گئے تھے ۔ اور وہیں مکان
کی چھت سے گر کر فوت ہوئے ۔ چاند کی ہر اکیسویں تک پانچ
منقبت لکھ لیا کرتے تھے ۔ اور زیادہ تر منقبت ہی لکھا کرتے
تذکرۂ قاسم میں صحیح لکھا ہے کہ "کلام میں غلط و صحیح اور رطب
یابس بہت ہوتا تھا" کیونکہ ادارے میں ان کا جو کلام
محفوظ ہے اس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ ان کا حال
تذکرہ شورش (مولفہ قریب ۱۱۹۳ھ) اور اسپرنگر کی "فہرست
کتب خانجات شاہانِ اودھ" میں درج ہے ۔

ادارے میں ان کی تین نظمیں ایک طویل بیاض میں
درج ہیں ۔ ایک نظم کے آخری حصہ میں انہوں نے اپنے وطن
سبزوار کا بھی ذکر کر دیا ہے ۔ اس بیاض میں امیر خسرو
اور شاہ بوعلی قلندر کی فارسی غزلیں بھی شامل ہیں ۔
میرنؔ کی نظموں کی تفصیل یہ ہے : -

۱ - منقبت - اس نظم میں ۸ بند ہیں ۔ ہر بند میں چھے
مصرعے ۔ گویا یہ ایک مسدس ہے ۔

اس میں جملہ حروف تہجی کے متصوفانہ مطالب ظاہر کئے گئے ہیں۔ ہر بند کا آخری مصرع مشترک ہے۔

آغاز۔ نام مولا پہ سر جھکایا ہوں　اس کے قدموں سے سر لگایا ہوں
نام پر اوس کے میں بکایا ہوں　ڈھونڈ مضمون یہ لے آیا ہوں
نام مرشد کو دل میں لایا ہوں
الف اللہ میں بھید پایا ہوں

اختتام۔ لام الف ہے عجب وصل میرن　ذکر ہمزہ تو ہے بدل میرن
ی سے یادِ علیؑ اول میرن　واحدؐ ہے اب اصل میرن
فدوی اوس شاہ کا کہایا ہوں
الف اللہ میں بھید پایا ہوں (ورق ۲۶ ب)

۲۔ مرثیہ - ۶ بند - یہ ایک مخمس ہے جس کے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز۔ غم حسین سے سب کو رولاوں تو صحی　ایک دم دل سے خوشی سبکی بھولاوں تو صحی
آہ کر کونین میں غوغا مچاؤں تو صحی　جوں شفق چشم فلک سے خوں بہاوں تو صحی
عرش سے کرسی حقیقت یہ لیجاؤں تو صحی

اختتام۔ اور تو شاعر ہیں میرن میں تو کچھ شاعر نہیں　کیا کروں آمیر حسیؑن صادل مرا حاضر نہیں
مدح کے کہنے میں سچ ہے یہ زباں قادر نہیں　تیرے کہنے میں سے میں تو اب باہر نہیں (؟)
عالم بالا سے مضموں ڈھونڈ لاؤں تو صحی (ورق ۲۲۱ ب)

۳۔ **مناجات** - یہ ۱۲ اشعار کی ایک قصیدہ نما نظم ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر نے اپنے وطن سبزوار کا ذکر کیا ہے۔

آغاز۔ خواب میں ایک روز کیا باغ ارم میں گزار　دیکھو تو کیا خوب ہے سبز گل نو بہار
مقطع۔ ہم ہیں کہ حضرت حسینؓ میں تو ہوں میرن غریب　سبز رہے حشر تک میرا وطن سبزوار

اس نظم کے نیچے کاتب نے ترقیمہ لکھا ہے کہ: -
"بپاس فاضل بیگ نوشتہ،،
نہ تو سنہ کتابت لکھا ہے اور نہ اپنا نام - یہ بیاض نواب عنایت جنگ بہادر کی عطیہ ہے اور اس کے لئے دیکھو مخطوطات نمبر ۲۴۴ و ۲۴۶ -

---

(۲۴۶) بیاض نظم و نثر [۷۰۷]

اوراق ۲۶ - سطور مختلف -
تقطیع - ۵½ × ۴" - خط نستعلیق و نسخ -
مصنف جیدر - دفعار - دبیر - بلہار - ناسخ - نثار - سکندر - امیر - مولائی - علائی - گوہر - رسا - لطیف وغیرہ - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۰ھ -

یہ ایک ضخیم بیاض ہے جس کو ایک کم سواد کاتب نے فاضل بیگ کے لئے غالباً ۱۲۵۰ھ سے قبل نقل کیا۔ ۳۱ میں زیادہ تر کلام ۱۲۰۰ھ سے قبل کا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو درمیان کی خالی جگہ میں کسی اور کاتب یا مالکِ بیاض نے دوسرے شعرائے مابعد مثلاً ناسخ، دبیر اور فیض وغیرہ کا کلام بھی شامل کردیا ہے کیونکہ بعد کے کاتب کا خط بہت بہتر ہے۔

اِس بیاض میں سیدی برہان دکنی اور میاں میرن دہلوی کی کئی نظمیں بھی شریک ہیں۔ اس لئے ان دونوں کی نظموں کو علحدہ عنوانات کے تحت (مخطوطات ۲۴۴ و ۲۴۵) لکھا گیا ہے کیونکہ وہ کلام اتنا زیادہ ہے کہ بجائے خود جداگانہ مخطوطے ہیں۔

بقیہ شعرا میں بعض شمال کے ہیں اور بعض دکن کے اور ان میں سے اکثر غیر معروف ہیں۔ اس بیاض کی ۱۶۰ نظموں اور دو نثری رسائل کی تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ مناجات حیدر ۔ ۱۵ بند ہیں ایک مخمس کی شکل میں جس کے ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔ اس طویل نظم میں حضرت علی مشکل کشا کی منقبت لکھی گئی ہے۔ اور ان سے مدد چاہی گئی ہے۔ فقیر اللہ شاہ حیدر کی تین کتابیں (تنا ولی (۱۲۳۳ھ)، نظم انور (۱۲۴۷ھ)، چار کرسی) ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو مخطوطات نمبر ۱۲۵، ۱۲۶ و ۱۵۸۔ حیدر تخلص کے ایک اور دکنی شاعر کی ایک غزل ادارے کے مخطوطہ نمبر ۲۳۹ میں بھی درج ہے۔ لیکن یہ غالباً اول الذکر کی نظم ہے کیونکہ انہوں نے اپنی دوسری نظموں میں بھی اس امر کا ذکر کیا ہے کہ ان کا نام پہلے حیدر رکھا بعد کو فقیر اللہ شاہ مشہور ہوئے۔

آغاز۔ سب طرف سے اب تو ہوں لاچار یا مشکل کشا بیکسی میں کوئی نہیں یار یا مشکل کشا
غیر سے کہنے کا ہے انکار یا مشکل کشا درد میرا تم سے ہو اظہار یا مشکل کشا
مت کرو مطلب کو میرے بار یا مشکل کشا

اختتام۔ یا علی روز ازل سے ہوں تمہارا میں غلام ظاہر علی سے میرا حیدر آزاد نام
تم سوا کس سے کہوں میں اپنا دکھ میرے امام صدق سے کہتا ہوں تم پر اے مرے سرور سلام
ہر گھڑی ہر پل میں سو سو بار یا مشکل کشا

۲۔ مجرا ۔ یہ وقار کا ۲۰ اشعار کا ایک قصیدہ ہے جس میں معرکۂ کربلا کا تذکرہ اور حضرت امام حسینؓ کی مدح و منقبت بطور سلام درج ہے وقار کوئی غیر معروف شاعر ہے۔ ممکن ہے کہ کاتب نے غلط تخلص درج کر دیا ہو۔

آغاز۔ جلوہ ہے جو غبار در بوتراب میں اے مجرئی وہ نور کہاں آفتاب میں
پڑھ مجرئی سلام وہ شہ کی جناب میں جس کو لکھیں فرشتے بیاض ثواب میں

اختتام۔ رن میں جلا تشنہ کے خیام فلک شکوہ تا بشعاع صرف تھے جن کے طناب میں
ہے وقت گریہ آہ شرربار کر وقار تابندہ برق ہوتی ہے اکثر سحاب میں

۳۔ سلام ۔ یہ دبیر کا ایک سلام ہے جس میں ۷ اشعر ہیں۔ مرزا سلامت علی دبیر (متوفی ۱۲۹۲ھ) لکھنو کے مشہور مرثیہ گو ہیں جن کے حالات چھپ چکے ہیں۔

مطلع۔ کہوں جو مجرئی وقت فنا حسین حسین سدا مزار سے نکلے صدا حسین حسین
مقطع۔ پڑا ہے ڈھینپ میں گور و کفن کو محتاج مرا امام مرا مقتدا حسین حسین

۴۔ مناقب بلہار ۔ یہ ایک مسدس ہے جس میں ۱۱ بند ہیں۔ اگرچہ عنوان پر مناقب لکھا ہے لیکن یہ اصل میں ایک مرثیہ ہے۔ شاعر کی نسبت معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

آغاز۔ راوی نے یوں لکھا ہے روایت حسینؓ کی ہے جب تب صبر و شکر و سخاوت حسینؓ کی
نکلی سواری جب کہ لیاقت حسینؓ کی کرتے تھے خضرؑ و نوحؑ نقابت حسینؓ کی
تھا شور کون دیوے شراکت حسینؓ کی
ہے آج کربلا میں شہادت حسینؓ کی

۵۔ غزل ناسخ ۔ ۸ شعر ہیں۔ امام بخش ناسخ کے دو قلمی دیوان بھی ادارے میں محفوظ ہیں۔ دیکھو مخطوطات نمبر ۱۹۱ و ۱۹۲۔ اس بیاض میں یہ غزل بعد کا اضافہ ہے۔

مطلع۔ چشم جاناں اور ہے چشم غزالاں اور ہے وضع انساں اور ہے ترکیب حیواں اور ہے
مقطع۔ فرق ہے شاہ گدا میں قول ناسخ ہے صحیح شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

۶۔ نظم بوڑھاپا ۔ از نظیر اکبرآبادی۔ یہ ایک مشہور و مقبول مسدس ہے جس میں ۲۰ بند ہیں۔ ہر بند کا آخری شعر مشترک ہے۔ یہ نظم بعد کو کسی اور کاتب نے بیاض میں شامل کی ہے۔

آغاز۔ کیا قہر ہے یارو جسے آ جائے بوڑھاپا اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بوڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بوڑھاپا ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بوڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بوڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بوڑھاپا

اختتام۔ گر ہوتی جوانی کو بڑی آج کو نئی تو کاہے کو سنتے یہ سخن اونکے گو بھی
جڑ ہ بیٹھتے چھاتی کے ابر ا کے کٹھی لے ڈالتے ایک دم میں ہر یک خندے کو نئی
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بوڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بوڑھاپا

۷۔ **مناقب نثار** ۔ ۱۳ شعر بطور غزل کے لکھے ہیں۔ اس تخلص کے ۸ شعرا کا تذکرہ اسپرنگر نے اپنی فہرست میں کیا ہے (دیکھو یادگار شعرا صفحات ۲۰۴ و ۲۰۵) لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس نثار کی غزل ہے۔

آغاز ۔ اے دل محب پاک کہانا علی علی ہر عشق دل کے بیچ سمانا علی علی

اختتام ۔ بس ختم کر نثار پڑھ اب یا نبی کلام یک رنگ محب پاک اٹھانا علی علی

۸۔ **مخمس عشقیہ** ۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ کل پانچ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے ۔

آغاز ۔ شوق تو تیرا ہی اب مجھ کو صنم باقی ہے آفت عشق ہے اور درد و الم باقی ہے

ایک جفا کر چکے دوسرا یہ ستم باقی ہے تیغ بسمل کو مرے ابروئے خم باقی ہے

روز وصلت ہی ترے ہجر ستم باقی ہے

اختتام ۔ نشۂ حسن ہی ہوش نہ جانا مغرور سچ کہو آپ کا کیا ہوئیگا بھلا یہ دستور

تم کو ہر طرح کی سوگند کھلانا منظور اب تو تم پر ہیں فدا جان اور ایمان مسرور

سب قسم کھا چکے بک حق کی قسم باقی ہے

۹۔ **مناقب سکندر** ۔ یہ پانچ بندوں کا ایک مخمس ہے ۔ سوائے پہلے بند کے باقی کے چار بندوں کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے ۔ اور قافیے یہ ہیں ۔ بہادر ۔ دلاور ۔ مقرر ۔ سکندر غالباً وہی خلیفہ محمد علی پنجابی ہیں جن کا ذکر سودا نے اپنی ہجو میں کیا ہے ۔ یہ آخر عمر میں حیدرآباد چلے آئے تھے اور یہیں وفات پائی ۔ ان کا حال جملہ تذکروں میں درج ہے ۔

آغاز ۔ اب لکھا آگے تری ایسی شجاعت یا علی عرش پر جاتے ہیں تجھی یہ حمایت یا علی

اور کرسی پر لکھی تیری ولایت یا علی عرش پر کہتے ہیں سب حور و ملایک یا علی

ثانی یہ تیرے نہیں کس میں کرامت یا علی

اختتام ۔ بس مناقب کو لکھا تو نے غریبانِ غریب پنجتن کے سائے میں کہتا غریبانِ غریب

دین میں پایہ ترا ہے گا غریبانِ غریب سب صبح کی پہر میں لکھا غریبانِ غریب

ملک اس دکھن میں آس (ج) سکندر یا علی

۱۰۔ **ہجو کنیز** ۔ یہ ۱۱ ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں ایک فاحشہ کنیز کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ بعض بیتیں فحش ہیں ۔ مصنف کا پتہ نہ چل سکا ۔

آغاز ۔ کیا دبال جان ہے یارو زور بلا ہے کھڑا ..... مثال بادشاہ

اختتام ۔ بی بی گر پوچھے کہاں کا ہے حمل بولی ہوں میرے میاں کا ہے حمل

۱۱۔ **مسدس ہجویہ** ۔ پانچ بندوں کا ایک مسدس ہے جس میں مولویوں اور مشائخوں کی ہجو کی گئی ہے ۔ ہر بند کا آخری شعر ہم قافیہ ہے ۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔

آغاز ۔ دل ہے دیوانہ زلف کی لٹ کا کہہ تو شحنہ سے دیوے مت جھٹکا

جیسے عشق کھا گیا ہے گھونگٹ کا گھورنے کا لگا ہے کیا چٹکا

اب سراتا ہے تیری چوکھٹ کا

کیوں تو کرتا ہے آسرا پٹ کا

اختتام تیری آمد بھلا دے اے ساقی بن ہی جاتے ہیں احول و ناقی

دور پینگ نشہ میں نزیاقی بے خودی میں رہے نہ کچھ باقی

اف رے عالم تری چھپر کھٹ کا

کیا مزا تھا ہر ایک کروٹ کا

۱۲۔ **مناقب امیر** ۔ ۸ بندوں کا ایک مسدس ہے جس میں عارفانہ مضامین لکھے گئے ہیں ۔ ہر بند کا آخری مصرع مشترک ہے ۔ امیر تخلص کے ۸ شعرا کا تذکرہ اسپرنگر نے لکھا ہے۔ دیکھو یادگار شعرا صفحات ۳۱ ۔ ۳۲ ۔ لیکن معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کونسے امیر ہیں۔

آغاز ۔ دیکھو ہم خوش ہیں جام جم کے سات شب کو خلوت ہے اوس صنم کے سات

دید کا سیر ہے حرم کے سات دید ہستی میں رہو عدم کے سات

تم پھرو جاؤ جی حشم کے سات

ہم بھی حاضر ہیں دم قدم کے سات

اختتام عشق ہمیں جس کا ہو چکا ہے امیر خاک کا بستر ابچھا ہے امیر

کیوں تو اپنے میں گم رہا ہے امیر پنجتن کا لے آسرا ہے امیر

شافع حشر میں امم کے سات

ہم بھی حاضر ہے دم قدم کے سات

۱۳۔مخمس ۔ ۱۰ بندوں کا ایک مخمس ہے جس میں ہر بند کا آخری مصرع ہم قافیہ ہے ۔ اس نظم میں کسی غیر معروف شاعر نے حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ اول کی ہجو لکھی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ایک مسافر مدینے میں آیا اور خلیفہ کو ڈھونڈھ کر چند سوالات کئے۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ سوالات سمجھ میں نہ آتے تھے ۔ حضرت علیؓ نے ان سوالات کا جواب دیا جس کی بنا پر شاعر نے حضرت علیؓ کو خلافت کا مستحق اور حضرت ابوبکرؓ کے طرفداروں کو خارجی قرار دیا ہے ۔

آغاز ۔ روایت ہے یاروں کہ بعد از پیمبر   جواں ایک آیا مدینہ کے اندر

لگا پوچھنے سب سے ہو کر سخنور   کہ اس شہر کا ہے گدا و تونگر

خلیفہ اوسے کون ہے بعد سرور

اختتام ۔ بس اے خارجی قوم کہتا ہوں تم سے   میں واقف نہیں ہوں کسی نام گم سے

جب ایسے بندے تم نے بکرے کی دم سے   ولا اعلیٰ ہیں گے مست اوس کی خم سے

جو ساقی ہے میرا وہ ساقی کوثر

۱۴۔غزل مولائی ۔ ۷ شعر ۔ اس تخلص کے ایک مرثیہ گو بھی گزرے ہیں ممکن ہے یہ غزل انہی کی ہو ۔

مطلع ۔ کل سے گلرو مجھے دینے کا تدبیریں گل   یہ نیا اور کھلا آج کی تعزیریں گل

مقطع ۔ رو رو دل میں ہے یہ مولائی کے اپنا مولا   نت چڑھایا کروں میں روضۂ شبیر میں گل

۱۵ ۔ مناجات غلامی ۔ یہ ایک مخمس ہے جس میں ۷ بند ہیں ۔ ہر بند کا آخری شعر مشترک ہے ۔ غلامی عہد ابوالحسن قطب شاہ کا ایک شاعر تھا جس نے کتاب "پدماوت" دکنی نظم میں لکھی تھی (اردو شہ پارے) لیکن یہ مناجات شاہ غلام محمد غلامی کی ہو گی جو شاہ حاتم کے دوست اور درویش منش شاعر تھے اور ان کی طرح تکیۂ شاہ تسلیم میں بیٹھتے تھے دیکھو تذکرہ سرور و مصحفی ۔

آغاز ۔ مجھے یا شاہ شاہاں کب کروگے   تفضل مجھ پہ ارزاں کب کروگے

میرے اسباب ساماں کب کروگے   میرے دشمن خراساں کب کروگے

کرم یا شاہ مرداں کب کروگے

مری مشکل کو آساں کب کروگے

اختتام ۔ غلامی کے نہیں ہو شاہ حامی   یہ دولت جب تلک تیری غلامی

ترقی دہلیز کا گل ہوں دامی   ترے ہوں آستانے کا سلامی

کرم یا شاہ مرداں کب کروگے

مری مشکل کو آساں کب کروگے (ورق ۲ ب)

۱۶۔غزل گوہر ۔ ۷ شعر ۔ شاعر کی نسبت کوئی علم نہ ہو سکا ۔

مطلع ۔ دل کہ ہے منظر اپنے صنم کا جو کہ جھگڑا پا دیں گے

دیکھو مر کر صاف وہ صاحب یہاں سے کہاں تم جاویں گے

مقطع ۔ رکھیو بغل میں اپنے پری رو ابتو ہمیشہ اے گوہر

دیکھ منور حسن پری رو ہاتھ ہلا سر کا دیں گے (۴ ب)

۱۷۔غزل رسا ۔ ۹ شعر ۔ اس تخلص کے تین شاعروں (علیم اللہ رسا ۔ مرزا لچھمی رسا اور مرزا تقی رسا) کا ذکر قاسم اور سرور کے تذکروں میں ملتا ہے ۔ معلوم نہیں کہ یہ غزل کس رسا کی ہے ۔

مطلع ۔ مرے تو وصل سے گلرو کی آرزو ہی گئی   بہار گو کہ گئی پر وہ جستجو نہ گئی

مقطع ۔ ہزار طرح سے سمجھایا میں نے تجھ کو رسا   یہ خوئے بد تری اے ماہ رو کبھو نہ گئی

۱۸۔غزل فیض ۔ ۵ شعر ۔ مقطع نہیں ہے ۔ البتہ مطلع میں لفظ فیض درج ہے اور غزل پر بھی غزل فیض لکھا ہے ۔ اس تخلص کے ۵ شاعر معروف ہیں ۔ دیکھو یادگار شعرا ص۱۵۹) ۔ یہ غزل غالباً شمس الدین فیض دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۹۴ کی ہو گی ۔

مطلع ۔ ہم تو سنتے تھے کوئی فیض سا ہوشیار نہیں   آج دیکھا تو مجنوں کا سزاوار نہیں

۱۹۔غزل نامعلوم ۔ ۶ شعر ۔

مطلع ۔ کیوں کہتے ہو پاس اپنے بلانے کے نہیں ہم

اور اپنی جھلک تم کو دکھانے کے نہیں ہم

۲۰۔ **غزل لطیف** ۔ یہ ۷ اشعار کی غزل ہے جس کے زیادہ تر اشعار اخلاقی ہیں۔ لطیف کی ایک غزل کا تذکرہ اور حالات مخطوطہ نمبر ۲۳۹ کے بیان میں درج ہیں۔

مطلع۔ ترے باغ حسن سے اے صنم نہ تو گل ملا نہ ثمر ملا ٭ مجھے ایک شاخ جدائی کا جو ملا سو خار جگر ملا

مقطع۔ کبھی در پہ دیر کے جا رہا کبھی بیت حرم سے گذار رہا ٭ یہ سنا ہے دل کے لطیف کو کہیں ٹھہرنا نہیں گھر ملا

۲۱۔ **جواب سوال ہندوستانی** ۔ اس عنوان کے تحت فارسی جملے اور ان کا اردو ترجمہ مسلسل لکھا گیا ہے۔ یہ ایک مربوط عبارت ہے جس میں تقریباً ۶۰ سطریں ہیں۔ نمونے کے طور پر ابتدا اور آخر کی دو دو سطریں درج ذیل ہیں۔ مولف کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔

ابتدا "کسے آنجا است کوئی وہاں ہے۔
نہ صاحب نہیں صاحب۔
نوکراں آمدہ اند نوکراں آئے ہیں۔
ہمیں ہمہ نیامدہ اند سب نہیں آئے ہیں۔
کدام نیامد کون نہیں آیا۔"

اختتام۔ من می خواہم کہ سفر دریا کنم میں چاہتا ہوں کہ دریا کا سفر کروں
سفر خشکی بسیار خوب است خشکی کا سفر بہت اچھا ہے۔"

ترقیمہ "تمام شد بخاطر فاضل بیگ نوشتہ است"

۲۲۔ **نور نامہ** ۔ یہ فارسی نثر میں نور محمدی سے متعلق ایک رسالہ ہے جس کے ایک ایک جملے کا اردو نثر میں ساتھ ہی ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اس میں جملہ ۱۷۰ سطریں ہیں۔ لیکن اردو ترجمہ صرف ابتدائی ۲۵ سطروں ہی کے ساتھ درج ہے۔ بعد میں صرف فارسی لکھی گئی ہے۔ اردو ترجمہ کا آغاز و اختتام یہ ہے۔

آغاز۔ نقل است۔ نقل ہے۔ کہ چوں۔ کہ جب۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم را آفریدہ است۔ اللہ تعالی جب رسول خدا کو پیدا کیا۔ در حدیث آمدہ است۔ بیچ حدیث کے آیا ہے۔

اختتام "اے حبیب من وائے برگزیدۂ من۔ اے دوست میرے وائے قبول کیئے گئے میرے۔ برخیزد خود را بجنباں۔ اٹھو اپنے تئیں حرکت دو۔ "تا قدرت مارا مشاہدہ نمائی۔ چوں نور من خود را بجنبانید۔ کہ جب قدرت میری غور سے دیکھنا کہ جب نور میرا اپنے پر و بال کو حرکت دیا۔"

اصل فارسی عبارت ان جملوں پر ختم ہوتی ہے:۔

"بازپرسید۔ ہمہ گروہ پیشتر در بہشت کہ خواہد درآمد۔ گفت گروہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اول در بہشت درآیند۔ بازپرسید کہ جانوراں ندا آفریدہ است۔"

یہ بیاض نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ اس کے آغاز و اختتام پر ان کی جعفوی مہر اور دستخط "عنایت الم ہم حیدرآباد" ثبت ہیں۔

---

۲۴۷) دیوان شرف [۸۰۰]

اوراق ۳۲۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ۸" × ½۱۲"۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ شرف النساء بیگم۔ زمانۂ تصنیف قریب ۱۳۰۰ھ۔

کاتب۔ زیادہ تر مصنفہ۔ زمانۂ کتابت قریب ۱۳۲۵ھ۔

شرف النساء بیگم زوجہ سید غلام دستگیر قادری، ٹیپو سلطان کے مشہور سپہ سالار میر میراں سید اشرف کی پوتی تھیں۔ بعد زوال سلطنت ان کے دادا کو لارڈ ولزلی نے سند اور ماہوار عطا کی تھی۔ یہ ۱۲۴۵ھ کے قریب پیدا ہوئیں اور ۸۶ سال کی عمر میں ۱۳۳۰ھ سے قبل وفات پائی۔ ان کے فرزند مولوی سید احمد قادری مرحوم (نائب صدر محاسب سرکار آصفیہ) اپنے تدین، وجاہت اور وضعداری کی وجہ سے مشہور تھے اور پوتے مولوی رحمت اللہ بیرسٹر ایٹ لا ناظم محکمۂ رجسٹریشن سرکار عالی ایک نیک دل اور

قابل عہدہ دار ہیں جنہوں نے نائب معتمد امور عامہ اور
پروفیسر جاگیردار کالج کی حیثیت سے اپنی علمی و انتظامی
قابلیتوں کی بناء پر شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کی زوجہ
محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ ادارۂ ادبیات اُردو کی مخلص رفیق
اور اس کے شعبۂ نسواں کی روح رواں اور سرگرم معتمد ہیں۔

شرف النساء بیگم قدیم طرز کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔
شعر و سخن سے ذوق تھا لیکن قدیم زمانہ کے معزز خاندانوں
کی خواتین کی طرح مذہبی کتب کا زیادہ مطالعہ کیا تھا اور
اپنے کلام میں بھی صرف عشق حقیقی اور نعتیہ مضامین پر
اکتفا کیا ہے۔ یہ مخطوطہ غالباً ان کا مکمل مجموعۂ کلام اور
خود ان کا مبیضہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طباعت کے لئے
اس کو مرتب کر رہی تھیں اور تکمیل کی خاطر کسی استاد سے
اس مجموعہ پر اصلاح لی تھی۔ چنانچہ جگہ جگہ حاشیہ پر
اصلاحی الفاظ اور مصرعے درج ہیں اور بعض مقامات پر
استاد نے ہدایتیں بھی لکھ دی ہیں۔ ان ہدایتوں سے معلوم
ہوتا ہے کہ استاد عربی فارسی کے بھی عالم تھے۔ بعض ہدایتیں
نمونے کے طور پر درج ذیل ہیں:۔

(۱) چونکہ یہ بحر اُردو میں مستعمل نہیں اس لئے ہر شعر غیر موزوں
نظر آتا ہے اس لئے بجائے ہمارا، مرا ردیف ہونا چاہئے۔
کیونکہ یہ بحر اُردو میں بالکل ناجائز ہے۔ ہاں عربی قصیدہ
ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ (ورق ۳ ا)

(۲) محبوب خدا خاص لقب آنحضرت صلعم کا ہے اور حضرت
محبوب سبحانیؓ لقب ہے حضرت غوث پاکؓ کا۔ (ورق ۱۶)

(۳) مناسب ہوگا کہ اسی ردیف میں دوسری غزل قافیہ
درست کر کے لکھی جائے۔ وہ صحیح کر دی جائے گی (ورق ۷)

استاد کی اصلاحوں کی وضاحت کے لئے اب شرف کے
بعض اصل مصرعے اور ان کی اصلاح شدہ شکلیں ذیل میں
درج کی جاتی ہیں:۔

اصل مصرع

اے رسول خدا ہوں میں بے قرار ترے ہجر سے دل ہے زار و نزار

اصلاح شدہ مصرع

محبوب خدا اے شاہِ امم ترے ہجر سے دل ہے خانۂ غم

اصل مصرع	اصلاح شدہ مصرع
دکھلا کے قدم اپنے شرف دے مجھے شتاب	دکھلا کے اپنا جلوہ شرف دے مجھے شتاب
پائی ہے شرف دیکھ تجھے تیری پرستار	پائی ہے تجھے دیکھ شرف تیری پرستار
بس کافی ہے اک نظرِ کرم میری شفا کو	بس کافی ہے اک ترچھی نظر میری شفا کو
تیرے مریض عشق کو درماں نہیں درکار	تیرے مرض عشق کو درماں نہیں درکار

اس مجموعے میں تقریباً ایک ہزار شعر ہیں جو زیادہ تر غزلوں
کی اور کچھ مختصر نعتیہ قصیدوں اور مستزادوں کی شکل میں
ہیں۔ اس مجموعہ کی وجہ سے دکن کی ایک اچھی شاعرہ
اُردو دنیا سے روشناس ہو رہی ہیں۔ اُردو کی بہت کم
خواتین ایسی ہیں جن کے کلام کا اتنا مکمل مجموعہ محفوظ ہے۔
اس وقت تک دکن میں صرف ماہ لقا بائی چنداؔ کو
صاحب دیوان کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔ اور
وہ بھی چونکہ طبقہ طوائف سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اس کا
کلام نسوانی ذہنیت کا مکمل نمونہ نہیں سمجھا جا سکتا اس لئے
موجودہ معلومات کی حد تک شرفؔ دکن کی پہلی خاتون ہیں
جنہوں نے ایک مکمل دیوان مرتب کیا جو اب تک محفوظ ہے
اور جس پر جگہ جگہ مصنفہ نے خود اپنے قلم سے اضافے کئے ہیں
یہ مخطوطہ غالباً مصنفہ ہی کی اولاد کے یہاں محفوظ
رہا۔ چنانچہ اس پر سید محمد قادری کے دستخط ہیں۔ اور
ادارے کو ہنمکنڈہ سے ۱۳۵۹ھ میں بطور عطیہ حاصل ہوا۔

آغاز:-

مظہر کبریا نہیں ملتا — سرورِ انبیا نہیں ملتا
جان لب پر ہے ہجر میں جس کے — وہ مسیحا مرا نہیں ملتا
شب فرقت کی تیرگی کب تک — شہ بدر الدجیٰ نہیں ملتا
جان و دل اپنا میں کروں قرباں — مجھ کو خیرالوریٰ نہیں ملتا

اختتام:-

سیر کی افلاک کی اک آن میں — ایسی بر تر شان والا کون ہے
نور سے تیرے ہوا پیدا جہاں — تو ہی نور رب ہے تجھ سا کون ہے
رب سے جو مانگا وہی تجھ سے ملا — اور نبیا حق کا پیارا کون ہے
جان دے آخر نبی کے عشق میں — جز شرف مشتاق ایسا کون ہے

اس کے بعد پانچ چھ اوراق اور شامل ہیں جن میں مختلف غزلیں زیادہ تر مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی درج ہیں۔ درمیان میں ایک صفحہ پر خضاب کا نسخہ اور طریقہ استعمال بھی اردو نثر میں لکھا ہوا ہے۔

---

(۲۴۸) بہارِ گلشن [۷۸]

اوراق ۲۹۔ سطور ۱۷ (۳۴ ابیات فی صفحہ)
تقطیع ۷" × ۱۱½"۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ شوق۔ زمانہ تصنیف قریب ۱۲۵۰ھ۔
سنہ کتابت۔ ۱۲۹۴ھ۔

مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری کا بیان اس تذکرۂ مخطوطات صفحات ۱۸۸۔۱۹۰ میں گزر چکا ہے۔ انہوں نے اردو شعرا کا ایک تذکرہ گلشن بے خار لکھا تھا۔ غالباً یہ مثنوی "بہارِ گلشن" بھی نام کی مناسبت کی وجہ سے انہی کی تصنیف ہے۔ ایک اور شوق (محمد علی) کی کتاب "چہار درویش" منظوم کا تذکرہ مخطوطہ نمبر ۱۰۱ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس عہد کے ایک اور شوق (نواب مرزا حکیم تصدق حسین خاں لکھنوی) مشہور مثنوی گو تھے لیکن ان کی مثنویوں (زہر عشق، بہار عشق، فریب عشق، لذت عشق اور خنجر عشق) کی فہرست میں "بہار گلشن" نام کی مثنوی شامل نہیں ہے۔ البتہ "بہار عشق" ایک مثنوی ہے جو زیر نظر مثنوی "بہار گلشن" سے بالکل جدا اور دوسری بحر میں ہے۔

یہ مثنوی تقریباً دو ہزار ابیات پر مشتمل ہے اور اس میں حمد و نعت و مناجات کے بعد اصل داستان شروع کی گئی ہے جو شاہ نجم کے فرزند ماہ عالم اور شہزادی یاسمن کے معاشقہ پر مشتمل ہے۔ مصنف نے قدیم مثنویوں کی طرح فوق فطری عناصر سے پلاٹ کی تکمیل میں مدد لی ہے۔ اور قصہ کا آغاز و اختتام بھی بالکل روایتی ہے۔ یعنی شہزادے کی پیدائش تعلیم و تربیت اور ایک تاجر کے یہاں یاسمن کی تصویر دیکھ کر اس پر عاشق ہونا اور پھر اس کی تلاش میں نکلنا۔ راستہ میں طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو کر آخر منزل مقصود کو پہنچنا۔ شادی۔ وطن کو واپسی اور جشن و خوشی۔

شاعر نے مثنوی کے درمیان میں جو غزلیں لکھی ہیں ان کے مقطع سے بھی مصنف کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ ہے:-

ہاتھ آئے گی کاکل ایک دن شوق — باقی جو نفس کا سلسلہ ہے (ورق ۱۶ و)

آغاز داستان سے قبل "عجز و خاکساری بدرگاہ جناب باری" کی سرخی کے تحت جو ابیات لکھی ہیں اس کے آخر میں مصنف نے اپنا تخلص اور مثنوی کا نام اس طرح درج کیا ہے۔

اس نسخہ کو کیمیا یہ ہو فوق — یہ گل ہو بہارِ گلشن شوق

آغاز۔ اللہ کی حمد ہے زباں پر — ہے آج دماغ آسماں پر
وصف اوسکے لکھیں جو لکھنے والے — کونین کے دو ورق ہوں کالے

اختتام :-

اختر کے محل میں زہرہ آئی   ظاہر کی فقط تھی یہ جدائی
یک دل رہے آشنا ہے سب   ہمدم رہے ہم نوا رہے سب

ترقیمہ :-

"مثنوی بہ اجلال شاہزادہ ماہ عالم و شاہزادی یاسمن
حسب فرمائش جناب فیض ماب محمد امجد علی خاں صاحب مہتمم
پرچہ اخبار تحریر کرد ۱۲۹۳ھ"

یہ مخطوطہ نواب عنایت جنگ بہادر کا عطیہ ہے۔ پہلے ورق کی پیشانی پر ان کی بیضوی مہر "معتمد الطاف و عنایت حسین ۱۲۳۶ھ" ثبت ہے۔

---

(۲۴۹) دیوان یقین [۷۰۸]

اوراق ۔ ۳۳ ۔ سطور ۱۶ ۔
تقطیع ۵" x ۸½" ۔ خط نستعلیق ۔ عنوان اور تخلص سرخی ہیں۔
مصنف ۔ انعام اللہ خاں یقین ۔ زمانہ تصنیف قبل سنہ ۱۱۶۱ھ
کاتب ۔ بنکٹ پرشاد ۔ سنہ کتابت ۱۲۴۵ھ

یقین کے اور دیوان ادارے میں محفوظ ہیں۔ (دیکھو تذکرہ ہذا مخطوطات ۱۷، ۷۵، ۸۳) یہ دیوان بالکل مکمل ہے اور اچھے اہتمام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ہر مقطع میں تخلص سرخ روشنائی میں درج کیا گیا ہے۔ اس میں تقریباً ایک ہزار شعر ہیں۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ اس میں ادارے کے پہلے تین دواوین کے مقابلہ میں زیادہ اشعار ہیں اور مکمل دیوان ہے نیز اس کا کاتب خود ایک شاعر ہے اور ایک بڑے شاعر اور ادیب کا شاگرد۔

آغاز :-

کون کر سکتا ہے اوس خلاقِ اکبر کی ثنا
نارسا ہے شان میں جس کی پیمبر کی ثنا
سر بسر اس منہ سے ہو سکتی ہے کب نعتِ رسول
یا ابابکر و عمر عثمان و حیدر کی ثنا

اختتام :-

مسافر ہو کے آئے ہیں جہاں میں تب سے وحشت میں
قیامت ہے اگر ہم اس خرابے میں وطن کرتے
کوئی فرہاد جیسے بے زباں کو قتل کرتا ہے
یقیں ہم واں اگر ہوتے تو ایک دو دو بچن کرتے

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد دیوان یقین بتاریخ شانزدہم جمادی الاول ۱۲۴۵ھ
بروز پنجشنبہ بوقت یک پاس روز برآمدہ ۔ در فرخندہ بنیاد
حیدرآباد برائے پاس خاطر حضرت برحق استاد کامل
منبع فضائل، ہادی شاگرداں حکم گراہ منزل محسن میاں
المخاطب بہ محسن ساکن بودن و خطیب قصبۂ مذکور بدست
احقر العباد بندہ بنکٹ پرشاد المتخلص بہ عاشق (یا عیاش) بود۔"

کاتب نے اپنے جن استاد محسن کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایک بڑے عالم و فاضل اور ادیب و شاعر تھے۔ ان کی ایک فارسی کتاب "گلدستہ محسنی" ادارے کے فارسی مخطوطات کے ذخیرے میں محفوظ ہے اور اس کا ذکر "تذکرہ مخطوطات فارسی" میں شائع ہوگا۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں نواب شمس الامرا کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ اور اس میں بودھن کی تاریخ بھی ایک علحدہ باب میں درج ہے۔ بودھن کو شکر کے کارخانے کی وجہ سے زمانہ حال میں خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ محمد محسن محسن بودھن ہی کے متوطن اور خطیب تھے۔ نواب شمس الامرا چونکہ

علما وفضلا کے قدردان تھے اس لئے انھوں نے ممالک محروسہ
کے اضلاع دیہات کے اکثر ادیبوں اور شاعروں کو اپنے
یہاں بارسوخ کیا تھا جن میں ادھونی کے شاہ علی اور بودھن
کے محمد محسن بھی شامل تھے۔ محسن راقم الحروف کے پرنانا تھے۔
ان کے فرزند اور راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقار الدین
حضرت قادری بی (دیکھو مخطوطات ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۴۰، ۱۴۱،
۱۴۲، ۱۶۲) کے داماد اور مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ
کے بہنوئی تھے۔ وہ بھی پائیگاہ آسمانجاہی کے منصبدار تھے
اور وہیں تعلقداری کے درجہ تک پہنچے ان کو بھی علم وفضل اور
انشاپردازی کا خاص ذوق تھا چنانچہ راقم الحروف کے
کتب خانہ میں ان کی نقل کی ہوئی کئی قلمی کتابیں محفوظ ہیں
جن میں سے اکثر ادارے میں بطور تحفہ داخل کردی گئی ہیں۔
اور ان کا ذکر اس تذکرے میں بعد کو درج ہوگا۔

ان کے فرزند مولوی ریاض الدین خطیب بودھن
اب اپنے دادا محمد محسن کے موروثی معاش و انعامی اراضی
پر قابض ہیں۔

---

(۲۵۰) روضۃ الاقطاب [۷۰۹]

اوراق ۸۸۔ سطور کہیں ۲۰ اور کہیں ۱۶۔
تقطیع۔ ۸"×۱۴"۔ خط نستعلیق۔
مصنف رونق علی۔ سنہ تصنیف قریب ۱۳۱۹ھ۔
کاتب۔ وقار الدین۔ سنہ کتابت ۱۳۳۲ھ۔

یہ ضخیم کتاب روضۂ خلد آباد اور اس کے اطراف واکناف
کی درگاہوں اور قدیم آثار کی مفید تاریخ ہے جس کی ترتیب
میں مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے قدیم کتابوں اور
خود مقامی باشندوں نیز اس زمانہ کے صاحبان علم وفضل
اور مورخین سے مواد جمع کیا تھا۔ اسی زمانہ میں دکن کے
ایک مشہور مورخ منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ تاریخ قندہار دکن
مرتب کر رہے تھے (جو ۱۳۱۸ھ میں تکمیل کو پہنچی) ان سے بھی
مولف نے تاریخی امور میں مشورہ کیا چنانچہ اس کتاب کے
دیباچہ میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"یہ بھی یوں پوری ہوئی کہ مکرمی جناب منشی محمد امیر حمزہ صاحب
نائب سررشتہ دار ناظم ٹپہ خانہ جات سرکار عالی دام ظلہ العالی
بتقریب دورہ خلد آباد آئے۔ چونکہ تاریخ قندہار دکن
ان کے زیر تالیف تھی جس کی وجہ سے بہت سا سرمایہ
ان کے پاس موجود تھا۔ لہذا حسب ضرورت دو ایک
نسخے انہوں نے مرحمت فرمائے" (ورق ۵ و)

اس تاریخ کے مرتب رونق علی بھٹولی ضلع بارہ بنکی کے
باشندے تھے لیکن مدرسۂ خلد آباد عرف روضہ کے صدر مدرس
تھے اس لئے وہاں عرصہ تک قیام کا موقع ملا اور اس طرح
یہ تاریخ مرتب ہوسکی۔ چونکہ یہ کتاب بعد کو چھپی تھی اس لئے
اس کی مزید وضاحت غیر ضروری ہے۔

آغاز:۔

ناظرین کے سامنے تالیف کے یہ چند اجزا پیش کرنے کے
قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اسباب تالیف
بھی تھوڑے سے بیان کردیں۔ اگرچہ اس کے تحریر کرنے
میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ کسی قسم کی دلچسپی۔ لیکن اس قدر
ضرور ہے کہ بزرگوں کے نام نامی کے ساتھ ان سرپرست
احباب کے نام بھی یادگار رہ جائیں گے جو کتاب کے
مسبب ہیں۔"

اختتام :۔

"حاجی صاحب کے گنبد کے علاوہ کاغذی پورے اور اوس کے حدود میں اور بھی بزرگواروں کے مزارات ہیں اور وہ سب برہان الدین صاحب غریب کے اصحاب مشہور ہیں۔ فہرست ذیل سے اون کے اسمائے گرامی کا علم ہو جائے گا۔"

(اس کے بعد ۱۴ اصحاب کی فہرست معہ تاریخ عرس و وضاحت مدفن درج ہے)۔

یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اور کاتب کا کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن کتاب کے سرورق کی پیشانی پر راقم تذکرہ ہذا کے والد مرحوم حضرت حافظ سید غلام محمد شاہ قادری الرفاعی المتخلص بہ زعم نے یہ عبارت لکھی ہے :۔

"درحالات بزرگاں قصبۂ خلد آباد شریف ضلع اورنگ آباد کہ مولوی رونق علی صاحب صدر مدرس مدرسہ اورنگ آباد تحریر بود کہ خسرمن محمد وقارالدین صاحب مرحوم قبل از وفات خود در ۱۳۳۳ھ بدست خود تحریر نمود"

یہ محمد وقارالدین وہی خطیب بودھن ہیں جن کے والد محمد محسن کا ذکر اس تذکرہ کے مخطوطہ نمبر ۲۴۹ میں گزر چکا ہے۔ منشی وقارالدین خود بھی ایک ادیب اور فاضل تھے اور پائیگاہ آسمانجاہی میں تعلقداری کی خدمت پر فائز تھے۔

یہ کتاب میں نے ادارے کے کتب خانہ میں بطور عطیہ داخل کی ہے۔

---

(۲۵۱) چار گلزار [۷۱۰]

اوراق ۴۳۔ سطور ۱۶۔

تقطیع ۸″ × ۱۳″۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ فضل الرحمان۔ سنہ تصنیف ۱۲۸۰ھ۔

کاتب منشی محمد وقارالدین۔ سنہ کتابت قریب ۱۳۲۵ھ۔

یہ خلفائے راشدین کی ایک تاریخ ہے جس کو مفتی فضل الرحمن منصف عدالت سرکار عالی نے ۱۲۸۰ھ میں بمقام حیدر آباد مرتب کیا۔ یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔ ابتدا کے صرف ۲ ورق غائب ہیں۔

مصنف نے ہر باب کو کتاب کے نام کی مناسبت سے ایک گلزار قرار دیا ہے۔ اور ہر گلزار میں چار چمن یعنے ذیلی ابواب لکھے ہیں۔ اور ہر چمن کو پھر ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب کے جملہ ابواب کی تفصیل یہ ہے :۔

گلزار پہلا۔ حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ (صفحات ۵ تا ۱۹)

چمن پہلا۔ کیفیت اسلام (ناقص الاول)
" دوسرا۔ فضائل حضرت ابوبکرؓ (ص۶)
" تیسرا۔ وفات " (ص۱۴)
" چوتھا۔ کرامات " (ص۱۵)

گلزار دوسرا۔ حالات حضرت عمر فاروقؓ (صفحات ۱۹ تا ۳۵)

چمن پہلا۔ کیفیت اسلام عمر فاروقؓ (ص۱۹)
" دوسرا۔ فضائل " " (ص۲۲)
" تیسرا۔ شہادت " " (ص۲۷)
" چوتھا۔ کرامات " " (ص۳۲)

گلزار تیسرا۔ حالات حضرت عثمان غنیؓ (صفحات ۳۵ تا ۵۱)

چمن پہلا۔ کیفیت اسلام عثمانؓ (ص۳۵)

چمن دوسرا۔ فضائل عثمانؓ (ص۳۵)

" تیسرا۔ شہادت " (ص۳۹)

" چوتھا۔ کرامات " (ص۴۸)

گلزار چوتھا۔ حالات حضرت علی مرتضیٰ (صفحات ۵۱ تا ۶۸)

چمن پہلا۔ کیفیت اسلام علی (ص۵۱)

" دوسرا۔ فضائل علیؓ (ص۵۲)

" تیسرا۔ شہادت " (ص۵۷)

" چوتھا کرامات " (ص۶۰)

کتاب کے آخر میں مشاہیر شعرائے معاصرین مثلاً حافظ میر شمس الدین فیض۔ شیخ خواجہ غلام احمد احمد، احمد علی عصر، منشی عبدالصمد صمد اور قادر حسین نسق وغیرہ کے قطعاتِ تاریخی فارسی و اردو درج ہیں۔ اس تاریخ کے مصنف فیض کی جو تعظیم کرتے تھے اس کا اندازہ ان القاب سے ہو سکتا ہے جو ان کے قطعۂ تاریخ کے اندراج سے قبل لکھے گئے ہیں یعنے :۔

" قطعۂ تاریخ شہنشاہ کشور شاعری و سریر آرائے شہرستان سخنوری جناب مولوی حافظ میر شمس الدین فیض مدظلہ العالی"

یہ فیض کا آخری زمانہ تھا اور اس کتاب کا قطعۂ تاریخ ان کا تقریباً آخری کلام ہے۔ فیض کا ایک غیر مطبوعہ اردو دیوان اور مثنوی "فیض جاری" ادارے میں موجود ہے۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطات نمبر ۱۹۳، ۱۹۷)

صمد نے اس کتاب کا سنہ تصنیف اس مصرع سے نکالا ہے ع

چار گلزار نسخۂ اصحاب
۱۲۸۰ھ

آغاز :۔

"کہ جب حق تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرف خلائق کے واسطے تبلیغ احکام کے مبعوث کیا اور معجزات آپ سے ظاہر ہونے شروع ہوئے"

اختتام :۔

" ایک روز وہ بدبخت اپنے شتر کو قلابہ سے دروازہ کے باندھ کر مسجد نبوی میں اندر مجلس کے آکر بیٹھا۔ وہ شتر بعد تھوڑی دیر کے مسجد میں آکر اپنے مولا کو منہ میں پکڑ کر اٹھا اپنے سینے کے نیچے لے کر مل ڈالا"

اختتام حصۂ قطعات تاریخی۔

نسخۂ در حال اصحاب نبی تصنیف کرد تا مفصل حال بر دلہائے ما گردد پدید
سال اتمامش چنین تحریر کردم احمدا شد عجب ایجاد نامی چار گلزار شہید
۱۲۸۰ھ

کوئی ترقیمہ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد رسالہ حسن جلد دوم نمبر ۱۱ کے ۴۴ صفحات نقل کئے گئے ہیں۔

اس نسخے کے کاتب راقم الحروف کے حقیقی نانا منشی وقار الدین خطیب بودھن ہیں جن کا ذکر مخطوطات نمبر ۲۴۹ و ۲۵۰ میں درج ہے۔ یہ کتاب میرے والد مرحوم حضرت حافظ سید غلام محمد شاہ قادری کے کتب خانے کی ہے جس کو میں نے ادارے میں بطور تحفہ داخل کیا ہے۔

(۲۵۲) منتخب دیوان ناظم [۳۴۲]

اوراق ۳۹۔ سطور ۱۵۔

تقطیع ½۵ × ½۹"۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ سید یوسف علی خاں۔ سنہ تصنیف قبل ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء

کاتب۔ سورج بھان میکش تھانوی۔ سنہ کتابت ۱۳۰۶ھ۔ بمقام حیدرآباد۔

یہ نواب سید یوسف علی خاں فردوس مکاں متوفی ۱۲۸۱ھ کا منتخب دیوان ہے جس کو اردو کے ایک مشہور شاعر اور صوفی

سورج بھان میکش نے (جو بعد کو مسلمان ہو کر شمس الحق سجاد علی صوفی کے نام سے مشہور ہوئے) منتخب اور نقل کیا ہے۔

نواب یوسف علی خاں غالب کے شاگرد اور سرپرست تھے۔ بچپن میں قیام دہلی کے زمانہ میں غالب سے فارسی پڑھی تھی اور والیِ رامپور ہونے کے دو سال بعد مولانا فضل حق خیرآبادی کے ایما سے غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ناظم تخلص غالب ہی کا عطیہ ہے۔ انہی کی دعوت پر ۱۸۶۰ء میں غالب نے رام پور کا سفر کیا اور نواب نے بڑی قدر و منزلت کی تھی۔

ناظم نے شاعری کا آغاز ۱۸۵۷ء ہی سے کیا اور اس کے بعد آٹھ سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں ایک دیوان مرتب ہو چکا تھا جس میں غزلوں کے علاوہ سلام بھی شامل تھے چنانچہ غالب ان کے جانشین نواب سید کلب علی خاں کو خط میں لکھتے ہیں:—

> حضرت فردوس مکاں سپہر آستاں کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین مہینے پہلے سلام پانچ سات لکھتے تھے اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ فراہم ہو چکتے تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح کر کے بھیج دیا کرتا تھا۔ اب کی برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے...... بھیجتا ہوں کہ وہ ..... حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے"

(مکاتیب غالب ۱۵۱)

ناظم نے اپنے اکثر مقطعوں میں بھی اپنی شاگردی کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ اس منتخب دیوان کے بعض ایسے مقطعے یہ ہیں:—

کیوں نہ غالب کے ہوں اشراق کا قائل ناظم
دور سے جس نے سکھایا مجھے ایسا کہنا (ورق ۳ ب)

استاد نے راہیں مجھے بتلائی ہیں ناظم
اب اور ہی انداز کے اشعار کہوں گا (ورق ۷ ب)

مبداء فیاض سے دونوں ہیں ناظم بہرہ یاب
میں بھی ہوں اوستاد کے حسن طبیعت کا شریک (ورق ۸۱ ب)

اس میں غالب کے اس مشہور شعر کی طرف اشارہ ہے ؎

آنچہ در مبداء فیاض بود آنِ من است
گل جدا ناشدہ از شاخ بدامانِ من است

اپنے اوستاد کے انداز پہ میرا ہے کلام
مجھ کو ناظم ہوس پیروی میر نہیں (ورق ۲۳ ا)

بعض لوگوں نے نواب یوسف علی خاں کو اسیر لکھنوی کا بھی شاگرد لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ اپنی وفات تک مسلسل غالب کو کلام دکھاتے رہے۔ نواب کی شاعری اور علم دوستی کے تفصیلی حالات مکاتیب غالب (مطبوعہ مطبعۂ قیمہ بمبئی) کے دیباچہ میں مولوی امتیاز علی صاحب عرشی نے قلمبند کئے ہیں۔

یہ مخطوطہ دو وجوہات سے اہم ہے۔ پہلی یہ کہ ایک حکمران شاعر کا غیر مطبوعہ کلام ہے اور دوسری وجہ یہ کہ ایک ایسے بلند پایہ صوفی شاعر نے انتخاب کیا ہے جس کی تبدیلی مذہب کی تاریخ اس کے ترقیمے سے متعین ہوتی ہے۔ جس کا ذکر آگے درج ہے۔

اس میں تقریباً ۲۳۰ غزلوں کے ایک ہزار شعر درج ہیں۔ کلام میں جگہ جگہ غالب کا رنگ جھلکتا ہے اور متعدد غزلیں انہی زمینوں میں ہیں جن میں غالب کی غزلیں مشہور ہیں۔

آغاز:—

محتاج نہیں قافلہ آواز درا کا — سیدھی ہے رہ بتکدہ احسان خدا کا
خوشنودیٔ معشوق ہے رنجوریٔ عاشق — بے درد ہے وہ خستہ کہ لے نام دوا کا

اختتام:— عدو کے دل کا نہیں ٹھکانا نگہ تم اس پر نہ آزمانا
ہدف نہ ہو جب جگہ پہ قائم تو کیوں نہ ناوک خطا کریں گے

کیوں خضر سکندر کو گیا راہ بتانے   بیچارہ کو گمراہ کیا راہنما نے

تمت تمام شد

اس کے بعد دوسرے صفحے سے میکش نے شاہی اور میر کے کلام کے منتخبات نقل کئے ہیں جن کا ذکر آئندہ ایک علٰحدہ عنوان کے تحت درج ہے۔ انتخاب دیوان میر کے بعد یہ ترقیمہ لکھا ہے :۔

"بقلم ناقص راقم بندہ سورج بھان سکنہ تھانہ بھون حال وارد حیدرآباد دکن حسب فرمایش جناب خان صاحب محمد صدیق خان سلمہ اللہ تعالیٰ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ"

دیوان ناظم کے پہلے صفحے کے ناصیہ پر ایک چھوٹی سی ہشت پہلو مہر ثبت ہے جس پر محمد صدیق خاں ولد علی بخش درج ہے۔

اس کتاب کے کاتب پنڈت سورج بھان گوڑ قوم کے برہمن اور تھانہ بھون ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ اوائل شباب ہی سے درویشی کا شوق تھا چنانچہ یوگیوں کے شغل واشتغال میں مصروف ہوگئے۔ اتفاق سے ان کے ایک ہم وطن صوفی منشی میر امداد علی حیدرآباد سے اپنے وطن کو گئے تو وہاں سورج بھان ان کے معتقد ہوگئے اور قدیم تذکروں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ وہیں مسلمان بھی ہوگئے لیکن اس مخطوطے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیدرآباد آنے سے قبل مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غرض امداد علی علوی کے فراق میں ۲۷ صفر ۱۳۰۵ھ کو حیدرآباد پہنچے اور چونکہ بے روزگار تھے غالباً کتابت پہلے ذریعہ معاش تھی بعد کو محکمۂ صفائی میں بھی کچھ دن ملازمت کی یہ نسخہ ان کی آمد حیدرآباد کے ٹھیک ایک سال ایک ماہ بعد نقل کیا گیا ہے اور اس وقت تک تو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے ورنہ اپنے ہندو نام کی جگہ مسلمان نام لکھتے۔ اس طرح آمد حیدرآباد سے قبل کے جو حالات تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر سوم کے صفحات ۵۲ تا ۵۴ میں لکھے گئے ہیں غلط ثابت ہوتے ہیں۔

امداد علی علوی کے علاوہ حیدرآباد کے ایک اور بزرگ حضرت سردار بیگ بھی میکش کے حال پر مہربان تھے اور دراصل انہی بزرگوں کے فیض صحبت اور باطنی توجہ نے میکش کو شمس الحق بنا دیا۔ ان کو حیدرآباد میں ایک اعلیٰ پایہ صوفی اور شاعر مانا جاتا تھا چنانچہ ان کی وفات (۱۳۲۲ھ) کے بعد ان کے شاگرد مولوی حبیب الدین صغیر ہر سال ان کی یاد میں مشاعرہ منعقد کیا کرتے اور اس مشاعرے کی غزلوں کا مجموعہ "بزم یزدان" کے نام سے چھاپا کرتے تھے۔ میکش کی تصویر اور ان کے مرتبہ "مرقع سخن" جلد دوم ص ۳۲۶ پر شایع کی جاچکی ہے۔

تزک محبوبیہ جس وقت لکھی گئی اس وقت میکش صرف ۴۲ سال کے تھے اور اس درجہ کو پہنچ چکے تھے کہ مولف نے شعرا کے علاوہ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے سلسلہ میں بھی ان کے تفصیلی حالات اور فضائل درج کئے اور ان کا نام ان القاب کے ساتھ زیب عنوان کیا :۔

"مستغرق دریائے توحید، مستہلک بحر تفرید، غواص محیط سرمدی، غواط قلزم تجرید، عارف ربانی، میکش خمخانہ معانی، حضرت شمس الحق سجاد علی صاحب میکش چشتی نظامی" (ص ۵۲)

میکش نہایت پرگو شاعر تھے اور ان کے چھ دیوان (میخانۂ عشق، خانۂ خمار، خرابات میکش، جوش میکش، شراب الصالحین اور پیمانۂ میکش) ۱۳۲۰ھ تک شایع ہوچکے تھے۔

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی کا عطیہ ہے۔

(۲۵۳) انتخاب میروشاہی [۳۴۳]

اوراق ۱۹۔ سطور ۱۵۔

تقطیع۔ ۵ ۱/۲ × ۹ ۱/۲۔ خط نستعلیق۔

مصنف۔ شاہی۔ میر۔ آزردہ وغیرہ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ۔

کاتب۔ سورج بھان میکش۔ سنہ کتابت ۱۳۰۶ھ۔

میر تقی میر کے منتخب کلام کے دو مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ جن میں سے ایک مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو کا مرتبہ ہے اور دوسرا جامعہ ملیہ نے مرتب کرا کے شایع کیا ہے۔ زیر نظر منتخب کلام میر اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ آج سے ۵۶ سال قبل مرتب ہوا ہے اور اردو کے ایک اچھے اور صاحب ذوق شاعر میکش تھانوی نے اس کو مرتب کیا ہے۔

یہ مجموعہ غالباً ناقص الاول ہے تاہم اس میں میکش کے منتخب کئے ہوئے ۳۷۵ اشعار شامل ہیں۔

میر کا ایک اہم دیوان جو ان کی زندگی میں دلی میں نقل ہوا ہے ادارے کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو تذکرۂ ہذا صفحہ ۱۰۸)۔ اس منتخب کلام کا آغاز و اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے۔

آغاز:۔

اے قیامت نہ آئیو جب تک وہ مری گور پر نہ ہو جائے
رشک دشمن کا فائدہ معلوم مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے (ورق ۱ب)

اختتام:۔

جدائی سے تیری اے صندلی رنگ مجھے یہ زندگانی دردسر ہے
نہیں ہے غیر کے قصے کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پر رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں
(ورق ۱۶ ل)

اس کے بعد جو ترقیمہ درج ہے وہ مخطوطہ نمبر ۲۵۲ کے ختم پر درج کیا جا چکا ہے۔

—— ۲ ——

شاہی تخلص کے دو شاعر (علی عادل شاہ شاہی اور شاہ قلی خاں شاہی حیدرآبادی) بہت مشہور ہیں۔ یہ شاہی بعد کے زمانہ کے شاعر ہیں۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ کلام بہت اچھا ہے۔ میکش نے اس مجموعے میں ان کی ۷ غزلیں (تقریباً ۶۰ شعر) منتخب کر کے نقل کی ہیں جن کا آغاز و اختتام یہ ہے۔

آغاز:۔

غصہ میں جو ہو لال تو رنگ اس کا نکھر جائے
یہ دوسری خوبی ہے کہ بگڑے تو سنور جائے
کیا وصل کا ہو قصد کہ نازک ہے وہ اتنا
گردھیان پہ چڑھ جائے تو یہ وہم اس کا اتر جائے

اختتام:۔

توہم ہے دونوں کو گھیرے ہوئے وہ پہلو میں ہیں اور خلوت نہیں
نہیں ہو نرالے کہ بیزار ہو کسے ورنہ شاہی کی چاہت نہیں

شاہی کی ان غزلوں اور دیوان ناظم کے درمیان کاتب نے آزردہ کی ایک اور معین کی ایک غزل نقل کی ہے۔

آزردہ (مفتی صدرالدین خاں دہلوی) غالب کے دوست اور دہلی کے صدر الصدور تھے۔ عالم و فاضل تھے اور شعر و سخن کا بھی اچھا ذوق تھا۔ ان کی غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے:۔

مطلع۔ آنکھ اٹھاتی نہیں وہ سامنے سو بار ہوئے
ہجر میں ایسے فراموش گر دیدار ہوئے

مقطع۔ یہ ہیں آزردہ جو کہتے ہوئے شیئاً للّٰہ
آج دریوزہ گر خانۂ خمار ہوئے

معینؔ کی غزل کا مقطع و مطلع یہ ہے :-

مطلع - شبِ غم مرگیا میں دیکھ کر اپنی تباہی کو
قضا آئی مری بیت الحزن میں عذر خواہی کو

مقطع - معینؔ اللہ رے گرمی گدا کے داغِ حسرت کی
ہما نے اپنے سایہ میں چھپایا بادشاہی کو

اس مخطوطے کے آخر میں باکمال فارسی شعرا کی دس بارہ غزلیں بھی شریک ہیں جن کا ذکر تذکرۂ مخطوطات فارسی میں درج رہے گا ۔ یہ مجموعہ منتخباتِ دیوانِ ناظمؔ کے ساتھ ایک ہی جلد میں شریک ہے اور اس کو سورج بھان منشی سجاد علی میکشؔ (دیکھو مخطوطہ ۲۵۲) نے نقل کیا ہے ۔ چنانچہ منتخب غزلیاتِ میرؔ کے آخر میں لکھتے ہیں ۔

"بقلم ناقص رقم بندہ سورج بھان سکنہ تھانہ بھون حال وارد حیدرآباد دکن ۔ حسب فرمائش جناب خان صاحب محمد صدیق خاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ"

یہ مخطوطہ مولوی ضامن علی صاحب غازی رفیق ادارہ کا عطیہ ہے ۔

(۲۵۴) آبِ حیات [۷۱۲]

اوراق ۸ ۔ سطور ۱۳ ۔

تقطیع - ½۸ × ½۵ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف - حیاتؔ (م) زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۵۰ھ ۔

کاتب - غلام حسین ۔ سنہ کتابت ۱۲۹۲ھ ۔

یہ ایک دکھنی مثنوی کا پہلا باب ہے جس میں دنیائے فانی سے بے تعلقی اور خود آگہی و عشقِ حقیقی کی طرف مختلف ذیلی عنوانوں کے تحت توجہ دلائی گئی ہے ۔ معلوم نہ ہو سکا کہ پوری مثنوی کتنے ابواب پر مشتمل تھی اور مصنف کون تھا ۔ ممکن ہے کہ اس کا تخلص حیاتؔ ہو ۔ اس مخطوطے کے اختتامی اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے باب میں "سلوک" کے موضوع پر معلومات فراہم کی گئی تھیں ۔ مصنف علم دین سے واقف اور علوم متداولہ کا فاضل ہے ۔ زبان و انداز سے پتہ چلتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں تصنیف ہوئی ہے ۔ کتاب کا نام آخری ابیات اور ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے ۔

آغاز :-

حمدِ حق کے بعد ہے نعتِ نبیؐ ۔۔۔ دے ہدایت مومنوں کو یا ربی
باب اول ہے نصیحت کا حبیب ۔۔۔ باخبر ہو موت آئے عنقریب

اختتام :-

باب اول ہو گیا یہاں ہو حیاتؔ ۔۔۔ مصطفےٰ پر ہو درود اں اور صلوٰۃ
باب دوسرے بیچ ہے ذکرِ سلوک ۔۔۔ سالکاں کو نیں خدا بن پیاس بھوک

ترقیمہ :-

"تمت تمام شد رسالۂ آبِ حیات باب اول غلام حسین ولد لطیف صاحب لکھنے بند مقام شاہ پور پیٹ (م) عادل پور دوازدہم ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ"

یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی کا عطیہ ہے ۔

(۲۵۵) کلامِ میرنؔ و سیدؔ [۷۱۱]

اوراق ۶ ۔ سطور ۱۹ ۔

تقطیع ½۸ × ½۵ ۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز ۔

مصنف - میرنؔ و سیدؔ ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ۔

کاتب - غلام حسین ۔ سنہ کتابت ۱۲۹۲ھ ۔

میاں میرنؔ سبزواری دلی کے شاعر تھے ۔ زیادہ تر منقبت لکھتے اور ہر ہجری مہینے کی ۱۱ تاریخ تک ۵ منقبت تیار کر لیتے تھے ۔

کسی شخص نے مجروح کردیا تھا۔ بعد کو لکھنو چلے گئے اور وہیں مکان کی چھت سے گرکر فوت ہوئے۔ تذکرہ شورش و تذکرہ قاسم میں ان کا ذکر درج ہے۔ اور ادارے میں بھی ان کا اور کلام موجود ہے جس کا بیان اس تذکرہ کے مخطوطہ نمبر ۵۰۴ میں گزر چکا ہے۔ بقول قاسم ان کے کلام میں غلط صحیح اور رطب و یابس بہت ہے۔

میرنؔ سبزواری کی جو منقبت اس مجموعہ میں شامل ہے وہ ناقص الاول ہے۔ یعنے ابتدا کے ۳ بند موجود نہیں ہیں۔ اس میں جملہ ۱۳ بند (ہر بند میں ۴ ہم قافیہ مصرعے) تھے۔ اس مخطوطہ میں صرف آخری ۱۰ بند ہیں۔

آغاز:۔

طوفانِ آبِ غارِ الہٰی جو تاب آ کشتی بتائے نوح اوس پر ہے گا ناخدا

آکر کہا جبریل نے اے نورِ خوش لقا کچھ پیر اگرچہ یاد ہو نی الفور اے پڑا

اختتام:۔

میرنؔ ہے سبزوار غلامِ امامِ دین کرتا ہے عرض تم ستے اللہ عالمیں

منکر نکیر پوچھیں خبر میں یہ سوال دیں میں اون کوں یہی جواب دونگا بہ دور آخریں

(یہ شعر غلط ہے۔ پہلا مصرع غالباً یوں ہوگا۔ منکر نکیر قبر میں پوچھیں سوال دیں)

وصفِ نبی و آلِ نبی بر زبانِ ما گویا زباں برائے ہمیں در دہانِ ما

سیدؔ تخلص کے کئی شاعر اردو میں گزرے ہیں۔ (دیکھو یادگار شعرا صفحات ۱۱۲ و ۱۱۳) لیکن اس مجموعے میں جس شاعر کی طویل مناجات درج ہے وہ کوئی قدیم دکنی شاعر تھے۔ یہ مناجات دراصل محبوب سبحانی غوث اعظم کی مدح و منقبت میں ایک مخمس ہے جس میں ۱۷ بند ہیں۔

آغاز:۔ حل کرو مشکل مری یا حضرت پیرانِ پیر

ہے مرا احوال روشن تم کو اے روشن ضمیر

اس زمانے نے کیا ہے مجکو گردش سوں حقیر

تجہ سرکیا سر پہ میرے ہے وسیلہ بے نظیر

جلد میری کر مدد یا غوث اعظم دستگیر

اختتام:۔

سیدؔ اکے دل سیتی اے شاہ دیں تو نیں ہے دور

صدق دل سوں ہر گھڑی رہتا ہے در تیرے حضور

تیرے قدموں کی برکت سو سوار ہے اوس پو نور

بولنا تجکو پکار اب اوس کو ہے وقتِ ضرور

جلد میری کر مدد یا غوث اعظم دستگیر

اس کے بعد دو صفحے سادہ چھوڑ کر کتاب "آبِ حیات" نقل کی گئی ہے جس کا ذکر مخطوطہ ۲۵۴ میں گزر چکا ہے۔ اور اس کاتب کا ترقیمہ بھی اسی میں درج ہے۔

کلام میرنؔ و سیدؔ سے قبل اس مخطوطے میں غالباً پشتو زبان کی کئی نظمیں بھی درج ہیں جن کا ذکر اس تذکرہ مخطوطات کی کسی اور جلد میں درج کیا جائے گا۔

---

(۲۵۶) کلیات کاظم [۳۴۱]

اوراق ۳۶ - سطور ۱۳۔

تقطیع ۵ٌ × ۸ٌ - خط نستعلیق۔

عنوانات اور حاشیہ سرخی ہیں۔

معنف کاظم علی - سنہ تصنیف ۱۱۹۹ھ۔

کاتب ” - سنہ کتابت ”

کاظم علی حیدرآباد کے ایک مرفہ الحال اور صاحبِ ذوق امیرزادے، حضرت اوجالا شاہ کے مرید، کنک گیری کے نواب بہرجنگ کے داماد اور فطرتی شاعر تھے۔ اون کے کلام کا یہ

ناقص الاول لیکن نادر مجموعہ مختلف اصناف سخن کے دلچسپ نمونوں پر مشتمل ہے۔ عام دواوین کی ترتیب کے خلاف اس میں زمانۂ تصنیف کی ترتیب سے نظمیں، غزلیں، مرثیے، مثنویاں وغیرہ درج ہیں۔ اس لئے ردیف وار ترتیب ہے اور نہ صنف وار۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود مصنف نے نقل کیا ہے۔ اور بعد میں جگہ جگہ مصرعوں اور الفاظ میں خود ہی تبدیلی اور اصلاح کی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی اور کتب خانہ میں دستیاب نہ ہوا۔

یہ اپنی نوعیت کا پہلا مجموعۂ کلام ہے کہ اس میں زمانہ تصنیف کے لحاظ سے نظمیں درج ہیں اور اس لئے بھی اہم ہے کہ مصنف نے رسمی شاعری نہیں کی بلکہ اس کی تمام تر نظمیں خود شاعر کی آپ بیتی ہیں۔ کلام میں آورد اور تصنع کا کہیں پتہ نہیں۔ آمد ہی آمد ہے اور اس لئے بعض شعر شاعرانہ محاسن سے معرا ہیں۔ چونکہ یہ ایک نادر مجموعہ ہے ہم اس کی خاص خاص نظموں کی تفصیل مخطوطہ کی ترتیب کے مطابق درج ذیل کرتے ہیں۔

اس مجموعے میں پہلی نظم ایک مخمس ہے جس میں حضرت علیؓ کی منقبت لکھی گئی ہے۔ یہ ناقص الاول ہے اس میں آخری ۱۳ بند موجود ہیں۔ آخری بند درج ذیل ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے مرشد کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

اب غم سے دل تاریک ہے یا صاحب حاجت روا
مرشد اوجالا شاہ ہے یا حضرت مشکل کشا
تم سا وسیلہ چھوڑ کر جاؤں کدہر ہو کر گدا
غرقاب ہے فکروں ستی ہر وقت نا لایق ترا
کاظم کا اب کرنا بھلا یا حضرت مولا علی

اس کے بعد مسدس کی شکل میں ایک مرثیہ ہے جس میں ۱۵ بند ہیں ہر بند کا آخری شعر دوسری بحر میں ہے۔ اس کا آخری بند یہ ہے:۔

کاظم کے تئیں کو مولا جلدی سے ہوے عنایت
خدمت چرن کی لینے رکھتا ہے وو ارادت
بخشو چرن کی خدمت اور شاہ دیں شہادت
بندے کو اپنے صاحب رتبہ دے خادماں کا
کاظم گنہ سے مت ڈر مرشد ہیں اوجالا شاہ
جدہر ہیں شاہ کربلا چرن بھی ہیں ہمراہ

اس کے بعد ایک غزل نما نظم شامل ہے جس کی ردیف سجدہ ہے۔ اور ساتھ ہی شاعر نے مرشد اوجالا شاہ کی مدح میں ۹ بندوں کا ایک مخمس لکھا ہے۔ اوجالا شاہ اس عہد کے ایک مشہور بزرگ اور صوفی ہیں۔ ان کا مزار سرورنگر کے راستہ میں سیدا باد (حال سعید آباد) کے قریب واقع ہے۔ سیدر آباد کے عوام اب بھی ان کے بے حد معتقد ہیں اور اپنی منت مرادوں میں کامیابی کے بعد وہاں جاکر نیاز کرتے ہیں۔ اس نیاز میں مرغ ضرور کاٹے جاتے ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ اوجالا شاہ سات دن میں صرف ایک بار مرغ کے گوشت کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ کاظم کی "مدح اوجالا شاہ" کے چند منتخب بند درج ذیل ہیں:۔

مدح مرشد کامل ہادی آگاہ دل حضرت اوجالا شاہ

شفیع و حامیِ روز جزا اوجالا شاہ ولی و والی ہر دوسرا اوجالا شاہ
خدا کی راہ کے ہیں پیشوا اوجالا شاہ حبیب و عاشقِ حق بے ریا اوجالا شاہ
صحبت مرشد من بے ریا اوجالا شاہ

امین دین ہیں پانچوں کے رہبر کامل
صفا ہیں پاک ہیں فاضل ہیں حق ستی شاغل
مراد شاہ گدا ہیں گی اون ستی حاصل
عجیب وو شاہِ قناعت ہے رب ستی واصل
صحبت مرشد من با خدا اوجالا شاہ

مجھے بلانے طائے تھے دخت میں پاشاہ
گرا تھا چاہ میں جاکر پھنسا تھا اسپ ہمراہ
تمہارے نام کے لیتے ہی آ گئے دو چاہ
نکالے غار سے مجھ کو دیئے ہو اپنی پناہ
صحبت مرشد من با خدا او جالا شاہ

تمہارے پاس جو آیا ہے التجائے کر کئے علاج ہو ہر درد کا دعاے کر
روا کئے ہو اس حاجت کو مدعاے کر مرا سو مردہ اوٹھا ہے گا وو دعائے کر
صحبت مرشد من با خدا او جالا شاہ

تمہارے فیض کے لائق ہے یہ اگر کاظم تو اس کی شرم رکھو دو جہاں میں کر نام
تمہارے پاس دو آنے کو رہتا ہے عازم نہیں بھی رکھنا شفقت ہے آپ پر لازم
صحبت مرشد من با خدا او جالا شاہ

مثنوی سوز و ساز عشق :-

یہ ۲۲۱ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں کاظم نے اپنے عنفوان شباب کی آپ بیتی بیان کی ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت وہ جوان تھا چنانچہ کہتا ہے :-

اگر زندگی ہے ضعیفی تلک ضعیفی ابھی سے دیا کیوں فلک

چند ابیات کے بعد پھر کہتا ہے کہ :-

جو معلوم ہوتا جوانی میں دکھ نہیں ہے گا قسمت میں میرے دو سکھ
تو میں کس سے ہرگز نہ ملتا خدا عبث دل کے ناحق نہ جلتا سدا

اصل واقعہ یہ ہے کہ اوجالا شاہ کی اس تلقین کی بنا پر کہ عشق حقیقی کے لئے عشق مجازی لازم ہے شاعر نے اپنے عزیزوں میں ایک لڑکی سے محبت شروع کی اور اس محبت میں جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں اس کی کئی نظموں میں بہت اچھی تفصیل لکھی ہے آخر کار ۱۸ سال کی عمر میں اس کی آرزو پوری ہوئی اور غالباً اسی محبوب کا تقرب نصیب ہوا جس کے بعد پھر جدائی کے صدمے اٹھانے پڑے۔ اسی مایوسی کے عالم میں اس کو نوید ملی کہ ۱۱۹۹ھ ختم ہو کر بارھویں صدی پوری ہو جائے تو شادی ہو جائے گی۔

مثنوی احوال عشق :-

یہ ۱۲۷ ابیات کی مثنوی ہے جس میں فراق محبوب کا عالم بیان کیا ہے۔ آخری حصہ میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے:-

کر اب ختم قصے کو کاظم علی کریں عشق میں تجھ کو عازم علیؑ

اسی سلسلہ میں مرشد کا بھی ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھے۔

ترے پیر کا تجھ پہ سایہ رہے دو عالم کا تجھ پاس مایہ رہے

مثنوی روزگار :-

یہ مثنوی بہت اہم ہے۔ اس میں شاعر نے اپنے زمانہ کی معاشرت اور اخلاق و عادات کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں ۴۷ ابیات ہیں۔ یہ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کا زمانہ تھا اور ارسطو جاہ مدارالمہام تھے۔ اول الذکر ضعیف ہو چکے تھے اس لئے طبیعت میں نرمی اور درگزر کا مادہ بڑھ گیا تھا اور دربار میں شریرالنفس لوگ حاوی تھے۔ اور کسی کو بادشاہ کے یہاں باریاب نہ ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ان امور کی طرف اشارہ کرتا ہے :-

ظلم بیدادی ہمیشہ گرم ہے بادشاہ مملکت کیا نرم ہے
ایسے ظالم چوطرف پھیلے ہیں یار اون کے یہاں جانے کسی کو نیں ہے بار
ہاں مگر پاجی غلاماں پیش ہیں مال وزر سے سب طرح دو میش ہیں
جنگ و دولہ ہو گئے پاجی سبھی اون کے باباموش نامارے کبھی

نواب ارسطو جاہ کی مطلق العنانی اور سخت مزاجی کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے :-

خلق عالم اوس کے ہاتوں سے ہوا نائب دجال خر پیدا ہوا
بارھویں صدی کے سب آثار ہیں سید و اشراف سارے خوار ہیں

اسی سلسلے میں عام حیدرآبادیوں کے اخلاق وعادات کی جو خرابیاں بیان کی ہیں تعجب ہے کہ اُن میں سے اکثر اب بھی (یعنے چودھویں صدی میں) موجود ہیں۔ حالانکہ شاعر کو یہ توقع تھی کہ بارھویں صدی کے خاتمہ کے ساتھ یہ خرابیاں بھی ختم ہوجائیں گی۔ وہ کہتا ہے :۔

بارہیں صدی بھی اب آخر ہے یار جس کا تم نے سب سنے سارا بہ کار
پھر تو یا جی مدیہ ابھی آرہیں سیدو اشراف اپنی جا رہیں

اس مثنوی کے خاتمے پر ۲۰ غزلیں درج ہیں جو مختلف ردیفوں میں کہی گئی ہے۔ اور جن میں سے اکثر مسلسل کسی نہ کسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ پھر ایک مخمس شروع ہوتا ہے جس میں راجبند ہیں۔ اس طرح کئی مثنویاں اور غزلیں یکے بعد دیگرے لکھی گئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں وہ مثنوی بھی شریک ہے جس میں شاعر نے اپنی بیوی کی تعریف قلمبند کی ہے اور جس میں اپنے خسر اور خوشدامن کی خوبیاں بھی بیان کردی ہیں۔ یہ مثنوی بہت دلچسپ ہے اور اس لئے ایک نادر نظم ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کے بعد شاید ہی کسی شاعر نے اپنی بیوی کی ایسی تفصیلی مدح لکھی ہو۔ اس کی چند آخری ابیات یہ ہیں :۔

قیامت تک ہے تیرا ساتھ پیارا عجب ہے باوفا دلبر ہمارا
خدا اوس کو رکھے نت آبرو سے حیا و خوش دلی اور سرخرو سے
ہے کاظم جان و دل سوں اس کا عاشق وو پیاری کا دہی تھا خوب لایق

یہ دلچسپ مجموعہ جن اشعار پر شروع اور ختم ہوتا ہے وہ درج ذیل ہے :۔

آغاز :۔

برزخ تمہارے نام کی سب پر دسے یا پنجتن
پانچوں کا سارا نور ہے جو کچھ دسے یا پنجتن
تم سب میں ہو نور الہدیٰ یا حضرت مولا علیؑ

اختتام :۔ میں تے پایا ہوں خدا تم سے تجلا نور کا
مجھ کو لایق کر جہاں میں محرم سبحاں کرو

ہینگے تم دونوں جہاں کے آفتاب محویت
ذرۂ کاظم کے تئیں اب داخل شاہاں کرو

کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ مولوی مرزا ضامن علی غازی لکھنوی رفیق ادارۂ ادبیات اُردو کا عطیہ ہے۔

---

(۲۵۷) گلزار السالکین [۸۰۱]

اوراق ۱۳۔ سطور ۱۱۔
تقطیع ۵½ × ۸½۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ عابد شاہ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۹۶ھ۔
زمانۂ کتابت قبل ۱۲۷۵ھ۔

یہ قدیم اردو نثر میں ایک رسالہ ہے جس میں سالکوں کے لئے تصوف و عرفاں کے مضامین بیان کئے گئے ہیں مصنف نے حمد و نعت کے بعد اپنے مرشد کی مدح اس طرح شروع کی ہے۔

منقبت حضرت پیر دستگیر مظہر انوار نورانی محرم اسرار سبحانی
کعبۂ دین و ایماں حضرت شاہ یوسف روحانی العرف
حضرت پیر دستگیر شاہ راجو حسینی الحسنی طال اللہ عمرہٗ

راپیر محمد تن کوں بتلا دیا اسی تن میں احمد کوں دیکھلا دیا
اوسی نور کوں لے پھر اتن منے یو پایا خدا تن کے گلشن منے
الٰہی بحق شفیع الامم ! یوں رکھ شاہ راجو پو اپنا کرم
الٰہی بحق وہی مصطفےٰ توں رکھ تندرست اس کے تن تا بقا
الٰہی بحق حسین و حسن توں رکھ اُن کوں آفات سے نت جتن
الٰہی مرے پیر کوں دے امان انا ہات کرتا ہوں مطلب پو اُن

اس کے بعد کتاب کا اور اپنا نام اس طرح لکھا ہے :۔

"ایں کتاب گلزار السالکین از تصنیف فقیر حقیر عابد شاہ از فقیران کمترین خاکسار حضرت شاہ راجو حسینی الحسنی طال اللہ عمرہٗ"

مصنف نے دونوں مقامات پر شاہ راجو کا ذکر جس طرح کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت زندہ تھے ۔ اور چونکہ انھوں نے ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی اس لئے یہ کتاب اس سے قبل لکھی گئی ہے ۔ شاہ راجو ابوالحسن قطب شاہ کے مرشد تھے اور اس کی تخت نشینی میں انہی کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ عبداللہ قطب شاہ بھی ان کا معتقد تھا چنانچہ ابوالحسن کو دامادی کے لئے منتخب کرنے میں اسی اعتقاد نے کام کیا ہے ۔ شاہ راجو نے اپنے دوسرے مریدوں کی طرح ابوالحسن کو تاناشاہ کا لقب عطا کیا تھا اور یہ بادشاہ اسی لقب سے اب تک مشہور ہے ۔

شاہ راجو کی زندگی ہی میں حیدرآباد کے ایک اور شاعر طبعی نے بھی (اپنی مثنوی "بہرام وگل اندام" کے دیباچہ میں) اُن کی مدح لکھی تھی ۔ دیکھو اردو شہ پارے صفحہ ۱۱ ۔ شاہ راجو کے حالات تذکرۂ اولیائے دکن جلد اول کے صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۴ پر درج ہیں ۔ اور اُن کا کچھ اُردو کلام ادارے میں بھی محفوظ ہے ۔ دیکھو تذکرۂ ہذا صفحہ ۲۶۳ ۔

اس کتاب کا کوئی اور نسخہ کسی اور کتب خانہ میں نظر سے نہ گزرا اور نہ ہی اس کے مصنف عابد شاہ کی نسبت کچھ معلومات حاصل ہوسکیں ۔ مصنف اپنی زبان کو دکھنی کہتا ہے ۔ اس کی مناجات کا آخری شعر ہے :۔

شروع جو کیا ہوں یہ دکھنی کتاب یو اتمام جلدی سوں ہوئے شتاب

آغاز :۔

"اول ثنا صفت کرنا اللہ تعالیٰ کا کہ او قادر ہے ۔ تمام چیز اوپر قدرت رکھتا ہے اور ہر شئے میں حاضر اور ناظر ہے ۔ جیسا کہ شکر میٹھائی اور پھول میں باس اسی طرح سب میں صنعت گری رکھتا ہے ۔

دیکھو توں آدم میں کیا صنعت دھریا اس کا صانع ہے خدائے کبریا

ہور تمام شئے پر اس کی ذات بالاتر ہے۔"

اختتام :۔

"اگر کوئی پوچھا کہ اے مالک تیرے وجود کیتے ہیں اور راہ اور منزلاں اور نفس اور شہادت اور مقام اور حال اور روح اور توحید اور نظر اور بادل اور زبان اور درجہ اور عناصر اور رنگ اور مزہ اور بھل اور مثال اور خاندان یہ سب چیزیں آپس میں کیتے ہیں ۔ جواب دے ۔ اس واسطے اس کی پچھانت کوں تحفل (؟) بنایا ہوں ۔"

کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ کاتب کم سواد ہے اور اس نے جگہ جگہ اپنے زمانہ کی زبان اور املا داخل کردیا ہے ۔ اس کتاب کے بعد اسی کاتب نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے معالجات اور نسخے نقل کئے ہیں ۔ چونکہ وہ بجائے خود ایک علحدہ کتاب ہے ۔ اس لئے اس کا ذکر علحدہ درج ہے ۔

یہ کتاب محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیرؔ شریک معتمد شعبۂ نسواں ادارۂ ادبیات اُردو کا عطیہ ہے ۔

---

(۳۵۸) معالجات خواجہ بندہ نوازؒ [۸۰۲]

اوراق ۸ ۔ سطور ۱۱ ۔
تقطیع ½۵ × ½۷ ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف ۔ عابد شاہ (؟) زمانۂ تصنیف قبل ۱۰۹۲ھ ۔

یہ قدیم اُردو نثر میں ایک طبی رسالہ ہے جو عابد شاہ کی "گلزار السالکین" کے ساتھ ایک ہی جلد میں شامل ہے ۔ یہ کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے ۔ پہلے مختلف بیماریوں کے علاج بیان کئے گئے ہیں اور اس کے بعد نسخۂ گھوڑاجری (یا گھوڑاجیری) اور اس کے ۶۳ فوائد درج ہیں ۔ پہلا حصہ ناقص الاول ہے اس کا آغاز و اختتام یہ ہے :۔

آغاز:۔

"جو طالب پر کچھ آزار آیا تو اپنا علاج اپنے تن میں کرنا باہر کی چیز کچھ لینا درکار نہیں ہے۔ ہور آزمودہ ہے سہی علاج"

اختتام:۔

"بیچھو کاٹا تو اوس جگو کوں کپاکر کرکان کا میل لگانا ہور اوس جگو کوں موں کی بھاپ سے سینکنا۔"

دوسرے حصے کا آغاز و اختتام یہ ہے:۔

آغاز:۔

"مختصروں سے قطب الاقطاب کے حضرت خواجہ صدر الدین بن محمد مخدوم حسینی یعنے گیسو دراز رحمت اللہ علیہ جو کہ فرماتے ہیں۔ باب میں تجربات ہر ہر مرض کے مفصل تحقیق مجرب ہے۔"

اختتام:۔

"خواجہ بندے نواز کے نام سے فاتحہ دے کر بعد از دعا دینا۔ اور تمام سات سو مرضوں کو فائدہ ہے۔ اور گولیاں بناتے وقت پر یہ آیت پڑھنا "فالو آمنا باللہ علے رسول تعلوں"۔ وقت شروع کرنے کے یہ نسخہ دو رکعت نماز پڑکر ہر رکعت سورۂ فاتحہ و اخلاص یک بار پڑنا۔ نسخہ پینے کے وقت وضو سے رہنا۔ نسخہ گھوڑا جری تمت تمام"

اس کتاب کے مصنف کا نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ چونکہ عابد شاہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے بیرے شاہ راجو کے مرید تھے اور انہی کی کتاب گلزار السالکین کے ساتھ یہ کتاب معالجات بھی نقل کی گئی ہے اور اس کی زبان بھی ویسی ہی ہے اس لئے قیاس غالب یہی ہے کہ عابد شاہ ہی نے خواجہ بندہ نوازؒ کی فارسی تحریروں سے اس کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ نسخہ بھی محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیرؔ کا عطیہ ہے۔

(۲۵۹) کسب عروج [۸۰۳]

اوراق - ۹ - سطور ۱۱۔

تقطیع ۳/۴ ۴" × ۸" - خط نستعلیق شکستہ آمیز۔

مصنف شاہ صدر الدین۔ زمانہ تصنیف قبل ۱۲۰۶ھ۔

کاتب - پاپا لعل۔ سنہ کتابت ۱۲۹۰ھ۔

شاہ صدر الدین کے ایک۔ اور منظوم رسالے کسب محویت کا ذکر اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ۲۴۱ (ص ۲۶۶) میں گزر چکا ہے۔ یہ بھی انہی شاہ صدر الدین کا رسالہ ہے۔ زبان و انداز و بیان بھی وہی ہے۔ شاہ محمد صدر الدین ولد شاہ میراں حسین متوطن نولنگل سلطان حیدر علی خاں کے عہد حکومت میں علاقہ میسور میں گزرے ہیں۔ ان کا تذکرہ میسور میں اردو ص ۵ پر درج ہے جہاں لکھا ہے کہ ان کی تین کتابیں (مرج لگن۔ مراۃ الاذکار اور مصباح النور) قلمی خط میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ لیکن ان کا ایک ہی شعر بطور نمونہ دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ دیوان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ ادارے میں شاہ صدر الدین کی جو دو کتابیں (کسب محویت اور کسب عروج) محفوظ ہیں وہ انہی میسوری بزرگ کی ہوں لیکن ان دونوں نظموں کی زبان و انداز بیان بہت قدیم ہے۔ اس لئے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانۂ حیدر علی کے شاہ صدر الدین کی تصنیفات ہیں۔

زیر نظر مثنوی میں ۴۹ ابیات ہیں اور خود مصنف نے تعداد ابیات اس آخری بیت میں ظاہر کی ہے:۔

اٹتالیش ابیات سکل یو یاد رکھو اے دوست
یہ جب دیکھ کرے گا پیدا او سے تجھے ہمہ اوست

اس کتاب کا موضوع عرفان باری تعالیٰ ہے اور اس میں دھیان اور گیان کے متعلق تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔

زبان میں برج بھاشا کا اثر غالب ہے ۔ اس مثنوی کی کئی ابیات
میں مصنف نے اپنا نام صدرالدین شامل کیا ہے ۔
ادارے کے اس نسخے میں اگرچہ ۹۴ ابیات کے بعد اصل
مثنوی ختم ہو گئی ہے لیکن پھر دوسرے صفحہ پر مزید ۵ ابیات اسی
بحر میں درج ہیں اور ان میں اصل کتاب کے موضوع اور
۴۸ ابیات کی طرف دوبارہ اشارہ کیا گیا ہے ۔ اور ترقیمہ
بھی انہی کے آخر میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی
اصل کتاب کا ایک حصہ ہیں ۔ اصل کتاب کا آغاز و اختتام یہ ہے :۔

آغاز :۔

اول نام اللہ کا لے کر بعد سے رسول
کاسب کے تئیں کسب دکھایا صدرالدین انول
کسب جینا سب اوج ہے اوج نہ بوجھے سوج
سوج بوج کی توج بوجھاوے اوسے بوج عروج

اختتام :۔

عروجیت کا کسب جو تھا سو ہے اے اظہار
شاہ صدرالدین بول کو کچھ پھیر پھیر کیا تکرار
اٹھائیس ابیات سکل یو یاد رکھو اے دوست
یہ جب دیکھ کرے گا پیدا اوسے تجھے ہمہ اوست

بعد کے صفحے پر جو مزید ابیات ہیں ان کی پہلی اور آخری بیت
یہ ہے ۔

ابتدا ۔ دیکھ بوج میں جو ہو قائم اوسے ملے یو راہ
ذکر شغل جو کرے برادر ہوئے اوہی تباہ

اختتام :۔ جس پر ہوئے فضل کرم سو پاوے دیکھ اور بوج
دیکھ بوج کوں جو کوئی پاوے اوہی صاف سوج

ترقیمہ :۔

"برائے مطالعہ برخوردار چھوٹے لعل طول عمرہٗ ۔ مرقوم ۲۷ شعبان ۱۲۹۶ھ"

ترقیمے کے بعد آخری ورق پر حسب ذیل شعر لکھا ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ مصنف سنسکرت اور ہندومت سے بخوبی واقف تھا ۔

درو، اوپاسن، ہری بھجن، اور کار منی بھوگ
پیہہ　خواہش　ذکر　صحبت عورت
ظاہر باطن دیکھئے یہی تینوں روگ

اس نسخے کے کاتب نے اگرچہ اپنا نام نہیں لکھا لیکن کتاب
کے پہلے اور آخری اوراق پر ایک مستطیل مہر (جس کے گوشے کٹے
ہوئے ہیں) ثبت ہے جس پر "پاپا لعل ۱۲۹۳ھ" کندہ ہے ۔
یہ غالباً کاتب ہی کی مہر ہے جس نے اپنے فرزند چھوٹے لعل کے لئے
یہ نسخہ نقل کیا تھا ۔

یہ مخطوطہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسوان
ادارۂ ادبیات اردو کا عطیہ ہے ۔

---

(۲۶۰) طلسم اعظم [۳۴۰]

اوراق ۴۰ ۔ سطور ۱۵ متن میں اور ۲۸ حاشیہ پر
تقطیع ۶¼" × ۱۰" ۔ خط نستعلیق ۔ عنوانات سرخی میں
مصنف فضل حسین لکھنوی ۔ سنہ تصنیف ۱۲۶۳ھ
کاتب غالباً مصنف ۔

یہ ۲۲۵۰ ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں لیلیٰ مجنوں
کے قصے کو منظوم کیا گیا ہے ۔ مصنف فضل حسین ہیں جنھوں نے اپنا
نام اور وطن سبب تالیف کے عنوان میں اس طرح ظاہر کیا ہے ۔

ہے فضل حسین نام میرا　ہے لکھنؤ میں مقام میرا

کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنا سلسلۂ نسب بھی بیان
کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ۔

فضل حسین ولد شاہ ابوالمعالی ولد شاہ محمد اجمل ولد شاہ ناصر الدین

ولد شاہ خوب اللہ ولد شیخ محمد افضل۔

مصنف کا تخلص تفضل تھا وہ شیخ امام بخش ناسخ (۱۱۷۰-۱۲۵۴ھ) کے شاگرد تھے۔ ناسخ ان کے والد شاہ ابو المعالی کے دوست تھے اور جب وہ لکھنؤ سے سیاسی انقلاب اور مخالفت کی باعث دو بار نکلے تو الہ آباد میں انہی کے یہاں آکر دائرے میں پناہ لی تھی۔
اسی زمانے میں تفضل نے شاعری کا ذوق حاصل کیا اور ناسخ سے مشورۂ سخن کرنے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:۔

اوستاد کی میں نے جستجو کی   اس فن عجب کی آرزو کی
طالع جو تھے ارجمند میرے   مطلب فوراً گری پر آئے
اک شیخ امام بخش ناسخ   جن کا ہے کلام سب کا ناسخ
سردفتر شاعران عالم   استاد (؟) ماہران عالم
لائے تشریف دائرے میں   تشریف شریف دائرے میں
میرے ہی مکاں میں آئے اترے   کی جی سے ملازمت جو اون سے
آخر درخواست میں نے یہ کی   شاگردی ہو قبول میری
کی عرض انہوں نے میری منظور   تعلیم ہوئی پھر ایسی منظور
تھوڑے ہی دنوں میں بڑھ گئی طبع   لائی خبر آسمان کی طبع

اسی سلسلہ میں ختم کتاب سے قریب مصنف نے جو مناجات لکھی ہے اس سے بھی ان کے کچھ خانگی حالات کا پتہ چلتا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت بہت مقروض تھے۔ اور بہت لوگ ان سے حسد کرتے تھے۔ ان کو اولاد نرینہ کی آرزو تھی کیونکہ اس وقت تک ان کے سات اولادیں ہوئی تھیں جن میں سے صرف ایک لڑکی بقید حیات تھی۔

سبب تالیف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ کٹڑے کی سرائے میں ایک تاجر آیا اور قصہ کہانیوں کی بہت سی کتابیں اپنے ساتھ لایا۔ دوست احباب نے دلچسپی اور وقت گزاری کی خاطر اس کے یہاں سے کتابیں لانے کی ٹھانی چنانچہ اس طرح ایک قصۂ لیلیٰ مجنوں ہاتھ لگا جو ہوس کی تصنیف تھا۔ دوستوں نے اس کو پسند کیا اور تفضل حسین کو مجبور کیا کہ اس کو نظم میں لکھ دیں۔ چنانچہ دوستوں کے اصرار پر یہ مثنوی قلمبند کی گئی ہے۔

مصنف نے جس ہوس کا ذکر کیا ہے وہ مرزا تقی ہوس ابن مرزا علی خاں لکھنوی تھے جو نواب آصف الدولہ اور سالار جنگ کے ایک ذی علم رشتہ دار تھے۔ ہوس نے مصحفی سے مشورۂ سخن کیا اور قصۂ "مجنوں ولیلیٰ" تالیف کیا (دیکھو تذکرۂ عشقی اور طبقات سخن اور اسپرنگر کی فہرست کتب خانہ جات شاہان اودھ)

کتاب کی ابتدا حمد و نعت و معراج کے طویل حصوں سے کی گئی ہے جس کے بعد سبب تالیف لکھ کر داستان کا آغاز کیا ہے۔
مثنوی کا نام آخر کتاب میں اس طرح درج ہے:۔

نام اس کا رکھا طلسم اعظم   اور آگے نہ بول بند کر دم

اسی طرح آخری ابیات میں تاریخ تصنیف بھی لکھ دی گئی ہے۔

آغاز:۔

کیا خامہ ہے صرف حمد باری   کی جس نے ہزار نقش کاری
پیدا کئے خاک سے گل تر   عاشق کیا بلبلوں کو اوس پر

اختتام:۔

ہاں ہو تاریخ کی جو خواہش   کچھ کرنے نہیں ضرور کاوش
کہنا سرآہ جو ہو سائل   شور نمک جراحت دل
۱۲۶۳ھ

ترقیمہ:۔

"الحمد للہ علی احسانہ کہ یہ مثنوی مسمی بہ طلسم اعظم چودہ گھنٹے میں آغاز ہو کر انجام کو پہونچی۔ اس مثنوی کے ناظرین سے یہ امید ہے کہ جب اس مثنوی کو پڑھیں تو مصنف کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔"

اس ترقیمے کے انداز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ غالباً مصنف ہی کا مکتوبہ ہے۔ اس کا مصنف شاعر کی حیثیت سے مشہور نہیں ہے اور یہ مثنوی طبع ہوئی ہے یا نہیں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہ نسخہ محترمہ بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر کا عطیہ ہے۔

---

(۲۶۱) مذہب عشق [۷۱۳]

اوراق ۹۲۔ سطور ۱۸۔
تقطیع ۶½ × ½ ۱۰۔ خط نستعلیق۔
مصنف۔ نہال چند لاہوری۔ سنہ تصنیف ۱۲۱۷ھ۔
کاتب۔ محمد عمر۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔
بمقام مچھلی بندر۔

یہ نہال چند لاہوری کے ترجمۂ قصہ گل بکاولی کا ایک مکمل نسخہ ہے اردو نثر کی یہ کتاب فورٹ ولیم کالج میں لکھوائی گئی تھی اور اس کے دو اور نسخے (مکتوبہ ۱۲۵۱ھ و ۱۲۷۰ھ) ادارے میں محفوظ ہیں۔ جن کا ذکر اس تذکرے کے صفحات ۱۱۵ و ۱۱۶ پر درج ہو چکا ہے اس لئے مزید تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ اس نسخے کے ترقیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف سے چالیس پچاس سال بعد بھی اس کتاب کو انگریزوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

آغاز:۔

"الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول
گلستاں حمد و ثنا کی ہمیشہ بہار کا باغبانِ حقیقی کو سزاوار ہے کہ اس طرفہ بوستانِ جہاں نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت بے اندازہ اُس کے روضۂ رضواں سے پائی۔"

اختتام:۔

"والا اتنا فرق نہ ہوتا۔ جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو شاہ جہاں نامے کے اس مقام کو جہاں وہ احوال ہے ملاحظہ کرے۔"

ترقیمہ:۔

"یہ کتاب ترجمۂ بکاولی مذہب عشق نام، ہفتے کے روز تین پہر کے وقت اٹھتیسویں جمادی الاول کی ۱۲۵۸ سنہ ہجری مطابق گیارھویں جولائی کی ۱۸۴۲ سنہ عیسوی میں عاصی کمتر خاکپائے منشیانِ قدیم و جدید منشی محمد عمر ولد عبدالرحمٰن دلس ڈیوٹی کے ہاتھ سے شہر مچھلی بندر کے درمیان انگریز پالم کے بیچ تحریر پائی۔"

اس نسخے کے ابتدائی اور آخری اوراق پر ایک بیضوی مہر ثبت ہے جس پر "منور علی ۱۲۵۶ھ" کندہ ہے۔ اور سرورق پر ایک انگریز "جورج فلپ منرو" نے اردو میں سرخ روشنائی میں دستخط کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اس کی ملک تھا اور غالباً اسی کی تعلیم کی خاطر نقل کیا گیا ہے۔

سرورق پر جو عبارت درج کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۵ء مطابق ۱۲۲۰ھ میں کلکتے کے ہندوستانی چھاپے خانے میں چھاپی گئی تھی۔

یہ نسخہ محترمہ بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسواں ادارہ کا عطیہ ہے۔

---

(۲۶۲) مجموعۂ مناجات [۸۰۴]

اوراق ۱۰ - ۲۰ اشعار فی صفحہ -
تقطیع ۱/۲ ۵" × ۹" - خط نستعلیق -
مصنف - فقیر و ناقص - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۷۵ھ
کاتب محمد اسد علی - سنہ کتابت ۱۳۰۵ھ -

اس مجموعے میں ۵ مناجاتیں ہیں جن کو دکن کے شریف خاندانوں کی خواتین محفل میلاد میں خاص اعتقاد سے پڑھا کرتی تھیں - ہر مناجات کسی خاص تقریب یا موقع پر پڑھی جاتی تھی - ان کی تفصیل یہ ہے -

مناجات اول - از فقیر - مثنوی کی شکل میں نعتیہ نظم ہے - جس میں جملہ ۲۵ ابیات ہیں - اس کے مصنف غالباً میر شمس الدین فقیر تھے جنھوں نے دکن میں بھی قیام کیا تھا اور حج سے واپس ہوتے وقت ۱۱۸۱ھ میں جہاز کی تباہی کے باعث غرقاب ہوگئے - (تفصیل کے لئے دیکھو یادگار شعرا ص۱۵۸)

آغاز:—

رسول اللہ جدائی سے تمہاری — ہوئی ہے بیکسوں پر بے قراری
حبیب حق شفیع المذنبیں ہو — مقرر رحمۃ للعالمیں ہو

اختتام:—

وہاں تب امتی کہتے ہو آؤ — گناہوں کو گنہ گاروں سے بخشاؤ
فقیر بے سروساماں کو للہ — وہاں سے لے چلو قدموں کے ہمراہ

مناجات دوم - ۲۱ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - ممکن ہے کہ یہ بھی فقیر ہی کا کلام ہو -

آغاز:—

ہو تم شفیع محشر یا مصطفےٰ محمدؐ — جن و بشر کے سرور یا مصطفےٰ محمدؐ
تم سا نہ کوئی ہوا ہے اور حشر تک نہ ہوگا — دونوں جہاں کے اوپر یا مصطفےٰ محمدؐ

اختتام:—

جو بندگی کریں گے ان کی خوشی سے گزرے
ہم عاصیوں کی کیونکر یا مصطفےٰ محمدؐ
ابر کرم سے تیرے یک قطرہ ہے کفایت
دھوئیں گے سب کے دفتر یا مصطفےٰ محمدؐ

مناجات سوم - از ناقص - یہ ۱۷ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں خدائے تعالی سے اعمال نیک کی ہدایت چاہی گئی ہے - خواجہ محمد ناقص ولد خواجہ مظفر ملکاپوری (۱۲۱۶ھ - ۱۲۹۳ھ) ملکاپور (برار) کے قاضی تھے - فارسی و اردو دونوں میں شعر کہتے تھے - (تفصیل کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد دوم ص۱۰۵۶ - ص۱۰۱۱) - ممکن ہے یہ نظم ناقص ملکاپوری ہی کی ہو کیونکہ یہ بیاض جن خاتون کے لئے مرتب کی گئی تھی وہ برار ہی میں بیاہی گئی تھیں -

آغاز:—

اے مومنو یہ دنیا دو دن کی زندگانی
یا کھیل یا تماشہ یا خواب یا کہانی

اختتام:—

ناقص خموش ہو جا کب تک یہ شور و غوغا
رکھ دل میں یاد مولا بس کر یہ قصہ خوانی

مناجات چہارم - از ناقص - یہ ایک طویل مسدس ہے جس میں ۷ بند ہیں اور جس کے ہر بند کا آخری شعر وہی ہے جو پہلے بند کے آخر میں درج ہے - اس مسدس میں رمضان کی برکتوں کو بیان کیا گیا ہے - اس کا مصنف بھی وہی ہے جس کا ذکر مناجات سوم کے بیان میں کیا گیا ہے -

آغاز - بزرگی سے اس ماہ رمضان کے — کھلا باب احسان رحمان کے
ہوئے قافلے قید شیطان کے — کئے سر سجدے سے ملک آن کے

الہٰی تو برکت سے قرآن کے — گنہ بخش سب اہلِ ایمان کے

اختتام :-

جو ناقص گنہگار ہے بے نوا — نہیں آسرا اس کو تیرے سوا
گنہ بخش سب اوس کے اے کبریا — دو عالم کی آفت سے اوس کو بچا
الہٰی تو برکت سے قرآن کے
گنہ بخش سب اہلِ ایمان کے

مناجات پنجم - از ناقص (؟) یہ بھی ایک مسدس ہے جس میں ۶ بند ہیں - ہر بند میں مناجات نمبر ۴ کی طرح آخری مصرع مشترک ہے - مصنف کا تخلص درج نہیں غالباً یہ بھی ناقص ہی کی تصنیف ہے - اس نظم میں تراویح کے فوائد درج ہیں اور غالباً رمضان کی آخری رات "ختم" کے وقت پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہے -

آغاز :-

تراویح موج ہے دریا دلوں کی — تراویح فوج ہے سب مومنوں کی
تراویح حل ہے سارے مشکلوں کی — تراویح شب (؟) ہے سب غافلوں کی
ہوا آخر یہ اتمام تراویح
چلے راحت لیے ایام تراویح

اختتام :-

برکت سے تراویح کے الہٰی — دفع کر اہلِ ایماں کی تباہی
دلوں سے دھو گناہوں کی سیاہی — دے رحمت دین و دنیا کی کمائی
ہوا آخر یہ اتمام تراویح
چلے راحت لے ایام تراویح

ترقیمہ :-

"فقط المرقوم ۱۲ ماہ شوال ۱۳۰۵ھ - ایں مناجات برائے
حضرت پھپو صاحبہ قبلہ نوشتہ دادہ شد - کمترین محمد اسد علی"

اس نسخے کے کاتب محمد اسد علی محمد...... ولد عبدالسلام کہ فرزند تھے اور حضرت قادر بی بی صاحبہ کے حقیقی بھتیجے - موصوفہ کے کتب خانہ کی جملہ کتابوں کی طرح راقم الحروف نے یہ مخطوطہ بھی ادارے میں بطور تحفہ داخل کیا ہے -

---

(۲۶۳) مجموعۂ مولود شریف [۸۰۵]

اوراق ۵ - ۱۸ شعر فی صفحہ -
تقطیع ۵½" × ۹" - خط نستعلیق -
مصنف - ندا، مسعود، دستگیر، مسکین - زمانہ تصنیف قبل ۱۲۷۰ھ
کاتب - محمد صدرالدین خطیب - سنہ کتابت ۱۳۱۶ھ -

اس مجموعے میں ۷ قصائد، منقبت اور نعتیہ غزلیں محفوظ ہیں جن کو نصف صدی قبل دکن کی خواتین محفل میلاد میں پڑھا کرتی تھیں اور بعض خاندانوں میں یہ رواج اب بھی باقی ہے -

ان سب نظموں کی تفصیل یہ ہے -

۱ - قصیدہ ندا - یہ ایک دکنی شاعر ندا کا ۱۵ اشعار کا قصیدہ ہے جس میں نعتیہ مضامین درج ہیں - ندا دکنی کا ذکر خوب چند ذکا دہلوی نے اپنے تذکرۂ عیار الشعرا (۱۲۰۸ھ - ۱۲۴۷ھ) میں کیا ہے -

مطلع - یارو مدینہ پاک کو اب جائیں گے چلو
روضے کو پاک رسول کے اب جائیں گے چلو
مقطع - راضی نہیں ہوں ہند کی مٹی سے اے ندا
یثرب میں رہ کے بس وہیں مر جائیں گے چلو

۲ - غزل مسعود - یہ ۹ اشعار کی ایک غزل ہے جس میں محفل میلاد کی برکتوں کو واضح کیا گیا ہے - مسعود کوئی دکنی شاعر ہیں حالات معلوم نہ ہو سکے -

مطلع - نورِ خدا محفل میلاد ہے — صلِ علیٰ محفل میلاد ہے
مقطع - اس غزل نعت کو مسعود پھر پڑھ کے سنا محفل میلاد ہے

۳ - غزل حبیب - یہ ۶ اشعار کی ایک غزل ہے جس میں عاشقانہ

مضامین ہی میں درج ہیں غالباً یہ غزل حبیب علی شاہ کی ہے جن کی کتاب حبیب العاشقین کیلئے دیکھو ص ۲۲۶

مطلع ۔ پیر بن مدعا نہیں ملتا خضر بن راستہ نہیں ملتا

مقطع میں خود اپنے کو ڈھونڈھتا ہوں حبیب

مجھ کو میرا پتہ نہیں ملتا

۴ ۔ غزل مسکین ۔ حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی کی منقبت میں ۸ اشعار کی ایک غزل ہے ۔ اس کے مصنف محمد نعیم مسکین شاہ حیدرآباد کے ایک بڑے صوفی اور شاعر و ادیب تھے ۔ ان کی ایک کتاب مراقبات سلوک (۱۲۷۶ھ) کا مخطوطہ ادارے میں محفوظ ہے ۔ (دیکھو نمبر ۲۱۰)

مطلع یا غوث اعظم امداد کیجیے

ہم عاجزوں کا دل شاد کیجیے

مقطع ۔ بے زاد توشہ میں ہوں مسافر

مسکین کو ۔ ۔ ۔ ۔ امداد کیجیے

۵ ۔ غزل مسکین ۔ یہ ایک نعتیہ غزل ہے جس میں ۹ شعر ہیں ۔ مسکین کے حالات کے لئے دیکھو مخطوطہ نمبر ۱۷۲ ۔

مطلع ۔ غریبوں سے مل جاؤ معراج والے

تمنا یہ بر لاؤ معراج والے

مقطع جدا ہو نہ خواجہ سے مسکین بندہ

تمنا یہ بر لاؤ معراج والے

۶ ۔ غزل دستگیر ۔ ۸ اشعار کی ایک نعتیہ غزل ہے جس کے مصنف غیر معروف ہیں ۔

مطلع کیا بیاں وصف کرے بندۂ ادنی تیرا

نہ ہوا حال فرشتوں پہ ہویدا تیرا

مقطع ۔ واسطہ دے کے محمدؐ کا دعا کر حق سے

دستگیر آج ہی حل ہوتا ہے عقدہ تیرا

۷ ۔ غزل نعتیہ ۔ یہ ۱۰ اشعار کی ایک نعتیہ غزل ہے ۔ مصنف کا تخلص معلوم نہ ہو سکا ممکن ہے کہ بندہ تخلص ہو ۔

مطلع ۔ قاصدے چل مجھے نبیؐ تک

لے دیتا ہوں تجھے میں جی تک

مقطع بندۂ خواجہ جدا نہ رہنا

قاصدے چل مجھے نبیؐ تک

ترقیمہ ۔ (مخطوطے کے سرورق پر درج ہے نہ کہ آخر میں)

"ایں کتاب حضرت جناب قادر بی بی صاحبہ است ۔ المرقوم ۲۹ شعبان ۱۳۱۶ھ بقلم محمد صدر الدین خطیب"

قادر بی بی صاحبہ کے کتب خانے کے جملہ قلمی نسخے ادارے میں بطور عطیہ داخل کئے گئے ہیں جن میں سے کئی اس تذکرے میں بھی شامل ہیں

---

(۲۶۴) مسدس اکبر ۱۶۷

اوراق ۔ ۷ ۔ سطور ۱۶

تقطیع ۔ ۸½ × ۸½ ۔ خط نستعلیق ۔

مصنف میر کاظم علی خاں شعلہ ۔ سنہ تصنیف ۱۲۸۷ھ

کاتب مصنف ۔ سنہ کتابت ۱۲۸۷ھ

یہ ایک طویل رجبیہ مسدس ہے جس میں ۵۲ بند یعنی ۱۵۶ اشعار ہیں ۔ یہ نسخہ مصنف کا مسودہ ہونے کی وجہ سے بہت اہم ہے ۔ اس کے مصنف میر کاظم علی خاں شعلہ (۱۲۵۲ھ ۔ ۱۳۰۸ھ) میر احمد علی خاں شہید دہلوی (متوفی ۱۲۹۲ھ) کے فرزند تھے جو حضرت سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں حیدرآباد آئے اور حضرت ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کے عہد میں خلعت و خطاب میر الشعرا سے سرفراز ہوئے ۔ (تفصیل کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد اول ص ۵۰۲)

شعلہ کا سلسلۂ نسب سربلند خاں دلاور جنگ مبارز الدولہ مبارز الملک صوبہ دار گجرات تک پہنچتا ہے ۔ حیدرآباد میں پیدا ہو

دارالعلوم میں تعلیم و تربیت پائی اور مختلف محکموں میں ملازمت کی۔ ان کے دو فرزند (نوازش علی لمعہ اور نادر علی رعد) بھی دکن کے اچھے شاعروں میں شامل رہے ہیں۔ ان کے پوتے حکیم میر کاظم علی برق ایک نوجوان خوش ذوق شاعر آج کل موجود ہیں اور یہ مخطوطہ انہی کا عطیہ ہے۔ شعلہ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو محبوب الزمن جلد اول ص۵۲۲ اور تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ہفتم ص۸۹۔

شعلہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ اس مسدس میں انہوں نے میر اکبر علی خاں (اکبر جنگ اکبر الدولہ اکبر الملک کوتوال بلدۂ حیدرآباد) کی مدح لکھی ہے اور غالباً عید الضحیٰ کے موقع پر یہ مسدس ممدوح کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ میر اکبر علی خاں انگریزوں کی طرف سے افریقہ کی لڑائی میں کارہائے نمایاں انجام دے کر اسی زمانہ میں واپس ہوئے تھے اور برطانوی حکومت سے ستارۂ ہند یعنے سی آئی ای کا اور حکومت نظام سے خاں بہادر کا خطاب حاصل کیا تھا۔

اس مسدس میں ان تمام امور کا تذکرہ ہے۔ شاید اس زمانے میں یہ خبر بھی مشہور تھی کہ اکبر علی خاں کو حکومت برطانیہ ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں کوئی ریاست بھی دے گی۔ چنانچہ اس کی طرف بھی اس مسدس میں واضح اشارے ملتے ہیں۔ اور بعض جگہ شاعر اپنے ممدوح کو ایک فرماں روا کی طرح مخاطب کرتا ہے۔ اکبر علی خاں کو ریاست تو نہ ملی البتہ ۱۴ سال بعد ۱۳۰۱ھ میں وہ حیدرآباد کے کوتوال مقرر ہوئے اور اکبر جنگ کا خطاب ملا۔ اس کے ۱۵ سال بعد ۱۳۱۶ھ میں شاعر کی یہ آرزو بھی پوری ہوئی کہ ممدوح کو دولہ اور ملک کے خطاب ملیں۔ چنانچہ وہ اکبر الدولہ اور اکبر الملک بنائے گئے۔ اکبر جنگ کے تفصیلی حالات ان کی مطبوعہ سوانح عمری میں درج ہیں اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

یہ مسدس خود مصنف کا مسودہ ہے۔ جگہ جگہ حاشیہ پر مصرعوں اور الفاظ میں تبدیلی کی گئی ہے اور کاٹ چھانٹ نمایاں ہے۔ بطور ترکیب بند لکھا گیا ہے یعنے ہر بند کا آخری شعر پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

آغاز:—

بیاں جمشید کا جب تک شکوہ و شوکت و فر ہو
مکاں تا شمع اوصافِ فریدوں سے منور ہو
چراغِ بزمِ جہاں تا ذکرِ اقبالِ سکندر ہو
جہاں تا اسمِ اعظم کا سلیماں کے مسخر ہو
شریکِ مہر تو فرمانروائے ہفت کشور ہو
اطاعت کا بھی حلقہ زیبِ گوشِ چرخِ چنبر ہو

اختتام:—

اثر جب تک دعا میں اور دعا جب تک رہے دل میں۔

ہو دل پہلو میں اور پہلو تن آرام مایل میں
تنِ آرام مایل تا رہے دنیا کی منزل میں
بنائے منزلِ دنیا طلسم الصار عاقل ہو
الٰہی دولت دنیا و دیں تم کو میسر ہو
توجہ کی نظر مبذول ہو شعلہ ثنا گر ہو

اس کے بعد دوسرے صفحے سے اور نئے بند شروع کئے گئے ہیں جن کے آخر میں اکبر علی خاں کی افریقہ سے کامیاب واپسی کی مبارک بادد دی ہے اور تاریخ نکالی ہے۔ اس حصہ کا آخری بند یہ ہے:۔

ہوا ذکرِ سخا سرکار کا مشہور حاتم سا
رہا نام دلاور شہرۂ آفاق رستم سا
طلوعِ کوکبِ اجلال ہو یارب کے و جم سا
مبارک دورۂ ملک آپ کو ہو مہر عالم سا
یہ سال بازگشت اس طرح دل بولا ثنا گر ہو
سفر سے تازہ آنا آپ کا یہ سعد اکبر ہو
۱۲۸۷ھ

یہ نسخہ شعلہ کے نمبر ے میر کاظم علی برق موسوی کا عطیہ ہے جو شعبان ۱۳۵۹ھ میں ادارے میں داخل ہوا۔

(۲۶۵) ریختہ ہندی کی صرف نحو [۲۳]

اوراق ۳۰۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ۶" × ۸½"۔ خط نستعلیق۔ عنوان سرخی میں۔

زمانہ تصنیف۔ قبل ۱۲۲۵ھ۔

کاتب۔ عبدالکریم۔ سنہ کتابت ۱۲۳۸ء۔

یہ اردو نثر میں صرف و نحو پر ایک رسالہ ہے جس کے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا۔ غالباً ۱۲۲۵ھ سے قبل کی تالیف ہے اور چونکہ اس موضوع کی ابتدائی اردو کتابوں میں سے ہے اس لئے نہایت اہم ہے۔ مولف نے نہایت باضابطہ اور اصولی ترتیب پر یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

مقالہ اول۔ مفردات۔

بحث اول۔ اسم کا بیان۔

باب اول۔ تقسیم اسم۔ نوع اول جامد۔ نوع دوم مصدر
نوع سیوم مشتق۔ (قسم اول اسم فاعل۔
قسم دوم اسم مفعول قسم سیوم اسم حالیہ۔
قسم چہارم اسم تفضیل)

باب دوم۔ اسم باعتبار تعین تقسیم۔ نوع اول علم۔
نوع دوم ضمیر۔ (قسم اول ضمیر فاعل۔
قسم دوم ضمیر مفعول قسم سیوم ضمیر مضاف الیہ)
نوع سیوم اشارہ۔ نوع چہارم اسماء موصول۔

باب سیوم۔ تقسیم اسم باعتبار دلالت کرنے اوپر معنی کے۔
قسم اول زوائد آخر قسم دوم زوائد اول۔

باب چہارم۔ تذکیر و تانیث واحد و جمع فصل اول عدم تبدیل۔ فصل دوم جمع کا عام قاعدہ
فصل سوم اقسام تذکیر و تانیث۔
فصل چہارم۔ حالت اسم۔ فصل پنجم
وحدت و جمع اسماء غیر متبدلہ

بحث دوم۔ فعل کا بیان۔

باب اول۔ فعل بناء ماضی۔

باب دوم۔ اقسام فعل۔ نوع اول متعدی بنفسہ
(چار فصلیں اور کئی نوع ہیں)

باب سوم۔ فعل مجازی۔ (کئی ذیلی عنوان ہیں)

بحث سوم۔ حروف کا بیان (کئی ذیلی عنوان ہیں)

مقالہ دوم۔ مرکبات۔

بحث اول۔ مرکب غیر کلامی۔

نوع اول توصیفی نوع دوم اضافی۔ نوع سیوم تعدادی۔ نوع چہارم امتزاجی۔

بحث دوم۔ کلام و جملہ۔

قسم اول اسمیہ۔ قسم دوم فعلیہ۔

خاتمہ

فصل اول حال۔ فصل دوم تمیز فصل سوم توابع
(نوع اول کی چار قسمیں اور نوع دوم میں توابع کا بیان) فصل چہارم بعضے فوائد کا بیان۔

اس طرح پوری کتاب دو مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اور جملہ مباحث نہایت سادہ زبان میں پوری وضاحت کے ساتھ درج کئے گئے ہیں

آغاز:۔

"یہ رسالہ زبان ریختہ ہندی کی صرف نحو میں مشتمل ہے دو مقالہ پر۔

مقالۂ اول مفردات ۔ کلمہ وہ لفظ کہ موضوع ہووے واسطے
ایک معنی مفرد کے ۔ یہ شامل ہے تین بحث پر"

اختتام :۔

" حال بغیر ماضی بعید وقریب کے اور ماضی مطلق کہ سوائے ہم
کے ساتھ نہیں ہو سکتا اور ماضی استمراری کو حال نہیں گردانتے
ہیں"

ترقیمہ :۔

" تمت بالخیر والعافیت بالصورت بعون الملک الوہاب الغفور
تمت تمام شد شہر ربیع ۱۲۳۱ھ"

یہ کتاب دو فارسی مخطوطوں زائچہ امان اللہ حسینی اور جامع القوانین
کے درمیان درج ہے ۔ سب کا کاتب ایک ہی عبدالکریم ہے جس نے
ہر کتاب کے آخر میں کچھ نہ کچھ ترقیمہ لکھا ہے ۔ ان تینوں ترقیموں سے
پتہ چلتا ہے کہ کاتب نے چند ماہ کے اندر ہی یہ تینوں کتابیں نقل
کی ہیں ۔ پہلی کتاب کے ترقیمے کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے کیونکہ
اس سے کاتب کا نام اور جس دوست کی خاطر یہ کتابیں نقل کی
گئی ہیں اس کا نام بھی معلوم ہوتا ہے ۔

" بتاریخ بیست وپنجم شہر ذیقعدہ روز دوشنبہ وقت عصر سنہ
یک ہزار و دو صد و سی وہشت ہجری بہ پاس خاطر برخوردار
نورالابصار سعادت یار کامگار، گل روضۂ مروت، ثمرۂ دوحۂ
فتوت، خال رخسارۂ خوبی، غازۂ عارض محبوبی، محب واثق،
دوست صادق، عزت آثار، فضیلت دثار، مرزا دلدار علی
طال اللہ عمرہ و اعز قدرہ از دست عاصی عبدالکریم صورت
اتمام پذیرفت"

---

(۲۶۶) ترجمۂ آمد نامہ [۸۰۸]

اوراق ۴۸ ۔ سطور ۱۲ ۔
تقطیع ۶½ × ۱۱ ۔ خط نستعلیق ۔
اردو ترجمہ سرخ روشنائی میں ۔
زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۵۰ھ ۔
کاتب ۔ سید عارف ۔ سنہ کتابت ۱۲۳۱ھ ۔
بمقام قلعۂ کرپہ ۔

یہ فارسی کی مشہور درسی کتاب "آمد نامہ" کا اردو ترجمہ ہے
جس کے مصنف اور زمانۂ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ اگرچہ ۱۲۳۱ھ
میں یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے لیکن زبان کے لحاظ سے غالباً وسط
بارھویں صدی ہجری کی تالیف ہے ۔ فارسی عبارت اوپر کی سطروں
میں سیاہی سے لکھی گئی ہے اور نیچے کی سطر میں (سرخ روشنائی میں)
اردو ترجمہ درج ہے ۔ لیکن یہ التزام آخر تک باقی نہیں ہے ۔
صرف ابتدائی پانچ فصلوں کا (یعنے ابتدائی ۶۶ صفحات) ترجمہ
ہے ۔ بقیہ صفحات میں صرف فارسی ہے اردو کی جگہ خالی رہ
گئی ہے ۔ آغازی و اختتامی حصے (صرف اردو کی حد تک) یہاں
درج ہیں ۔

آغاز :۔

آنا ۔ آیا ۔ آوے ۔ آتا ہے ۔ آیا تھا ۔
آتا تھا ۔ آوے گا ۔ چاہتا ہے آوے ۔ سکتا ہے آوے ۔
آیا ۔ کیوں آیا ۔ کس واسطے آیا ۔ آیا ہے ۔ آ ۔ مت آ ۔
آئے ہارا ۔ آئے ہارے ۔ آئے ہیں ۔ آیا توں ۔ آئے تم ۔

اختتام :۔

سوکنا ۔ سوکے ۔ سوکنہارا ۔ مدد ۔ کر ۔ سکنا ۔ سکانا ۔
دس دینا ۔ خلل ۔ کرم ۔ خیال ۔ علاقہ ۔ فصل ششم ۔

سکنا۔ سکے۔ سکنہارا۔"

اس نسخے کے آخر میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے لیکن اس جلد میں اسی کاتب کی جو دیگر فارسی کتب (طوطی نامہ سید محمد قادری اور انشائے صبیان) شامل ہیں ان کے ابد ترقیمے موجود ہیں۔ یہ ترجمۂ آمد نامہ درمیان میں درج ہے۔ طوطی نامہ کے ترقیمہ کا اقتباس یہ ہے:۔

"تاریخ پانزدہم شہر جمادی الاول بوقت سہ پاس روز جمعہ کہ شہر کڑپہ اندرون قلعہ بحویلی رندی نواب معلی القاب نوشتہ شد کہ کاتب این کتاب سید عارف ولد سید محمد ولد سید قاضی عبداللہ ولد سید مصطفیٰ ۱۲۳۱ھ ہجری۔"

---

(۲۶۷) کشف الخلاصہ [۸۰۹]

اوراق ۲۳۔ سطور ۱۰۔

تقطیع ½۵ × ۸ خط نستعلیق۔

مصنف۔ حافظ شجاع الدین۔ سنہ تصنیف ۱۲۳۲ھ

کاتب۔ خان محمد۔ سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ۔

حافظ میر شجاع الدین حسین کی اس اردو مثنوی کا ایک اور نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔ اس کے متعلق تفصیل کے لئے دیکھو تذکرۂ ہذا مخطوطہ ۱۳۹ (۱۴۲)۔ یہ نسخہ اس کتاب کے مذکورہ مخطوطے سے چار سال قبل نقل ہوا ہے اور زیادہ صحیح اور مکمل ہے۔ اس میں تقریباً ۴۲۵ ابیات ہیں۔ کشف الخلاصہ مسائل فقہ میں ایک مستند کتاب ہے جس کی اکثر ابیات اب تک حیدرآباد کی شریف خواتین کو یاد ہیں۔

آغاز:۔

سب ثنا ہے حضرت رحمان کو جان و عقل و دین دیا انسان کو
فضل سے اپنے ہمیں قرآں دیا اس میں امر و نہی سب روشن کیا

اختتام:۔

آل اہل بیت اصحاب اجمعین تابعین اور بعد تبع التابعین
بعد ازاں سب مومنات و مومنین استجب مولائے رب العالمین

ترقیمہ:۔

"تمت تمام شد کار من نظام شد کتاب کشف الخلاصہ تصنیف میر شجاع دین کتاب رسالۂ خلاصہ تمام بوقت بر آمدن چہار گھڑی روز بروز پنجشنبہ و بتاریخ نوزدہم شہر ذی قعدہ ۱۲۵۸ ہجری۔ بمکان سید علی مستاجر ولد سید پیر در موضع چیکٹ پامڑی۔ کاتب الحروف خان محمد ولد محمد مولانا صاحب ساکن بیجاپور عرف قصبۂ اندول جوگی پیٹھ۔"

آخری ورق پر حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی ایک فارسی غزل بھی درج ہے جس کا مقطع یہ ہے:۔

نعمت اللہ خفیہ حضرت او چاکر خواجہ ام خفی و جلی

یہ نسخہ مخدوم صاحب کی ملک رہ چکا ہے جنھوں نے ۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۵ھ کو اس کے مطالعہ کی تکمیل کی تھی اور ورق ۲۲ ل پر بطور یادداشت اپنے مطالعہ کا دن اور تاریخ درج کی ہے۔ یہ مخدوم صاحب غالباً وہی قاضی محمد مخدوم ہیں جو حضرت قادر بی بی بنت عبدالسلام کے بڑے بھائی تھے اور عام طور پر مخدوم صاحب کے عرف سے مشہور تھے اور جن کی ہمشیرہ قادر بی بی مرحومہ کے متعدد قلمی نسخے ادارے میں راقم الحروف نے بطور عطیہ داخل کئے ہیں۔

---

(۲۶۸) قصۂ شہیداں [۸۱۰]

اوراق ۴۷ ۔ سطر ۱۱ ۔
تقطیع ۶×۹ ۔ خط نستعلیق معمولی ۔
مصنف ۔ ناطق ۔ سنہ تصنیف قریب ۱۲۴۰ھ ۔
کاتب ۔ ،، ،، ۔ سنہ کتابت ،، ،،

یہ تقریباً ایک ہزار ابیات کی مثنوی ہے جو خود مصنف کا مسودہ ہے ۔ اس میں عہد سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے ایک مشہور تاریخی واقعے کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اواخر ذالحجہ ۱۲۳۷ھ و اوائل محرم ۱۲۳۸ھ میں حیدرآباد کے مہدوی افاغنہ اور دوسرے مسلمانوں کے آپس میں کشمکش پیدا ہوگئی ۔ چنانچہ اول الذکر نے میر عالم کے جلوخانہ کی مسجد میں مولوی عبدالکریم اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ۔ اور شہر کے دوسرے مسلمانوں نے بدلہ لینے کی خاطر مہدویوں کے صدر مقام چنچل گوڑے پر حملہ کیا ۔ اس لڑائی میں چندو لال اور منیر الملک کے بیچ بچاؤ کے باوجود طرفین کے بہت سے آدمی ہلاک ہوئے اور کئی روز تک حیدرآباد میں ہلچل مچی رہی ۔

اس کتاب کا مصنف غالباً اس ہنگامۂ کارزار میں شریک تھا وہ خود ایک پرجوش مہدوی ہے اور اپنے ہم مذہبوں کی سرفروشیوں اور ذوق شہادت کو اس نے خاص اعتقاد اور گرمجوشی سے قلمبند کیا ہے ۔ چونکہ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے اس لئے سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ خود مصنف کا مسودہ ہے کیونکہ تقریباً ہر صفحے پر اصلاح اور تبدیلی الفاظ و اشعار موجود ہے ۔ اصل کتاب سے قبل ایک دیباچہ لکھا ہے جو حمد و نعت و مدح صحابہ سے شروع ہوتا ہے جس کے بعد مصنف نے حسب ذیل مہدوی بزرگوں کی مدح الگ الگ عنوان کے تحت لکھی ہے ۔

حضرت مہدی موعود اور ان کے پانچ اصحاب
حضرت بندگی میاں سید قاسم
حضرت میاں سید نجم الدین
حضرت میاں سید ابراہیم عرف بڑے میاں صاحب
شان فقرائے گروہ حضرت مہدی موعود ۔
حضرت روشن میاں صاحب عرف شہید اکبر ۔

چونکہ موخرالذکر بزرگ اسی معرکے میں شہید ہوئے تھے اس لئے ان کے تذکرے کے بعد ہی اصل قصہ نئے صفحہ سے شروع کیا ہے ۔ دیباچہ بھی کافی طویل ہے ۔ یعنے ۱۴ صفحات اور تقریباً ۱۵۰ ابیات پر مشتمل ہے ۔

مصنف نے اپنا تخلص حسب ذیل ابیات میں لکھا ہے :-

اوسی گھر کا ہے خانہ زاد ناطق   رہے گا قبر میں بھی شاد ناطق (ورق ۵ ا)

یہ بیت حضرت میاں سید ابراہیم کی مدح کے آخر میں درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو ان کے خاندان سے نسلی یا بیعتی تعلق تھا ۔

یہاں موقوف یہ ناطق بیاں کر   تو ذکر مہدویاں اب عیاں کر (ورق ۲۱ ا)

یہ بیت اس موقع پر لکھی ہے جب کہ حیدرآباد کے مسلمان مہدویوں کے مقابلے کے لئے بڑی دھوم دھام سے نکل کر یاقوت پورے کے دروازے کے باہر پہنچے تھے اور شیو پرشاد نے انور خاں کو اس کی اطلاع دی تھی ۔

یہ کتاب تاریخی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں اس معرکے کی اتنی تفصیل درج ہے کہ شاید ہی کسی اور کتاب یا تاریخ میں موجود ہو ۔ مناقشے کی ابتداء مولوی عبدالکریم کی شہادت، منیر الملک، چندو لال اور سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی مفاہمت کی کوششیں، مسجد کے جلسے،

قاضی بلدہ کی صلح کی کوشش اور پھر معرکے کا بیان نہایت شرح و بسط سے درج ہے ۔ مہدویوں اور دوسرے مسلمانوں میں جو جو لوگ منذرِ اجل ہوئے ان کی نام بنام تفصیل اور کون کس کے ہاتھ سے مارا گیا اس کی پوری وضاحت کی گئی ہے ۔ مصنف نے اپنے ہم مذہبوں کی دلیری، اور جوش وخروش کی خاص طور پر نمایندگی کی ہے ۔

یہ کتاب صرف اس لئے اہم نہیں ہے کہ اس میں ایک خاص معرکہ کا (غالباً چشم دید) بیان محفوظ ہے بلکہ اس لئے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے مطالعہ سے آج سے ٹھیک دو سو سال قبل کے حیدرآباد کی معاشرت اور تمدنی خصوصیات پیش نظر ہو جاتی ہیں ۔ اس زمانے کے ہتیار، لباس، جنگ کے طریقے، اخلاق وعادات، سیاسی حالات، مذہبی جوش اور ذہنی کمزوریاں، غرض جملہ اچھے اور برے پہلو اس کتاب کے مطالعہ سے روشنی میں آجاتے ہیں ۔ خاص کر مہدوی فرقے کے اکثر جوانمردوں اور بزرگوں کے حالات کا تو یہ ایک بہترین مخزن ہے ۔ اس کتاب کے دیباچہ کے آغاز و اختتام کی ابیات یہ ہیں ۔

آغاز :۔

کہ حمد خدا میں دو جہاں ہے — ادا کوئی کرسکے ہمت کہاں ہے
اندیشہ اڑسکے عرش بریں تک — نہ پہنچی جاسکے ہفتم زمیں تک

اختتام :۔

نہیں تو یہاں نہیں چارہ کسی کا — ہے یہ فضل و کرم صاحب اسی کا
یہاں سے ہے شروع قصۂ شہیداں — بیاں کرتا ہوں میں از فضل سبحاں

اصل قصہ کا آغاز ان ابیات سے ہوتا ہے :۔

تھا ایک صوفی میاں بے دین یارو — بھتیجا قاضی دھارور کا او
مصدق قاضی دھارور کے تیں — جہنم میں گر پونچا دیئے ہیں
سدا اس بات کا صوفی رکھا تھا — چچا جس روز سے اس کا موا تھا
او ظاہر مہدیوں سے آشنا ہو — تھا ہتنا راز دار خاں بیٹھ میں او
کہا ایک روز اوس نے لعل خاں کو — مراد خاں بڑے او لیسن خاں کو

اس مخطوطے کی آخری ابیات یہ ہیں

لگے تھے زخم جو مسجد میں اوس کو — سو او دو روز کے پیچھے سمجھو
سو اس پر گھاؤ یہ ایسے لگے ہیں — میاں محمود خاں غازی ہوئے ہیں

اس کے بعد بھی اس ورق کے حاشیہ پر اور پانچ چھے ابیات ہیں جو برابر پڑھی نہیں گئیں ۔ یہ پورا مخطوطہ نہایت ناقص اور شکستہ حالت میں حاصل ہوا ہے ۔

---

(۲۶۹) بوستانِ خیال [۳۳۹]

اوراق ۱۰ ۔ سطور ۱۵ ۔
تقطیع ۵" × ۹½" ۔ خط نستعلیق ۔
حاشیہ اور عنوانات سرخی میں ۔
مصنف سراج اورنگ آبادی ۔ سنہ تصنیف قبل ۱۱۸۷ھ

شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی (دیکھو تذکرہ ہٰذا مخطوطات نمبر ۴۷، ۱۷۷، ۲۲۰) کی مثنوی بوستان خیال کا ایک ناقص الطرفین نسخہ ہے لیکن نہایت احتیاط اور خاص اہتمام سے خوش خط نقل کرایا گیا ہے ۔ درمیان میں رنگین بیل بوٹے ہیں ۔ اور کاغذ اور نہج کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سراج کی زندگی کی یا اواخر بارھویں صدی ہجری کی کتابت ہے ۔ اس مخطوطے میں ۳۰۰ ابیات محفوظ ہیں ۔ سراج نے اس مثنوی میں زیادہ تر آپ بیتی لکھی ہے ۔

آغاز :۔

وہی بے خودی نے کیا تھا ہجوم — وہی کشور دل میں تھی غم کی دھوم
وہی آہ و زاری مرا کام تھا — وہی حال کیا صبح کیا شام تھا

اختتام:-

کیا جب شروع اپنے غم کا بیاں بغیر آگ جلنے لگی سب زباں
بھر آئے مرے چشم آنسو ستی اٹھا شعلۂ دود ہر مو ستی

اس کا ایک قلمی نسخہ جو ۱۱۹۵ھ کا مکتوبہ ہے کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں بھی موجود ہے۔ پروفیسر سروری نے "کلیات سراج" میں اس کو بھی شایع کر دیا ہے۔ یہ نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر نریک معتمد شعبۂ نسواں کا عطیہ ہے۔

---

(۲۷۰) لیلیٰ مجنوں [۷۱۴]

اوراق ۷۰ - سطور ۱۵ -
تقطیع ۶" × ۹½" - خط نستعلیق -
حاشیہ اور عنوانات سرخی میں۔
مصنف - میر تجلی - زمانۂ تصنیف قریب ۱۱۹۰ھ -
کاتب - عبدالمجید خاں - سنہ کتابت ۱۲۳۶ھ -

یہ تقریباً دو ہزار ابیات کی ایک مثنوی ہے جس میں لیلیٰ مجنوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف میر محمد حسن عرف میاں حاجی ولد میر محمد حسین کلیم اردو کے مشہور شاعر میر تقی میر کے بھانجے اور دہلی کے معروف شعرا میں سے تھے۔ سنہ ۱۲۰۹ھ میں ان کی عمر چالیس سال کے قریب تھی لیکن اس وقت تک اس مثنوی لیلیٰ مجنوں کے علاوہ ایک ضخیم دیوان مرتب ہو چکا تھا وہ غزلوں اور مثنویوں کے ساتھ ساتھ مخمس اور مسدس بھی لکھتے تھے۔ ان کا کلام دہلی میں بہت مقبول تھا۔ مصحفی کے دوست تھے چنانچہ انھوں نے اپنے تذکرۂ ہندی (سنہ ۱۲۰۹ھ) میں ان کا ذکر اور نمونۂ کلام درج کیا ہے۔

مثنوی کے اس نسخے میں حمد و نعت کے عنوانات شامل نہیں ہیں۔ بلکہ اصل قصے سے مثنوی کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مصنف ہی نے اسی طرح مثنوی کا آغاز کیا تھا یا کاتب نے ابتدائی حصہ نقل نہیں کیا۔ اس کا کاتب کم سواد ہے اکثر الفاظ کا املا غلط لکھا ہے۔ چنانچہ آخری بیت کا آخری لفظ بھی غلط معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے کتاب کے سنہ تصنیف کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے یہ بیت یوں لکھی ہے: -

یہ تاریخ تب پائی میں ہم نشیں کہ کل دیکھی جنت میں ہے آسطین

جس سے ۱۰۹۶ھ برآمد ہوتا ہے جو غلط ہے۔ اگر آخری لفظ کو آستین پڑھیں تو سنہ تصنیف ۱۱۸۸ھ ہوتا ہے جو ایک حد تک قرین قیاس ہے کیونکہ مصحفی نے اپنے جس تذکرۂ ہندی میں اس کا ذکر کیا ہے وہ سنہ ۱۲۰۹ھ میں شروع کیا گیا تھا۔ لیکن آستین پڑھنے کے بعد بھی شعر کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔

بہر حال یہ شمالی ہند اور خاص کر دلی کی قدیم ترین طویل مثنویوں میں سے ہے اور میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" (سنہ ۱۱۹۹ھ) سے قبل لکھی گئی ہے۔ اس لئے خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اثنائے مثنوی میں مصنف نے اپنا تخلص بہت کم استعمال کیا ہے۔ البتہ آخری عنوان سے قبل مجنوں کی وفات کا بیان لکھ کر ایک جگہ لکھتا ہے: —

خموش اب تجلی آتش بہ جاں زبانہ ہے آتش کا تیری زباں

اس کے بعد چار ابیات لکھ کر آخری عنوان یہ قائم کیا ہے:

"داستان دربیان باز درخواب دیدن مجنون ولیلیٰ را میر تجلی"

اس عنوان میں مصنف نے اپنے ایک خواب کا واقعہ لکھا ہے کہ کس طرح اس نے لیلیٰ اور مجنوں کو جنت میں اپنی کتاب پڑھتا ہوا دیکھا تھا۔ ان سے جو سوال و جواب ہوا تھا اس کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آغاز:-

عرب کی ولایت میں تھا ایک شاہ سکندر حشم اور دارا سپاہ

عدالت میں مانند نوشیرواں — رہ جود میں جیسے حاتم رواں

اختتام:-

بہت مختصر کرکے بعد از دو سال لکھا میں نے اب یہ جواب و سوال
یہ تاریخ تب پائی ہیں ہم نشیں! کہ کل دیکھی جنت میں ہے اسطیں (؟)

ترقیمہ:-

"تمام شد قصۂ مجنوں و لیلیٰ من تصنیف میر تجلی بخط بے ربط
ہیچ مداں عبدالمجید خاں افغان قوم اگوڈانی ساکن رام پور
بپاس خاطر قمرالدین خاں افغان قوم مندوزئی ساکن
عنبر سر دشہر جے پور در عہد راجہ جے سنگھ بہ نیابت راول جیو
در بادشاہی اکبر بادشاہ غازی بتاریخ بست ہفتم صفر المظفر
۱۲۳۶ھ ہجری مطابق سنہ ۱۴ جلوس در مسجد نگامیاں
تحریر یافت"

یہ نسخہ محترمہ بشیرالنسا بیگم صاحبہ بشیر کا عطیہ ہے۔

---

(۲۷۱) شمائل اتقیا [۸۱۱]

اوراق ۱۵۹۔ سطور۔ ۱۵۔
تقطیع ۶½" × ۱۰"۔ خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی ہیں۔
مصنف میراں یعقوب، سنہ تصنیف قریب ۱۰۷۸ھ۔

یہ ضخیم کتاب عہد قطب شاہیہ کی اردو نثر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس کے مصنف میراں یعقوب حیدرآباد کے مشہور صوفی سید میراں حسینی چشتی المعروف خدانما کے مرید تھے۔ خدانما کی اردو تصنیفات ادارے میں موجود ہیں اور ان کے بیان میں خود خدانما کا ذکر اس فہرست کے صفحات ۴۹، ۲۵۰ اور ۱۵۲ پر گزر چکا ہے۔ میراں یعقوب نے اپنے مرشد کا سنہ وفات ۱۰۷۸ھ بیان کیا ہے حالانکہ عام طور پر ۱۰۷۰ھ مشہور ہے۔ لیکن میراں یعقوب کا بیان زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ان کے مرید تھے اور اس کتاب میں انھوں نے خدانما کے فرزند اور نواسے کا بھی (دیباچہ میں) تفصیلی ذکر کیا ہے۔ خدانما کی تعلیم و شفقت کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

مدح سید میراں چشتی خدانما

سید السادات، عارف ذات و صفات، محققاں کے قطب، موحداں کے پیشوا، مریداں کے دستگیر، طالباں کے رہنما، پوشیدہ سے علم لدنی کے سوجھنہارے حقیقتاں دین و دنیا کے پیر میراں، سید میراں چشتی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں پایا۔ ہور باطن کے عالم تھے ظاہر کے عالم میں لیایا۔ ہمیشہ انو کی عنایت کی نظر سوں پرورش پاتا تھا۔ ہور دن دن امر شعور ہور اس ہوش میں آتا تھا۔ جب بلوغیت میں آکر ست بیعت نعمت پایا تب ارشاد تلقین کی الفت سوں اگھایا۔ شریعت طریقت کے وزا وزا (وضع) اک مرسے بتکھائے ہور حقیقت، معرفت جیسو جیسو کے تماشے دکھائے۔

. . . .

عالم میں دوراں کے جتنے میں انو اپنا حق کو نہیں بھلایا تو ہجرت کے یک ہزار ستر پر چوتھے برس میں اس گھر تے اس گھر کوں لجایا۔

دوستاں کو دوست سوں اپنے حضوری خوب ہیں
دشمناں تھے دوست کے سیں ان کوں دوری خوب ہیں

سید میراں حسینی چشتی کے تذکرے کے بعد ان کے فرزند امین الدین ثانی کی خلافت کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض لوگ ان کی خلافت و سجادگی سے ناراض تھے۔ لیکن

آخر کار سب قائل ہوگئے اور ان کی ذات سے خلق خدا کو بہت فیض پہنچا ۔ اس حصہ کا اقتباس یہ ہے :۔

ملی امین الدین

" عارف واصل' اولیا کے یقین' انبیاء کے جانشین' محمد کے دین کے امین' علی امین الدین رحمتہ اللہ کے جلوس سوں سجادہ شریف منور ہوا ہور مجلس کوں زیب و رونق زیادہ تر ہوا کی ۔ منکراں ہور مخالفاں انکار ہور خلاف سنت دیئے ۔ ہور مومناں ہور معتقداں ایمان ہور اعتقاد گھٹ کئے ۔ نظم

جکوی منکراں تھے سو ایمان لیائے   جو گمراہ تھے سو سیدھی راہ پلئے

جو ناقص بہے تھے سو کامل ہوئے   جو کامل اتھے سو مکمل ہوئے

معما اتھے سو محقق ہوئے   جے کوئی تھے عارف سو عاشق ہوئے

برس بارہ کینے خلافت ولی   ابدلگ ایس ناؤں کر کر چلی

اپنی حیات کے وقت میں منجے بشارت کئے تھے جو شمائل التقیا کتاب کوں ہندی زبان میں لیا وے تا ہر کسی کوں سمجھ آوے ۔ اس وقت مجھے بھایا نیں تا آنکہ اُنو یک ہزار ستر پر آٹھویں سال کوں رحلت کئے ۔"

مذکورۂ بالا عبارت سے سبب تالیف بھی ظاہر ہوگیا کہ امین الدین ثانی کی فرمایش پر شمایل التقیا کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے ۔ اب خود امین الدین سے متعلق اتنا بیان کردینا ضرور ہے کہ وہ میرانجی خدانما کے اکلوتے فرزند تھے اور کسر نفسی اور درویشی میں بڑی شہرت حاصل کی تھی ۔ اپنے والد کا گنبد (جو حیدرآباد میں محلۂ کاروان کے قریب "کرخی گنبد" کے نام سے مشہور ہے) تیار کرایا اور صرف چار سال کے بعد ۸ جمادی الاول ۱۰۸۷ھ میں لاولد فوت اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے ۔ تذکرہ محبوب ذی المنن میں لکھا ہے کہ :۔

" ہمدردی میں یگانہ' کیا دوست کیا بیگانہ آپ کے نزدیک سب مساوی تھے ۔ بھوکوں کو کھانا ننگوں کو کپڑا دیتے تھے ۔ یتیموں کی سرپرستی غریبوں کی دستگیری فرماتے تھے ...... مدۃ العمر زبان سے لفظ میں نہیں نکالا... بجائے میں لفظ فقیر استعمال کرتے رہے ۔ اپنے کو سب سے ذلیل سمجھتے رہے فرماتے تھے کہ فقیر محض ناچیز مطلق ہے" (جلد اول ص ۱۳۱)

میراں یعقوب نے امین الدین ثانی کے تذکرے کے بعد ان کے بھانجے (یعنے میراں جی خدانما کے نواسے) شاہ میراں ثانی ابن سید حسین کا ذکر کیا ہے کہ وہ جب اپنے ماموں کی جگہ خلیفہ ہوئے تو میراں یعقوب نے یہ کتاب لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کی شاہ میراں ثانی کا نام اس طرح لیا ہے :۔

عارف حق رسیدے' عارفاں کے نور دیدے' مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلیجے' مرتضیٰ کے نین شاہ میراں ابن سید حسین سلم اللہ تعالیٰ "۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ میراں ثانی اس وقت کم عمر تھے ۔ وہ بڑے شاہ حسینی کے لقب سے مشہور ہوئے اس لئے کہ خدانما کے بڑے نواسے تھے ۔ اور اپنے مرشد اور ماموں کی اجازت سے دھول پیٹھ میں سکونت پذیر ہوئے ۔ ان کے دوسرے بھائی کو باہر (غالباً شہر سے) جانے کی اجازت دی گئی ۔ ذیحجہ ۱۱۱۴ھ میں وفات پائی (محبوب ذی المنن جلد دوم صفحہ ۸۶۰)

شاہ میراں ثانی کے بعد میراں یعقوب نے ایک اور بزرگ بابا ابراہیم خلیل کا ذکر کیا ہے کہ کتاب مکمل کرکے جب ان کے روبرو پیش کی تو وہ اس کے مطالعہ سے بہت خوش ہوئے ۔ میراں یعقوب شاید میراں جی خدانما کے بعد ان کے معتقد ہوگئے تھے

اس کے بعد ہی سبب تالیف اور موضوع کتاب کی نسبت میراں یعقوب نے یہ عبارت لکھی ہے : ۔

یو کتاب پہلیں فارسی تھا۔ رکن عماد، پیر معنوی حضرت
سلطان العارفین خواجہ برہان الدین غریب کے مرید تھے۔
انو بہوت مدت تک بزرگاں کے بہوت کتاباں ہور رسلے
مطالعہ کئے تھے اس کتاباں تھے ہریک بیان علاہدہ کرکر
یو کتاب فارسی لکھے ہیں۔ ہور اس کا ناؤں شمایل الاتقیاء
کر رکھے ہیں۔ یعنے پرہیزگاراں کے خصلتاں۔ ہور اس
تمام کتاباں میں جو کچھ ولیاں کا اقوال واحوال ہور
خصلتاں ہور خارج کشف اپنے پیر کی زبان مبارک تھے
سنے ہیں ہور تلقین پائے ہیں سو بھی تمام اس کتاب میں
لیائے ہیں۔ جو طالب کوں اتنے کتاباں مطالعہ کرنا نا
پڑے ہور آسانی سوں مطلب کوں انپڑے۔ نظم
سکل جوہراں علم ناسوت کے سکل موتیاں بحر ملکوت کے
لطیفے اچنبھے اچنبھے ذہن کئی اوصاف اسرار جبروت کے
کئی درج اس درج میں ایک ٹھار جو آساں ہویں قرب لاہوت کے" (ورق ۳۹)

اسی سلسلہ میں اصل کتاب کے ماخذوں کی تفصیل بھی بیان کردی ہے۔

یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی مصنف نفائس الانفاس وشمائل الاتقیا و دلائل الاتقیا ایک مشہور مصنف اور شیخ برہان الدین غریب کے مرید تھے۔ چنانچہ اول الذکر کتاب میں تو اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور موخر الذکر میں ان کے بہت سے مقولات اور احوال محفوظ کر دئے ہیں۔ یہ کتاب ایک وسیع مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس کے ماخذوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے جن کی فہرست اس دکنی ترجمے میں بھی میراں یعقوب نے تفصیل سے (کئی صفحات میں) لکھی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قدیم زمانے میں بھی کیسے کیسے لائق مصنف اور محقق گزرے ہیں اور ان کے کتب خانے کیسے کیسے نوادر علم وفضل سے معمور رہا کرتے تھے۔ رکن الدین عماد کی فارسی شمایل التقیا کا ایک قدیم قلمی نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے اس کا ذکر تذکرۂ فارسی مخطوطات میں درج رہے گا۔

اُردو ترجمے کے نام اور کتاب کے موضوع اور ترتیب کی نسبت خود مصنف نے یوں وضاحت کی ہے : ۔

اس کتاب کا ناؤں شمایل التقیا کر رکھا گیا ہے۔ ہور
اس میں طریقت حقیقت کے علم ہور مقاماں کے چہار قسم ہو
نو دبریک بیان کیا گیا ہے۔
پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال کے بیان میں ہے۔
دو اگلے پچاس بیان سوں۔
دوسرا قسم۔ حقیقت کے لوگاں کے احوال کے بیاں
میں۔ دو اگلے تیس بیان سوں۔
تیسرا قسم۔ خدائے تعالیٰ کے وجود ہور ذات کے صفات
کے بیان میں، ہور ازل ہور ابد کے بیان میں،
ہور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
یک ذات کے صفت ہور نبوت میں ہے۔ چہار
بیان سوں۔
چوتھا قسم۔ نہایت نہایت کے اچنبھے ہور نازکیاں کے بیان
میں ہور وزا وزا (وضع) کی حقیقت۔ ان کے
رموزاں ہور باریکیاں کے بیان میں۔ ہور بہتر
آدم کی پیدائش کی صفت میں، ہور آدمیاں کی
بُرائیاں ہور انسان کیاں خصلتاں، ہور اینو کیاں
امیدواریاں، ہور اینو کے حق میں خدا کیاں عنایتاں
کے بیان میں ہے۔ تین بیان سوں۔

افسوس ہے کہ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ سنہ کتابت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ غالباً اوائل تیرھویں صدی کی کتابت ہے۔ اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۱۶۳ھ) کتب خانہ آصفیہ (فن تصوف نمبر ۶۶۳) میں موجود ہے۔ اور اس کا مختصر تذکرہ اردو شہ پارے (ص۱۱۰) دکن میں اردو (ص۱۰۰) اور اردوئے قدیم (ص۸۵) میں شائع ہو چکا ہے۔

آغاز:—

"حمد و ثنا انبیا و اصفیا کی کنا، ہور سلطاں کے تن بعد وے پایاں ہور سرنا لکھانا اولیا و انبیا کی نیکیاں ہور صفتاں۔ ہور صفتاں کی بھانت بے گنت ہور بے انت اس ایک پاک ذات کوں واجب ہور سزاوار ہے کہ جنے پرہیزگاراں کی ٹولی کوں اپنی نزدیکی کی بڑائی دیا"

اختتام:—

"یہ تحقیق ہیں خدا ہوں۔ منجہ باج کوئی خدا نہیں۔ جو کوئی راضی نا اچھے میری قضا سوں ہور صبوری نہ کرے میری بلا پر ہور شکر"

یہ قلمی نسخہ محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبہ نسوان ادارۂ ادبیات اردو کا عطیہ ہے۔

---

(۲۷۲) عشق نامہ (یوسف زلیخا) [۷۱۶]

اوراق ۱۲۷ - سطور ۱۲ -

تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق -

عنوانات - سرخی میں -

مصنف - نگار - سنہ تصنیف ۱۲۱۲ھ -

کاتب - حسین خاں - سنہ کتابت ۱۲۴۰ھ -

یہ ۳۰۲۰ (تین ہزار بیس) ابیات کی ایک ضخیم مثنوی ہے جس کو ایک غیر معروف شاعر نگار نے صرف دو ہفتوں میں منظوم کیا ہے۔ نگار تخلص کے ایک شاعر مرزا قطب علی بیگ تھے جن کا ذکر تذکرۂ "مجموعہ نغز" میں قاسم نے کیا لیکن لکھا ہے کہ وہ دوسروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے تھے اور ۱۲۲۱ھ سے قبل وفات پائی۔ لیکن اس مثنوی کے مصنف تو خود ایک قادر الکلام شاعر معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ایسی طویل مثنوی انہوں نے صرف دو ہفتوں میں ختم کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں۔

بہت خوبی سے دی انجام اس کو — دو ہفتہ میں کیا اتمام اس کو (ورق ۱۲۶)

مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کیا ہے اور صحابہ کا ذکر نہیں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مصنف شیعی المذہب ہوں۔ انہوں نے نعت کے حصہ کو اس بیت پر ختم کیا ہے:—

نبی کی آل اوپر وار جانا — اسی بارہ درے سے پار جانا (ورق ۴ ب)

نعت کے بعد سبب تالیف میں لکھا ہے کہ میں تنہائی سے بیزار تھا کہ جامی کی یوسف زلیخا نظر پڑی۔ یہ مثنوی بہت پسند آئی (اس کی بڑی تعریف لکھی ہے)۔ اور خیال آیا کہ تنہائی کا رفیق قلم سے بہتر کوئی نہیں ہے چنانچہ اردو میں اس کا ترجمہ شروع کردیا۔

مصنف نے اپنی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ البتہ حسب ذیل ابیات میں اپنا تخلص استعمال کیا ہے:—

کیا تو نے نگار اب لطف ہے نام — تو اپنے لطف سے اب دے مرا کام

نگار اب داستاں کو ایک باری — سنا جلدی کہ ہے گی انتظاری (عنوان حمد - ورق ۲ ب)

نگار اب خاموشی سے ہے تجھ کو بہتر — بھلا ہے اب یہ قصہ مختصر کر (ورق ۵ ا) (ورق ۱۲۷)

اصل قصہ ورق ۵ سے شروع ہوتا ہے اور اس کے جملہ عنوانات اردو نثر ہی میں لکھے گئے ہیں۔ ورق ۱۲۶ سے خاتمۂ کتاب کا عنوان شروع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اور آخر میں سنہ تصنیف اور تعداد ابیات اور مثنوی کا نام بھی ان مسلسل ابیات میں لکھ دیا ہے۔

ہزار اور دو سو اور دس اور تھے دو — کیا انجام جب یہ داستاں کو

گنے ابیات جو میں اس کے ایک بار — ہوئے تب تین ہزار اور بیس اشعار

لکھی تھا عشق سے جو اس کو خامہ — رکھا تب نام اس کا عشق نامہ

جامی کی "یوسف زلیخا" کا دکنی شعرا نے بھی اس ترجمہ سے ڈیڑھ دو سو سال قبل اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ مثنوی فارسی ادب کی مقبول ترین کتب میں سے ہے۔ نگار کا یہ ترجمہ زبان و انداز بیان کی وجہ سے میر حسن کی مثنویوں کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کا مصنف کوئی مشہور یا پیشہ ور شاعر نہیں ہے حالانکہ وہ اتنا قادر الکلام ہے کہ دو ہفتوں میں تین ہزار سے زیادہ ابیات لکھ ڈالیں۔

آغاز:۔

الٰہی عشق سے اپنے تو کر شاد — مرا دل کر تو اپنا عشق آباد

عناصر کی یہ میری ہے جو ہستی — بسا تو عشق کی اس بیچ بستی

اختتام:۔

نگار اب خاموشی ہے تجھ کو بہتر — بھلا ہے اب یہ قصہ مختصر کر

گئی آنکھوں سے نیند اب ناگہانی — زباں کر بند بس کر یہ کہانی

ترقیمہ:۔

"تمام شد قصۂ یوسف زلیخا بوقت سہ پہر روز یکشنبہ در ماہ رمضان المبارک تاریخ بیست و پنجم کاتب الحروف حسین خاں فراشیاں میر محمد دفعدار آوردۂ کوتوالی در حاضری جانی صاحب فرنگی در اجرائی پیشتر گمشتی کام کرد حکم سالار جنگ بہادر ۱۲۸۰ سنہ ہجری"

کتاب کے پہلے اور آخری اوراق پر عبدالرحیم خاں ۱۳۰۳ھ پرورش علی ولد سلیمن خاں ۱۲۹۶ھ، پیر محمد خاں ۱۲۷۸ھ۔ اور عبدالرحیم ولد عبدالکریم خاں ۱۳۱۰ھ کی مہریں ثبت ہیں۔

---

(۲۷۳) طوطا کہانی [۷۱۶]

اوراق ۸۷۔ سطور ۱۱۔

تقطیع ½۵ × ½۸۔ خط نستعلیق۔

عنوانات سرخی میں۔

زمانۂ تصنیف قریب سنہ ۱۲۲۰ھ

کاتب حسین خاں۔ سنہ کتابت ۱۲۸۰ھ۔

طوطا کہانی ایک مشہور داستان ہے جو اصل میں سنسکرت میں لکھی گئی تھی اور بعد کو دنیا کی اکثر بڑی بڑی زبانوں (مثلاً انگریزی، جرمن، ترکی، فارسی، اور اردو) میں منتقل کی گئی اور بہت مقبول ہوئی۔ یہ اصل میں ۷۰ کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کا غالباً پہلا ترجمہ ضیاء الدین نخشبی نے سنہ ۷۳۰ھ میں فارسی میں کیا۔ لیکن اس کی زبان بہت مغلق تھی اس لئے کئی اور مصنفین نے اس کو آسان فارسی میں مرتب کیا جن میں ابوالفضل اور سید محمد قادری کے ترجمے معروف ہیں۔ موخر الذکر نے نخشبی کے ۵۲ حکایات ہی میں سے صرف ۳۵ کو سلیس فارسی میں منتقل کیا تھا۔

فارسی کے علاوہ اردو میں بھی کئی مصنفین نے اس کتاب یا

اس کی بعض کہانیوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے ہیں جن میں غواصی (۱۰۴۹) ابن نشاطی (۱۰۷۹) اور حیدر بخش حیدری (۱۲۱۶ھ) بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور دکنی مصنفین نے بھی اس کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ لیکن دونوں کے نام معلوم نہ ہوسکے۔ کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ میں ایک ترجمہ (اردو نثر میں) محفوظ ہے جو ۱۲۰۲ھ میں کیا گیا تھا اور جس کا ذکر پروفیسر سروری نے فہرست اردو مخطوطات (ص ۱۸۱۔۱۸۳) میں تفصیل سے کیا ہے۔ اردوے قدیم میں بھی طوطا کہانی کی نسبت تفصیلی معلومات درج ہیں ص ۱۲۴)۔

ادارے کا زیر نظر مخطوطہ طوطا کہانی بھی دکھنی نثر میں ہے۔ لیکن اس کی زبان نسبتاً بعد کی ہے اور اس کا مصنف جامعہ کے مخطوطے کے مصنف سے غالباً سو سال بعد کا ادیب ہے۔ افسوس ہے کہ اس مخطوطے سے مصنف کے نام کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ زمانۂ تصنیف کا۔

ادارے کی زیر نظر "طوطا کہانی" بھی سید محمد قادری کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے چنانچہ اس میں بھی (۳۵) کہانیاں ہیں۔ لیکن ابتدا میں مصنف نے نہ حمد و نعت کی سرخیاں قایم کی ہیں اور نہ سبب تالیف ہی بیان کیا ہے۔ بلکہ بسم اللہ کے ساتھ ہی پہلی کہانی شروع کردی ہے۔ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ کاتب نے نقل کرتے وقت ابتدائی حصے چھوڑ دئے یا مصنف ہی نے ان کا خیال نہ رکھا۔ کاتب چونکہ کم سواد ہے اس لئے کتابت میں کئی غلطیاں ہیں۔

آغاز:۔

"دو پہلی کہانی یہ کیفیت میمون اور خجستہ کی اور خرید کرنے میں میمون ایک طوطی کے۔ اور ایک تاجر کی طوطی کی کیفیت اور مینا کی حکایت یوں ہے۔ دانایاں اور عقلمند اس طور سے بیان کئے ہیں کہ آگے کے زمانے میں ہند کے شہروں میں سے ایک شہر میں کوئی سوداگر تھا صاحب مال اور ہمت۔ اور نام اوس کا مبارک تھا۔"

اختتام:۔

"میمون کہا کیا کیفیت ہے تو ہی بول۔ طوطا تمام احوال ہوا سو خجستہ کا کہا ایک جوان پر اور مارے جانے میں شارک کے اول سے آخر تک میمون سے کہا۔ میمون اوس وقت خجستہ کو نصیحت کیا۔"

ترقیمہ:۔

"کاتب الحروف حسین خاں برائے پیر محمد دفعدار علاقہ کوتوالی آوردۂ علاقۂ جانی صاحب فرنگی است۔ تمت تمام شد۔ بوقت دوپہر روز سہ شنبہ بتاریخ بست نہم ربیع الثانی ۱۲۰۶ھ"

اسی کاتب نے اور دو مخطوطے (عشق نامہ اور واسوخت آباد) بھی نقل کئے ہیں جن کا ذکر مخطوطہ ۲۷۲ و ۲۷۴ میں درج ہے۔

اس کتاب کے سرورق کی پیشانی پر "پرورش علی ولد یٰسین خاں ۱۲۹۶ھ" اور "عبدالرحیم ولد عبدالکریم خاں ۱۳۱۰ھ" کی مہریں ثبت ہیں۔

(۲۷۴) واسوخت آباد [۷۱۷]

اوراق ۳۵ - سطور ۱۲۔
تقطیع ½۵ × ½۸ - خط نستعلیق۔
عنوانات سرخی میں۔
مصنف - مہدی حسین خاں آباد - زمانۂ تصنیف قبل ۱۲۶۸ھ۔
کاتب حسین خاں - سنۂ کتابت ۱۲۸۰ھ۔

یہ ۲۶۹ بندوں کا ایک طویل مسدس ہے جو بطور واسوخت قلم بند کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف مرزا مہدی حسین خاں آباد (متولد ۱۲۲۰ھ) خلف مرزا جعفر خاں لکھنوی ناسخ کے شاگرد تھے۔ دو دیوان، تین واسوخت اور ایک مثنوی ان کی یادگار ہے۔ ایک دیوان نگارستان عشق ۱۲۶۲ھ میں مطبع مرتضوی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ بہارستان عشق میں ان کی وہ غزلیں شامل ہیں جو آتش و ناسخ کی ہم طرح ہیں۔ واسوخت نگار کی حیثیت سے بھی انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

یہ واسوخت معاملہ بندی اور لطف زبان کے لحاظ سے بہت دلچسپ اور قابلِ قدر ہے۔

آغاز:-

عشق وہ آئینہ ہے جس کی صفا طینت ہے
عشق ہر دیدۂ خود بیں کے لئے حیرت ہے
عشق سے خانہ خرابوں کے لئے زینت ہے
عشق کا روپ نرالا ہے نئی صورت ہے
عشق کا میل ہر اک دل کے لئے صیقل ہے
آخر کار صفائی ہے غبار اول ہے

اختتام:-

مثل آباد رہا پاس سخن کا تا زیست
آنکھ اٹھا کر نہ کسی اور کو دیکھا تا زیست
فرق الفت میں نہ لایا دل شیدا تا زیست
دولت حسن کو دل کھول کے لوٹا تا زیست
حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ترقیمہ:-

"تمت تمام شد کار من نظام شد بوقت دو گھڑی دن ماندہ ایں کتاب "واسوخت" تمام گردید۔ نوشتہ حسین خاں غریب حقیر روز سہ شنبہ خواند پسر محمد دفعدار در نوکری کوتوالی علاقہ از طرف جانی صاحب فرنگی آوردہ در تیاری سڑکاں تیار گردیدہ است نوشتہ شد۔ تحریر فی التاریخ دوازدہم جمادی الاول ۱۲۸۰ھ"

ترقیمہ کے اوپر حسب ذیل عبارت درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واسوخت مطبع مصطفائی کانپور میں ۱۲۶۸ھ میں چھپ بھی چکا ہے۔

"الحمد للہ والمنہ کہ واسوخت دلچسپ رنگین از تصنیفات سر دفتر شعرائے متاخرین، مطلع دیوان خوش بیانی، مقطع سخن سنجی و سخندانی، آشنائے بحر مضامین استناد، مرزا مہدی حسین خاں متخلص بہ آباد، بتاریخ دہم ربیع الاول ۱۲۶۸ ہجری در مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خاں خلف حاجی محمد روشن خاں مرحوم در شہر کانپور محلہ پرکاپور رحلۂ طبع پوشید۔"

کتاب کے آخری ورق کے نیچے پیر محمد ولد خان محمد اور عبدالرحیم ولد عبدالکریم کی مہریں ثبت ہیں ۔ اسی کاتب کی لکھی ہوئی دو کتابوں (مخطوطات ۲۷۲ و ۲۷۳) کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲۷۵) کلیات سلطان [۳۳۸]

اوراق ۔ ۱۱۳ ۔ سطور ۱۷ ۔
تقطیع $6\frac{1}{2}$" × ۹" ۔ خط نستعلیق ۔
مصنف سلطان ۔ زمانۂ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ۔
سنہ کتابت ۔ ۱۲۳۷ھ ۔

یہ ایک مشہور صوفی شاعر سلطان کا ضخیم کلیات ہے جس میں ۳۸۰۰ تین ہزار آٹھ سو سے زیادہ اشعار ہیں ۔ لیکن تعجب اس کا ہے کہ اتنے ضخیم کلام میں بھی کہیں شاعر نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے ان کے وطن، نام اور زمانے کا پتہ چل سکتا ۔ ان کا کچھ اور کلام بھی ادارے میں موجود ہے جس کا ذکر اس تذکرے کے مخطوطہ نمبر ۲۰۶ (ص ۲۴۹) کے بیان میں گزر چکا ہے ۔

سلطان ایک بہت بڑے صوفی اور اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے ۔ ان کے مریدوں اور معتقدوں کی بعض کتابوں کے قلمی نسخے بھی ادارے میں موجود ہیں ۔ چنانچہ "درالاسرار" (دیکھو مخطوطات نمبر ۱۷۰ و ۲۱۸) کا مصنف بھی ان کا مرید تھا ۔ اور سبب تالیف کے بیان میں وہ لکھتا ہے کہ :۔

"اے بھائی حق کی توفیق سوں ہور اس
ہادی شاہ سلطان کی مدد سوں سالکاں ہور
طالباں کے واسطے اوس سبق کے موتیاں چن کر
لیایا ہوں" (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۶۰)

ان کے ایک اور مرید افضل (مصنف محی الدین نامہ) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان میراں شاہ معروف کے خلیفہ تھے ۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۴۷) ۔

اسی طرح مرتضیٰ (مصنف وصل نامہ) بھی سلطان ہی کے مرید تھے چنانچہ اپنی مثنوی میں ان کی مدح لکھی ہے ۔ (دیکھو تذکرۂ ہذا ص ۲۵۲) ۔

ان معلومات کے علاوہ افسوس ہے کہ سلطان کی نسبت اور کچھ معلوم نہ ہو سکا ۔ ان کے کلام کے ذکر میں اس تذکرہ کے صفحہ ۲۴۷ پر جو لکھا گیا ہے کہ راقم الحروف کی نظر سے ان کا دیوان مملوکہ ڈاکٹر عبداللطیف گزرا ہے وہ غالباً یہی دیوان ہے جو پروفیسر لطیف احمد صاحب فاروقی کی ملک تھا اور شاید انہی کے یہاں راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا تھا ۔

اس دیوان میں جو غزلیں ہیں ان کے مضامین مجازی اور حقیقی دونوں قسم کے عشق و عاشقی پر مشتمل ہیں ۔ اکثر غزلوں کی زمینیں وہی ہیں جو کلیات محمد قلی قطب شاہ میں نظر سے گزرتی ہیں ۔ اور زبان بھی قریب قریب اسی زمانے کی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی کا دیوان اس صوفی سلطان کے مطالعے میں رہا ہے ۔ اور یہ کہ وہ بھی عہد قطب شاہیہ کے شاعر تھے ۔

سلطان کے کلام میں پختگی، مضامین میں تنوع، اور زبان پر قدرت ہے ۔ وہ شاید صوفی اور شاعر ساتھ ساتھ پیدا ہوئے تھے ۔ بلکہ اس کلام کے پیش نظر تو وہ صوفی سے زیادہ شاعر ہی تھے ۔ ادارے کے مخطوطۂ نمبر ۲۰۶ میں ان کا جو کلام درج ہے وہ سب کا سب اس کلیات میں اپنی اپنی جگہ پر

موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام اتنا مقبول تھا کہ لوگوں نے اپنی بیاضوں میں ان کی منتخب غزلیں نقل کر لی تھیں۔

محمد قلی قطب شاہ کی طرح سلطان نے بھی ہر ردیف میں کئی کئی غزلیں لکھی ہیں۔ اور بعض غزلیں اس بادشاہ شاعر کی غزلوں کی طرح اتنی طویل ہیں کہ قصیدہ سمجھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ورق ۳۹ پر تصوف میں ایک مسلسل غزل لکھی ہے جس میں ۳۰ شعر ہیں۔

سلطان خود بھی اپنے شاعرانہ محاسن سے واقف تھے۔ چنانچہ بعض مطلعوں میں خود ستائی بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً۔

اشعار کوں ناتوں سمجھ سلطان بن مچھ نظر کوں
ہر حرف میں باریک ہے معنیٔ اسرار عشق (ورق ۶۵)

مجھ غزل سن تو تجہ یک سلطان ریجھیا ہو گیا
نظم میرا سن کہے سب شعر گویا ہے لذیذ (ورق ۳۶ ب)

سخن معروف نرلو جیوں جنے سلطان مسکیں میں
اپی خصلت موافق ہر کسے ہم یار خوش لگتا (ورق ۱۱ ب)

بعض غزلیں قطعہ بند ہیں اور کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ اس کلیات کے آخری حصے میں قصیدہ کے طور پر ۴۱ شعر کی ایک غزل درج ہے جس کا مطلع ہے: —

عزیزاں مجھ نصیحت سن نہ ہو غافل ہے تن فانی
جو دل لگ ہے سمجھ اس کوں نہ سمجھیا ہے تو حیرانی (ورق ۱۱۱)

غزلیات کے آخر میں ایک نظم بھی شامل ہے جس کے ہر بند میں چار مصرعے ہیں۔ اور اس نظم میں حروف تہجی کے عارفانہ بھید سمجھائے گئے ہیں۔ اس نظم کے حسب ذیل پہلے شعر میں اپنے نام کے ساتھ "صفی" اس طرح لکھا ہے۔ کہ شاید یہ لفظ شاعر کے نام کا جز ہو۔

از الف اول انتہا ہو نکتہ سلطانِ صفی
ابتدا ہو انتہا کا اسم آپی کر خفی (ورق ۱۱۲)

لیکن یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لفظ صفی نام کی مناسبت سے لکھا ہے یا صوفی صافی کی صفت ظاہر کرنے کے لیے۔

آغاز: —

اوس پاک عشق بانکوں جب نہہ کا اثر ہوا
تب نور ذات جوش ہو انہ تیج بھر ہوا
تس نور ذات نام رکھیا احمد و صفات
سو وصف کی زبان دسّنی کُن کا اچھر ہوا

اختتام: —

ایہہ بھید باطن کر بظاہر عشق کا سلطان ہو
سین میں آ خود کوں راکھیا ناؤں اپنا محمدی
ایہہ صفت اپنی اب لکھن سلطان آئینہ محل آ
چڑ کر چھپی خوش طرز کا بیٹھا صدر کر محمدی

ترقیمہ: —

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب بتاریخ
بیست ششم ربیع الاول بروز سہ شنبہ ۱۲۳۶ ہجری
مطابق ۲۲ ڈسمبر ۱۸۲۱ عیسوی در قصبہ یولیتور
در حالہ منصفی قصبہ دیور"

سلطان کا کلیات کمیاب ہے اس کا نسخہ کسی اور کتب خانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوا اور نہ کسی کتاب میں اس شاعر کے حالات اس وقت تک شائع ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ ایک نادر نسخہ ہے۔ یہ نسخہ مولوی لطیف احمد صاحب فاروقی ایم اے۔ ایل ایل بی لکچرار فارسی و پراکرٹ جامعہ عثمانیہ کی ملک تھا جس کو

انھوں نے ۱۹۳۵ء میں بمقام اوٹی کمنڈ (کوہ نیلگری) ادارے میں بطور عطیہ داخل کرنے کے لئے خریدا تھا۔ چنانچہ اس کے ابتدائی اور آخری اوراق پر موصوف کے دستخط ثبت ہیں۔ اس مخطوطے کے سرورق پر لکھا ہے:۔

"تحفہ بخدمت مشفقی ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور برائے کتب خانۂ مخطوطات ادبیات اُردو
لطیف احمد فاروقی ۲۵ آذر ۱۳۵۳ف"

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل

ضمیمے

۴۔ معطیینِ مخطوطات

ادارۂ ادبیات اُردو کے قلمی نسخوں کا کتب خانہ زیادہ تر علم دوست اصحاب کے ذاتی ایثار اور عطیوں پر مشتمل ہے۔ یوں تو ایسے معطیین کی فہرست نہایت طویل ہے لیکن یہاں صرف اُن اصحاب کے نام درج ہیں جن کی معطیہ قلمی کتب کو بیان تذکرۂ اُردو مخطوطات کی اِس پہلی جلد میں شایع ہو رہا ہے۔ اِسی طرح دوسرے اصحاب کے نام معہ صراحت مخطوطات آئندہ جلدوں میں شریک رہیں گے۔

مرتب تذکرۂ ہٰذا پھر ایک بار حسب ذیل معطیین کا منجانب ادارہ شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی دلچسپیوں کی وجہ سے جہاں کتب خانۂ ادارہ اکثر و بیشتر نادر مخطوطات کا گنجینہ بنتا جائے گا۔ خود ان معطیین کا نام نیک زندگانی جاوید حاصل کرکے دوسروں کو بھی اسی قسم کے خلوص و ایثار کی ترغیب دلاتا رہے گا۔

(۱) محترمہ بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر شریک معتمد شعبۂ نسواں

۲۵۷۔ گلزار السالکین
۲۵۸۔ معالجات بندہ نوازؒ
۲۵۹۔ کسب عروج
۲۶۰۔ طلسم اعظم
۲۶۱۔ مذہب عشق
۲۶۹۔ بوستانِ خیال
۲۷۰۔ لیلیٰ مجنوں
۲۷۱۔ شمائل الاتقیاء

(۲) مولوی سید حمید اللہ حسینی صاحب بی اے۔

۲۰۰۔ مثنوی علی
۲۰۲۔ قصہ ہرنی کا
۲۰۳۔ مناجات غفار
۲۰۴۔ کشف المعراج
۲۰۵۔ کلام شغلی
۲۰۶۔ کلام سلطان
۲۰۷۔ مناظرۂ عقل و عشق
۲۰۸۔ کلام اسمٰعیل
۲۰۹۔ رسالۂ وجودیہ
۲۱۰۔ وصل نامہ
۲۱۱۔ مراثی مرزا
۲۱۲۔ محی الدین نامہ
۲۱۳۔ بیاض مراثی
۲۱۴۔ مراثی قادر
۲۱۵۔ دکنی منظومات
۲۱۶۔ وصایائے نبیؐ
۲۱۷۔ حکمت سلیمانی
۲۱۸۔ درالاسرار
۲۱۹۔ مرات المصلی

(۳) مولوی خواجہ حمید الدین صاحب شاہد بی اے مدیر سب رس

۱۷۵۔ دیوان عاجز
۱۷۶۔ قصۂ سیہ پوش
۱۷۷۔ بیاض اشعار
۱۷۸۔ منتخب دیوان مدینہ
۱۷۹۔ قصۂ رسیا

(۴) مولوی میر سعادت علی صاحب رضوی ایم اے معتمد شعبۂ تنقید

۶۷۔ نوبہار عشق
۶۸۔ سحر البیان

(۵) مولوی مرزا ضامن علی صاحب غازی صفوی رفیق ادارہ

۲۲۶۔ تفسیر سورۂ اذا جاء
۲۲۷۔ سحر البیان
۲۵۲۔ دیوان ناظم
۲۵۳۔ انتخاب کلام بیروشاہی
۲۵۴۔ آب حیات
۲۵۵۔ کلام بیرن و سید
۲۵۶۔ کلیات ناظم۔

(۶) مولوی سید محمد صاحب ایم اے لکچرار سٹی کالج و شریک معتمد امتحانات

۸۵۔ دیوان انشار

(۷) مولوی محمد عبدالحق صاحب محتسب بنولہ

۱۵۱۔ رسالۂ اصلاح مسلماناں
۱۵۲۔ رسالہ شرک و عت

(۸) پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ایل ایل بی معتمد شعبۂ امتحانات

۲۲۳۔ پچولین

(۹) نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز معاون ادارہ

۱۹۳۔ چشمۂ فیض
۱۹۵۔ دیوان عصر
۱۹۶۔ دیوان اول مزاج
۱۹۷۔ دیوان دوم مزاج
۱۹۸۔ دیوان سوم مزاج

(۱۰) نواب عنایت جنگ بہادر معاون ادارہ

۸۔ سیف الملوک
۱۷۔ چندربدن و ماہیار
۲۳۔ نادعلی
۳۱۔ روضۃ الشہدا
۴۳۔ پنچھی باچھا
۴۰۔ روضۃ الاطہار
۶۱۔ محبوب القلوب
۶۹ سحرالبیان
۷۹۔ کلیات سودا
۸۳۔ دیوان یقین
۸۴۔ قصیدۂ صاحب
۸۷۔ دیوان میر
۸۸۔ کلیات ایمان
۹۴۔ چار درویش
۹۵۔ چار درویش
۹۷ مذہب عشق
۱۰۰۔ روضۃ الشہدا
۱۰۱۔ چار درویش منظوم
۱۲۱۔ دین دیپک
۱۲۲۔ ایمان درپن
۱۲۵۔ تنا ولی
۱۲۶۔ نظم انور
۱۲۷۔ مرغوب الطبع
۱۲۸۔ مرغوب الطبع
۱۲۹۔ چار درویش
۱۳۰۔ ہمیشہ بہار
۱۵۴ حملۂ حیدری
۱۵۶۔ آتا ولی

١٥٧۔ لاڑوکپور اور قاضی — ١٧٣۔ اگر گل

١٩٠۔ مناقب عادل — ٢٢٥۔ ترجمہ شرح چغمینی

٢٣٣۔ تاریخ بدر — ٢٤٢۔ وفات نامۂ زہرا

٢٤٣۔ بیاض اشعار — ٢٤٤۔ کلام برہان

٢٤٥۔ کلام میراں — ٢٤٦۔ بیاض نظم و نثر

٢٤٨۔ بہار گلشن

(١١) مولوی میر کاظم علی صاحب برق موسوی

٢٦٤۔ مسدس اکبر

(١٢) مولوی لطیف احمد صاحب فاروقی ایم۔اے۔ ایل ایل بی لکچرار جامعہ عثمانیہ

٢٧٥۔ کلیات سلطان

(١٣) مولوی محبوب علی خاں صاحب۔

١٩١۔ دیوان اول ناسخ — ١٩٢۔ دیوان دوم ناسخ

(١٤) مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری بی۔اے (آکسن) سابق ناظم تعلیمات

٣٧۔ دیوان ولی

(١٥) صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب میکش سابق مدیر سب رس

٤٤۔ دعائے داؤد

(١٦) مولوی سید محمد نقی صاحب رضوی بی اے

٩٣۔ طوطی نامہ — ٩٦۔ مذہب عشق

٩٨۔ گل با صنوبر — ١٥٥۔ پدماوت

(١٧) ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور معتمد عمومی ادارہ

٤٦۔ دیوان داؤد — ١١٩۔ وفات نامہ

١٢٠۔ وفات نامہ — ١٢٣۔ پند نامہ

١٣٨۔ تنبیہ النساء — ١٤٠۔ وفات نامۂ خاتون جنت

١٤١۔ وفات نامۂ خاتون جنت — ١٤٣۔ گلشن نامۂ خاتون جنت

١٤٨۔ باز و فاختہ — ١٦٢۔ رسالۂ بے نماز

١٨٠۔ چہار کرسی — ١٩٩۔ قصۂ ابوشحمہ

٢٢١۔ ابراہیم نامہ — ٢٢٢۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ

٢٤٠۔ اسرار غوثیہ — ٢٥٩۔ روضۃ الاقطاب

٢٥١۔ چار گلزار — ٢٦٢۔ مجموعۂ مناجات

٢٦٣۔ مجموعۂ مولود شریف

(۱۸) مولوی نصیر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی لکچرار گلبرگہ کالج

۱۰۷- دہ مجلس

(۱۹) مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی موسس ادارہ

۳۰- جنگ نامہ
۳۲- روضتہ الشہدا
۴۵- سرو شمشاد
۴۶- دیوان داوٗد
۸۹- حاشیہ من درپن
۱۰۶- مثنوی نادر
۲۰۰- روپ سنگار

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل

مخطوطات کی فہرست بلحاظ زمانۂ تصنیف

(۱) درمیان سنہ ۸۲۵ھ و سنہ ۱۰۰۰ھ
(۱۴۲۰ء — ۱۵۹۰ء)

نام مصنف	نام تصنیف	سنہ تصنیف	موضوع	صنف	نمبر تذکرہ	نمبر کتب خانہ	صفحہ
خواجہ بندہ نواز	چکی نامہ	قبل ۸۲۵	تصوف	نظم	۴۲	۱۲۰	۶۸
شاہ صدرالدین	کسب محویت	〃 ۸۷۶ (؟)	〃	〃	۴۱	۱۲۰	۶۶
〃	کسب عروج	〃 〃 〃	〃	〃	۲۵۹	۸۰۳	۳۱۵
اشرف	نوسرہار	۹۰۹	سیر	〃	۱	۱۲۳	۱۷
〃	واحد باری	قریب 〃 〃	لغت	〃	۲۳۷	۱۲۹	۲۸۴
فیروز	توصیف نامہ	قبل ۹۷۲	سیر	〃	۱۱۰	۹۵۳	۱۴۴
برہان الدین جانم	ارشاد نامہ	۹۹۰	تصوف	〃	۲	۱۲۴	۱۹
〃 〃	کلمۃ الحقائق	قریب 〃	〃	نثر	۲۷	۱۰۴	۵۳
〃 〃 (؟)	مقصود ابتدائی	〃 〃 (؟)	〃	〃	۲۸	۱۰۴	۵۴

(۲) درمیان سنہ ۱۰۰۰ھ و سنہ ۱۰۵۰ھ
(۱۵۹۰ء — ۱۶۳۹ء)

نام مصنف	نام تصنیف	سنہ تصنیف	موضوع	صنف	نمبر تذکرہ	نمبر کتب خانہ	صفحہ
عبدالملک	مولود نامہ	۱۰۰۹	سیر	نظم	۶	۱۲۷	۲۳

عبدالملک	نامۂ سلطان	قریب ۱۰۰۹	سیر	نظم	۱۰۸	۶۵۱	۱۴۳
عبدل	ابراہیم نامہ	۱۰۱۲	〃	〃	۲۲۱	۱۸۱	۲۶۷
محمد قلی	کلیات قطب شاہ	قبل ۱۰۲۰	کلام	〃	۲۲۲	۱۸۲	۲۶۸
غواصی	سیف الملوک	۱۰۳۵	قصہ	〃	۸	۸۳	۲۵
قطب رازی	تحفۃ النصائح	۱۰۴۵	موعظت	〃	۱۶	۱۵۷	۳۵
〃 〃	〃	〃	〃	〃	۴۷	۵۱۵	۷۵
مقیمی	چندر بدن	۱۰۴۸	قصہ	〃	۱۷	۸۷	۳۷
کریم	مدح میراں جی	〃 ۱۰۵۰	سیر	〃	۱۰۹	۶۵۲	۱۴۴
(؟)	حکمت بزرجمہر	〃 〃	حکمت	〃	۲۳۵	۳۴۶	۲۸۳

(۳) درمیان ۱۰۵۰ھ (۱۶۳۹ء) و ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۸ء)

علی (؟)	پند دلبند	درمیان ۱۰۲۰ / ۱۰۶۷	پند و موعظت	نظم	۲۰۲	۵۰۹	۴۵
ملک خوشنود	مرثیہ	قریب ۱۰۶۰	سیر	〃	(۸)۲۲۰	۳۷۰	۲۶۴
میراں جی خدانما	چکی نامہ	قبل ۱۰۷۰	تصوف	〃	۳۸	۹۳ب	۶۴
〃 〃	رسالۂ وجودیہ	〃 〃	〃	نثر	۲۰۹	۳۵۹	۲۵۰
〃 〃 (؟)	غزل	〃 〃	〃	نظم	(۵)۱۱۶	۶۵۹	۱۵۴
عبدی	فقۂ ہندی	۱۰۶۴	فقہ	〃	۹	۶۰	۴۶
ابن نشاطی	پھول بن	۱۰۶۶	قصہ	〃	۲۴	۱۱۷	۴۹
〃 〃	〃	〃	〃	〃	۲۲۳	۱۸۰	۲۶۹
میراں یعقوب	شمائل الاتقیا	قریب ۱۰۶۸	تصوف و سیر	نثر	۲۷۱	۸۱۱	۳۲۹
سید بلاقی	معراج نامہ	۱۰۸۰	سیر	نظم	۱۰	۹۸	۲۷
عبداللہ قطب شاہ	غزل	درمیان ۱۰۳۵ / ۱۰۸۳	کلام	〃	(۷)۲۱۵	۳۶۵	۲۵۹
علی عادل شاہ شاہی	مراثی	〃 ۱۰۶۷ / ۱۰۸۳	سیر	〃	۲۱۳ / (۷)۲۲۰	۳۶۳ / ۳۷۰	۲۵۷ / ۲۶۴
مرزا	〃	قریب ۱۰۸۲	〃	〃	۲۱۱	۳۶۱	۲۵۲

مرزا	مراثی	قریب	۱۰۸۲	سیر	نظم	۲۲۰ / ۱-۱۳-۱۵-۱۶-۲۰-۲۳-۲۶-۲۹	۳۷۰	۲۶۳ / ۲۶۶
ایاغی	نجات نامہ		۱۰۸۴	پندو موعظت	〃	۱۹	۵۰۷	۴۱
؟	پندنامہ		۱۰۸۶	پند	〃	۱۲۳	۴۱۴	۱۵۸
شاہ راجو	مرثیہ	قبل	۱۰۹۲	سیر	〃	(۵)۲۲۰	۳۷۰	۲۶۳
عابد شاہ	گلزار السالکین	〃	〃	تصوف	نثر	۲۵۷	۸۰۱	۳۱۳
〃 (؟)	معالجات بندہ نواز	〃	〃	طب	〃	۲۵۸	۸۰۲	۳۱۴
سیوک	جنگ نامہ		۱۰۹۴	تاریخ	نظم	۳۰	۶۶	۵۷
فائز (فائض)	رضوان شاہ		۱۰۹۴	قصہ	〃	۳۶	۱۲۳	۵۱
شغلی	کلام	قریب	۱۰۹۷	تصوف	〃	۲۰۵	۳۵۵	۲۴۵
معظم	گنج مخفی	〃	〃	〃	〃	۱۱۲	۶۵۵	۱۴۸
〃	مناظرۂ عقل و عشق	〃	〃	〃	〃	(۱۹)۲۲۰	۳۷۰	۲۶۵
〃 (؟)	〃	〃	〃	〃	〃	۲۰۷	۳۵۷	۲۴۸
علی	مناجات	قبل	۱۱۰۰	مناجات	〃	۷	۱۲۶ب	۲۴
〃	مثنوی	〃	〃	تصوف	〃	۲۰۱	۳۵۱	۲۴۳
سید	دعائے داؤد	〃	〃	مناجات	〃	۴۴	۱۰۱	۷۰
فاروقی	چکی نامہ	〃	〃	تصوف	〃	۱۱۴	۶۵۷	۱۵۰
مواہب	کشف المعراج	〃	〃	〃	〃	۲۰۴	۳۵۴	۲۴۵
سلطان	کلیات	〃	〃	〃	〃	۲۶۵	۳۳۸	۳۳۶
〃	کلام	〃	〃	〃	〃	۲۰۶	۳۵۶	۲۴۷
مرتضیٰ	وصل نامہ	〃	〃	〃	〃	۲۱۰	۳۶۰	۲۵۱
افضل	محی الدین نامہ	〃	〃	سیر	〃	۲۱۲	۳۶۲	۲۵۳
غفار	مناجات	〃	〃	مناجات	〃	۲۰۳	۳۵۳	۲۴۴
قادر	معجزۂ خاتون جنت	〃	〃	سیر	〃	۱۴۲	۸۱	۱۷۶
〃	مراثی	〃	〃	〃	〃	۲۱۴	۳۶۴	۲۵۷

بلبل	چندربدن و ماہیار	قبل	۱۱۰۰	قصہ	نظم	۱۸	۸۴	۳۹
شہ میر	مدح میراں	〃	〃	سیر	〃	۱۱۵	۹۵۸	۱۵۱
محمود	کلام	〃	〃	تصوف	〃	۱۱۹(اول)	۹۵۹	〃
جعفر	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۲)	〃	〃
محرمی	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۳)	〃	۱۵۲
روحی	مرثیہ	〃	〃	سیر	〃	۲۲۰(۹)	۳۷۰	۲۶۴
گوہری	رباعی	〃	〃	پند	〃	〃(۲۱)	〃	۲۶۵
شرف	مراثی	〃	〃	سیر	〃	۲۱۳(۱۰)	۳۶۴	۲۵۶
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۲۰(۲۹)	۳۷۰	۲۶۹
مراد	مرثیہ	〃	〃	〃	〃	〃(۲)	〃	۲۶۳
قربان علی	〃	〃	〃	〃	〃	〃(۹)	〃	〃
نعیم احمد	〃	〃	〃	〃	〃	۲۱۳	۳۶۳	۲۵۵ و ۲۵۶
شفیع	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
قلندر	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
حیرت	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
مشہور	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
اشرف	〃	〃	〃	〃	〃	۲۱۳(۹)	۳۶۳	۲۵۵
حسین	〃	〃	〃	〃	〃	۲۲۰	۳۷۰	۲۶۴ تا ۲۶۶
صادق	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
محبت	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃
مرید سلطان	درالاسرار	〃	〃	تصوف	نثر	۱۷۰	۱۹۰	۲۰۱
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۱۸	۳۶۸	۲۶۱
؟	ہدایت المومنین	〃	〃			۱۷۱	۹۷۳	۲۰۲
؟	وصایائے نبی	〃	〃	پند	〃	۲۱۶	۳۶۶	۲۵۹
؟	بازو فاختہ	〃	〃	سیر	نظم	۱۴۸	۹۷	۱۸۱

؟	قصہ ہرنی کا	قبل	۱۱۰۰	سیر	نظم	۲۰۲	۳۵۲	۲۴۴
؟	ترجمۂ آمدنامہ	〃	〃	قواعد	نثر	۲۶۶	۸۰۸	۳۲۴

(۴) درمیان سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۸ء و سنہ ۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء

ضعیفی	ہدایات ہندی		۱۱۰۱	فقہ	نظم	۱۱	۳۰۱	۲۸
〃	〃		〃	〃	〃	۱۳	۵۹	۳۳
جنونی	قصیدۂ معجزہ		۱۱۰۲	سیر	〃	۴	۱۲۶ ا	۲۱
〃	〃 〃 (دیگر)		〃	〃	〃	۵	〃 ب	۲۲
عبد العلی	نامۂ حلی		۱۱۱۰	〃	〃	۲۳	۹۸	۴۸
دریا	وفات نامہ		۱۱۱۱	〃	〃	۱۵	۹۸ ب	۳۴
〃	〃		〃	〃	〃	۱۱۹	۹۱	۱۵۴
〃	〃		〃	〃	〃	۱۲۰	۲۱۷	۱۵۵
عبد الحمد	شمائل النبی		〃 (؟)	〃	〃	۱۴	۱۰۹	۳۳
عنایت	نورنامہ		〃	〃	〃	۲۰	۵۰۸	۴۳
〃	〃		〃	〃	〃	۲۱	۸۰	۴۴
بحری	من لگن		۱۱۱۲	تصوف	〃	۲۹	۵۱۰	۵۵
ولی	دیوان	قریب	۱۱۱۵	کلام	〃	۳۶	۹۳	۶۲
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳۷	۱۱۲	۶۳
〃	غزلیات	〃	〃	〃	〃	۱۷۷	۱۲۸ (ج)	۲۱۰
〃	مخمس	〃	〃	سیر	〃	۱۷۴	۶۸۱	۲۰۶
منور بیگم	توشۂ عاقبت	〃	۱۱۱۷ (؟)	فقہ	نثر	۴۸	۵۱۵ (ج)	۷۶
فتح شریف	پندنامۂ لقمان		۱۱۳۰	پند	نظم	۱۲	۳۰۲	۳۱
ولی ویلوری	روضۃ الشہدا		۱۱۳۰/۱۱۳۷	سیر	〃	۳۱	۱۴۰	۵۸
〃	〃		〃	〃	〃	۳۲	۸	۵۹

ولی ویلوری	روضۃ الشہداء		۱۱۳۰ / ۱۱۳۷	سیر	نظم	۹۲	۴۰۲	۱۱۳
آمامی	وفات نامہ	قبل	۱۱۲۰	″	″	۳	۱۲۵	۲۰
عاشق	اشارت الغافلین	″	۱۱۴۳	تصوف	″	۴۳	۵۱۳	۶۸
وجدی	پنچھی باچھا		۱۱۴۶	″	″	۳۳	۱۵۸	۶۰
″	″		″	″	″	۳۴	۵۸	۶۱
″	″		″	″	″	۳۵	۵۱۱	۶۳
″	″		″	″	″	۹۱	۴۰۱	۱۱۲
امام الدین عارف	گنج عرفاں	قبل	۱۱۵۰	″	″	۲۳۷	۷۰۳	۲۸۶
شیخ اسمٰعیل	کلام	″	″	″	″	۲۰۸	۳۵۸	۲۴۹
محی الدین	نظم	″	″	″	″	۲۱۵	۳۶۵	۲۵۸
حیات	غزل	″	″	″	″	۱۷۷(۱۴)	۱۲۸(ج)	۲۱۰
؟	تفسیر اذا جاء	″	″	تفسیر	نثر	۲۲۶	۳۷۱	۲۷۴
؟	حکمت سلیمان	″	″	طب	″	۲۱۷	۳۶۷	۲۶۰

(۵) درمیان ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء و ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء

یقین	دیوان	قبل	۱۱۶۱	کلام	نظم	۷۱	۵۱۹	۹۷
″	″	″	″	″	″	۷۵	۵۲۱	۱۰۰
″	″	″	″	″	″	۸۳	۱۳۶(ز)	۱۰۶
″	″	″	″	″	″	۲۴۹	۷۰۸	۳۰۲
″	غزلیات	″	″	″	″	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۷
	″	″	″	″	″	۱۷۷(۳۴)	۱۲۸(ج)	۲۱۵
عاشق	منتخب دیوان	″	۱۱۶۵	″	″	۱۳۳	۲۱۰	۱۹۹
دائم	دیوان	″	۱۱۶۸	″	″	۴۶	۵۱۵	۷۳
″	غزل	″	″	″	″	۱۷۷(۱۹)	۱۲۸(ج)	۲۱۳

شیدا	روضۃ الاطہار		۱۱۰۳	سیر	نظم	۳۹	۱۲۲	۹۵
〃	〃		〃	〃	〃	۴۰	۵۱۲	۹۶
سامی	سرو وشمشاد	قبل	۱۱۷۵	قصہ	〃	۴۵	۵۱۴	۷۲
؟	مرات المصلی	قریب	۱۱۷۵	فقہ	〃	۲۱۹	۳۶۹	۲۶۲
سراج	بوستان خیال	قبل	۱۱۷۷	قصہ	〃	۲۶۹	۳۳۹	۳۲۰
〃	سوز وگداز	〃	〃	〃	〃	۷۴	۵۲۰(ب)	۹۹
〃	غزلیات	〃	〃	کلام	〃	۱۷۷ (۷-۲۰-۳۰)	۱۲۸(ج)	۲۱۱، ۲۱۲
〃	غزل	〃	〃	〃	〃	۲۲۰(۳)	۳۷۰	۲۶۳
اخلاص	غزلیات	〃	۱۱۷۸	〃	〃	۱۷۷(۱۸-۱۹)	۱۲۸(ج)	۲۱۳
عاجز	دیوان	〃	〃	〃	〃	۱۷۵	〃 (ب)	۲۰۶
〃	غزل	〃	〃	〃	〃	۱۷۷(۱۰)	〃 (ج)	۲۱۲
قاسم	مخمس	قریب	۱۱۸۰	〃	〃	۱۷۷(۱۵)	〃 (〃)	〃
فغاں	قصیدہ	قبل	۱۱۸۵	منقبت	〃	۷۲	۵۱۹(ب)	۹۸
آگاہ	عقاید نامہ		〃	عقاید	〃	۴۹	۹۰	۷۶
〃	تحفۃ النساء		〃	سیر	〃	۵۰	۹۱	۷۸
〃	من دیپک		〃	〃	〃	۵۲	۹۳(۱)	۸۰
〃	من ہرن		〃	〃	〃	۵۳	۹۳(۲)	۸۱
〃	جگ سوہن		〃	〃	〃	۵۵	۹۳(۴)	۸۲
〃	آرام دل		〃	〃	〃	۶۵	۹۳(۵)	۸۳
〃	من موہن		۱۱۸۶	〃	〃	۵۴	۹۳(۳)	۸۲
〃	راحت جاں		〃	〃	〃	۵۷	۹۳(۶)	۸۳
تجلی	لیلیٰ مجنوں	قریب	۱۱۹۰	قصہ	〃	۲۷۰	۷۱۴	۳۲۸
میراں	کلام	قبل	〃	منقبت	〃	۲۴۵	۷۰۶	۲۹۴
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۱۵۵	۷۱۱	۳۰۹

سید	کلام	قبل	۱۱۹۰	منقبت	نظم	۲۵۵	۶۱۱	۳۱۰
غوثی	قصص الانبیا		۱۱۹۱	سیر	"	۲۵	۱۳۲	۴۹
"	ضیافت نامہ		"	"	"	۶۴	۱۳۸	۹۱
آبرو	غزل	"	۱۱۹۲	کلام	"	(۱۷)۲۳۹	۶۰۴	۲۸۸
میر	دیوان اول	"	"	"	"	۸۶	۴۴	۱۰۸
"	غزلیات		"	"	"	(۱۱-۱۰)۳۰۹	۶۰۴	۲۸۸
"	منتخب دیوان		"	"	"	۲۵۳	۳۴۳	۳۰۸
درد	دیوان	درمیان	۱۱۲۸/۱۱۹۹	"	"	۷۷	۵۲۳	۱۰۱
شادان	غزل	قبل	۱۱۹۳	"	"	(۱۲)۲۳۹	۶۰۴	۲۸۸
سودا	دیوان	"	۱۱۹۴	"	"	۷۳	۵۲۰	۹۹
"	کلیات	"	"	"	"	۷۸	۶۱۶	۱۰۲
"	"	"	"	"	"	۷۹	۱۴۸	۱۰۳
"	غزلیات	"	"	"	"	۱۷۷ (۲۸-۲۶)	۱۱۲۸(ج)	۲۱۵
"	منتخب دیوان	"	"	"	"	۸۰	۱۳۶(ب)	۱۰۴
رحمت اللہ	تنبیہ النساء	"	۱۱۹۵	پندوموعظت	"	۱۳۴	۱۳۰	۱۷۰
"	"	"	"	"	"	۱۳۵	۹۹۳	۱۷۲
"	"	"	"	"	"	۱۳۶	۸۶	"
"	"	"	"	"	"	۱۳۷	۹۹۴	۱۷۳
"	"	"	"	"	"	۱۳۸	۱۹۱(ب)	"
کامل	فقرنامہ		"	تصوف	"	۱۱۱	۶۵۴	۱۷۷
؟	تاریخ ہندوستان	"	۱۱۹۶	تاریخ	نثر	۲۲۴	۶۵	۲۷۰
ہدایت	قصائد		۱۱۹۸	"	نظم	۱۰۲	۹۹	۱۲۱
کاظم	کلیات		۱۱۹۹	کلام	"	۲۵۶	۳۲۱	۳۱۰
میرحسن	سحرالبیان		"	قصہ	"	۶۸	۵۱۶	۹۵
"	"		"	"	"	۶۹	۱۴۷	۹۶

میر حسن	سحر البیان		۱۱۹۹	قصہ	نظم	۷۰	۵۱۸	۹۷
"	"		"	"	"	۹۹	۴۰۴	۱۱۸
"	"		"	"	"	۲۲۷	۳۷۳	۲۷۵
مولائی	غزل	قبل	۱۲۰۰	"	"	۲۴۹(۱۴)	۶۰۶	۲۹۸
غلامی	مناجات	"	"	"	"	۲۴۹(۱۵)	۶۰۶	۲۹۸
عادل	مناقب	"	"	منقبت	"	۱۹۰	۴۰۳	۲۳۰
ذوقی	مخمس	"	"	تصوف	"	۱۷۷(۳۱)	۱۲۸(ج)	۲۱۸
برہان	منتخب کلام	"	"	کلام	"	۲۴۴	۶۰۵	۲۹۳
"	مرثیہ	"	"	سیر	"	۲۱۳	۳۹۳	۲۵۹
ہدایت	منظومات ہجویہ	"	"	تاریخ	"	۱۰۳	۱۹۴	۱۳۰
صاحب قراں	منتخب دیوان	"	"	ہزل	"	۸۴	۱۳۶(د)	۱۰۵
حسین	غزل	"	"	کلام	"	۲۳۹(۶)	۶۰۴	۲۸۷
منور	منتخب کلام	"	"	"	"	۷۹	۵۲۲	۱۰۰
لطف	غزل	"	"	نعت	"	۲۴۳(۵)	۳۴۴	۲۹۳
مدینہ	منتخب دیوان	"	"	کلام	"	۱۴۰	۱۲۸(د)	۲۱۹
شکوہ	منقبت غوث اعظم	"	"	منقبت	"	۲۴۳	۳۴۴	۲۹۲
شمس	رسالہ احوال میت	"	"	قصہ	"	۱۳۴	۹۹۱	۱۵۹
سکندر	مناقب	"	"	منقبت	"	۲۴۶(۹)	۶۰۶	۲۹۷
صفی	مطبوع صبیاں	"	"	لغت	"	۲۳۱	۶۰۱	۲۷۸
حیدر	غزل	"	"	کلام	"	۲۳۹(۴)	۶۰۴	۲۸۷
حیرت	ترجیع بند	"	"	"	"	۱۷۷(۱)	۱۲۸(ج)	۲۱۰
مکھن	"	"	"	"	"	"(۲)	" "	۲۱۱
حامی	غزل	"	"	"	"	"(۱۳)	" "	۲۱۲
صاحب	"	"	"	"	"	"(۳۳)	" "	۲۱۵
"	قصیدہ	"	"	نعت	"	۸۴	۱۳۶(ہ)	۱۰۶

؟	کفایت الاسلام	قبل	۱۲۰۰	فقہ	نظم	۱۱۷	۶۶۰	۱۵۲
؟	رسالۂ اعمال بد	〃	〃	پند و موعظت	نثر	۱۴۷	۶۶۸	۱۸۰
؟	قصۂ رسیا	〃	〃	قصہ	نظم	۱۶۹	(۵)۱۲۸	۲۱۷
؟	قصۂ ابوشحمہ	〃	〃	〃	〃	۱۹۹	۶۱۱	۲۴۰
مختلف شعرا	بیان نظم و نثر	〃	〃	کلام و انشا	نظم و نثر	۲۲۶	۷۰۷	۲۹۵

(۶) درمیان سنہ ۱۲۰۰ھ و سنہ ۱۲۵۰ھ
۱۷۸۶ء ۱۸۳۵ء

افسق (ہدایت)	ہجویہ نظمیں		۱۲۰۱	تاریخ	نظم	۱۰۴	۱۶۲	۱۳۵
〃 (〃)	دیوانچہ	قبل	۱۲۰۳	〃	〃	۱۰۵	۱۰۴	۱۳۸
محمود	ظفرنامہ		۱۲۰۴	سیر	〃	۶۵	۱۳۹	۹۱
مصطفیٰ	وصیت نامہ	قریب	〃	موعظت	〃	۱۱۳	۶۵۶	۱۴۹
عظیم الدین	شادی	قبل	۱۲۰۶	تصوف	〃	۲۴۱	۷	۲۹۱
آگاہ	من حیوان		〃	سیر	〃	۵۹	(۸)۶۲	۸۵
〃	من درپن		〃	〃	〃	۵۸	(۷)۶۲	۸۴
〃	ہشت بہشت		۱۲۰۷	〃	〃	۵۱	۶۲	۷۸
〃	محبوب القلوب		〃	〃	〃	۶۱	۱۳۷	۸۷
〃	ریاض الجنان		〃	〃	〃	۶۲	۲۱۸	۸۸
〃	〃		〃	〃	〃	۶۳	۱۰۲	۹۰
〃	ہراتی		〃	〃	〃	۹۰	۱۳۴	۱۱۲
〃	حاشیہ من درپن	〃	۱۲۰۹	〃	〃	۶۰	(۹)۶۲	۸۶
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۸۹	۱۱۰	۱۱۱
نامی	نوبہار عشق		۱۲۱۱	قصہ	〃	۶۷	۵۱۷	۹۳
عزت / عشرت	پدماوت		۱۲۱۱ / ۱۲۵۱	〃	〃	۱۵۵	۱۷۲	۱۸۸
فگار	عشق نامہ		۱۲۱۲	〃	〃	۲۷۲	۷۱۵	۳۳۲
سوز	غزل	〃	۱۲۱۳	کلام	〃	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۷

آگاہ	روپ سنگھار		۱۲۱۵	فن شعر	نظم	۲۰۰	۱۰۷	۲۴۱
حیدر بخش حیدری	طوطی نامہ		〃	قصہ	نثر	۹۳	۱۶۹	۱۱۳
میر امن	چہار درویش		〃	〃	〃	۹۴	۱۵۳	۱۱۴
〃	〃		〃	〃	〃	۹۵	۶۰۳	۱۱۴
نہال چند	مذہب عشق		〃	〃	〃	۹۶	۱۴۱	۱۱۵
〃	〃		〃	〃	〃	۹۷	۱۵۱	۱۱۶
〃	〃		〃	〃	〃	۲۶۱	۷۱۳	۳۱۸
نعمت اللہ (؟)	خوان نعمت		۱۲۱۷	طب	نظم	۱۱۸	۷۱	۱۵۳
؟	طوطا کہانی	قریب	۱۲۲۰	قصہ	نثر	۲۷۳	۷۱۹	۳۳۳
آیمان	کلیات	قبل	〃	کلام	نظم	۸۴	۱۴۱	۱۱۰
انشا	دیوان	〃	۱۲۲۳	〃	〃	۸۵	۲۱۵	۱۰۷
〃	کلیات	〃	〃	〃	〃	۸۶	۵۲۴	۱۰۸
؟	وفات نامہ خاتون جنت		۱۲۲۴	سیر	〃	۱۴۰	۸۸	۱۷۵
؟	〃		〃	〃	〃	۱۴۱	۷۹	۱۷۶
نکتہ شاہ	کلام	〃	۱۲۲۵	کلام	〃	۲۱۳ (۱۱)	۳۹۳	۲۵۹
〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۳۹ (۳)	۷۰۴	۲۸۷
؟	ریختہ ہندی کی صرف و نحو	〃	〃	قواعد	نثر	۲۶۵	۲۳	۳۲۳
شوق	چہار درویش	قریب	〃	قصہ	نظم	۱۰۱	۸۵	۱۱۹
معجز	ریختی	قبل	۱۲۲۹	کلام	〃	۲۱۵ (۶)	۳۶۵	۲۵۹
سید امین	مجذوب السالکین	〃	۱۲۳۰	تصوف	نثر	۱۸۱	۶۸۰	۲۱۸
شجاع الدین	کشف الخلاصہ		۱۲۳۲	فقہ	نظم	۱۳۹	۱۳۱	۱۷۴
〃	〃		〃	〃	〃	۲۶۷	۸۰۹	۳۲۵
محمد اسمٰعیل	تقویۃ الایمان		۱۲۳۵	عقاید	نثر	۱۸۴	۹۷۲	۲۲۳
سید احمد	حقیقت الصلوٰۃ	قریب	〃	〃	〃	۱۸۲	۹۷۰	۲۲۰
؟	رسالۂ جہاد	〃	〃	〃	〃	۱۸۳	۹۷۱	۲۲۲

ظہور علی	رد وہابیہ	قریب	١٢٣٥	عقاید	نثر	١٨٥	٩٠٢	٢٢٥
مودب	کہانی وقصہ	قبل	١٢٣٦	کلام	نظم	١٨٩	٩٨٧	٢٢٩
؟	رسالۂ بے نماز	"	"	فقہ	"	١٦٢	٩٣	١٩٦
نادر	مثنوی نادر		١٢٣٨	تاریخ	"	١٠٦	٨٣	١٤١
فیض	چشمۂ فیض		"	کلام	"	١٩٣	١١٣	٢٣٣
خرم علی	نصیحت المسلمین		"	عقاید	نثر	١٤٣	٩٦٥	١٧٧
"	شرک وبدعت	قریب	"	"	"	١٥٢	١٦٦	١٨٤
محمد عبداللہ	قیامت نامہ		١٢٣٩	موعظت	"	١٤٥	٩٦٦	١٧٨
ناطق	قصۂ شہیداں	"	١٢٤٠	تاریخ	نظم	٢٦٨	٨١٠	٣٣٦
الفت	دین دیپک	قبل	١٢٤٢	فقہ	"	١٣١	١٤٢	١٥٥
"	ایمان درپن	"	"	عقاید	"	١٣٣	١٠٣	١٥٧
فاضل	دہ مجلس		"	سیر	"	١٠٧	٤٢	١٣٢
محمد ہادی (؟)	سوالات گذوین		"	عقاید	نثر	١٤٩	٩٣	١٨٢
؟	ترجمۂ چہل حدیث	"	"	حدیث	"	٢٣٣	٣٤٨	٢٨٠
حسن قنوجی	ہدایت المومنین		١٢٤٣	عقاید	"	١٤٦	٩٩٧	١٦٩
مستان	غزل	"	١٢٤٤	کلام	نظم	٢٣٩(١٥)	٧٠٤	٢٨٨
رحمن شاہ	قصۂ سیہ پوش	"	"	قصہ	"	١٧٦	١٢٨(د)	٢٠٨
فقیر اللہ شاہ حیدر	تناولی	"	"	"	نثر	١٢٥	١٥٦	١٦٠
"	نظم انور	قریب	١٢٤٧	"	نظم	١٢٩	١٥٥	١٩٣
"	مخمس	"	"	منقبت	"	٢٠٦	٧٠٧	٢٩٥
؟	اصلاح مسلماناں	قبل	١٢٤٥	عقاید	نثر	١٥١	١٦٥	١٨٣
ملنگ شاہ	غزل	"	"	کلام	نظم	٢٣٩(٢)	٧٠٤	٢٨٧
نیم چند	گل باصنوبر	"	١٢٤٨	قصہ	نثر	٩٨	١٩٩ ب	١١٧
حسین علیخاں	مرغوب الطبع		"	"	"	١٢٧	٤٠٦	١٦٤
"	"		"	"	"	١٢٨	١٤٦	١٦٥

حسین علیخاں	چار درویش	قریب	۱۲۴۸	قصہ	نثر	۱۲۹	۱۴۹	۱۶۵
"	ہمیشہ بہار	"	"	"	"	۱۳۰	۱۴۳	۱۶۶
؟	کتاب ادویات	قبل	۱۲۴۹	طب	"	۲۲۸	۳۴۹	۲۷۵
؟	مسائل طبیعی	"	"	سائنس	"	۲۲۹	۳۴۸	۲۷۷
؟	بیان تخم کا	"	"	طب	"	۲۳۰	۳۴۷	"
شمس	ترتیب النکاح		۱۲۵۰	فقہ	"	۱۳۱	۶۶۲	۱۶۸
"	ترتیب نماز		"	"	"	۱۳۲	"(ب)	"
غلام دستگیر	احوال قیامت	"	"	موعظت	نظم	۹۶	۱۳۸(ب)	۹۳
مشتاق	کتاب ہدیٰ	"	"	"	"	۱۵۰	۶۶۹	۱۸۲
؟	قیامت نامہ	"	"	"	نثر	۱۵۳	۵۷	۱۸۵
فقیر اللہ شاہ حیدر	چار کرسی طریقت	"	"	تصوف	نظم	۱۵۸	۸۰(ب)	۱۹۳
نصیر	منتخب دیوان	"	"	کلام	"	۸	۱۳۶ ا	۱۰۵
؟	دہ مجلس	"	"	سیر	نثر	۱۵۹	۱۶۱	۱۹۳
رونق	غزلیات	"	"	کلام	نظم	۲۳۹(۱۳)(۱۹)	۶۰۴	۲۸۸
؟	اربع عناصر الوجود	"	"	تصوف	نثر	۱۶۳	۱۷۵	۱۹۷
"	رمز محل	"	"	"	"	۱۶۴	۱۷۶	۱۹۸
"	معرفت حق	"	"	"	"	۱۶۵	۱۷۷	"
"	رسالہ وجودیہ	"	"	"	"	۱۶۶	۱۷۸	۱۹۹
"	رسالہ چہل تن	"	"	"	"	۱۶۷	۱۷۹	"
"	قصہ دائی حلیمہ	"	"	سیر	نظم	۲۳۶	۲۰۰	۲۸۴
"	اگر گل	"	"	قصہ	"	۱۷۳	۱۷۳	۲۰۵
"	نور نامہ	"	"	تصوف	نثر	۲۴۱(۲۲)	۷۰۷	۲۹۹
اشرف الدین	چہار کرسی	"	"	فقہ	"	۱۸۰	۴۳	۲۱۷
گوہر	غزل	"	"	کلام	نظم	۲۴۲(۱۶)	۷۰۷	۲۹۸
محمدی	محرمات شرعی	"	"	فقہ	"	۱۸۸	۶۸۵	۲۲۹

نظیر	بڑھاپا	قبل	۱۲۵۰	کلام	نظم	۲۴۶(۶)	۷۰۶	۲۹۶
ناسخ	دیوان اول	قریب	″	″	″	۱۹۱	۱۴۲(ب)	۲۳۲
″	″ دوم	″	″	″	″	۱۹۲	″ (ل)	″
″	غزل	″	″	″	″	۲۴۶(۵)	۷۰۶	۲۹۶
وقار (؟)	مجرا	″	″	منقبت	″	۲۴۶	″	″
؟	ترجمۂ کریما	قبل	″	موعظت	″	۲۳۲	۷۰۹و۱۹۱ ل	۲۷۹
نثار	مناقب	″	″	منقبت	″	۲۴۶(۷)	۷۰۰	۲۹۷
شوق	بہار گلشن	″	″	قصہ	″	۲۴۸	۷۸	۳۰۱
رسا	غزل	″	″	کلام	″	۲۴۶(۱۷)	۷۰۷	۲۹۸
حیات (؟)	آب حیات	″	″	فقہ	″	۲۵۴	۷۱۲	۳۰۹
شاہی	انتخاب کلام	″	″	کلام	″	۲۵۳	۳۴۳	۳۰۸
امیر	مناقب	″	″	منقبت	″	۲۴۶(۱۲)	۲۹۷	۲۹۵
″	مرثیہ	″	″	″	″	۲۴۳(۴)	۳۴۴	۲۹۲

(۷) درمیان سنہ ۱۲۵۰ھ و سنہ ۱۳۱۹ھ
۱۸۳۵ء ۱۹۰۰ء

شاہ علی	ترجمۂ شرح چغمینی	قریب	۱۲۵۰	ہیئت	نثر	۲۲۵	۱۵۴	۲۷۴
فیض	فیض جاری		۱۲۵۶	لغت	نظم	۱۹۴	۱۳۵	۲۳۴
″	غزل		″	کلام	″	۲۴۶(۱۸)	۷۰۶	۲۹۸
حسن	″	قبل	۱۲۵۸	″	″	۲۳۹(۹)	۷۰۳	۲۸۸
سید حسینی بادشاہ (؟)	آماؤلی	″	۱۲۶۰	قصہ	″	۱۵۶	۴۰۷	۱۹۱
″	لاڑو کپور	″	″	″	نثر	۱۵۷	۴۰۹	۱۹۲
مرزا	حملۂ حیدری		″	سیر	نظم	۱۵۴	۱۵۰	۱۸۹
؟	اسرار غوثیہ	″	″	″	نثر	۲۴۰	۷۳	۲۸۹
مزاج	دیوان اول	قریب	۱۲۶۱	کلام	نظم	۱۹۵	۱۰۰	۲۳۵

نورالدین	کشف الحاجتہ		۱۲۶۲	قصہ	نثر	۱۸۰	۶۸۳	۲۲۸
فضل	طلسم اعظم		۱۲۶۳	قصہ	نظم	۲۶۰	۳۴۰	۳۱۶
آباد	واسوخت	قبل	۱۲۶۸	مسدس	″	۲۷۴	۷۱۷	۳۳۵
آدم	قصہ بادشاہ روم	″	۱۲۶۹	قصہ	″	۱۶۸	۲۰۲	۲۰۰
رمضان شاہ	قطعہ	″	″	تصوف	″	۱۶۹	۲۰۲ ب	۲۰۱
فقہ ونافض	مجموعہ مناجات	″	۱۲۷۵	″	″	۲۹۴	۸۰۴	۳۱۹
کثیر	وفات نامۂ زہرا	قریب	″	کلام	″	۲۴۲	۳۴۵	۲۹۱
ندا، مسعود، دستگیر	مجموعہ مولود شریف	″	″	″	″	۲۹۳	۸۰۵	۳۲۰
	گلسرنامۂ خاتون جنت	قبل	۱۲۷۶	سیر	″	۱۴۳	۱۱۸	۱۷۷
محمد نعیم مسکین شاہ	اثبات سلوک		″	تصوف	نثر	۱۷۲	۷۵	۲۰۴
″	کلام	قریب	″	″	نظم	۲۹۳	۸۰۵	۳۲۰
واجد علی شاہ	تاریخ بدر		″	انشا و تاریخ	نثر	۲۳۴	۱۴۵	۲۸۱
مزاج	دیوان دوم	″	″	کلام	نظم	۱۹۶	۱۷۱ (ج)	۲۳۹
سید سلطان محی الدین	نکات الواصلین		۱۲۷۹	تصوف	نثر	۱۶۰	۲۰۶	۱۹۴
″	وجدان الحق	قبل	۱۲۸۱	″	نظم	۱۶۱	۲۰۸	۱۹۶
ناظم	دیوان	″	″	کلام	″	۲۵۲	۳۴۲	۳۰۵
فضل الرحمن	چہار گلزار		۱۲۸۰	تاریخ	نثر	۲۵۱	۷۱۰	۳۰۴
حبیب علی شاہ	حبیب المریدین	″	۱۲۸۱	تصوف	″	۱۸۹	۶۸۴	۲۲۹
شعلہ	مسدس اکبر		۱۲۸۷	تاریخ	نظم	۲۹۴	۱۶۸	۳۲۱
لطیف	غزلیات	″	۱۲۸۸	کلام	″	۲۳۹(۷) ۲۴۹(۲۰)	۷۰۳ ۷۰۷	۲۸۷ ۲۹۹
مزاج	دیوان سوم	″	۱۲۹۱	″	″	۱۹۸	۱۷۱ (ب)	۲۳۹
دبیر	سلام	″	۱۲۹۲	منقبت	″	۲۴۹	۷۰۷	۲۹۹
رضا	غزل	″	″	کلام	″	۲۳۹	۷۰۴	۲۸۸
شرف النساء	دیوان	قریب	۱۳۰۰	″	″	۲۴۷	۸۰۰	۲۹۹
بلہار	مناقب	″	″	منقبت	″	۲۴۹(۴)	۷۰۷	۲۹۹

ادیب	غزل	قریب ۱۳۰۰	کلام	نظم	۲۴۳(۲)	۳۴۴	۲۹۲
عصر	دیوان رباعیات	۱۳۱۳	"	"	۱۹۵	۱۰۰	۱۳۵
رونق علی	روضۃ الاقطاب	۱۳۱۹	تاریخ	نثر	۲۵۰	۷۰۹	۳۰۳

۶- تصریحات

اس تذکرے کی طباعت کے اثناء میں معلوم ہوا کہ بعض امور مزید تشریح طلب ہیں یا بعض معلومات یا تاریخ کا اندراج غلط ہوگیا ہے اس لئے ان کی مختصر سی وضاحت درج ذیل ہے :-

(۱) تحفۃ النصائح (مخطوطہ نمبر ۱۶ صفحہ ۳۵) کے مصنف قطب الدین رازی کے حالات میں ان کے مرشد شاہ ابوالحسن کی نسبت جو معلومات درج ہیں اُن میں شاہ ابوالحسن قربی قادری کا نام بھی قابل ذکر ہے یہ جنوبی ہند کے ایک بڑے صوفی اور با فیض بزرگ تھے اور محمد باقر آگاہ (دیکھو مخطوطات ۱۵ تا ۲۳) ان کے خاص معتقد تھے اور اپنی کتابوں میں ان کی مدح لکھی ہے۔

---

(۲) روضۃ الاطہار (مخطوطہ نمبر ۳۹ صفحہ ۶۵) کے مصنف میر نوازش علی خاں شیداؔ کی ایک دوسری مثنوی اعجاز احمدی کے بیان میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ یہ ضخیم کتاب مطبع کریمی بمبئی سے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں خاص اہتمام کے ساتھ (۸۱۴ صفحات میں) چھپ چکی ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۳) کسب محبوبیت (مخطوطہ نمبر ۴۱ صفحہ ۶۶) کے مصنف شاہ صدرالدین کی تحقیق کے سلسلہ میں میسور کے اسی نام کے ایک مشہور مصنف کا تذکرہ ضروری ہے۔ اِن کی بھی کئی کتابیں موجود ہیں اور پروفیسر سروری ان کی تحقیق و ترتیب میں مصروف ہیں۔

---

(۴) عقاید نامہ (مخطوطہ نمبر ۹۴ صفحہ ۷۶) کے مصنف آگاہ کا سنہ ولادت سہو کتابت سے ۱۱۵۵ھ چھپ گیا ہے۔ صحیح ۱۱۵۸ھ ہے۔

---

(۵) ظفر نامہ (مخطوطہ نمبر ۶۵ صفحہ ۹۱) کے تذکرے میں اس کے مطبوعہ نسخے کا بیان چھوٹ گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں مطبع قیومی کانپور سے ۱۵۶ صفحات میں چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے یہاں موجود ہے۔ اس میں تقریباً چار ہزار ابیات ہیں۔ اور اس کے مرتب محمد قمر الدین نے طبع کے وقت قدیم زبان و محاورہ کو غلط سمجھ کر اس میں نامناسب رد و بدل کردیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں یہ نوٹ درج ہے:-

"بعض جا بضرورت اصلاح کردی۔ اور اکثر جا مطابق اصل اور محاورۂ زبان مصنف کے رہنے دیا۔ اور بعض اشعار ناموزوں تھے اور بعض میں قافیہ نہ تھا۔ اس کو بنا دیا۔"

---

(۶) مدح میراں (مخطوطہ نمبر ۱۱۵ صفحہ ۱۵۰) کے مصنف شاہ میر کے حالات میں میسور کے شہ میر کا تذکرہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

---

(۷) تنبیہ النساء (مخطوطات نمبر ۱۳۴ تا ۱۳۸ صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۳) کے مصنف خواجہ رحمت اللہ کے حالات زندگی ان کے ایک معتقد محمد نظام الدین قادری نے ۱۱۰۸ھ میں ایک فارسی کتاب عقیدۃ الطالبین میں قلمبند کئے تھے جو ۱۳۲۵ھ میں مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ مرحوم کی فرمایش پر مطبع یوسفی حیدرآباد سے ۸۸ صفحات میں شایع ہو چکی ہے۔

اسی سلسلہ میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ خواجہ رحمت اللہ نے جس اودگیر میں قیام کیا تھا وہ بیدر کے قریب کا قلعہ اودگیر نہیں ہے۔

یہ جنوبی ہند کا ایک دوسرا مقام ہے جہاں کی لڑائی انگریزی تاریخوں میں مشہور ہے۔

---

(۸) تنبیہ النساء (مخطوطہ نمبر ۱۳۸ صفحہ ۱۷۳) کا یہ نسخہ ناقص الآخر نہیں بلکہ ناقص الاول ہے۔

---

(۹) وفات نامۂ زہرا (مخطوطات نمبر ۱۴۰، ۱۴۱ صفحات ۱۷۵-۱۷۶) بمبئی میں ۱۲۶۱ھ میں دوسری مثنویوں لعل و گوہر، قصۂ تمیم انصاری، لیلیٰ مجنوں وغیرہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ بھی ادارے میں موجود ہے۔ اس میں (۱۹۰) ابیات ہیں۔ لیکن ادارے کے مذکورہ مخطوطات میں ابیات کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔

---

(۱۰) دُرِ اسرار (مخطوطہ نمبر ۱۷۰ صفحہ ۲۰۱) خواجہ بندہ نوازؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایک صوفی شاعر سلطان کی کتاب ہے اس کی کچھ وضاحت مخطوطہ نمبر ۲۱۸ میں درج ہے۔

---

(۱۱) چہار کرسی (مخطوطہ نمبر ۱۸۰ صفحہ ۲۱۷) کے مصنف اشرف الدین عرف دامو میاں کی نسبت یہ واقعہ غلط ہے کہ انہوں نے خطابت بودھن کی معاش منشی وقارالدین کو عطا کردی تھی۔ وہ منشی صاحب موصوف کے ماموں تھے نہ کہ بھائی۔ وقارالدین مرحوم کو بودھن کی خطابت اپنے بڑے بھائی سے حاصل ہوئی تھی۔

---

(۱۲) مجذوب السالکین (مخطوطہ نمبر ۱۸۱ صفحہ ۲۱۸) کے تذکرے میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے سفر قندھار کا جو واقعہ درج ہے اس میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس وقت تک حضرت سید علی سانگڑے سلطان مشکل آسان کا وصال نہیں ہوا تھا۔

---

(۱۳) نظم شادی (مخطوطہ نمبر ۱۴۲ صفحہ ۲۹۱) کے مصنف شاہ عظیم الدین نے ۱۲۱۴ھ میں ایک مثنوی قصہ "بیرالعلم" لکھی تھی جس میں ۲۵۰ ابیات ہیں۔ اور یہ مثنوی ۱۲۶۱ھ میں چند اور قصوں کے ساتھ بمقام بمبئی طبع ہو چکی ہے اور یہ مطبوعہ نسخہ ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۱۴) واسوخت آباد (مخطوطہ نمبر ۲۷۴ صفحہ ۳۳۵) کے تذکرے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس مصنف کے دو اور واسوخت مجموعۂ شعلہ جوالہ کی جلد اول کے صفحات ۲۳۵ تا ۲۶۱ میں مطبع منشی نولکشور سے ۱۲۸۵ھ میں چھپ چکے ہیں۔ ان میں پہلا واسوخت بہت طویل ہے

کیونکہ اس میں ۹۸ بند ہیں۔ یہ مطبوعہ مجموعہ بھی ادارے میں محفوظ ہے۔

---

(۱۵) مخطوطات نمبر ۱۷۵ تا ۱۷۹ مولوی خواجہ حمید الدین صاحب شاہد بی اے مدیر سب رس و مہتمم ادارہ کا عطیہ ہیں۔ افسوس ہے ان کتابوں کے تذکرے میں اس واقعہ کا اندراج سہواً نہ ہو سکا۔ اگرچہ بعد کو معطئین کی فہرست میں ان کو شریک کر لیا گیا ہے۔

۷۔ اشاریہ

اس تذکرے میں اشخاص، کتب و رسائل اور مقامات کے نام اس کثرت سے آئے ہیں کہ ان کے اشاریہ کی ترتیب ایک مشکل کام تھا لیکن مولوی محی الدین احمد صاحب متعلم بی اے جامعہ عثمانیہ لائق مبارک باد ہیں کہ انھوں نے کئی ماہ کی محنت کے بعد اس کو مکمل کر لیا جس کے لئے منجانب ادارہ ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

(ا)

(ب)

(ش)

(ص)

(غ)

(ف)

(ق)

یکہ تاز جنگ ۔۱۳۲ یورپ میں دکنی مخطوطات ۲۰۷، ۲۴۰، ۲۵۳، ۲۵۶، ۲۶۳ ۔

یوسف علی خاں (دیکھو ناظم)

یوسف زلیخا ۲۷، ۳۳۲-۳۳۳ ۔